خطباتِ

حکیم الامتؒ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240

خطبات حکیم الامت جلد - ۲۰

حقوق الزوجین

(جدید ایڈیشن)

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

عنوانات تصحیح :
صوفی محمد اقبال قریشی مدظلہ

تخریج احادیث :
مولانا زاہد محمود قاسمی

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

حقوق الزوجین

تاریخ اشاعت.................. ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ
ناشر..........................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت......................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان — مکتبہ رشیدیہ.......راجہ بازار.......راولپنڈی
ادارہ اسلامیات.......انارکلی.......لاہور — یونیورسٹی بک ایجنسی.....خیبر بازار.......پشاور
مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار......لاہور — ادارۃ الانور.......نیوٹاؤن.......کراچی نمبر 5
مکتبہ رحمانیہ.......اردو بازار.......لاہور — مکتبہ المنظور الاسلامیہ....جامعہ حسینیہ....علی پور
مکتبہ المنظور الاسلامیہ..........بلاک زیڈ.......مدینہ ٹاؤن.......بنک موڑ.......فیصل آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K — 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE — BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

عرض ناشر

خطبات حکیم الامت جلد نمبر ۲۰ ''حقوق الزوجین''

جدید اشاعت سے مزین آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ کے فضل وکرم اور اپنے اکابرین کی دعاؤں کے طفیل کافی عرصہ سے خطبات کی اشاعت کا ادارہ کو شرف حاصل ہو رہا ہے۔

بہت سے بزرگوں کی تمنا تھی کہ ان کی احادیث مبارکہ کی تخریج ہو جائے۔ ادارہ نے زر کثیر خرچ کر کے یہ کام محترم جناب مولانا زاہد محمود صاحب (فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان) سے یہ کام کرایا اور فارسی اشعار اور عربی عبارات کا ترجمہ اور اس کے ساتھ ساتھ تصحیح کا کام حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ نے سرانجام دیا۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے آمین

احقر: محمد اسحٰق عفی عنہ

ربیع الاول ۱۴۲۹ھ بمطابق مارچ 2008ء

اجمالی فہرست

فہرست عنوانات

حقوق البیت

الکمال فی الدّین للنساء

العاقلات الغافلات

عضل الجاھلیہ

الاستماع والاتباع

منازعة الهوىٰ

غایته النجاح فی آیاة النکاح

حقوق البیت

یعنی

حقوقِ خانہ داری

مستورات کی اصلاح وتعلیم کی ضرورت، مردوں عورتوں کے باہمی حقوق نیز اُمورِ خانہ داری کی اصلاح سے متعلق یہ وعظ، مورخہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ بوقت شب بمقام غازی پور سیکرٹری صاحب کے مکان میں بیٹھ کر بیان فرمایا، جو ایک گھنٹہ ۵۵ منٹ میں ختم ہوا۔ مسودہ اجمالی مولانا سعید احمد صاحبؒ نے ضبط کیا اوران کے برادرِ خرد جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے تفصیل کی۔

خطبہ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عَلَيه ونعوذُ بالله من شُرورِ اَنفُسنَا ومن سيئَاتِ اعمالِنا من يهدِهِ اللهُ فلا مُضلَّ لَه ومَن يُضلِلهُ فَلا هَادىَ لَه ونشهَدُ ان لا اله الاَّ الله وحده لا شَرِيك له ونشهد اَنَّ سيِّدنَا ومولانا مُحمّداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اله واصحابه وبارک وسلّم.

امَّا بعد فَقَد قَالَ النَّبِيُ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُم رَاعٍ وَكُلُّكُم مَسئُولٌ عَن رَعِيَّتِه[۱] الحديث:

(ترجمہ: ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے ہر ایک حکمران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔)

تمہید

یہ ایک حدیث ہے یعنی ارشاد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا، اس میں ایک ضروری مضمون ہے جو اس وقت کی ضرورت و مصلحت کے مناسب ہے یعنی اس وقت زیادہ ضرورت مستورات کو سنانے کی ہے۔ اس لئے میں نے ایک ایسا مضمون اختیار کیا ہے جس میں ان کے متعلق بعض ذمہ داریوں کا ذکر ہے یعنی حقوق خانہ داری کا کیونکہ مرد کا گھر عموماً ان کے سپرد ہوتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس کے متعلق ان کو احکام شرعی معلوم ہوں، ہر چند کہ اس میں بعض مضامین مردوں کے متعلق بھی بیان ہوں گے مگر زیادہ مقصود اس وقت عورتوں کو سنانا ہے کیونکہ ان کو خود بھی علم کم ہوتا ہے اور علمی مجلس بھی میسر نہیں ہوتی۔ مواعظ کے سننے کا بھی ان کو اتفاق کم ہوتا ہے اور مرد تو اکثر اپنے متعلق احکام سنتے رہتے ہیں اور جس بات کو چاہیں اہل علم سے دریافت بھی کر سکتے ہیں۔

---

[۱] الصحيح للبخاري: ۲، سنن أبي داؤد كتاب الخراج باب: ۱، سنن الترمذي: ۱۷۰۵

مقصد بیان

اس وقت جو حدیث میں نے تلاوت کی ہے، یہ ایک طویل حدیث ہے جس کا ایک ٹکڑا میں نے اسوقت پڑھا ہے۔ تمام حدیث کو احتیاط کی وجہ سے نقل نہیں کیا کیونکہ پورے الفاظ یاد نہ تھے۔ اسی لئے میں نے الحدیث کہہ دیا تھا تا کہ معلوم ہو جاوے کہ یہ پوری حدیث نہیں بلکہ اس کے اور بھی اجزاء ہیں جو یاد نہیں رہے۔ مگر مضامین قریب قریب سب محفوظ ہیں۔ بعض یقیناً بعض ظناً...... اور دراصل وہ سب مضامین اسی جملہ کی تفاصیل ہیں جو میں نے اسوقت پڑھا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول ایک قاعدہ کلیہ اجمالاً بیان فرمایا ہے۔ پھر اس کے چند جزئیات بطور تفصیل کے بیان فرمائے ہیں اس وقت میں نے اجمالی مضمون کے الفاظ تو نقل کر دیئے۔ تفصیلی مضمون کے الفاظ نہیں پڑھے، کیونکہ وہ بلفظہا یاد نہ تھے اور ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ اس اجمال میں وہ سب تفصیل مندرج ہے۔ بہرحال وہ اجمالی مضمون جو بطور قاعدہ کلیہ کے ارشاد ہوا ہے۔ **كُلُّكُم رَاعٍ وَكُلُّكُم مَسئُول عَن رَعِيَّتِهٖ** (تم میں سے ہر ایک حکمران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا) ہر ایک تم میں سے بااختیار ہے (اور ہر کسی چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے) اور ہر ایک سے پوچھا جاوے گا کہ تمہارے سپرد جو چیزیں تھیں ان میں تم نے کیا کیا۔ یہ ہے اجمالی مضمون کا حاصل۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی ہے جس کے دو جزو تو یقیناً یاد ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔ **وَالمَرأَةُ رَاعِيَته عَلىٰ بَيتِ زَوجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسئُولَة عَنهم متفق عليه**۔ (اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور اس کی اولاد کی حاکم ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا) کہ عورت کے متعلق شوہر کا گھر ہوتا ہے اور اس کے بال بچے ان میں اسکو اختیار دیا گیا ہے اور ان کے متعلق اس سے دریافت کیا جاوے گا کہ تم نے شوہر کے گھر اور اولاد کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اس کے بعد ایک جزو یہ ہے۔ **وَعَبدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلىٰ مَالِ سَيِّدِهٖ وَهُوَ مَسئُول عَنهُ متفق عليه**۔ یعنی غلام خادم اپنے آقا کے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے وہ بھی مفوض الیہ ہے اس لئے اس سے بھی پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنے آقا کے مال میں کس طرح تصرف کیا۔ یہ دو جزو تو یقیناً

ہیں۔ تیسرا جزو شاید یہی ہے کہ ہر شخص اپنے گھر میں با اختیار ہے اور اس سے گھر والوں کے متعلق سوال ہوگا کہ تو نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور ان کے حقوق ادا کئے یا نہیں۔

قلت ونص الحديث هذا فالا مام الذى على الناس راعٍ وهو مسئولٌ عن رعيّتهٖ والرجل راعٍ على اهل بيته ومسئول عن رعيته وذكر بعده المرأة والعبد ثم قال اَلاَ فَكُلكُم رَاعٍ وكُلُّكُم مَسئُولٌ عَن رَعِيَّتِهٖ متفق عليه. كذا فى المشكوٰة (٢٧٠) وفى الترغيب عن انس بن مالك رضى الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا استَرعَاهُ حَفِظَ اَم ضَيَّعَ[1] رواه ابن حبان فى صحيحه اهـ (٣٠١)

اور تیسرا جزو یعنی (والرَّجُلُ رَاعٍ) قرآن میں بھی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں یاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا قُوا اَنفُسَكُم وَاَهلِيكُم نَاراً۔ اس میں ایمان والوں کو صاف حکم ہے کہ جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بھی بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی تو اس کا بھی وہی مطلب ہو گیا جو اَلرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهلِ بَيتِهٖ کا تھا کہ مرد اپنے گھر والوں کی اصلاح کا ذمہ دار ہے بلکہ قرآن میں جن لفظوں سے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے اس میں رجال کی بھی تخصیص نہیں بلکہ یاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا (اے ایمان والو!) میں تغلیباً عورتیں بھی داخل ہیں جیسا کہ قرآن میں تمام جگہ یہی طرز ہے کہ عورتوں کو مستقلاً خطاب نہیں کیا جاتا بلکہ مردوں کے ساتھ طبعاً انکو بھی خطاب ہوتا ہے تو یہاں بھی اس قاعدہ کے موافق یہ خطاب مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے تو عورتوں کے لئے بھی یہ بات ضروری ہوئی ہے کہ وہ اپنے خاوند اور اولاد کو جہنم کی آگ سے بچادیں اور ان کو خلافِ شرع امور سے روکنے میں کوشش کریں۔ قرآن میں تو یہ مضمون عورتوں کے متعلق اجمالاً ہے اور حدیث میں اجمالاً بھی ہے اور تفصیلاً بھی۔ بہر حال خواہ اجمالاً ہو خواہ تفصیلاً قرآن و حدیث دونوں بتلا رہے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے متعلق کچھ حقوق ہیں جن کے متعلق ان سے باز پرس ہوگی۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم اپنی حالت میں غور کریں کہ ہم لوگ ان احکام کے ساتھ کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔ آیا ان کا امتثال کرتے ہیں یا نہیں تو غور کرنے سے

---

[1] سنن الترمذی: ۱۷۰۵، کنز العمال: ۱۴۶۳۶

معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو مردان حقوق کو ادا کرتے ہیں جو ان کے ذمہ ہیں اور نہ عورتیں۔ اور اسی وجہ سے میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہے تاکہ عورتیں بالخصوص اور مرد بھی متنبہ ہوں کہ ان کے ذمہ کیا کیا حقوق ہیں اور انکے ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

حقیقت حقوق خانہ داری

اب یہ سمجھئے کہ وہ حقوق کیا ہیں کیونکہ اپنی کوتاہی کا علم بھی اسی سے ہوگا اور اب تک کوتاہی کا علم نہ ہونا بھی اسی وجہ سے ہے کہ ہم ان حقوق سے واقف نہیں۔ مردوں نے تو اپنے ذمہ عورتوں کے یہ حقوق سمجھ رکھے ہیں کہ کھانے کو دیدیا۔ کپڑا دے دیا۔ زیور دیدیا۔ گھر دیدیا۔ اور کبھی بیمار ہوئیں تو علاج کر دیا۔ کبھی کوئی فرمائش کی تو اس کو پورا کر دیا۔ اور عورتیں اپنے ذمہ مردوں کے یہ حقوق سمجھتی ہیں کہ کھانا پکا کے دیدیا۔ رات کو بستر کر دیا۔ اور دھوبن کو مردوں کے کپڑے شمار کر کے دیدیئے اور جب لائی تو شمار کر کے لے لئے اور حفاظت سے بکس میں بند کر کے رکھدیئے اور شمار کر کے دینا لینا بھی بعض گھروں میں ہے ورنہ اکثر تو یہ کہتی ہیں کہ ہماری دھوبن بڑی ایماندار ہے یہ خود گن کر لیجاتی ہے اور پورے کپڑے دے جاتی ہے۔ پھر دیتے ہوئے کپڑوں کی شمار ہوتی ہے نہ لیتے ہوئے۔ دھوبن کی ایمانداری پر اعتماد ہے اور وہی مختار کل ہے جو چاہے کرے۔ اسی طرح پسنہاری کو بھی خود وزن کر کے غلہ نہیں دیا جاتا اسی سے کہہ دیتی ہیں کہ اپنے آپ وزن کر کے اتنی دھڑی لے جائے چاہے وہ چار دھڑی کی جگہ پانچ لے جائے اور ان سے چار ظاہر کرے پھر جب وہ آٹا پیس کر لاتی ہے اس وقت بھی وزن نہیں کیا جاتا۔ وہی پسنہاری خود تول کر برتنوں میں بھر دیتی ہے اور آئندہ کے لئے دوبارہ اناج لے جاتی ہے۔ گھر والوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ پہلی پسائی کتنی تھی اور اگلی کتنی۔ پس مہینہ ختم ہونے پر جتنی رقم پسنہاری نے بتلا دی وہی اس کے ہاتھ پر رکھدی۔ میں نے اپنے گھر میں دیکھا ہے کہ ایک پسنہاری کی بہت سی پسائیاں چڑھی ہوئی تھیں اور گھر میں نہ کوئی حافظہ تھی نہ کوئی ضابطہ تھا بعض دفعہ گھر والوں پر پسنہاری میں اختلاف ہوتا وہ کچھ کہتی پسنہاری کچھ کہتی مگر حجت کسی کے پاس نہ تھی بالآخر جھک مار کر وہی دینا پڑتا تھا جو پسنہاری نے بتلا دیا اور جن گھروں میں حساب کا خیال بھی ہوتا ہے تو وہاں یہ طریقہ ہے کہ دیوار پر کوئلہ سے لکیر کھینچ دیتی ہیں۔ جب ایک دھڑی پس

کر آئی انہوں نے اسی وقت دیوار پر لکیر کھینچ دی۔ میں نے دیکھا کہ ایک مکان میں تمام دیوار سیاہ تھی حالانکہ دیوار کی لکیر کوئی معتبر چیز نہیں۔ ذرا سا ہاتھ لگنے سے مٹ سکتی ہے اور پسنہاری ایک آدھ لکیر بڑھا بھی سکتی ہے پھر اس صورت میں وہی دینا پڑے گا جو پسنہاری بتلادے۔ (اس سے تو آسان صورت یہ ہے کہ قلم اور دوات سے کسی تختی یا کاغذ ہی پر جو اپنے قبضہ میں رہے لکیر کھینچ دیا کریں تاکہ کمی بیشی کے احتمال سے تو محفوظ رہے مگر گھروں میں اس کا مطلق اہتمام نہیں ۱۲) وجہ یہ کہ عورتیں ان کاموں کو اپنے ذمہ سمجھتی ہی نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے ذمہ صرف اتنا سمجھتی ہیں کہ مردوں کو کھلا دیا پلا دیا۔ اور اگر کوئی بچہ ہوا تو اس کو ہگا موتا دیا اور یہ بھی اسوقت کہ گھر میں بچہ کے لینے کو کوئی آدمی نوکر نہ ہو اور یہ کام انہیں خود کرنا پڑے۔ ورنہ انکو اسکی بھی خبر نہیں ہوتی کہ بچے کہاں ہیں اور کس طرح ہیں اور اگر گھر میں کھانا پکانیوالی بھی نوکر ہوئی تو ان کو چولہے کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ اب نوکرانی سیاہ وسفید جو چاہے کرے۔ غرض شوہر کے مال کی حفاظت کا عورتوں کو مطلقاً خیال نہیں ہوتا۔ اسی طرح مردوں کو عورتوں کے حقوق میں سے صرف بعضے دنیوی امور کا اہتمام ہے یعنی زیور کپڑے کا یا کھانے پینے کا۔ باقی ان کے دین کی اصلاح کا کچھ بھی اہتمام نہیں تو دونوں نے دو قسم کی کوتاہیاں کر رکھی ہیں دو قسم کی مردوں نے اور دو قسم کی عورتوں نے مجموعہ چار قسم کی کوتاہیاں ہوئیں۔

حق وکوتاہی

مردوں سے ایک کوتاہی تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ذمہ صرف دنیوی حقوق سمجھتے ہیں دینی حقوق اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں کہ ہمارے ذمہ ان کے دین کا بھی کوئی حق ہے مثلاً گھر میں آکر یہ تو پوچھتے ہیں کہ کھانا تیار ہوا یا نہیں مگر یہ کبھی نہیں پوچھتے کہ تم نے نماز بھی پڑھی یا نہیں۔ اگر کھانا کھانے گھر میں آئے اور معلوم ہوا کہ ابھی تیار نہیں ہے تو خفا ہوتے ہیں یا تیار تو ہو گیا مگر مرضی کے موافق تیار نہیں ہوا تب بھی خفا ہوتے ہیں اور اگر کبھی یہ معلوم ہوا ہو کہ بیوی نے اس وقت کی نماز ابتک نہیں پڑھی تو ان کو ذرا بھی ناگوار نہیں ہوتی نہ بی بی پر خفا ہوتے ہیں، بلکہ اگر کسی کی بی بی عمر بھر بھی نماز نہ پڑھے تو بہت مردوں کو اس کی بھی پرواہ نہیں ہوتی ....

اور جو کبھی کسی کو کچھ خیال بھی ہوتا ہے اور یہ وہ ہیں جو دیندار کہلاتے ہیں تو وہ بھی

یونہی چلتی سی بات کہہ دیتے ہیں کہ بی بی نماز پڑھا کرو نماز کا ترک کرنا بڑا گناہ ہے۔ بس اتنا کہہ کر اپنے نزدیک یہ سبکدوش ہو گئے اور جب کسی نے ان سے کہا کہ تم اپنی بی بی کو نماز کے لئے تنبیہ کیوں نہیں کرتے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ کہہ تو دیا تھا اب وہ نہیں پڑھتی تو میں کیا کروں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ انصاف سے بتایئے کیا آپ نے نماز کے لئے اسی طرح کہا تھا جیسے نمک تیز ہونے پر کہا تھا۔ اور اگر ایک دو دفعہ کے کہنے سے اس نے نمک کی درستی کا اہتمام نہ کیا تو وہاں بھی آپ ایسے ہی خاموش ہو جاتے ہیں جیسے نماز کے لئے ایک دو دفعہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ ہرگز نہیں...... نمک تیز ہونے پر تو آپ سر توڑنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں اور ایسی بُری طرح خفگی ظاہر کرتے ہیں کہ بی بی سمجھ جاتی ہے کہ میاں بہت ناراض ہو گئے ہیں اس لئے وہ بہت جلد نمک کی اصلاح کا اہتمام کرتی ہے۔

صاحبو! نماز کے لئے آپ نے اس طرح کبھی نہیں کہا جس سے بی بی سمجھ جائے کہ میاں بہت ناراض ہو گئے ہیں۔ اگر یہاں بھی اسی طرح خفگی ظاہر کرتے تو وہ اس کا بھی ضرور اہتمام کرتی اور اگر ایک دفعہ کے کہنے سے نہ پڑھتی تو دوسرے وقت پھر خفا ہوتے پھر نہ پڑھتی تو تیسری وقت پھر کہتے اور جب تک وہ نماز نہ پڑھتی برابر کہتے رہتے اور مختلف طریقوں سے اپنی خفگی ظاہر کرتے۔ مثلاً پاس لیٹنا ترک کر دیتے یا اس کے ہاتھ کا پکا ہوا نہ کھاتے۔ جیسا کہ نمک کی تیزی پر اگر ایک بار خفا ہونے سے اثر نہ ہوا تو آپ خاموش نہیں ہو جاتے بلکہ برابر کہتے رہتے ہیں اور وہاں کبھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اتنی دفعہ تو کہہ دیا ہے اب بھی وہ نہیں مانتی تو میں کیا کروں۔ بس خاموش ہو جاؤں۔

صاحبو! انصاف سے بتلایئے کہ ہم نے کبھی کھانے پینے کے باب میں بھی اپنے جی کو اس طرح سمجھا لیا ہے جیسا نماز کے باب میں سمجھا لیا جاتا ہے ہرگز نہیں۔ تو یہ سراسر کوتاہی ہے اگر آپ بی بی کو نمازی بنانا چاہیں تو کچھ دشوار بات نہیں کیونکہ عورت حاکم نہیں بلکہ محکوم ہے۔ چنانچہ اپنی اغراض کے لئے ان پر حکومت بھی کی جاتی ہے مگر دین کے لئے اس حکومت سے ذرا کام نہیں لیا جاتا، ایک تو یہ کوتاہی ہے۔ دوسری کوتاہی یہ ہے کہ ان کے حقوق دنیویہ کو بھی پوری طرح اپنے ذمہ نہیں سمجھتے۔ بس دنیوی حقوق میں انہی باتوں کو اپنے ذمہ سمجھتے ہیں۔ جو

عرفاً مردوں کے ذمہ سمجھی جاتی ہیں اور جو حقوق معاشرت کے شریعت نے ہمارے ذمہ کئے ہیں ان کو عموماً مرد اپنے ذمہ نہیں سمجھتے مثلاً بعضے گھروں میں دیکھا ہے کہ مرد بیوی سے بالکل لاپرواہ رہتا ہے۔ سال بھر باہر بیٹھک میں سوتے ہیں گھر میں نہیں سوتے۔ اب یا تو کہیں اور تعلق پیدا کیا جاتا ہے یا ویسے ہی باہر سوتے رہتے ہیں اور بیوی کے اس حق سے غافل ہیں حالانکہ رات کو اس کے پاس سونا بھی شرعاً اس کا حق ہے۔ بعض جگہ دیکھا ہے کہ مرد عورتوں سے بولتے بھی نہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو بزرگ کہلاتے ہیں یا کسی بزرگ کے مرید ہیں۔ نماز روزہ اور ذکر و شغل کے پابند ہیں اپنے نزدیک جنت خرید رہے ہیں۔ مگر بیوی کے حقوق سے غفلت۔ یاد رکھو بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ ایک وقت میں اس سے بات چیت کی جائے اور اس کی تکلیف و راحت کی باتیں سنی جائیں اور دل جوئی کی باتوں سے اس کو خوش کیا جائے مگر اس حق سے دنیادار اور دیندار سب ہی غافل ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں بس کھانا کپڑا ہی اپنے ذمہ سمجھ لیا ہے۔ بعض جگہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بات بات میں عورتوں کی خطائیں نکالی جاتی ہیں اور ان کی وجہ سے بات چیت ترک کی جاتی ہے یا گھر میں سونا چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ دو قسم کی خطائیں ہیں۔ بعض تو اختیاری ہیں جن میں عورتوں کے اختیار کو دخل ہے مگر وہ اس درجہ کی نہیں ہوتی کہ ان پر اتنی بڑی سزا دی جائے چنانچہ عورتوں کی ایک خطا بیان کی جاتی ہے کہ وہ گفتگو میں مرد کے آگے لچتی نہیں ہیں اور برابر جواب دیئے چلی جاتی ہیں حالانکہ وہ محکوم ہیں۔ ان کو محکوم بن کر رہنا چاہئے۔

حقیقت تعلق زوجین

سو میں کہتا ہوں کہ عورت بیشک محکوم ہے لیکن وہ ایسی محکوم نہیں ہے جیسے ماما یا لونڈی محکوم ہوتی ہے بلکہ اس کو مرد کے ساتھ دوستی کا تعلق بھی ہے اور اس تعلق کا خاصہ ہے کہ اس میں ایک قسم کا ناز بھی ہوتا ہے۔ اس تعلق کے ساتھ مرد کا عورت پر وہ رعب نہیں ہوسکتا جو نوکروں پر ہوا کرتا ہے۔ مرد یہ چاہتے ہیں کہ بیوی پر بھی اسی طرح رعب جمائیں جس طرح نوکر پر جمایا کرتے ہیں۔ یہ نہایت سنگ دلی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اس تعلق کی حقیقت کو سمجھا نہیں، (بھلا غور تو کیجئے کہ کیا آپ اپنے دوستوں پر ویسا رعب جما سکتے ہیں جیسا نوکروں پر جمایا جاتا

ہے ہرگز نہیں اور اگر آپ ایسا کرنے لگیں تو سارے احباب آپ کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں دوستوں کے ساتھ نوکروں کا سا برتاؤ کوئی عاقل نہیں کر سکتا پھر حیرت ہے کہ آپ بیوی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔ تجربہ ہے کہ زمانہ افلاس و مصیبت میں سب احباب الگ ہو جاتے ہیں اور ماں باپ تک انسان کو چھوڑ بیٹھتے ہیں مگر بیوی ہر حالت میں مرد کا ساتھ دیتی ہے۔ اسی طرح بیماری میں جیسی راحت بیوی سے پہنچتی ہے کسی دوست سے بلکہ ماں باپ سے بھی نہیں پہنچتی اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیوی کے برابر دنیا میں مرد کا کوئی دوست نہیں۔ پھر کیا یہ ستم نہیں ہے کہ مرد ان کو نوکروں کے برابر کرنا چاہتے ہیں۔

اور اگر وہ کسی وقت گفتگو میں اپنے اس تعلق کی بناء پر بطور ناز کے برابری کرنے لگیں تو اس پر یہ سزا دی جاتی ہے کہ بولنا چالنا، پاس بیٹھنا، اٹھنا یکلخت بند کر دیا جاتا ہے۔ (۱۲ جامع)

صاحبو! یہ وہ تعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بعض دفعہ ازواج مطہرات ناز میں آ کر برابر کے دوستوں کا سا برتاؤ کرتی تھیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کون ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کمال میں بے نظیر تھے کوئی آپ کے برابر نہ تھا۔ نیز اس کے ساتھ آپ صاحب سلطنت تھے رعب سلطنت بھی آپ میں بہت زیادہ تھا (چنانچہ حدیث میں ہے کہ مہینہ بھر کی مسافت تک آپ کے رعب کا اثر پہنچتا تھا کہ سلاطین آپ کا نام سن سن کر کانپتے تھے ۱۲ جامع) مگر بایں ہمہ بیبیوں پر آپ نے کبھی رعب سے اثر نہیں ڈالا بلکہ ان کے ساتھ آپ کا ایسا برتاؤ تھا جس میں حکومت اور دوستی کے دونوں پہلو ملحوظ رہتے تھے تعلق حکومت کا تو یہ اثر تھا کہ ازواج مطہرات حضور کے احکام کی مخالفت کبھی نہ کرتی تھیں آپ کی تعظیم اور ادب اس درجہ کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی کی عظمت[۱] بھی ان کے دل میں حضورؐ کے برابر نہ تھی اور

---

[۱] چنانچہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ ابوسفیان بن حرب ایک دفعہ اسلام لانے سے پہلے مدینہ منورہ میں آئے اور اپنی بیٹی کے پاس قیام کیا تو گھر میں داخل ہو کر انہوں نے ایک بستر پر بیٹھنا چاہا جو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک تھا۔ حضرت ام حبیبہؓ نے نہایت سرعت سے اس بستر کو لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور اپنے باپ کو اس پر بیٹھنے نہ دیا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیٹی یہ بستر تم نے اس لئے تہہ کر دیا کہ میرے قابل نہ تھا یا اس لئے لپیٹا ہے کہ میں اس کے قابل نہ تھا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تم ناپاک مشرک ہو ابوسفیان یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے اور کچھ دیر خاموش رہ کر کہا کہ افسوس میرے بعد تیری حالت بدل گئی ۱۲۔

تعلق دوستی کا یہ اثر تھا کہ بعض دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ پر ناز کرتیں مگر کبھی آپ کو ناگوار نہ ہوتا تھا مثلاً جس وقت قصہ اِفک ہوا اور منافقین نے حضرت صدیقہؓ پر بہتان باندھا تو اول اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت دلگیر رہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جبکہ وہ اپنے باپ کے گھر پر تھیں یہ فرمایا کہ اے عائشہ اگر تم بالکل بَری ہو تو حق تعالیٰ تمہاری براءت ظاہر کر دیں گے۔ اور اگر واقعی تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو حق تعالیٰ سے توبہ واستغفار کر لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات سے بہت رنج ہوا، (کیونکہ اس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا تھا کہ حضور کو بھی (نعوذ باللہ) میری نسبت کچھ احتمال ہے۱۲) تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتی کہ اس بات کا کیا جواب دوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بالکل بَری ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بالکل بَری ہوں تو اس کو آپ لوگوں کے دل قبول نہ کریں گے۔ اور اگر میں یہ کہہ دوں کہ ہاں مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے بَری ہوں تو اس بات کو آپ فوراً تسلیم کر لیں گے پس اس وقت میں وہی بات کہتی ہوں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمائی تھی فَصَبر جَمِيل وَاللهُ المُستَعَانُ عَلىٰ مَا تَصِفُونَ۔ (پس صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا اور جو باتیں تم بناتے ہو اس میں اللہ ہی مدد کرے) یہ کہہ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرطِ غم سے بستر پر لیٹ گئیں اور رونے لگیں۔ تو اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کے آثار نمایاں ہوئے اور مکان میں سناٹا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وحی ختم ہو چکی تو پہلی بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی وہ یہ تھی اَبشِری يَا عَائِشَةُ فَقَد بَرأكِ اللهُ[۱] یعنی اے عائشہ خوشخبری سن لو کہ حق تعالیٰ نے تمہاری براءت ظاہر کر دی پھر آپ نے وہ آیات پڑھ کر سنائیں جو اس وقت نازل ہوئیں تھیں۔ اس بات کے سنتے ہی سب کو ایسی خوشی ہوئی کہ سارے گھر میں ہر شخص کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ اور حضرت عائشہ کی والدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا قُومِي يَا عَائِشَةُ اِلَيهِ وَقَبلِي (ای الی وجه رسول الله صلی الله علیه وسلم) یعنی اے عائشہ اٹھو یعنی حضور کو سلام کرو، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا، وَاللهِ لَا اَقُومُ اِلَيهِ وَاِلَيَّ لَا اَحمَدُ اِلَّا اللهَ عَزَّوَ جَلَّ۔ بخدا میں آپ کے پاس اٹھ

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ۳۲:۶، تفسیر الطبری ۷٦:۱۸، الصحیح للبخاری ۱۳٦:٦، الصحیح لمسلم کتاب التوبہ: ٥٦

کر نہ جاؤں گی اور میں اپنے خدا کے سوا کسی کی حمد نہیں کرتی۔ کیونکہ آپ نے تو مجھے آلودہ سمجھ ہی لیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بَری کیا۔

اب مردوں کو سمجھنا چاہئے کہ حضرت عائشہؓ کی یہ بات کس بنا پر تھی اس کا منشاء وہی ناز تھا جو بی بی کو تعلق دوستی کی وجہ سے شوہر پر ہوتا ہے اور شریعت نے عورتوں کی اس قسم کی باتوں پر جو وہ ناز میں کہہ ڈالیں کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ اگر عورت کو ناز کا حق نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو اس بات پر ضرور تنبیہ فرماتے کیونکہ ظاہر میں یہ کلمہ نہایت سخت تھا اور یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں کسی کی رعایت فرمائیں۔ چنانچہ ایک عورت نے چوری کی تھی جن کا نام فاطمہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ شرعی کے موافق ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، لوگوں نے سفارش کرنا چاہی اور حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ بن حارثہ کو سفارش کے لئے تجویز کیا۔ کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور محبوب زادے تھے چنانچہ وہ بھولے بھالے سفارش کرنے بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت برہم ہوئے۔ اور فرمایا کہ حدود میں سفارش کرنا پہلی امتوں کو ہلاکت میں ڈال چکا ہے۔ اس کے بعد ایسی بات فرمائی کہ ہم تو اس کو نقل بھی نہیں کر سکتے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سمجھ کر نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتی (نعوذ باللہ، نعوذ باللہ، نعوذ باللہ) تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا (پھر فاطمہ مخزومیہ تو کیا چیز ہیں۔ چنانچہ ان کا ہاتھ کاٹا گیا (کذا فی ابوداؤد ص ۲۵۳، جلد ۲) اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ تو اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول خلافِ شریعت ہوتا تو آپ ان کی ہرگز رعایت نہ فرماتے اور ضرور تنبیہ فرماتے یہ بات بیشک ہے کہ حضرت عائشہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت تھی مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایسی خصوصیتیں ہیں کہ ان میں کوئی ان کا شریک نہ تھا اور برتاؤ میں ان خصوصیتوں کا زیادہ ظہور ہوتا تھا۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سفر میں تشریف لے جاتے تو جاتے ہوئے سب سے اخیر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے تھے اور واپسی میں سب سے پہلے ان سے ملتے تھے۔ تا کہ جدائی کا زمانہ کم ہو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت

فاطمہؓ سے کس قدر محبت تھی نیز جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت محبت سے ان کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے تو ان کی محبت کے ساتھ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بھی رعایت نہ کر سکتے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تو کیا رعایت فرماتے پس ثابت ہوا کہ ان کا یہ کہنا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھ کر نہیں جاتی اور اپنے خدا کے سوا کسی کا شکر یہ ادا نہیں کرتی خدا اور رسول کے خلاف نہ تھا۔ تو بی بی کا شوہر سے وہ تعلق ہے جس میں اتنی بڑی بات کو خدا اور رسول نے گوارا کر لیا۔ ورنہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرفت فرماتے یا اس پر کوئی آیت ضرور نازل ہوتی چنانچہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خرچ زیادہ مانگا تھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی حالانکہ ظاہر میں ان کی درخواست کی وجہ معقول بھی تھی کیونکہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتوحات بہت ہونے لگی تھیں۔ اور سب مسلمان فتوحات کی وجہ سے مالدار ہونے لگے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی اپنی ذات خاص اور اپنے گھر والوں کے لئے دنیوی وسعت کو گوارا نہ کیا تو ازواج مطہرات نے اس موقع پر زیادہ خرچ کی درخواست کی تنگی کے وقت انہوں نے ایسی درخواست کبھی نہیں کی حتیٰ کہ تنگی کے زمانہ میں بعض وقت پانی بھی گھر میں نہیں ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ شکایت نہیں کی۔ ہاں جب فتوحات سے سب مسلمان مالدار ہونے لگے اور تنگی رفع ہو گئی اس وقت انہوں نے بھی اپنے لئے وسعت چاہی۔ مگر یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے خلاف تھی۔ آپ بیبیوں کے لئے تو وسعت کو کیا پسند کرتے اپنی بیٹی تک کے لئے بھی اس کو گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے باندی غلام قید ہو کر آئے۔ اور آپ مسلمانوں میں ان کو تقسیم فرمانے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم چکی پیسنے اور پانی بھرنے میں بہت تکلیف اٹھاتی ہو اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باندی غلام بہت سے آئے ہوئے ہیں جن کو آپ لوگوں میں تقسیم فرما رہے ہیں اگر تم بھی حضور سے ایک باندی غلام مانگ لو تو اس محنت سے تم کو راحت ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لے گئیں تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں نہ تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے اپنی درخواست کا مضمون بیان کر دیا کہ حضور تشریف لائیں تو میری طرف سے یہ عرض کر دی جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آپ گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے حضور سے عرض کر دیا کہ صاحبزادی صاحبہ اس مقصود کے لئے تشریف لائی تھیں آپ اسی وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا اے فاطمہ تم غلام اور باندی چاہتی ہو یا میں اس سے بھی اچھی ایک چیز تم کو بتلاؤں۔ انہوں نے عرض کیا کہ جو چیز اس سے بھی اچھی ہو وہی بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا لیٹنے کے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہاری لئے غلام لونڈی سے بہتر ہے۔ وہ ایسی لائق صاحبزادی تھیں کہ اسی پر خوش ہو گئیں اور اُخروی راحت کو دنیاوی راحت پر ترجیح دی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کے لئے بھی باندی غلام رکھنا پسند نہیں فرمایا تو بیبیوں کے لئے ان باتوں کو کیسے پسند فرماتے۔

حقیقت نازِ زوجہ

آپ تو ہمیشہ یہ دعا فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اجعَل رِزقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوتاً[1]۔ یعنی اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کا رزق بقدرِ قوت کر دیجئے جس سے زندگی قائم رہ سکے۔ غرض مال کا زیادہ ہونا آپ کے مزاج کے خلاف تھا۔ اس لئے ازواج کی اس فرمائش سے آپ تنگ دل ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یَاَیُّھَا النَّبِیُّ قُل لِازوَاجِکَ اِن کُنتُنَّ تُرِدنَ الحَیٰوۃَ الدُّنیاَ وَزِینَتَھَاَ فَتَعَالَینَ اُمَتِّعکُنَّ وَاُسَرِّحکُنَّ سَرَاحاً جَمِیلًا، وَاِن کُنتُنَّ تُرِدنَ اللہ وَرَسُولَہ وَالدَّارَالاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللہَ اَعَدَّ لِلمُحسِنَاتِ مِنکُنَّ اَجراً عَظِیماً۔ یعنی ازواج مطہرات سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا چاہتی ہو اس صورت میں تم میرے پاس نہیں رہ سکتیں آؤ میں تم کو متاع دنیا دے کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر اللہ و رسول اور آخرت کی طالب ہو تو (پھر صبر و شکر کے ساتھ اس تنگی کی حالت میں گزر کر و اور نیک اعمال میں سعی کرتی رہو!) اللہ تعالیٰ نے تمہارے میں

---

[1] مسند أحمد: ۲: ۲۳۲

سے نیک کام کرنیوالوں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئی تو آپ سب سے اول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور چونکہ حضرت عائشہؓ کم عمر تھیں کیونکہ نو برس کی عمر میں وہ آپ کے پاس آئی تھیں اور آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر کل اٹھارہ سال کی تھی تو آپ نے یہ خیال کیا کہ اس عمر میں سمجھ کم ہوتی ہے ایسا نہ ہو کہ ان کے منہ سے یہ نکل جائے کہ ہم تو دنیا چاہتے ہیں اس لئے آپ نے آیات سنانے سے پہلے یوں فرمایا کہ اے عائشہ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں مگر اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا (کیونکہ آپ خوب جانتے تھے کہ ان کے والدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی کی رائے کبھی نہیں دے سکتے) اس کے بعد آپ نے یہ آیات ان کو سنائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ مضمون سن کر جوش ہوا اور عرض کیا۔ اَفِی هٰذَا اَستَامِرُ اَبَوَیَّ کیا میں اس بات کے لئے اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں گی۔ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو اور آخرت کو اختیار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب سے بہت مسرور ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کسی اور بی بی سے یہ نہ کہئے کہ عائشہ نے یہ جواب دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھ سے کسی نے پوچھا تو میں چھپاؤں گا نہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ حق تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو زیادہ خرچ مانگنے سے تو منع فرمایا اور ان کو ناز کی بات سے منع نہیں فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ ناز کرنے میں اتنی بُرائی نہ تھی جتنی خرچ مانگنے میں تھی مگر آج کل کتنی الٹی بات ہے کہ زیادہ خرچ مانگنے کو تو برا نہیں سمجھتے جو کسی درجہ میں مذموم بھی ہے اور بی بی کے ناز اور بے تکلفی کو برا سمجھتے ہیں جو ذرا بھی بری بات نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مزاج فاسد ہیں ہمارے نفوس کی اصلاح نہیں ہوئی ہمارے اندر مرض ہے جس کی وجہ سے ہر بات الٹی ہے کہ جو چیز ناگوار ہونا چاہئے تھی وہ تو گوارا ہے اور جو گوارا ہونا چاہئے تھی وہ ناگوار ہے۔ جیسے صفراوی المزاج کو مٹھائی کڑوی معلوم ہوتی ہے تو کیا وہ مٹھائی واقع میں کڑوی ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ صفراویت کی وجہ سے اس کا مزاج بگڑ رہا ہے۔ اسی طرح باطنی مزاج بگڑ رہا ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ زیادہ خرچ مانگنے کو تو عورت کے لئے گوارا کرتے

ہیں اور بے تکلفی اور ناز کی باتوں کو اس کے لئے گوارا نہیں کرتے اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیبیوں کے ساتھ برتاؤ سن کر ہم کو تعجب ہوتا ہے جیسا صفراوی المزاج کو مٹھائی کھانے والے کی حالت پر تعجب ہوا کرتا ہے یہ ہے ہماری غلطی جس کا حاصل یہ کہ عورتوں کے دینی حقوق تو اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں۔ ادا تو کیا ہی کرتے اور دنیوی حقوق کو اپنے ذمہ کچھ سمجھتے ہیں مگر ان کو بھی پوری طرح ادا نہیں کرتے چنانچہ ایک حق دنیوی یہ ہے کہ انکی بے تکلفی اور ناز کو گوارا کریں اور نیز ان کی بے تمیزی کو بھی گوارا کریں۔ ان حقوق کو مردوں نے عموماً نظر انداز کر رکھا ہے یوں چاہتے ہیں کہ عورتیں باندیوں کی طرح محکوم اور تابع ہو کر رہا کریں اور کبھی ہماری بات کا الٹ کر جواب نہ دیا کریں اور جو کسی نے ایسا کیا تو اس سے بولنا چالنا پاس لیٹنا بیٹھنا سب موقوف کر دیتے ہیں۔ یہ بہت بے جا حرکت ہے۔ نیز بعضے مرد یوں چاہتے ہیں کہ عورتیں ہماری طرح تمیز اور سلیقہ شعار ہو کر رہیں۔ اسی لئے جب کسی عورت سے کوئی بات بے تمیزی کی ہو جاتی ہے تو اس پر سخت سزا دی جاتی ہے۔ حالانکہ عورتوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کی بے تمیزی کو گوارا کیا جائے۔ حدیث میں ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس کے اخلاق میں کجی ہے۔ اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائیگی بس اس سے نفع اٹھانا ہے تو کجی کے ساتھ نفع اٹھاتے رہو۔ دوسرے کچھ عورتوں کے زیادہ مناسب حال یہی ہے کہ وہ تھوڑی سی بے تمیز بھی ہوں۔ کیونکہ اکثر بے تمیز وہی ہوتی ہیں جو سیدھی سادی ہوتی ہیں اور ایسی عورتیں نہایت عفیف اور تابعدار ہوتی ہیں اور جو بہت سلیقہ دار ہیں وہ اکثر نہایت چالاک ہوتی ہیں۔ اگرچہ بعض ایسی بھی ہیں کہ سلیقہ دار ہونے کے ساتھ خاوند کی مطیع اور تابعدار بھی ہیں۔ مگر ایسی بہت کم ہیں۔ زیادہ تو یہی دیکھا گیا ہے کہ سلیقہ دار عورتیں تابعدار نہیں ہوتیں۔ نیز ان میں عفت وحیا بھی کم ہوتی ہے اور جو سیدھی سادی ہیں وہ خاوند کی بہت تابعدار اور جان نثار ہوتی ہیں۔ بعض عورتوں کو یہاں تک دیکھا ہے کہ وہ خود بیمار ہیں اٹھنے کی بھی طاقت نہیں۔ مگر اسی حالت میں اگر کہیں خاوند بیمار ہو گیا تو وہ اپنی بیماری کو بھول جاتی ہیں۔ اب ان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔ نہ آرام ہے نہ چین ہر وقت خاوند کی تیمارداری میں مشغول رہتی ہیں اور یہ تو روزمرہ کی بات

ہے کہ عورتیں خود کھانا اخیر میں کھاتی ہیں اور سب سے پہلے مردوں کو کھلاتی ہیں اور بعض دفعہ اخیر میں کوئی مہمان آیا تو خود بھوکی رہیں گی اور مہمان کے سامنے اپنے کھانے سے پہلے کھانا بھیج دیں گی۔ اگر اس کے کھانے کے بعد کچھ بچ گیا تو خود بھی کھالیا ورنہ فاقہ کرلیا۔ اگر کبھی خاوند آدھی رات کو سفر سے آ گیا تو اسی وقت اپنا چین و آرام چھوڑ کر اس کے لئے کھانا پکا دینگی اور اس کی خدمت میں لگ جاویں گی تو اس قسم کی عورتیں جو خاوند پر مرمٹیں اکثر وہی ہیں جو تھوڑی سی بے تمیز بھی ہوتی ہیں۔ سلیقہ داروں میں یہ باتیں نہیں ہوتیں۔

تعلیم نسواں

اور اسی وجہ سے میری رائے ہے کہ عورتوں کو دنیوی تعلیم مختصر سی ہونی چاہئے ہاں دین کی تعلیم کافی ہونا چاہئے۔ میں نے کانپور میں ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی عورت کو جغرافیہ پڑھاتا تھا میں نے کہا کہ جغرافیہ کی عورت کو کیا ضرورت؟ کیا بھگانے کے لئے پڑھاتے ہو کیونکہ جب اس کو سب راستے بتلا دیئے گئے اور مختلف شہروں کے عجائبات معلوم ہوگئے تو اب وہ گھر کی چاردیواری میں کیوں رہے گی۔ عورت کا تو کمال یہی ہے کہ اس کو اپنے گھر کے سوا کسی اور جگہ کا رستہ معلوم نہ ہو نہ کسی شہر کی اسے خبر ہو اس جہالت ہی سے وہ گھر میں قید رہ سکتی ہے کیونکہ اس حالت میں وہ بھاگنا بھی چاہے تو کیونکر بھاگے۔ اس کو یہ خبر ہی نہیں کہ ریل میں کس طرح بیٹھا کرتے ہیں ٹکٹ کہاں ملتا ہے اور اسٹیشن کس طرف کو ہے اور جغرافیہ پڑھ کر تو وہ دنیا بھر سے باخبر ہو جائے گی اور جہاں چاہے گی آسانی سے چلی جائے گی۔ واقعی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کو جغرافیہ پڑھنے میں کیا مصلحت ہے۔ بجز اس کے کہ ان کو بھاگنے کا راستہ بتلانا ہے۔ اس لئے نو تعلیم یافتہ طبقہ میں جو لوگ عاقل ہیں وہ عورتوں کو اس قسم کے علوم نہیں پڑھاتے۔ ریل میں ایک جنٹ عربی دان مجھ سے ملے تھے کہنے لگے کہ میں لڑکوں کو تو فلسفہ و جغرافیہ بھی پڑھاتا ہوں مگر لڑکیوں کو محض دینیات کی کتابیں پڑھاتا ہوں۔ دینیات کے سوا کچھ نہیں پڑھاتا۔ کیونکہ دنیوی علوم سے انکے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے واقعی صحیح رائے ہے۔ بس عورتوں کو دین تو پڑھائیں مگر جغرافیہ فلسفہ ہرگز نہ پڑھائیں باقی اخبار و ناول پڑھانا تو عورتوں کے لئے زہر قاتل ہے۔ یہ نہایت سخت مضر ہے اس سے بعض دفعہ عورتوں کی

آبرو برباد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مستورات کو باہر پھرنے والی عورتوں سے بھی بہت بچانا چاہئے۔ خصوصاً شہروں میں جو یہ رواج ہے کہ لڑکیوں کو میمیں گھر پر آ کر پڑھاتی ہیں اس کو سختی سے بند کر دینا چاہئے۔ میں کان پور میں سنا کرتا تھا کہ آج فلاں عورت بھاگ گئی اور کل فلاں کی بیٹی بھاگ گئی اور یہ صرف اسی کا نتیجہ تھا کہ عورتوں کو پڑھانے کے لئے میم گھر پر آتی تھی تو یہ ہرگز نہ چاہئے۔ اسی طرح شرفاء نے کبھی اس کو بھی پسند نہیں کیا کہ لڑکیوں کیلئے زنانہ مدرسہ ہو، قصبات میں لڑکیاں عموماً لکھی پڑھی ہوتی ہیں مگر سب اپنے اپنے گھروں پر تعلیم پاتی ہیں۔ مدرسہ میں کسی نے بھی تعلیم نہیں پائی۔ گھروں پر تعلیم پانے سے لڑکیوں کا کسی طرح کا نقصان نہیں ہوتا کیونکہ پڑھانے والی بھی نیک اور پردہ نشین ہوتی ہے اور لڑکیاں بھی پردہ ہی میں رہ کر تعلیم پاتی ہیں۔ باقی یہ جو آج کل زنانے اسکول ہوئے ہیں تجربے سے معلوم ہوئے کہ یہ بہت ہی مضر ہیں۔ رہا یہ کہ کیوں مضر ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب اسکول میں پردہ کا پورا اہتمام کیا جاتا ہے اور پردہ کے ساتھ لڑکیوں کو بند گاڑی میں پہنچایا جاتا ہے تو پھر ان کے مضر ہونے کی کیا وجہ ہے، تو ہمیں اس کی عِلّت[1] کی خبر نہیں مگر تجربہ یہ ہے کہ اسکولوں کی تعلیم عورتوں کو بہت ہی مضر ہوتی ہے اس سے ان میں آزادی اور بے حیائی اور پردہ سے نفرت کا مضمون پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض عورتوں کو دین کی تعلیم تو دینا چاہئے اتنی تعلیم تو ضروری ہے اس سے زیادہ مضر ہے۔ اب تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ اخباروں میں عورتوں کے اشعار چھپتے ہیں اور اخیر میں ان کا نام یا فلاں کی بیٹی یا فلاں کی بیوی بھی چھپتا ہے۔ میں نے یہاں تک دیکھا ہے کہ ایک شخص میرے سامنے اخبار پڑھ رہے تھے اس میں ایک عورت کا پورا پتہ لکھا ہوا تھا کہ فلاں کی بیٹی فلاں شہر فلاں محلّہ کی رہنے والی، وہ کہنے لگے عورتوں کے نام اس طرح اخباروں میں چھاپنا گویا ان کو سر بازار بٹھلا دینا ہے واقعی سچ ہے اسطرح تو گویا ظاہر کر دینا ہے کہ جو کوئی ہم سے ملنا چاہئے اس پتہ پر چلا آوے اور اگر کسی کی یہ نیت بھی نہ ہو تو بدمعاشوں کو پتہ معلوم ہو جانے سے سہولت تو ہو جائے گی۔

---

[1] اس کے اسباب کی کچھ مجمل تفصیل احقر کی ایک تحریر میں ہے جو اصلاح انقلاب جلد اول بزیر تحقیق تعلیم نسواں اور بہشتی زیور حصہ اول کے ضمیمہ اول کے آخر کے قریب تحت عنوان اصلاحِ معاملہ تعلیم نسواں میں شائع ہوئی ہے جو نہایت مفید مضمون اور قابل ملاحظہ ہے اس مقام پر ان میں سے صرف یہ جزو خاص جو زنانہ اسکول کے متعلق ہے مع نصاب ضروری و بحث تعلیم کتابت نقل کر کے وعظ کے اخیر میں ملحق کیا جاتا ہے ۱۲

ضرورتِ حیاء

صاحبو! عورتوں کو اس طرح رکھنا چاہئے کہ محلہ والوں کو بھی خبر نہ ہو کہ اس گھر میں کتنی عورتیں ہیں اور ہیں بھی یا نہیں؟ اسی میں آبرو کی خیر ہے۔ ہمارے قصبات میں یہ حالت ہے کہ جب بعض لڑکیوں کی شادی ہوئی تو بستی والوں کو تعجب ہوا کہ میاں کیا تمہارے بھی لڑکی تھی۔ حیرت ہے کہ ہم کو بستی میں رہ کر بھی اسکی خبر نہ ہوئی۔ عورت کے لئے یہی مناسب ہے کہ اسکی خبر اپنے گھر والوں کے سوا کسی کو بھی نہ ہو۔ ہمارے یہاں ایک رسم یہ بھی ہے اور مجھے پسند ہے کہ لڑکیوں کا مردوں سے تو پردہ ہوتا ہی ہے غیر عورتوں سے بھی ان کا پردہ کرایا جاتا ہے چنانچہ نائن یا دھوبن یا کنجڑن وغیرہ جہاں گھر میں آئی اور سیانی لڑکیاں فوراً پردہ میں ہو گئیں۔ اس طریقہ سے ان میں حیاء و شرم پوری طرح پیدا ہو جاتی ہے۔ بیباکی اور دیدہ چشمی نہیں ہونے پاتی۔ پہلے لوگوں نے اس قسم کی بعض حکمت کی باتیں ایجاد کی تھیں سو واقعی ان میں بڑی مصلحت ہے۔ گو بعضی فخر کی باتیں بھی ہیں ان کو مٹانا چاہئے۔ لیکن یہ حکمت کی باتیں دستور العمل بنانے کے قابل ہیں اور جہاں ان پر عمل ہے وہاں کی لڑکیاں عموماً حیادار اور عفیف اور خاوند کی تابعدار ہوتی ہیں مگر اب تو شہروں میں یہ حالت ہے کہ میں نے ایک عورت کی عاشقانہ غزل پیر کی شان میں چھپی ہوئی دیکھی تھی۔ خدا جانے وہ پیر بھی کیسے تھے جنہوں نے اس کو گوارا کیا۔ واقعی شریعت کے چھوڑنے سے حیاء اور غیرت بھی بالکل جاتی رہتی ہے۔ میں نے بعض جگہ یہ دستور دیکھا ہے کہ عورتیں پیروں سے پردہ نہیں کرتیں۔ ان کے سامنے آتی ہیں۔ اور غضب یہ کہ بعض دفعہ تنہائی میں بھی ان کے پاس آتی جاتی ہیں کہ کوئی محرم بھی اس جگہ نہیں ہوتا۔ یہ کس قدر حیا سوز طریقہ ہے۔ بیبیو! پیر سے فقط دین کی تعلیم حاصل کرو۔ اس کے سوا خدمت وغیرہ کچھ نہ کرو۔ نہ اس کے سامنے آؤ۔ نہ خط و کتابت کرو۔ بلکہ جو کچھ لکھوانا ہوا اپنے مرد سے کہہ دو کہ وہ خود لکھ دے اور اگر کبھی مجبوری کی حالت میں تم کو خود ہی خط لکھنا پڑے تو اس میں اس بات کا ضرور لحاظ رکھو کہ خط لکھ کر اپنے شوہر یا بھائی یا بیٹے کو دکھلا دیا کرو۔ اور پتہ کا لفافہ مرد ہی سے لکھوایا کرو۔ اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی اور نہ مردوں کو اسطرح خط و کتابت گراں ہوگی، اور اگر اس میں بھی ان کے دل پر کچھ گرانی دیکھو تو خود ہرگز

خط نہ لکھو بلکہ مرد ہی سے لکھوادیا کرو مگر ان باتوں کی آج کل مطلق پرواہ نہیں۔ بلکہ یہاں تک بے حیائی ہے کہ ایک عورت نے پیر کی شان میں عاشقانہ غزل لکھی جس میں خط و خال اور فراق و وصال تک کا حال لکھا تھا اور وہ ایک پرچہ میں شائع ہوئی پرچہ میرے پاس آتا تھا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو مجھے سخت غصہ آیا اور اس پرچہ کا اپنے نام پر آنا بند کر دیا۔

تو صاحبو! جس کا نام سلیقہ رکھا گیا ہے وہ تو بدوں ان باتوں کے آتا نہیں مگر اس سلیقہ کے ساتھ عورتوں کی حیاء اور عفت و اطاعت سے ہاتھ دھو لینا چاہئے اور اگر حیاء اور عفت و اطاعت چاہتے ہو تو یہ جواہر تو ان ہی عورتوں میں پائے جاتے ہیں جن کو تم بدسلیقہ اور بے تمیز کہتے ہو اور قاعدہ ہے **من ابتلی ببلیتین فلیختر ا ھونھما** جو شخص دو بلاؤں میں پھنس جائے اسے آسان صورت اختیار کرنا چاہئے۔ اب تم خود دیکھ لو کہ سلیقہ سکھا کر عورتوں کی آزادی اور بے حیائی اور دیدہ چشمی پر صبر آسان ہے یا بے سلیقہ رکھ کر تھوڑی سی بے تمیزی پر صبر آسان ہے سو عقلاء اور شرفاء کے نزدیک تو بے تمیزی ہی پر صبر کر لینا آسان ہے۔ شریف آدمی عورت کی آزادی اور دیدہ چشمی پر ہرگز صبر نہیں کر سکتا۔ رہا یہ کہ عورتوں کی جہالت اور بد تمیزی سے دل تو دکھتا ہے۔ کلفت تو بہت ہوتی ہے اور دل دکھنا اچھا نہیں۔ سو اس کا علاج یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان کو دین کی کتابیں پڑھاؤ۔ اس سے ان کو سلیقہ اور تمیز بھی بقدر ضرورت آ جاتی ہے بلکہ اسکول کی تعلیم پانے والے سے زیادہ ان میں تہذیب آ جاتی ہے کیونکہ دین کی تعلیم سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ خدا کا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے۔ شوہر کے حقوق پر اطلاع ہوتی ہے۔ باقی یہ ہرگز امید نہ رکھو کہ وہ بالکل تم جیسی ہو جائیں۔ کیونکہ ان میں جو خلقی کجی ہے وہ زائل نہیں ہو سکتی۔ کُتے کی دم کو چاہے برسوں نلکی میں رکھو مگر جب نکالو گے ٹیڑھی ہوگی۔ تو مرد کو اتنا سخت مزاج نہ ہونا چاہئے کہ عورت کی ذرا ذرا سی بدتمیزی پر غصہ کیا کرے۔

ضرورتِ اولاد:

سو بعض دفعہ تو وجہ ہوتی ہے مرد کی سختی اور تند مزاجی کی یہ تو ایسی وجوہ ہیں جن میں کچھ عورت کے اختیار کو بھی دخل ہے اور کبھی غیر اختیاری باتوں پر غصہ کیا جاتا ہے۔ یہ تو نہایت سخت غلطی ہے مثلاً بعض لوگ بیوی سے کہتے ہیں کہ کم بخت تیرے کبھی اولاد ہی نہیں ہوتی تو

اس میں وہ بیچاری کیا کرے اولاد کا ہونا کسی کے اختیار میں تھوڑا ہی ہے بعض دفعہ بادشاہوں کے اولاد نہیں ہوتی حالانکہ وہ ہر قسم کی مقوی غذائیں اور مُحبل دوائیں بھی استعمال کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی خاک نہیں ہوتا یہ تو محض خدا تعالیٰ کے قبضہ واختیار کی بات ہے اس میں عورتوں کا کیا قصور ہے بعض مردوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ بیوی سے اس بات پر خفا ہوتے ہیں کہ کم بخت تیرے تو لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوتی ہیں سو اول تو اس میں اسکی کیا خطا ہے (بلکہ اطبا سے پوچھو تو شاید وہ اس میں آپ کا ہی قصور بتلائیں) دوسرے یہ ناگواری کی بات بھی نہیں، کیونکہ ؎

آنکس کہ تو نگرت نمی گرداند　　　او مصلحت تو از تو بہتر داند

حضرت آپ کو خوب یاد ہوگا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کر دیا تھا اس کے لئے وہ اس کے والدین کے لئے مصلحت بھی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

آں پسر راکش خضر بہ برید حلق　　　سرِآں را درنیا بدعام خلق

اسی طرح خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوار ہو کر اس کا ایک تختہ توڑ دیا تھا ظاہر میں یہ کشتی کو عیب دار کرنا تھا مگر اس میں بڑی مصلحت تھی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

گر خضر در بحر کشتی را شکست　　　صد درستی در شکست خضر ہست

پھر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑکے کے قتل ہونے کے بعد حق تعالیٰ نے اس کے والدین کو ایک لڑکی دی جس کی اولاد میں انبیاء ہوئے تو بتلائیے اگر آپ کے لڑکا ہوتا اور ویسا ہی ہوتا جیسا وہ لڑکا تھا جسے خضر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا تو آپ کیا کر لیتے یہ خدا کی بڑی مصلحت ہے کہ اس نے آپ کو لڑکیاں دیں کیونکہ عموماً لڑکیاں خاندان کو بدنام نہیں کیا کرتیں اور والدین کی اطاعت بھی خوب کرتی ہیں اور لڑکے تو آج کل ایسے خودسر ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ ان کے ہونے سے تو نہ ہونا ہی بھلا تھا۔ اب آج کل اگر خضر علیہ السلام ایسے لڑکوں کو نہیں مارتے تو اللہ میاں تو ذبح کر سکتے ہیں۔ اور لڑکے پیدا نہ کرنا یہ بھی ایک گونہ ذبح ہی کے مثل ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ کچھ بھی اولاد نہ دیں نہ لڑکا نہ لڑکی اس کے لئے یہی مصلحت ہے کہ وہ بندوں کے مصالح کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔ دیکھئے آج ایک شخص بےفکری سے دین کے کام میں لگا ہوا ہے کیونکہ اس کے اولاد نہیں اب اگر اس کے اولاد ہو جائے تو کیا خبر ہے

اسوقت یہ بےفکری رہے یا نہ رہے اولاد کے ساتھ ہزاروں افکار لگے ہوئے ہیں۔ آج کسی کے کان میں درد ہے کسی کے پیٹ میں درد ہے، کوئی گر پڑا ہے، کوئی گم ہو گیا ہے اور ماں باپ پریشان ہیں تو ممکن ہے خدا نے اس کو اسی لئے اولاد نہ دی ہو کہ وہ اس کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ جب میں حج کو حاضر ہوا تو میرے گھر میں کی خالہ نے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ دعا کر دیجئے کہ اس کے اولاد ہو۔ حضرت نے خلوت میں مجھ سے فرمایا کہ تمہاری خالہ اولاد کے لئے دعا کو کہتی تھیں۔ دعا سے کیا انکار ہے بھائی! مجھے تو یہی بات پسند ہے کہ تم بھی مجھ جیسے ہو پھر آپ نے اولاد کی مذمت بیان فرمائی کہ انکی وجہ سے یوں افکار پڑ جاتے ہیں اور بڑے ہو کر یوں ستاتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت میں بھی پسند وہی کرتا ہوں جس کو آپ پسند کریں اس سے حضرت بہت خوش ہوئے اور واقعی جیسی بےفکری مجھے آج کل ہے اولاد کے ساتھ تھوڑا ہی ہو سکتی تھی۔ میرے بھائی ایک ظرافت کی کہانی سناتے تھے۔ ایک شخص نے کسی صاحب عیال سے پوچھا کہ تمہارے گھر خیریت ہے تو بڑا خفا ہوا کہ میاں خیریت تمہارے یہاں ہوگی مجھے بددعاء دیتے ہو ہمارے یہاں خیریت کہاں ماشاء اللہ بیٹے بیٹیاں ہیں پھر ان کی اولاد ہے سارا گھر بچوں سے بھرا ہوا ہے آج کسی کے کان میں درد ہے کسی کو دست آتے ہیں کسی کی آنکھ دُکھ رہی ہے کوئی کھیل کود میں چوٹ کھا کر رو رہا ہے۔ خیریت ہوگی اس کے یہاں جو منحوس ہو جس کے گھر میں کوئی بال بچہ نہ ہو۔ ہمارے یہاں خیریت کیوں ہوتی تو واقعی بچوں کے ساتھ خیریت کہاں۔ بچپن میں ان کے ساتھ اس قسم کے رنج وافکار ہوتے ہیں اور جب وہ سیانے ہوئے تو اگر صالح ہوئے تو خیر اور آج کل اسکی بہت کمی ہے ورنہ پھر جیسا وہ ناک میں دم کرتے ہیں معلوم ہے۔ پھر ذرا اور بڑے ہوئے جوان ہو گئے تو ان کے نکاح کی فکر ہے بڑی مصیبتوں سے نکاح بھی کر دیا تو اب یہ غم ہے کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی۔ اللہ اللہ کر کے تعویذوں گنڈوں اور دواؤں سے اولاد ہوئی تو بڑے میاں کی اتنی عمر ہو گئی کہ پوتے بھی جوان ہو گئے۔ اب بچہ بچہ ان کو بات بات میں بےوقوف بناتا اور ان کی خدمت سے اکتاتا ہے۔ اور بیٹے پوتے منہ پر کوری کوری سناتے ہیں۔ اور یہ بیچارے معذور ایک طرف پڑے ہیں۔ یہ اولاد کا پھل ہے تو پھر خواہ مخواہ لوگ اسکی تمنائیں کرتے ہیں،

مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ میرے استاد مولانا سید احمد صاحب دہلوی کے ماموں مولانا سید محبوب علی صاحب جعفری کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ایک دفعہ وہ آزردہ بیٹھے تھے میرے استاد نے پوچھا اور یہ ان کے لڑکپن کا زمانہ ہے کہ آپ غمگین کیوں ہیں۔کہا مجھے اس کا رنج ہے کہ بڑھاپا آ گیا اور میرے اب تک اولاد نہیں ہوئی۔استاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، سبحان اللہ یہ خوشی کی بات ہے یا غم کی۔انہوں نے کہا کہ یہ خوشی کی بات کیونکر۔ فرمایا یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کے سلسلہ نسل میں آپ مقصود بالذات ہیں اور تمام آباؤ اجداد مقصود بالغیر بخلاف اولاد والوں کے کہ وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ ان کو تخم کے واسطے پیدا کیا گیا۔دیکھئے گیہوں دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جن کو کھانے کے لئے رکھا جاتا ہے۔دوسرے وہ جو تخم کے لئے رکھے جاتے ہیں۔تو ان دونوں میں مقصود وہ ہے جو کھانے کے لئے رکھا جاتا ہے۔کھیت بونے سے مقصود یہی گیہوں تھے اور جس کو تخم کے واسطے رکھتے ہیں وہ مقصود نہیں بلکہ وہ واسطہ ہیں مقصود کے اسی طرح جس کے اولاد نہ ہو آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک ساری نسل میں مقصود وہی تھا اور سب اس کے وسائط اور مقدمات تھے اور جن کے اولاد ہوتی ہے وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ تخم کے واسطے رکھے گئے ہیں تو واقعی ہے یہ علمی مضمون، بے اولادوں کو اپنی حسرت اس مضمون کو سوچ کر ٹالنی چاہئے اور اگر اس سے بھی حسرت نہ جائے تو دنیا کی حالت کو دیکھ کر تسلی کر لیا کریں کہ جن کے اولاد ہے وہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور اس سے بھی تسلی نہ ہو تو یہ سمجھ لے کہ جو خدا کو منظور ہے وہی میرے واسطے خیر ہے نہ معلوم اولاد ہوتی تو کیسی ہوتی؟ اور یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم یہ تو سمجھے کہ اولاد نہ ہونے میں بیوی کی کیا خطا ہے؟

ضرورتِ نکاح ثانی:

بعض لوگ محض اتنی بات پر کہ اولاد نہیں ہوتی دوسرا نکاح کر لیتے ہیں۔حالانکہ دوسرا نکاح کرنا اس زمانہ میں اکثر حالات میں زیادتی ہے کیونکہ قانون شرعی یہ ہے۔فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کہ اگر متعدد بیویوں میں عدل نہ ہو سکنے کا اندیشہ ہو تو صرف ایک عورت سے نکاح کرو۔یا کچھ باندیاں خرید لو۔اور ظاہر ہے کہ آج کل طبائع کی خصوصیات سے عدل نہیں ہو سکتا ہم نے تو کسی مولوی کو بھی نہیں دیکھا جو دو

بیویوں میں پورا پورا عدل کرتا ہو، دنیادار تو کیا کریں گے۔ بس یہ ہوتا ہے کہ دوسرا نکاح کر کے پہلی کو معلق چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ طبائع میں آج کل انصاف ورحم کا مادہ بہت کم ہے۔ تو آج کل کے اعتبار سے تو عدل قریب قریب قدرت سے خارج ہے۔ پھر جس غرض کے لئے دوسرا نکاح کیا جاتا ہے اس کا کیا بھروسہ ہے کہ دوسرے نکاح سے وہ حاصل ہو ہی جائے گی، ممکن ہے کہ اس سے بھی اولاد نہ ہو تو پھر کیا کرلو گے۔ بلکہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بانجھ سمجھ کر دوسرا نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہی پہلی بیوی کے اولاد ہوئی تو خواہ مخواہ ایک متحمل امر کے لئے اپنے کو عدل کی مصیبت میں گرفتار کرنا اچھا نہیں۔ اور جو عدل نہ ہو تو پھر دنیا و آخرت دونوں کی مصیبت سر پر رہی۔ لوگ زیادہ تر اولاد کے لئے ایسا کرتے ہیں اور اولاد کی تمنا اس لئے ہوتی ہے کہ نام باقی رہے۔ تو نام کی حقیقت سن لیجئے کہ ایک مجمع میں جا کر ذرا لوگوں سے پوچھئے تو پَر دادا کا نام بہت سوں کو معلوم نہ ہوگا۔ جب خود اولاد ہی کو اپنے پَر دادا کا نام معلوم نہیں تو دوسروں کو خاک معلوم ہوگا۔ تو بتلایئے نام کہاں رہا۔ صاحب نام اس سے چلتا ہے۔ **وَاجعَل لِيّ لِسَانَ صِدقٍ فِي الأٰخِرِين**۔ خدا کی فرماں برداری کرو۔ اس سے نام چلے گا۔ اولاد سے نام نہیں چلا کرتا۔ بلکہ اولاد نالائق ہوئی تو الٹی بدنامی ہوتی ہے۔ اور نام چلا بھی تو نام چلنا ہی کیا چیز ہے جس کی تمنا کی جائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اسکی تمنا کی ہے تو اس سے صرف نام کا چلنا مقصود نہ تھا بلکہ ان کا مقصود یہ تھا کہ لوگ ہماری اقتداء کرینگے اور ہم کو ثواب ہوگا۔ اسی لئے اس کے ساتھ فرماتے ہیں۔ **وَاجعَلنِي مِن وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيم** کہ اے اللہ مجھے جنت کے وارثوں میں کر دیجئے تو اصل نام چلنا تو یہ ہے کہ قیامت میں رسوائی نہ ہو اور وہاں اعمال صالحہ کی بدولت علی رؤس الاشہاد تعریف ہو اور یہ بات اولاد سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ نیک اعمال سے حاصل ہوتی ہے۔ اس میں کوشش کرنا چاہئے اور یوں کسی کو طبعی طور پر اولاد کی بھی تمنا ہو تو میں اس کو بُرا نہیں کہتا کیونکہ اولاد کی محبت انسان میں طبعی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ جنت میں بھی اولاد کی تمنا کریں گے۔ حالانکہ وہاں نام کا چلنا بھی مقصود نہ ہوگا۔ کیونکہ جنت کے رہنے والے کبھی فنا ہی نہ ہوں گے بلکہ وہاں اس تمنا کا منشاء محض طبعی تقاضا ہوگا۔ تو میں

اس سے منع نہیں کرتا۔ میرا مقصود یہ ہے کہ اس طبعی تقاضے کی وجہ سے عورت کی خطا نکالنا کہ تیرے اولاد نہیں ہوتی یا لڑکیاں ہی ہوتی ہیں بڑی غلطی ہے اور اس قسم کے غیر اختیاری جرائم نکال کر ان سے خفا ہونا اور ان پر زیادتی کرنا ممنوع ہے۔

اخلاقِ نسواں

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاِن کَرِھتُمُوھُنَّ فَعَسیٰ اَن تَکرَھُوا شیئاً وَّیَجعَلَ اللهُ فِیهِ خَیرًا کَثِیراً۔ یہ کیسے معاملہ کی بات ارشاد فرمائی ہے۔ مردوں کو اس میں غور کرنا چاہئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنی بیبیوں سے (کسی بناء پر) کراہت کرتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ بہت قریب ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو اور حق تعالیٰ نے اس میں بہت بڑی مصلحت رکھی ہو شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ اولاد کے ہونے نہ ہونے میں تو مصلحت ہو سکتی ہے (جیسا کہ اوپر کچھ اس کا بیان بھی ہوا ہے) مگر عورتوں کی بدتمیزی اور زبان درازی کی وجہ سے جو نفرت ہوتی ہے تو اس میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے تو اس لئے کہ اس میں مرد کے لئے مصلحت ہوتی ہے ایک تو یہ کہ اسکی ایذاؤں پر صبر کرنے سے اس کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ دوسرے اسکے مزاج میں تحمل پیدا ہو جاتا ہے اور برد باری اخلاق حمیدہ میں سے ایک اعلیٰ خلق ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ کی بی بی بڑی بدمزاج تھیں اور آپ ایسے نازک مزاج تھے کہ ایک دفعہ حضرت کی ایک مریدنی جو بڑھیا تھی ایک رضائی آپ کے لئے سی کر لائی اس وقت آپ لیٹ رہے تھے۔ فرمایا کہ میرے اوپر ڈال کر چلی جاؤ۔ چنانچہ اس نے آپ کے اوپر ڈالدی، صبح کو جو اٹھے تو آنکھیں سرخ تھیں۔ خدام نے وجہ دریافت کی فرمایا کہ رات نیند نہیں آئی۔ خدام نے کہا کیا سردی معلوم ہوئی تھی۔ فرمایا نہیں سردی تو رضائی سے دفع ہو گئی تھی۔ مگر رضائی میں نگندے ٹیڑھے پڑے ہوئے تھے انکی وجہ سے طبیعت کو الجھن رہی اور نیند نہ آئی۔ تو خیال کیجئے کہ رات کو اندھیرے میں منہ لپیٹے ہوئے نگندے نظر نہ آتے تھے۔ مگر آپ کو اوڑھنے ہی سے اس کا احساس ہوا تو یہ کس قدر لطافتِ مزاج تھی کہ محض کپڑے کے بدن پر پڑنے سے بدوں دیکھے نگندوں کا ٹیڑھا ہونا معلوم ہو گیا پھر اس سے اتنی الجھن ہوئی کہ رات بھر نیند بھی نہ آئی۔

اتنے تو آپ نازک مزاج تھے۔ مگر صبور ایسے کہ بیوی نہایت بدمزاج ملی تھی جو آپ کو نہایت کوری کوری سناتی تھی۔ اور آپ اسکی سب باتیں سہتے تھے کبھی طلاق کا خیال نہ کیا نہ اپنی طرف سے کچھ ایذا دی۔ بلکہ اس قدر خاطر داری کرتے تھے کہ صبح کو روزانہ خادم کو بھیجا کرتے کہ بیگم صاحبہ کا مزاج پوچھ کر آئے۔ خادم جاتا اور مرزا صاحب کی طرف سے مزاج پرسی کرتا اور وہ حضرت کو بُرا بھلا کہتی تھیں۔ خادم یہاں آ کر کچھ عرض نہ کرتا بس اتنا کہہ دیتا کہ حضرت وہ اچھی طرح ہیں۔ ایک مرتبہ کوئی آغا سرحدی خادم تھے ان کو بھی حسب معمول بی بی صاحبہ کی مزاج پُرسی کے لئے بھیجا گیا۔ اس نے آغا کے سامنے بھی مرزا صاحب کو خوب بُرا بھلا کہا۔ یہ سرحدی پٹھان تھے ان کو غصہ آ گیا اور حضرت سے آ کر عرض کیا کہ وہ تو آپ کو بہت بُرا بھلا کہتی ہیں۔ پھر آپ ہی اتنی خاطر کیوں کرتے ہیں، فرمایا بھائی ان کی باتوں کا بُرا نہ مانو۔ تمہاری تو وہ بزرگ ہیں۔ اور میں اس لئے انکی خاطر کرتا ہوں کہ میری وہ بڑی محسن ہیں۔ مجھ میں یہ سب کمالات اسی کی بدولت ہیں۔ اللہ اکبر، اتنی نازک مزاج کو بیوی کی بدتمیزیوں سے کتنی ایذا ہوتی ہوگی۔ مگر کمال یہ کہ پھر بھی صبر کرتے ہیں۔

شُنیدم کہ مردانِ راہِ خُدا　　دل دُشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام　　کہ بادوستانت خلاف است وجنگ

اہل اللہ نے تو دشمنوں کا دل بھی تنگ نہیں کیا۔ افسوس ہم سے دوستوں کی ایذا بھی برداشت نہیں کی جاتی جن میں بیوی سب سے زیادہ دوست ہے اس کی ایذا کا بھی ہم سے تحمل نہیں ہوتا اگر ثواب حاصل کرنے کو تحمل نہیں کرتے یہی سمجھ کر تحمل کر لو کہ مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہوگا اس کا اس سے کفارہ ہو رہا ہے۔ جیسا لکھنو میں ایک مرد وعورت کی میں نے حکایت سنی کہ مرد تو بہت ہی بزرگ تھے اور بیوی بہت ہی بدمزاج تھیں، ایک دن انہوں نے بیوی سے کہا کہ تو بڑی کم بخت ہے کہ تجھے میرے پاس رہتے ہوئے اتنا زمانہ گزر گیا اور ابتک تیری اصلاح نہیں ہوئی۔ تو بیوی نے کہا میں کمبخت کیوں ہوتی مجھ سے زیادہ تو کوئی بھی سعادتمند نہ ہوگی کہ مجھے تم جیسا مرد ملا کمبخت تو تم ہو کہ تم کو ایسی عورت ملی۔ اسی طرح کتابوں میں ایک مرد وعورت کی حکایت لکھی ہے کہ مرد تو نہایت حسین تھا، اور عورت نہایت بدصورت اور اس کے ساتھ وہ

بدمزاج بھی تھی آج کل ایسا ہوتو مرد ایک ہی دن میں طلاق دے کر الگ ہو جائے مگر وہ اللہ کا بندہ اسکی سب باتوں پر صبر کرتا تھا۔ کسی نے اس سے کہا کہ تم اس بیوی کو طلاق کیوں نہیں دے دیتے۔ کہا نہیں میں طلاق کیوں کر دے دوں۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا تھا۔ خدا نے اسکی سزا میں مجھے ایسی بیوی دے دی۔ اور اس سے کوئی نیک کام ہو گیا ہوگا اس کے صلہ میں خدا نے اسکو مجھ جیسا حسین مرد دیا۔ تو میں اس کا ثواب ہوں اور وہ میرا عذاب ہے۔ پھر طلاق کی کیا وجہ؟ تو بزرگوں نے اپنے دلوں کو یوں سمجھا لیا ہے اور کبھی عورتوں کی بے عنوانیوں سے انکو اپنے سے الگ نہیں کیا اور ہمیشہ تحمل فرماتے رہے۔ تو اگر بیوی کی واقعی خطا بھی ہو جب بھی اس سے درگزر کرنا چاہئے۔ اس تحمل سے دین کا بڑا بھاری نفع ہوتا ہے اور بہت اجر ملتا ہے۔

حقوقِ زوجہ

بعضے مرد اس طرح عورتوں کا حق ضائع کرتے ہیں کہ بے حمیت بن کر اپنے آپ کو راحت دیتے ہیں عمدہ کھاتے اور عمدہ پہنتے ہیں اور بیوی بچوں کو تکلیف میں رکھتے ہیں۔ ان کے بارہ میں شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

ببیں آں بے حمیت را کہ ہرگز نخواہد دید روئے نیک بختی
تن آسانی گزیند خویشتن را زن و فرزند بگذارد بسختی

یہ بہت ہی بے غیرتی کی بات ہے کہ مرد تو خود بنا ٹھنا رہے، اور بیوی کو بھنگنوں کی طرح رکھے کہ نہ اس کے کپڑے کا خیال ہے نہ کھانے کا، حالانکہ زینت و آرائش کی مستحق زیادہ تر عورت ہے مردوں کو زیادہ زینت زیبا نہیں ہے۔ بعضے مرد ایسے گندہ طبیعت کے ہوتے ہیں کہ فاحشہ عورتوں میں آوارہ پھرتے ہیں اور ان کے گھروں میں حور کی مانند بیویاں موجود ہوتی ہیں مگر وہ بیکار پڑی رہتی ہیں، ان کی طرف رخ بھی نہیں کیا جاتا اور ہندوستان کی عورتیں صابر و شاکر ہیں کہ وہ سوائے رونے دھونے کے اور کچھ نہیں کرتیں۔ کسی سے اپنے مرد کا بھید بھی نہیں کھولتیں۔ اس پر ایک قصہ یاد آیا کہ بھوپال میں ہمارے وطن کے ایک بزرگ تھے جو تحصیلدار بھی تھے اور انکی بیوی بہت ہی مسرف اور کم عقل تھی۔ مگر تحصیلدار صاحب کی یہ حالت تھی کہ جب اس کی باتیں بیان کرتے تو یوں کہا کرتے تھے کہ میری باولی کی یہ بات ہے۔ آج میری

باولی نے یوں کہا۔ غرض میری باولی کہہ کر نام لیتے تھے۔ کسی نے کہا، حضرت آپ تو اپنی بیوی سے بہت ہی محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ بہت ہی بے تمیز اور تکلیف دہ ہے۔ فرمایا کہ بھائی شریف عورتوں میں جہاں بہت سے نقائص ہیں وہاں ایک جوہر ایسا ہے کہ اگر انکو ایک کونہ میں بٹھلا کر کوئی سفر میں چلا جائے اور بیس برس کے بعد آوے تو اسی کونہ میں ساتھ آبرو و عزت کے بیٹھا پاوے گا۔ اس خوبی کی وجہ سے میں اسکی قدر کرتا ہوں۔ واقعی ہندوستان کی بیبیاں تو اکثر ایسی ہی ہیں کہ ان کو اپنے کونے کے سوا دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ چاہے ان پر کچھ ہی گزر جائے۔ مگر اپنے کونے سے الگ نہیں ہوتیں۔ بس ان کی وہ شان ہے جو حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ وَالْمُحصَنَاتِ الغَافِلاَتِ المُؤمِنَاتِ۔ یعنی پاک دامن ہیں اور بھولی ہیں۔ چالاک نہیں ہیں۔ اسمیں غافلات کا لفظ ایسا پیارا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی نقشہ کھینچ دیا۔ اور یہ صفت عورتوں کے اندر پردہ کی وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کو اپنی چار دیواری کے سوا دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی جس کو آج کل کہا جاتا ہے کہ عورتوں کے پردہ نے مسلمانوں کا تنزل کر دیا۔ کیونکہ عورتوں کو قید میں رہنے کی وجہ سے دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی نہ صنعت وحرفت سیکھتی ہیں نہ علوم و فنون سے آگاہ ہیں۔ بس کمانے کا سارا بوجھ مردوں پر رہتا ہے، دوسری قوموں کی عورتیں خود بھی صنعت وحرفت سے کماتی رہتی ہیں۔ تو صاحبو! میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے عورتوں کو موقع مدح میں بے خبر فرمایا ہے تو ہزار خبرداریاں اس بے خبری پر قربان ہیں۔ جب حق تعالیٰ عورتوں کے بھولے پن اور بے خبری کی تعریف فرماتے ہیں تو سمجھ لو اسی میں خیر ہے اور اس خبرداری میں خیر نہیں، جس کو تم تجویز کرتے ہو۔ تجربہ خود بتلا دے گا اور جو قرآن کو نہ مانے گا اسے زمانہ ہی خود بتلا دے گا۔ تمام دنیا کی قومیں اس پر متفق ہیں کہ قرآن کی برابر کسی کتاب کی تعلیم یہ ہے کہ عورتوں کے لئے غافل و بے خبر ہونا ہی اچھا ہے یہ صفت ہندوستان کی عورتوں میں بے نظیر ہے کہ خاوند کے کونہ سے الگ ہونا انکو گوارا نہیں ہوتا۔ میری ایک تائی تھیں (یعنی بڑی چچی) وہ جوانی ہی میں بیوہ ہو گئیں تھیں۔ مگر ساری عمر خاوند ہی کے کونہ میں گزار دی، اخیر میں انکی بہت عمر ہو گئی تھی۔ نگاہ بھی کم ہو گئی تھی۔ پاس کوئی رہنے والا بھی نہ تھا۔ مگر اپنے کونہ سے الگ نہ ہوتی تھیں۔ وہ مجھے بہت چاہتی تھیں۔ میں نے ہر چند اصرار کیا کہ تم میرے گھر میں آ جاؤ۔ یہاں

اکیلی پڑی ہوئی کیا لیتی ہو۔ تو یہ فرمایا کہ بچہ جہاں ڈولی آئی تھی وہیں سے کھٹولی نکلے گی۔ میں نے کہا کہ اگر تم یہی چاہتی ہو تو مرنے کے بعد تمہارا پلنگ اسی گھر میں لے آئیں گے پھر یہاں سے نکال لیں گے۔ مگر صاحب انہوں نے ایک نہ سنی تمام عمر وہیں رہیں اور اپنے حد اختیار تک وہاں سے جدا نہ ہوئیں۔ پھر جب سخت مریض ہو گئیں تو اس حالت میں ہم لوگ انکو اپنے گھر اٹھا لائے۔ کیونکہ ان کا مکان ذرا دور تھا ہر وقت نگہداشت مشکل تھی اور مکان انکا اتنا وسیع نہ تھا جس میں اور مستورات جا کر رہ سکتیں۔ تو واقعی ہندوستان کی عورتوں میں جہاں بے تمیزی وغیرہ ہے وہاں یہ خوبیاں بھی تو ہیں انکو بھی تو دیکھنا چاہئے۔

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

(تعلیم یافتہ قوموں کی عورتوں میں جو خوبیاں سلیقہ و تمیز کی بیان کی جاتی ہیں وہ تو مکتسب امور ہیں جو دوسری عورتیں بھی تعلیم سے حاصل کر سکتی ہیں۔ اور ہندوستان کی عورتوں میں جو خاص خوبیاں ہیں وہ فطری ہیں کہ تعلیم سے حاصل نہیں ہو سکتیں ۱۲)

اور ان خوبیوں کا مقتضا یہ ہے کہ بیبیوں پر رحم کرو اور ان سے بے پروائی اختیار نہ کرو اور بڑی بات یہ ہے کہ وہ تمہاری خادم ہیں طرح طرح سے تم کو آرام پہنچاتی ہیں اور

آنرا کہ بجائے تست ہر دم کرمے　　　عذرش بنہ اگر کند بہ عمرے ستمے

جس نے سو دفعہ آرام پہنچایا ہو اس کے ہاتھ سے ایک دفعہ تکلیف بھی پہنچ جائے تو اس کو زبان پر نہ لانا چاہئے۔ ہماری پیرانی صاحبہ اخیر میں بہت معذور ہو گئی تھیں تو حضرت کی ایک خادمہ گھر کے کاروبار کیلئے یہاں سے مکہ معظمہ پہنچ گئیں اور سارا کام اپنے ذمہ لے لیا مگر وہ خادمہ بڑی تندمزاج تھیں پیرانی صاحبہ سے لڑا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ میرے گھر میں پیرانی صاحبہ سے کہنے لگیں کہ حضرت یہ آپ سے لڑتی ہیں اور آپ انکو کچھ نہیں فرماتیں نہ گھر سے الگ کرتی ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ راحت بھی بہت دیتی ہیں اور جو شخص راحت بہت دیتا ہو اسکی بے عنوانیوں پر صبر نہ کرنا بے مروتی ہے اس لئے جب مجھکو ستاتی ہے تو میں اس کی راحتوں کو یاد کر کے سب معاف کر دیتی ہوں۔ حضرت پیرانی صاحبہ نہایت خلیق اور بہت ہی عالی فہم تھیں۔ صاحبو! جب ایک بی بی اتنی فہیم تھیں تو ہم کو مرد ہو کر ضرور فہم سے کام لینا چاہئے اور اپنی

بیبیوں کی راحت رسانی پر نظر کر کے انکی بے تمیزیوں کا تحمل کرنا چاہئے۔ یہ عورتوں کے حق دنیویہ ہیں اور اس سے پہلے جو حقوق بیان ہوئے وہ دینی حقوق تھے۔ افسوس ہم دینی حقوق تو کیا ادا کرتے...... دنیوی حقوق پر بھی ہم کو توجہ نہیں چنانچہ نہ بیوی کی نماز پر توجہ ہے نہ روزہ پر ان باتوں کو انکے کانوں میں ڈالتے ہی نہیں۔ یاد رکھو قیامت میں تم سے اسکی باز پرس ہوگی۔ کہ تم نے بیوی بچوں کو دیندار بنانے کی کتنی کوشش کی تھی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز کے لئے ان پر حد سے زیادہ سختی کرو ہر وقت ہاتھ میں لٹھ ہی لئے رہو، بلکہ اول نرمی سے سمجھاؤ۔ پھر برتاؤ میں ذرا ناراضی اور رنج ظاہر کرو۔ انشاء اللہ اس کا اچھا اثر ہوگا اور انکو اردو میں دینی رسالے پڑھاؤ، لکھاؤ، اس سے ان کے اخلاق بھی درست ہو جائیں گے اور دین کا خیال خود بخود ہوگا اور پڑھنے پر آمادہ نہ ہوں تو اس صورت کے لئے میں نے بہت جگہ یہ طریقہ بتلایا ہے کہ تم ایک وقت مقرر کر کے اول سے آخیر تک بہشتی زیور سارا سنادو۔ اور پہلے پہل بی بی سے یہ بھی نہ کہو کہ یہاں بیٹھ کر سنتی رہ بلکہ خود بلند آواز سے پڑھنا شروع کرو۔ انشاء اللہ وہ خود شوق سے آ کر سنے گی۔ چنانچہ اس طرح عمل کرنے سے فوراً ساری شکایتیں جاتی ہیں۔ عورتوں کے دل پر اثر بہت جلدی ہوتا ہے۔ اگر ان کو دین کی کتابیں سنائی جائیں تو انشاء اللہ بہت جلد اصلاح ہو جائے گی مرد اپنی بیبیوں کی شکایتیں تو کرتے ہیں کہ ایسی بے تمیز اور ایسی جاہل ہے مگر وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھیں کہ انہوں نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ بس یہ اپنی راحت ہی کے ان سے طالب ہیں اور ان کے دین کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ ایک شخص نے خوب کہا ہے کہ مقرب کی بے تمیزی اور بے وفائی بادشاہ کی بے تمیزی یا غفلت کی دلیل ہے تو عورتوں کی خطا ہے ہی مگر ان کی بے تمیزی میں مردوں کی بھی خطا ہے کہ یہ ان کے دین کی درستی کا اہتمام نہیں کرتے اور ان کے دینی حقوق کو تلف کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجلاس میں ایک باپ اور بیٹے کا مقدمہ پیش ہوا۔ باپ نے بیٹے پر دعویٰ کیا تھا کہ یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے سے جواب طلب کیا۔ اس نے کہا حضور کیا باپ ہی کے حقوق بیٹے پر ہیں یا بیٹے کا بھی باپ پر کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹے کا حق بھی باپ پر ہے۔ ایک یہ کہ شریف عورت سے نکاح کرے کہ اولاد اچھی ہو

اور نام اچھا رکھے کہ اس کی برکت ہو اور اس کو علم دین سکھائے۔ وہ بولا کہ ان سے دریافت کیا جائے کہ انہوں نے باپ ہو کر میرے کیا حقوق ادا کئے ہیں۔ ایک حق تو انہوں نے یہ ادا کیا کہ میری ماں لونڈی تھی، جن کے اخلاق جیسے ہوتے ہیں معلوم ہے، دوسرا یہ حق ادا کیا کہ میرا نام جُعل رکھا جس کے معنی ہیں گُوہ کا کیڑا، تیسرا حق یہ کہ مجھکو ایک بھی دین کی بات نہیں سکھلائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقدمہ خارج کر دیا اور باپ سے فرمایا تو نے اس سے زیادہ اس کی حق تلفی کی ہے۔ جاؤ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا کرو۔ اسی طرح ہماری حالت ہے کہ ہم بیویوں کی شکایت تو کرتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے بیویوں کا کونسا حق ادا کیا ہے۔ چنانچہ ان کا ایک حق یہ تھا کہ ان کے دین کا خیال کرتے۔ ان کو احکام الٰہیہ بتلاتے۔ دوسرا حق یہ تھا کہ معاشرت میں ان کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے باندیوں اور نوکروں کا سا برتاؤ نہ کرتے۔ مگر ہم نے سب حقوق ضائع کر دیئے۔

کوتاہی نسواں

اب رہ گئی عورتیں ان سے بھی دو قسم کی کوتاہیاں ہوتی ہیں ایک کوتاہی تو وہ دنیوی حقوق میں کرتی ہیں وہ یہ کہ بعض عورتیں خاوندوں کی اطاعت و خدمت میں کمی کرتی ہیں۔

بعض عورتیں مرد کی خدمت ماماؤں پر ڈال دیتی ہیں .... خود اس کے کاموں کا اہتمام نہیں کرتیں۔ بعض عورتیں مردوں سے خرچ بہت مانگتی ہیں۔ چنانچہ ایک بی بی کہتی ہیں کہ ہماری حالت تو دوزخ کی سی ہے۔ جیسے اس کا پیٹ نہیں بھرتا ہر دم هَل مِن مَّزِید ہی کہتی رہتی ہے۔ اسی طرح روپے، کپڑے، زیور وغیرہ سے ہمارا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ کتنا ہی دو مگر سب خرچ ہو جاتا ہے۔ مولوی عبدالرب صاحب واعظ دہلوی کا ایک لطیفہ ہے کہ عورتوں کے پاس چاہے کتنے ہی کپڑے ہوں مگر جب پوچھو یہی کہیں گے کہ کیا ہیں دو چیتھڑے اور جوتوں کے دو چار جوڑے دھرے ہونگے۔ مگر جب پوچھو یہی کہیں گی کیا ہیں دو لیتڑے اور برتن، کتنے ہی صندوق بھرے ہوں گے مگر یہی کہیں گی کیا ہیں دو ٹھیکرے۔ انہوں نے تو قافیہ بھی ملایا ہے۔ مگر حقیقت میں ہے یہی حالت۔ ان کا زیور، کپڑے اور برتنوں سے کبھی جی نہیں بھرتا۔ اور ہمیشہ اپنی چیز کو کم ہی بتلائیں گی کہ میرے پاس کیا ہے کچھ

بھی نہیں۔ ناشکری کا مادہ ان میں بہت ہی زیادہ ہے حدیث میں عورتوں کی اس صفت کا ذکر آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا تُکثِرنَ اللَّعنَ وَتَکفُرنَ العَشِیرَ[۱] کہ تم لعنت اور پھٹکار بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ ایک حدیث میں ہے۔ اگر تم عورت کے ساتھ عمر بھر احسان اور بھلائی کرتے رہو۔ پھر کبھی کوئی بات اس کے خلاف مزاج ہو جائے تو صاف یوں کہے گی مَا رَأیتُ مِنکَ خَیراً قَطُّ ...... کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔ ساری عمر کے احسان کو ایک منٹ میں بھلا دیتی ہیں۔ بعضی عورتیں یہ کرتی ہیں کہ وہ خاوند کے گھر میں آتے ہی ماں باپ سے اس کو جدا کرنا چاہتی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس زمانہ میں مناسب یہی ہے کہ نکاح ہوتے ہی جوان اولاد ماں باپ سے علیحدہ علیحدہ رہیں اسی میں جانبین کو راحت ہوتی ہے۔ میں نے میرٹھ میں ایک گھرانے کی حالت دیکھی کہ ان میں باہم ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔ اس گھر کے ایک مرد کو مجھ سے تعلق تھا۔ ان کا خط میرے پاس آیا جس میں دو شکایتیں لکھی تھیں۔ ایک یہ کہ میں اپنے گھر کے مردوں اور عورتوں کو دین کی باتیں بتلاتا ہوں وہ مانتے نہیں ہیں دوسری شکایت لکھی تھی کہ گھر میں روزانہ لڑائی رہتی ہیں میں نے لکھا آپ کی دونوں شکایتوں کا علاج اس شعر میں ہے ؎

کار خودکن کار بیگانہ مکن

(ترجمہ) اپنا کام کرو (اور) غیروں کے کام میں (ایسے) نہ پڑو کہ اپنا بھی کام چھوٹ جائے)

اس مصرعہ میں تو اس کا جواب ہے کہ وہ دین کی باتیں سن کر عمل نہیں کرتے سو اس کے متعلق دستوار العمل یہ رکھو کہ تم نصیحت کر کے اپنے کام میں لگو۔ آگے وہ جانیں ان کا کام۔ تم کیوں فکر میں پڑے اور دوسرے شکایت کا جواب مصرعہ میں ہے ؎

در زمینِ دیگراں خانہ مکن

(ترجمہ) دوسرے کی جگہ میں گھر نہ بناؤ۔

کہ غیر کی زمین میں گھر نہ بساؤ۔ میں نے لکھا کہ تم اسی وقت کوئی مکان کرایہ پر لیکر الگ رہنے لگو۔ چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور الگ مکان میں رہنے لگے۔ بس اسی روز سے امن

---

[۱] الصحیح للبخاری ۱: ۸۳، الصحیح لمسلم کتاب الإیمان: ۱۳۲

داماں ہو گیا۔ انکے والد صاحب بہت بھولے ہیں وہ کہتے تھے کہ آپس میں چھری کٹارے چلے مگر سب ایک ہی جگہ رہیں۔ مگر آج کل میں اس رائے کے خلاف ہوں میری رائے یہ ہے کہ نکاح کے بعد اولاد کی اور ماں باپ کی معاشرت الگ الگ ہونی چاہئے تو ہر چند کہ مناسب یہی ہے مگر جدا ہونے کا بھی تو طریقہ ہے۔ بے طریقہ جدا کرنے کا عورت کو کیا حق ہے بعض عورتوں کی یہ عادت ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ زبان درازی سے پیش آتی ہیں۔ اس کے سامنے خاموش ہی نہیں ہوتیں۔ حتیٰ کہ بعض خاوند مارتے بھی ہیں مگر یہ چپ نہیں ہوتیں۔

مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک عورت ایسی زبان دراز تھی اور اس کا خاوند اس کو بہت مارتا تھا یہ عورت ایک بزرگ کے پاس گئی کہ مجھے ایسا تعویذ دے دیجئے جس کے اثر سے میرا خاوند مجھے مارا نہ کرے۔ وہ بزرگ تھے بہت عاقل وہ سمجھ گئے کہ یہ زبان درازی کرتی ہوگی۔ اس لئے پٹتی ہے آپ نے فرمایا کہ اچھا تم تھوڑا پانی لے آؤ میں اسے پڑھ دوں گا۔ چنانچہ پڑھ دیا اور فرمایا کہ جب خاوند غصہ ہوا کرے تو اس میں سے چلو منہ میں گھونٹ لے کر بیٹھ جایا کرو۔ انشاء اللہ پھر نہیں مارے گا۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتی اور منہ میں گھونٹ لے کر بیٹھ جایا کرتی۔ اب ساری زبان درازی جاتی رہی۔ بیچاری بولے کیونکر منہ کو تو تالا لگ گیا آخر تھوڑے دنوں میں میاں راضی ہو گیا۔ حقیقت میں خوب علاج کیا۔ غرض عورتوں میں زبان درازی کا بڑا مرض ہے اور یہ ساری خرابی تکبر کی ہے۔ عورتیں یہ چاہتی ہیں کہ ہم ہاریں نہیں تا کہ ہیٹی نہ ہو۔ چنانچہ شوہر سے لڑ جھگڑ کر اپنی ہمجولیوں میں بیٹھ کر فخر کرتی ہیں کہ دیکھا ہم کیسا مرد کو بھگا کر آئے ہیں۔

دعویٰ مساوات

حالانکہ مردوں اور عورتوں میں قدرتی فرق ہے۔ یہ کسی طرح مردوں کی برابری نہیں کر سکتیں۔ عقل ان میں کم، برداشت کی قوت ان میں کم، قویٰ ان کے کمزور، اس لئے یہ جلدی ضعیف بھی ہو جاتی ہیں جب خدا نے تم کو ہر بات میں مردوں سے کم رکھا ہے تو آخر کس بات میں تم مساوات کی مدعی ہو اور آج کل بعض قوم میں مساوات کی بہت مدعی ہیں وہ عورتوں کو مردوں کی برابر کرنا چاہتے ہیں مگر کسی نے کر تو نہ لیا۔ چنانچہ آج کل اس دعویٰ مساوات کی بناء پر عورتیں پارلیمنٹ کی ممبری کا دعویٰ کر رہی ہیں مگر کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ اب وہ سارے دعوے جاتے

رہے۔ بھلا کہیں قدرتی فرق بھی کسی کے مٹانے سے مٹ سکتا ہے اور اگر ایسا کیا بھی گیا اور عورتوں کو مردوں کی برابر سب عہدے دیدیئے بھی گئے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس کے لئے عورتوں کو لیاقت بھی حاصل کرنا پڑے گی۔ علوم وفنون بھی حاصل کرنا ہوں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اولاد کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ کیونکہ میں نے امریکن ڈاکٹر کا قول دیکھا ہے کہ عورت کو زیادہ تعلیم دینے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو کمزور ہوتی ہے (جو جلد مرجاتی ہے) تو قدرتی طور پر عورتوں کے قویٰ دماغیہ زیادہ تعلیم کے متحمل نہیں ہیں۔ جب یہ بات ہے تو قدرتی طور پر مردوں اور عورتوں میں مساوات نہیں ہوسکتی۔ پھر نہ معلوم عورتوں کو برابری کا دعویٰ کیوں ہے۔ تم تو مردوں کے سامنے اتنی چھوٹی ہو کہ حدیث میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم کرتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے کچھ ٹھکانا ہے، مرد کی عظمت کا کہ اگر خدا کے بعد کسی کے لئے سجدہ جائز ہوتا تو عورت کو مرد کے سجدہ کا حکم ہوتا۔ مگر اب عورتیں مردوں کی یہ قدر کرتی ہیں کہ ان کے ساتھ زبان درازی اور مقابلہ سے پیش آتی ہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ صاحب مرد کے غصہ سے ہم کو بھی غصہ آجاتا ہے تو سمجھو کہ غصہ ہمیشہ اپنے چھوٹے یا برابر پر آیا کرتا ہے۔ اور جس کو آدمی اپنے سے بڑا سمجھا کرتا ہے اس پر کبھی نہیں آیا کرتا۔ چنانچہ نوکر کو آقا پر غصہ نہیں آسکتا۔ اسی طرح رعیت کے آدمی کو حاکم پر غصہ نہیں آتا۔ بیٹے کو باپ پر غصہ نہیں آسکتا۔ چاہے وہ اس پر کتنا ہی غصہ کرے۔ کیونکہ یہ اس کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے۔ پس تمہارا یہ عذر ہی خود ایک جرم کو بتلا رہا ہے۔ عذر گناہ بدتر از گناہ اسی کو کہتے ہیں۔

بیبیو! تم کو مرد کے غصہ سے غصہ آنا یہ بتلاتا ہے کہ تم اپنے کو مرد سے بڑا یا برابر درجہ کا سمجھتی ہو اور یہ خیال ہی سرے سے غلط ہے۔ اگر تم اپنے کو مرد سے چھوٹا اور محکوم سمجھو تو چاہے وہ کتنا ہی غصہ کرتا۔ تم کو ہرگز غصہ نہ آسکتا۔ پس تم اس خیال فاسد کو اپنے دل سے نکال دو اور جیسا خدا نے تم کو بنایا ہے ویسا ہی اپنے کو مرد سے چھوٹا سمجھو اور اس کے غصہ کے وقت زبان درازی کبھی نہ کرو۔ اسوقت خاموش رہو اور جب اس کا غصہ اتر جائے تو دوسرے وقت کہو کہ میں اسوقت بولی نہ تھی اب بتلاتی ہوں کہ تمہاری فلاں بات بیجا تھی یا زیادتی کی تھی۔ اس طرح کرنے سے بات بھی نہ بڑھے گی اور مرد کے دل میں تمہاری قدر بھی ہوگی۔ تو عورتیں ایک کوتاہی تو یہ کرتی ہیں۔

رفت بے جا خرچ

اور ایک کوتاہی یہ کرتی ہیں کہ خاوند کے مال کو بڑی بیدردی سے اڑاتی ہیں۔ خاص کر شادی بیاہ کی خرافات رسموں میں اور شیخی کے کاموں میں بعضی جگہ تو مرد و عورت دونوں مل کر خرچ کرتے ہیں اور بعض جگہ صرف عورتیں ہی خرچ کی مالک ہوتی ہیں پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرد رشوت لیتا ہے یا مقروض ہوتا ہے تو زیادہ تر جو مرد حرام آمدنی میں مشغول ہیں اس کا بڑا سبب عورتوں کی فضول خرچی ہے۔ مثلاً کسی گھر میں شادی ہوئی تو یہ فرمائش ہوتی ہے کہ قیمتی جوڑا ہونا چاہئے۔ اب وہ سو دو سو روپے میں تیار ہوتا ہے مرد نے سمجھا تھا کہ خیر سو دو سو ہی میں پاپ کٹا۔ مگر بیوی نے کہا کہ یہ تو شاہانہ جوڑا ہے۔ چوتھی بھوڑے کا الگ ہونا چاہئے وہ بھی اسی کے قریب لاگت میں تیار ہوا پھر فرمائش ہوتی ہے کہ جہیز میں دینے کو بیس پچیس جوڑے اور ہونے چاہئیں۔ غرض کپڑے ہی کپڑے میں سینکڑوں روپے لگ جاتے ہیں جہیز میں اس قدر کپڑے دیئے جاتے ہیں کہ ایک بار میں ضلع میرٹھ کے ایک گاؤں میں گیا تھا، معلوم ہوا کہ وہاں ایک بہو صرف کپڑا پندرہ سو روپیہ کا لائی ہے۔ برتن اور زیور اور لچکے گوٹے اس سے الگ تھے میں نے بعض گھروں میں دیکھا ہے کہ جہیز میں اتنے کپڑے دیئے گئے تھے کہ لڑکی ساری عمر بھی پہنے تو ختم نہ ہوں۔ اب وہ کیا کرتی ہے، اگر سخی ہوئی تو منہ ملاقات کی جگہ بانٹنا شروع کر دیا۔ ایک جوڑا کسی کو دیا، ایک کسی کو۔ اور بخیل ہوئی تو صندوق میں بند کر کے رکھ لئے۔ پھر بہت سے جوڑوں کو تو پہننا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ وہ یوں ہی رکھے رکھے گل جاتے ہیں۔ غرض اس فضول خرچی کے ساتھ عورتیں خاوند کا مال برباد کرتی ہیں۔ بھلا جہیز میں اتنے کپڑے دینے کی کیا ضرورت ہے مگر کیونکر نہ دیں اس میں نام بھی ہوتا ہے کہ فلانی نے اپنی بیٹی کو ایسا جہیز دیا اور اتنا اتنا دیا، بس شیخی کے واسطے مرد کا گھر برباد کیا جاتا ہے میں نے ایک تعلق دار کی حکایت سنی جو بہت بڑے مالدار ہیں کہ انہوں نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا اور جہیز میں صرف ایک پالکی دی اور ایک قالین اور ایک لوٹا اور ایک قرآن مجید اس کے سوا کچھ نہ دیا۔ نہ برتن نہ کپڑے بلکہ اس کی بجائے ایک لاکھ روپیہ کی جائیداد بیٹی کے نام کر دی اور کہا کہ میری نیت اس شادی میں ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی تھی اور یہ رقم اس کے واسطے پہلے ہی تجویز کر لی

تھی۔خیال تھا کہ خوب دھوم دھام سے شادی کرونگا۔مگر پھر میں نے سوچا کہ اس دھوم دھام سے میری بیٹی کو کیا نفع ہوگا۔بس لوگ کھا پی کر چل دینگے میرا روپیہ برباد ہوگا اور بیٹی کو کچھ حاصل نہ حصول اس لئے میں نے ایسی صورت اختیار کی جس سے بیٹی کو نفع پہنچے۔اور جائیداد سے بہتر اس کے لئے نفع کی کوئی چیز نہیں اس سے وہ اور اسکی اولاد پشتہا پشت تک بے فکری سے عیش کرتے رہیں گے۔اور اب کوئی مجھے بخیل اور کنجوس بھی نہیں کہہ سکتا۔کیونکہ میں نے دھوم دھام نہیں کی تو رقم اپنے گھر میں بھی نہیں رکھی۔دیکھو، یہ ہوتا ہے عقلا کا طرز،اگر خدا کسی کو دے تو بیٹی کے جہیز میں بہت دینا برا نہیں۔مگر طریقہ سے ہونا چاہئے جو لڑکی کے کچھ کام بھی آوے۔مگر عورتوں کو کچھ نہیں سوجھتا۔یہ تو ایسی بیہودہ ترکیبوں سے روپیہ برباد کرتی ہیں جن سے نہ ان کو کچھ وصول ہوتا ہے نہ لڑکی کو۔یہ وہ کوتاہیاں ہیں جو عورتیں دنیوی حقوق میں کرتی ہیں۔مگر یہ ظاہر میں دنیا ہے اور واقع میں سب دین ہے۔کیونکہ شریعت نے مرد کے مال کی حفاظت اور اس کی تعظیم و خدمت عورتوں کے ذمہ لازم سمجھی ہے اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو ان سے باز پرس ہوگی۔

دینی حقوق میں کوتاہی

ایک کوتاہی دینی حقوق میں کرتی ہیں کہ مرد کو جہنم کی آگ سے بچانے کا اہتمام نہیں کرتیں۔یعنی اسکی کچھ پرواہ نہیں کرتیں کہ مرد ہمارے واسطے حلال و حرام میں مبتلا ہے اور کمانے میں رشوت وغیرہ سے باک نہیں کرتا۔تو اس کو سمجھائیں کہ تم حرام آمدنی مت لیا کرو ہم حلال ہی میں اپنا گذر کرلیں گے۔علیٰ ہذا اگر مرد نماز نہ پڑھتا ہو تو اس کو مطلق نصیحت نہیں کرتیں حالانکہ اپنی غرض کے لئے اس سے سب کچھ کرالیتی ہیں۔اگر عورت مرد کو دیندار بنانا چاہے تو اس کو کچھ مشکل نہیں۔مگر اس کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ پہلے تم دیندار بنو۔نماز اور روزہ کی پابندی کرو۔پھر مرد کو نصیحت کرو، تو انشاء اللہ اثر ہوگا۔مگر بعضی عورتیں دینداری پر آتی ہیں تو یہ طریقہ اختیار کرلیتی ہیں کہ تسبیح اور مصلیٰ لے کر بیٹھ گئیں۔اور گھر کو ماماؤں پر ڈالدیا۔یہ طریقہ بھی اچھا نہیں۔کیونکہ گھر کی نگہبانی اور خاوند کے مال کی حفاظت عورت کے ذمہ فرض ہے جس میں اس صورت سے بہت خلل واقع ہوتا ہے اور جب فرض میں خلل آ گیا تو یہ نفلیں اور تسبیحیں کیا نفع دیں گی۔اس لئے دینداری میں اتنا غلو بھی نہ کرو کہ گھر کی خبر

ہی نہ لو۔ نماز روزہ اس طرح کرو کہ اس کیساتھ گھر کا بھی پورا حق ادا کرو۔ اور تمہارے واسطے یہ بھی دین ہی ہے کہ تم کو گھر کے کام کاج میں بھی ثواب ملتا ہے (اگر اس نیت سے کرو کہ میں حق تعالیٰ کے حکم کا امتثال کرتی ہوں کیونکہ حق تعالیٰ نے گھر کی حفاظت اور خبر گیری میرے ذمہ کی ہے ۱۲) ہاں گھر کے کاموں میں ایسی منہمک نہ ہوں کہ دین کو چھوڑ دو، بلکہ اعتدال سے کام لو کہ دین کے ضروری کام بھی ادا ہوتے رہیں اور گھر کا کام بھی نگاہ کے سامنے نکلتا رہے۔ یہ سخت بے تمیزی ہے کہ تسبیح اور نفلوں میں مشغول ہو کر گھر کے کام کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ اور اللہ اللہ تو گھر کے کام کرتے ہوئے بھی ہوسکتا ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ تسبیح اور مصلیٰ ہی کے ساتھ اللہ اللہ کیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ

لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطباً مِن ذِکرِ اللّٰہِ[1]

ترجمہ: زبان کو خدا کی یاد سے ہر وقت تر رکھنا چاہئے۔

اور ظاہر ہے کہ تسبیح اور مصلیٰ ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتا، تو معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کے لئے کسی قید اور پابندی کی ضرورت نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں ہوسکتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جنکو خدا نے مامائیں اور نوکر دیئے ہوں وہ اپنے ہاتھ سے بھی کچھ کام کیا کریں۔ یہ نہ ہو کہ دن رات پلنگ ہی توڑتی رہیں اور کسی کام کو ہاتھ نہ لگائیں۔ کیونکہ اس طرح کام کی عادت چھوٹ جاتی ہے۔ اور آدمی ہمیشہ کے لئے محتاج بن جاتا ہے اور کام کرتے رہنے میں عادت بھی رہتی ہے اور قوت و صحت بھی اچھی رہتی ہے۔

حدیث میں ہے: **اَلمُؤمِنُ القَوِیُّ خَیر مِنَ المُؤمِنِ الضَّعِیفِ وَفِی کُلٍ خَیر**[2] کہ مسلمان قوی مسلمان کمزور سے اچھا ہے اور یوں تو سب ہی اچھے ہیں تو ہمت کی بات یہ ہے گھر کے کام کو بھی دیکھو، نوکروں باندیوں سے اپنی نگرانی میں کام لو۔ اور کبھی کسی کام کو اپنے ہاتھ سے بھی کرلیا کرو۔ اور اس کے ساتھ کچھ وقت نکال کر نفلیں اور تسبیحیں بھی پڑھو اگر زیادہ وقت نہ ملے تو چلتے پھرتے ہی اللہ اللہ کرتے رہا کرو۔

---

[1] سنن الترمذی: ۳۳۷۵، سنن ابن ماجة: ۳۷۹۳، مشکوۃ المصابیح: ۲۲۷۹

[2] تاریخ بغداد للخطیب ۱۲: ۲۲۳، حلیة الأولیاء ۱۰: ۲۹۶

کوتاہی حقوق اولاد

ایک کوتاہی عورتیں اولاد کے حقوق میں کرتی ہیں۔ بعضی تو اپنے بچوں کو کوستی ہیں، اور کبھی وہ کوسنا لگ بھی جاتا ہے پھر سر پکڑ کر روتی ہیں اور بعضی اولاد کے حقوق میں دینی کوتاہی کرتی ہیں کہ انکو دین کی تعلیم نہیں دیتیں۔ نہ نماز روزہ کی ترغیب دیتی ہیں چاہئے کہ اپنی اولاد کو نماز سکھلاؤ اور نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ اور تاکید کرو اور علم کی رغبت دلاؤ۔ یہ تو قول کی تعلیم ہوئی مگر اس کے ساتھ فعل سے بھی تعلیم کرو کہ تم خود بھی اپنی حالت کو درست کرو۔ والدین کے افعال دیکھ دیکھ کر بچہ وہی کام کرنے لگتا ہے جو ان کو کرتے دیکھتا ہے۔ بلکہ ایک بات تجربہ کی بتلاتا ہوں کہ اگر بچہ پیدا ہونے سے پہلے والدین اپنی حالت درست کرلیں تو بچہ نیک ہی پیدا ہوگا بچہ کی پیدائش سے پہلے بھی جو افعال و احوال والدین پر گذرتے ہیں ان کا بھی اثر اس میں آتا ہے چنانچہ ایک بزرگ کا بچہ بڑا شریر تھا کسی نے ان سے کہا کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ تو ایسے بزرگ اور آپ کا بچہ ایسا شریر، فرمایا کہ ایک دن میں نے ایک امیر کے گھر کا کھانا کھالیا تھا۔ اس سے نفس میں ہیجان ہوا۔ اس وقت میں اسکی ماں کے پاس گیا اور حمل قرار پا گیا۔ تو یہ بچہ اس مشتبہ غذا کا ثمرہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ حمل قرار پانے کے وقت والدین کی جو حالت ہوتی ہے۔ اچھی یا بری اس کا بھی اثر بچہ میں آتا ہے۔ بعض کتابوں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ دو میاں بی بی نے آپس میں یہ صلاح کی کہ آؤ ہم دونوں سب گناہوں کی توبہ کرلیں۔ اور آئندہ کوئی گناہ نہ کریں تاکہ بچہ نیک پیدا ہو۔ چنانچہ اس کا اہتمام کیا گیا۔ اسی حالت میں حمل قرار پایا اور بچہ پیدا ہوا تو وہ بہت صالح اور سعید پیدا ہوا۔ ایک روز اس بچہ نے کسی دکان پر سے ایک بیر چرایا۔ مرد نے بیوی سے کہا سچ بتلا یہ اثر کہاں سے آیا۔

اس نے بیان کیا کہ پڑوسی کے گھر میں جو بیری کا درخت کھڑا ہے اسکی ایک شاخ ہمارے گھر میں ہے اس میں ایک بیر لگ رہا تھا میں نے وہ توڑ لیا تھا۔ مرد نے کہا بس اس کا اثر ہے، آج ظاہر ہوا پس اولاد نیک ہونے کے لئے اول درجہ تو یہ ہے کہ والدین خود نیک بنیں دوسرا درجہ یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اس کے سامنے بھی کوئی حرکت بیجا نہ کریں۔ اگرچہ وہ بالکل ناسمجھ بچہ ہو۔ کیونکہ حکماء نے کہا ہے کہ بچہ کے دماغ کی مثال پریس جیسی ہے کہ جو چیز اس کے سامنے آتی ہے وہ دماغ میں منقش ہو جاتی ہے۔ پھر جب اس کو ہوش آتا ہے تو وہی نقوش اس کے سامنے آ

جاتے ہیں اور وہ ایسے ہی کام کرنے لگتا ہے جیسے اس کے دماغ میں پہلے ہی سے منقش تھے۔ غرض مت سمجھو کہ یہ تو ناسمجھ بچہ ہے یہ کیا سمجھے گا۔ یاد رکھو جو افعال تم اس کے سامنے کرو گے ان سے اس کے اخلاق پر ضرور اثر پڑے گا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب بچہ بڑا ہو جائے تو اس کو علم دین سکھاؤ۔ اور خلاف شریعت کاموں سے بچاؤ اور نیک لوگوں کی صحبت میں رکھو برے لوگوں کی صحبت سے بچاؤ۔ غرض جس طرح بزرگوں نے لکھا ہے اسی طرح بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرو۔ بعضی عورتیں اس میں بہت کوتاہی کرتی ہیں۔ اور اولاد کے حقوق کو تلف کرتی ہیں اور اولاد کے یہ حقوق صرف عورتوں ہی کے ذمہ نہیں، بلکہ مردوں کے بھی ذمہ ہیں۔ مگر بچوں کے اخلاق کی درستی زیادہ تر عورتوں ہی کے اہتمام کرنے سے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بچے ابتداء میں زیادہ تر ان ہی کے پاس رہتے ہیں۔ یہ ہیں حقوق عورتوں کے مردوں کے ذمہ میں اور مردوں کے عورتوں کے ذمہ میں، مگر ان میں مرد تو عورت کی رعیت نہیں ہے بلکہ حاکم ہے۔ تو اس کے جو عورت کے ذمہ ہیں وہ حاکمانہ حقوق ہیں۔ اور عورتوں کے حقوق جو مردوں کے ذمہ ہیں وہ سب رعیت کے حقوق ہیں کیونکہ عورتیں انکی محکوم ہیں اسی کو فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ**، (تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا) آج کل نماز روزہ کی تعلیم تو سب کرتے ہیں مگر جو باتیں میں نے بیان کی ہیں ان کو کوئی نہیں بتلاتا اسی لئے ان حقوق کو بہت لوگ نہیں جانتے اس واسطے میں نے اس وقت مختصراً یہ مضمون بیان کیا ہے تاکہ یہ باتیں کان میں تو پڑ جائیں۔ اب ایک بات اخیر میں یہ کہتا ہوں کہ اسوقت جتنے حقوق آپ نے سنے ہیں ان کے بجالانے کے لئے آپ کو ایک تو علم کی ضرورت ہو گی کیونکہ بدوں جانے کیونکر ادا ہوں گے۔ اور اسوقت کا بیان یاد نہیں رہ سکتا اور نہ یہ کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اسوقت میں نے تمام حقوق کو تفصیل کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے۔ محض اجمالاً و مختصراً کچھ باتیں بیان کر دی ہیں۔ اس لئے علم حاصل کرنے سے چارہ نہیں۔ دوسرا ضرورت ہو گی ہمت کی۔ کیونکہ جان لینے کے بعد بھی بدوں ہمت کے عمل نہیں ہو سکتا۔ تو میں ان دونوں کا آسان طریقہ بتلاتا ہوں جسکی مستورات کیلئے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ مردوں کو تو کسی قدر علم خود بھی ہوتا ہے اور ان میں ہمت بھی بہت کچھ ہے مگر عورتوں کو نہ تو علم ہے نہ ہمت، تو علم حاصل کرنے کا آسان طریقہ تو یہ ہے کہ کتابیں مسئلے مسائل کی اہل تحقیق نے لکھی ہیں انکو پڑھو اور اگر

پڑھنے کی عمر نہ ہوتو کسی سے باالتزام سن لواور روزمرہ سنا کرو۔ جب تمام کتاب ختم ہوجائے تو پھر اول سے دور شروع کردو۔ اس سے تو تم انشاء اللہ باخبر ہوجاؤ گی۔ حقوق کا اچھی طرح تم کو علم ہو جائے گا اور ہمت کے لئے ایک آسان تدبیر تو یہ ہے کہ بزرگوں کے پاس جا کر بیٹھا کرو مگر یہ صورت مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں، وہ یہ کریں کہ بزرگوں کے حالات اور حکایات اور ملفوظات دیکھا کریں اس سے انشاء اللہ ان میں عمل کی ہمت پیدا ہوگی بس یہ طریقہ ہے ان حقوق کے ادا کرنے کا۔ اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ ہم کو اسکی توفیق عطا فرمائیں۔

وصلی الله تعالیٰ وسلم علی خیر خلقه سیدنا ومولٰنا محمد وعلیٰ آلهٖ واصحابهٖ اجمعین واٰخر دعوٰنا ان الحمد لله الذی بنعمتهٖ وجلاله یتم الصلحت وهو هٰذا۔

مضمون متعلق بہ تعلیم زنانہ اسکول

جس کا حوالہ وعظ ہذا کے تقریباً ثلث حصہ کے بعد کے حاشیہ میں ہے۔ بعضے آدمی اپنی لڑکیوں کو آزاد بیباک عورتوں سے تعلیم دلاتے ہیں۔ یہ تجربہ ہے کہ ہم صحبت کے اخلاق وجذبات کا آدمی میں ضرور اثر آتا ہے۔ خاص کر جب وہ شخص ہم صحبت ایسا ہو کہ متبوع[1] اور معظم بھی ہو اور ظاہر ہے کہ استاد سے زیادہ ان خصوصیات کا کون جامع[2] ہوگا۔

تو اس صورت میں وہ آزادی و بیباکی ان لڑکیوں میں بھی آوے گی۔ اور میری رائے میں سب سے بڑھ کر جو عورت کو حیا اور انقباض طبعی ہے۔ اور یہی مفتاح[2] ہے۔

تمام چیزوں کی جب یہ نہ رہا تو اس سے پھر نہ کوئی خیر متوقع ہے نہ کوئی شر مستبعد ہے ہرچند کہ[3] اذا فاتک الحیاء فافعل ماشئت حکم عام ہے۔

لیکن میرے نزدیک ماشئت کا عموم نساء کے لئے بہ نسبت رجال کے زیادہ ہے اس لئے کہ مردوں میں پھر بھی عقل کسی قدر مانع ہے اور عورتوں میں اسکی بھی کمی ہوتی ہے اس لئے کوئی مانع ہی نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر استانی ایسی نہ ہو لیکن ہم سبق اور ہم مکتب لڑکیاں ایسی ہوں تب بھی اسی کے قریب بہ مضرتیں واقع ہوں گی .... اس تقریر سے دو جزئیوں کا حال بھی معلوم ہوگیا ہوگا جن کا اس وقت بے تکلف شیوع[4] ہے۔

---

[1] جمع کریئوالا ۱۲ [2] کنجی ۱۲ [3] جب تجھ سے حیا جاتی رہے تو کر جو جی چاہے ۱۲ [4] رواج ۱۲

ایک لڑکیوں کا عام زنانہ اسکول بنانا اور مدارس عامہ کی طرح اسمیں مختلف طبقات اور مختلف خیالات لڑکیوں کا روزانہ جمع ہونا گو معلّمہ مسلمان ہی اور یہ آنا ڈولیوں ہی میں ہو اور گو یہاں آ کر بھی پردہ ہی کے مکان میں رہنا ہو لیکن تاہم واقعات نے دکھلا دیا ہے اور تجربہ کرا دیا ہے کہ یہاں ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جن کا ان کے اخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اور صحبت اکثر عفت سوز ثابت ہوئی ہے اور اگر استانی بھی کوئی آزاد یا مکار مل گئی تو کریلا اور نیم چڑھا کی مثال صادق آ جاتی ہے اور دوسری جزئی یہ کہ اگر کہیں مشن کی میم سے روزانہ یا ہفتہ وار نگرانی تعلیم یا صنعت سکھلانے کے بہانہ اختلاط ہونے لگا تو نہ آبرو کی خیر ہے اور نہ ایمان کی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ بعض لوگ ان آفات کو مایہ افتخار سمجھ کر خود اپنے گھروں میں بلاتے ہیں میرے نزدیک تو ان آفات مجسمہ سے بچی تو بچی اور تابع ہو کر تو کیا ذکر کسی بڑی بڈھی مسلمان عورت کا متبوع ہو کر عمر بھر میں ایک بار ہمکلام ہونا بھی خطرناک ہے۔ جن مضرتوں کے ذکر کا اوپر وعدہ تھا ان میں سے بعض یہی ہیں اور بعض کا ذکر اوپر دوسرے کے طبقہ کے منشاء وخیال کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ اسلم طریقہ لڑکیوں کے لئے یہی ہے جو زمانہ دراز سے چلا آتا ہے کہ دو دو چار چار لڑکیاں اپنے اپنے تعلقات کے مواقع میں آ دیں اور پڑھیں اور حتی الامکان اگر ایسی استانی مل جاوے جو تنخواہ نہ لے تو تجربہ سے یہ تعلیم زیادہ بابرکت اور بااثر ثابت ہوئی ہے اور بدرجہ مجبوری اس کا بھی مضائقہ نہیں اور جہاں کوئی ایسی استانی نہ ملے اپنے گھر کے مرد پڑھا دیا کریں۔ پڑھانے کا تو یہ طرز ہو اور نصاب تعلیم یہ ہو کہ اول قرآن مجید حتی الامکان صحیح پڑھایا جاوے پھر کتب دینیہ سہل زبان کی جن میں تمام اجزاء دین کی مکمل تعلیم ہو (میرے نزدیک اس وقت بہشتی زیور کے دسوں حصے ضرورت کے لئے کافی ہیں) اور اگر گھر کا مرد تعلیم دے جو مسائل شرمناک ہوں ان کو چھوڑ دیں۔ اور اپنی بی بی کے ذریعہ سمجھوا دے اور اگر یہ نظام بھی نہ ہو سکے تو ان پر نشان کر دے تاکہ ان کو یہ مقامات محفوظ رہیں۔ پھر وہ سیانی ہو کر خود سمجھ لیں گی۔ یا اگر عالم شوہر میسر ہو اس سے پوچھ لیں گی یا شوہر کے ذریعہ کسی عالم سے تحقیق کرا لیں گی چنانچہ بندہ نے بہشتی زیور کے دستور

العمل میں جو ٹائیٹل پر مطبوع ہوا ہے اس کا خلاصہ لکھ دیا ہے مگر بعضے لوگ اس کو دیکھتے نہیں اور اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی مرد پڑھانے لگے تو ایسے مسائل کس طرح پڑھا دے اس لئے ان کا لکھنا ہی کتاب میں مناسب نہ تھا۔ کیسی کچی سمجھ ہے بہشتی زیور کے اخیر میں مفید رسالوں کا نام بھی لکھ دیا گیا ہے جن کا پڑھنا اور مطالعہ عورتوں کو مفید ہے۔ اگر سب نہ پڑھیں ضروری مقدار پڑھ کر باقیوں کو مطالعہ میں ہمیشہ رکھیں اور تعلیم کے ساتھ ان کے عمل کی بھی نگرانی رکھیں اور اس کا بھی انتظام کریں کہ ان کو تدریس[1] کا شوق ہو،

تا کہ عمر بھر شغل رہے تو اس سے علم و عمل کی تجدید و تحریص[2] ہوتی رہتی ہے۔

اور اس کی بھی ترغیب دیں کہ مطالعہ کتب مفیدہ سے کبھی غافل نہ رہیں اور ضروری نصاب کے بعد اگر طبیعت میں قابلیت دیکھیں عربی کی طرف متوجہ کریں۔ تا کہ قرآن و حدیث وفقہ اصلی زبان میں سمجھنے کے قابل ہو جاویں، اور قرآن کا خالی ترجمہ جو بعض لڑکیاں پڑھتی ہیں میرے خیال میں سمجھنے میں زیادہ غلطی کرتی ہیں۔ اس لئے اکثر کے لئے مناسب نہیں۔ یہ تو سب پڑھنے کے متعلق بحث تھی رہا لکھنا تو اگر قرائن سے طبیعت میں بیبا کی معلوم نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ضروریاتِ خانگی کے لئے اس کی بھی حاجت ہو جاتی ہے اور اگر اندیشہ خرابی کا ہو تو مفاسد سے بچنا جلبِ[3] مصالح غیر واجبہ[4] سے اہم[5] ہے۔

ایسی حالت میں لکھنا نہ سکھاویں اور نہ خود لکھنے دیں اور یہی فیصلہ ہے عقلاء کے اس اختلاف کا کہ لکھنا عورت کے لئے کیسا ہے؟ فقط

---

[1] پڑھانا ۱۲ ۔ [2] رغبت ۱۲ [3] مفید چیزوں کا حاصل کرنا ۱۲ [4] غیر ضروری ۱۲ [5] ضروری ۱۲

الکمال فی الدّین للنساء

یعنی

خواتین اسلام اورتکمیل دین کا طریقہ کار

یہ وعظ محمد رفیع صاحب کے مکان پر ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ بعد ظہر بروز سہ شنبہ اڑھائی گھنٹہ بیٹھ کر ارشاد فرمایا:

سامعین کی تخمینی تعداد تقریباً دوسو تھی اور مستورات کی تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے قلمبند فرمایا۔

خطبہ ماثورہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لآ آله الا الله وحده لا شريک له ونشهد ان سيّدنا ومولانا محمّد اعبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وبارک وسلم ...... اما بعد: فَاَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيم. بِسمِ اللهِ الرَّحمنِ الرَّحِيم. يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِين. (سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۱۹)

اے ایمان والو! تقویٰ حاصل کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

تمہید

بیان کرنے سے پہلے اتنا کہہ دینا مناسب ہے کہ اگر مردوں کو آواز کم پہنچے یا مضامین ان کے مناسب کم ہوں تو وہ مجھ کو معذور سمجھیں کیونکہ یہ بیان خاص عورتوں کے لئے ہے۔ اول تو اس بیان سے مقصود وہی ہیں مردوں میں اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے دوسرے عورتوں کو مواعظ کے سننے کا بھی موقع کم ملتا ہے اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ گاہے گاہے خاص ان کے مناسب مضامین بیان کئے جائیں تا کہ ان کو بھی اپنی اصلاح کا طریقہ معلوم ہو۔ مردوں کو مواعظ سننے کا بہت موقع ملتا رہتا ہے دوسرے ان کو وقتاً فوقتاً علماء سے ملنے کا بھی موقع ملتا رہتا ہے اگر مواعظ بھی نہ سنیں تو ضروری باتیں وہ زبانی دریافت کر سکتے ہیں بیچاری مستورات کو اس کا بھی موقع نہیں ملتا۔ اس لئے ان کی اصلاح کے لئے خاص طور پر اہتمام کی ضرورت ہے کہ ایک بیان ایسا ہو جس میں انہی کے مناسب مضامین ذکر کئے جائیں۔

تربیت اولاد

پھر عورتوں کے متعلق بچوں کی بھی تربیت ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ بچہ ابتدائے عمر میں اپنی ماؤں کے پاس زیادہ رہتے ہیں باپ کے پاس کم رہتے ہیں۔ اس لئے بچوں کی

تربیت اسی طرح عمدہ ہوسکتی ہے کہ مستورات کی اصلاح ہوجائے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ابتدائے عمر میں بچوں کو سمجھ ہی کیا ہوتی ہے جو وہ اچھی یا بُری بات سے اثر لیں۔ بچپن میں ان کا تربیت کرنے والا خواہ کیسا ہو، سمجھ آنے کے بعد کسی نیک آدمی کے پاس ان کو رکھنے کی ضرورت ہونی چاہئے۔ سو خوب سمجھ لیجئے کہ یہ خیال غلط ہے بچپن میں جبکہ بچہ دودھ پیتا ہے اس وقت بھی اس کے دماغ میں اخذ کا مادہ ہوتا ہے گو وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے اور اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جیسے فوٹوگراف کہ تم جو کچھ کہتے ہو وہ سب اس میں جا کر محفوظ و منقش ہوجاتا ہے گو اسوقت آواز نہ نکلے لیکن جس وقت ان نقوش پر سوئی چلے گی وہ سب باتیں اس میں بعینہٖ نکلیں گی۔ یہی حال بچوں کے دماغ کا ہے۔ کہ ابتدائے عمر میں بھی وہ سب باتوں کا اخذ کر کے محفوظ کر لیتا ہے گو اسوقت ان پر عمل نہ کر سکے یا زبان سے ظاہر نہ کر سکے پھر جب اس میں قوت عمل و نطق کامل ہوجاتی ہے تو پہلی باتوں کے آثار اس سے ظاہر ہونے لگتے ہیں ایک تجربہ کار کا مقولہ ہے کہ بچوں کی اصلاح کا وقت پانچ سال تک ہے۔ اس عرصہ میں جتنے اخلاق اس میں پختہ ہونے ہوتے ہیں پختہ ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد اس میں پھر کوئی عادت پختہ نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہم جس زمانہ کو ناسمجھی کا زمانہ خیال کرتے ہیں وہی وقت بچوں کی اصلاح کا ہے اور بچے اسی زمانہ میں سب کچھ اخذ کر لیتے ہیں ایک مسماۃ نے بیان کیا کہ بچوں کی اصلاح کا سہل طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے بچہ کی کامل طور پر تربیت کردی جائے پھر سارے بچے اسی جیسے اٹھیں گے، جیسے کام کرتا ہوا اس کو دیکھیں گے اگلے بچے بھی وہی کام کریں گے اور اسی کی عادتیں خصلتیں سیکھ لیں گے غرض بچوں کی تربیت چونکہ زیادہ تر عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے ان کی اصلاح سے مردوں کی بھی اصلاح متوقع ہے کیونکہ یہ بچے ایک وقت مرد بھی بنیں گے۔ ان وجوہ سے اس وقت کا بیان زیادہ تر مستورات کے لئے مخصوص ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مردوں کے لئے یہ بیان کسی درجہ میں بھی مفید نہ ہوگا کیونکہ اس میں بھی آخر احکام شرعیہ ہی بیان ہوگا۔ اور احکام اکثر مردوں اور عورتوں میں مشترک ہی ہیں البتہ طرز بیان میں مردوں کی دلچسپی کا لحاظ نہ کیا جائے گا بلکہ زیادہ تر عورتوں کی دلچسپی کے مضامین ہوں گے سو دلچسپی اگر نہ ہوئی بلا سے نہ ہو یہ مقصود تھوڑا ہی ہے اور جو مشترک نہ ہو تب بھی ایک نفع تو یقیناً سب کو ہے۔

فضیلت وعظ:

وہ یہ کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب کہیں اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو فرشتوں کی ایک جماعت وہاں مجتمع ہو جاتی ہے پھر وہ ذاکرین کے اوپر سکینہ نازل کرتے ہیں پھر جب وہ حق تعالیٰ کے پاس چلے جاتے ہیں تو وہاں سوال ہوتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ ہم نے ان کو آپ کا ذکر کرتے ہوئے چھوڑا حق تعالیٰ سوال فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے ہم کو دیکھا ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ نہیں یا اللہ انہوں نے آپ کو دیکھا نہیں اگر دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ کوشش کرتے پھر سوال ہوتا ہے کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ آپ سے جنت اور آپ کی رضا کو طلب کرتے ہیں اور آپ کی ناراضگی اور جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ گواہ رہو ہم نے ان سب کو بخش دیا۔ اس پر بعض فرشتے کہتے ہیں کہ یا اللہ فلاں شخص تو ذکر کے قصد سے نہ آیا تھا ویسے ہی آ کر ان کے پاس بیٹھ گیا تھا ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اس کو بھی بخش دیا یہ جماعت ایسی نہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم ہو۔ یہ تو حدیث کا مختصر مضمون ہے اور ظاہر ہے کہ وعظ کی مجلس بھی مجلسِ ذکر ہے اس میں خدا تعالیٰ کے احکام کا ذکر ہوتا ہے اور یہ بھی ذکر اللہ ہی ہے ذکر اللہ فقط تسبیح و تہلیل وغیرہ میں منحصر نہیں صاحب حصن حصین نے اس مسئلہ پر متنبہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں بل **کل مطیع اللہ فھو ذاکر**، کہ ہر شخص جو خدا کی اطاعت میں مشغول ہو وہ ذاکر ہی ہے۔ تو اگر مردوں کو اس بیان سے دلچسپی بھی نہ ہوئی تو یہ نفع کیا تھوڑا ہے کہ وہ جتنی دیر مجلس وعظ میں بیٹھے رہیں گے اتنی دیر تک وہ ملائکہ کی صحبت سے مستفید ہوں گے اور ذاکر شمار ہوں گے اور رحمت و مغفرت کے مورد ہوں گے (اس وقت کچھ مستورات کی باتوں کی آواز آئی، حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا کہ بھائی اسوقت باتیں نہ کرو بلکہ غور سے ہماری باتوں کو سنو یہ کیا انصاف ہے کہ ہم تو تمہارے لئے اپنا وقت اور دماغ صرف کریں اور تم اس کی بے قدری کرو اور تھوڑی دیر کے لئے بھی تم اپنی باتیں قطع نہ کرو۔ اول تو یہ تہذیب کے بھی خلاف ہے دوسرے شریعت کے بھی خلاف ہے علماء نے لکھا ہے کہ جس طرح خطبہ جمعہ کا سننا فرض ہے اور اسوقت باتیں کرنا حرام ہے اسی طرح جس مجلس میں بھی احکام شرعیہ بیان ہو رہے ہوں،

وہاں خاموش رہنا اھل مجلس کے ذمہ لازم ہے باتیں کرنے سے گناہ ہوتا ہے پس جن مستورات کو باتیں کرنا ہوں وہ یہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرہ میں چلی جائیں تاکہ گناہ سے بھی محفوظ رہیں اور دوسرے سننے والیوں کے سننے میں خلل انداز بھی نہ ہوں تیسرے باتیں کرنے سے بیان بھی خبط ہوجاتا ہے بیان کرنے والے کے ذہن میں مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے کیونکہ مضامین کی آمد نشاط وانشراح قلب پر موقوف ہے اور سامعین کی بے توجہی دیکھ کر بیان کرنے والے کی طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ جورات کو مجھے بیان کرنے کا اتفاق ہوتا ہے تو بعض لوگ اس وقت اُونگھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُونگھنے والے کی صورت دیکھ کر مجھے مضمون کی آمد بند ہوجاتی ہے پس یہ سخت ناانصافی ہے کہ میں تو اپنا دماغ صَرف کروں آپ کے لئے اپنا وقت خرچ کروں اور تم اسکی یہ قدر کرو کہ اپنی اپنی باتوں میں لگی رہو باتوں کے لئے ساری عمر پڑی ہے جب میں چلا جاؤں گا پھر جتنی چاہے باتیں کر لینا۔)

مرتبہ نسواں:

اسوقت جو آیت میں نے تلاوت کی ہے یہ وہی آیت ہے جو پرسوں مردوں کے سامنے تلاوت کی گئی تھی۔ اسوقت اُسی آیت کو اختیار کرنے کی چند وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ بعض مضامین اس آیت کے متعلق اس روز بیان سے رہ گئے تھے دوسرے یہ بھی بتلانا مقصود ہے کہ حق تعالیٰ نے جس طرح مردوں کو کمال دین حاصل کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ حکم عورتوں میں بھی مشترک ہے گو خطابِ صیغہ کے اعتبار سے بظاہر مردوں کو ہے۔ لیکن حکم مشترک ہے پس کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حق تعالیٰ کو مردوں ہی کی طرف توجہ ہے عورتوں کا اعتناء نہیں ہے یہ وہم پہلے بھی ہو چکا ہے اور منشاء اس وہم کا محبت ہے حدیث میں آتا ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں دیکھتی ہوں کہ حق تعالیٰ احکام میں مردوں ہی کا ذکر فرماتے ہیں ہمارا (یعنی عورتوں کا) ذکر نہیں فرماتے ازواج مطہرات کو یہ خیال اس لئے بھی ہوا کہ وہ صاحب زبان تھیں عربی زبان کو خوب سمجھتی تھیں اور عربی میں مذکر ومؤنث کے لئے جدا جدا صیغے استعمال کئے جاتے ہیں تو ان کو تمام احکام میں مذکر صیغے دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ حق تعالیٰ ہم کو خطاب نہیں فرماتے نہ ہمارا ذکر فرماتے ہیں اور ہماری مستورات تو عربی

زبان حاصل ہی نہیں کرتیں اور یہ بھی ایک بڑی کمی ہے جس کا افسوس ہوتا ہے کیونکہ پہلے زمانہ میں عورتیں بھی مثل مردوں کے عربی کی تحصیل کرتی تھیں تو عربی زبان سے ناواقف ہونے کے سبب مذکر و مؤنث کے صیغوں کا فرق وہ نہیں سمجھ سکتیں اور اگر ترجمہ پڑھیں گی تو اس میں ان صیغوں کا اردو ترجمہ نظر سے گزرے گا اور اردو میں خطاب کا صیغہ مردوں و عورتوں میں مشترک ہے دونوں کے لئے الگ الگ صیغہ موضوع نہیں مثلاً وَاتَّقِينَ الله وَاتَّقُوا اللهَ ، کا ترجمہ یکساں ہوگا دونوں جگہ اردو میں یہی بولتے ہیں کہ خدا سے ڈرو، خواہ اس کے مخاطب مرد ہوں یا عورتیں۔ اس لئے اوامر و نواہی کے صیغوں میں وہ ترجمہ دیکھ کر یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ یہ خطاب خاص مردوں کو ہے لیکن پھر بھی بعض جگہ اردو ترجمہ سے بھی مردوں کی تخصیص سمجھ میں آ سکتی ہے مثلاً يَاأَيُّهَاالنَّاسُ کا ترجمہ ہے اے لوگو! اور يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کا ترجمہ اے ایمان والو! یہ وعظ اردو میں بھی مردوں کے لئے مخصوص ہے عورتوں کو اے لوگوں یا ایمان والو کہہ کر ندا نہیں کر سکتے بلکہ اگر انکو خطاب خاص ہوگا تو اے عورتو! یا اے ایمان والیو! کہا جائے گا۔ پس ہر چند کہ اوامر و نواہی کے صیغوں میں ترجمہ دیکھ کر انکو تخصیص رجال کا وہم نہیں ہوسکتا مگر ندا کے صیغوں میں ان کو بھی وہم ہوسکتا ہے اور ازواج مطہرات تو اس فرق کو خطاب کے مواقع میں بھی سمجھتی تھیں، اس لئے ان کو غایت محبت کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ہائے اللہ تعالیٰ ہم کو خاص طور پر خطاب نہیں فرماتے جیسا مردوں کو خطاب فرماتے ہیں۔ دیکھئے وہ عورتیں کیسی تھیں اللہ اکبر! ان کا کیسا مزاج تھا اگر آج کل کی عورتوں جیسی وہ سست اور کم ہمت اور کام چور ہوتیں تو یوں سمجھتیں کہ اچھا ہوا ہم ان احکام سے بچ گئے کیونکہ ان میں تو خاص مردوں کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ مگر اس زمانہ میں مستورات کو اس کا وہم بھی نہیں ہوا کہ یہ احکام ہمارے لئے نہیں ہیں بلکہ وہ خوب سمجھتی تھیں کہ احکام سب کو عام ہیں (بجز چند مخصوص باتوں کے جن کا مردوں کے ساتھ خاص ہونا دوسرے دلائل سے ان کو معلوم ہوگیا تھا اور ایسی خصوصیت عورتوں کے لئے بھی ہے کیونکہ بعض احکام صرف عورتوں ہی کے لئے مخصوص ہیں مردوں کے لئے نہیں ہیں ان کے علاوہ بقیہ احکام میں جن کا کسی کے لئے خاص ہونا دلائل سے معلوم نہیں ہیں ان کے علاوہ بقیہ احکام میں جن کا کسی کے لئے خاص ہونا دلائل سے معلوم نہ ہوا تھا انہوں نے یہی سمجھا کہ مردوں اور

عورتوں سب کے لئے مشترک ہیں گولفظاً خطاب خاص مردوں کو کیا گیا ہے۱۲)اور عموم احکام پر نظر کر کے پھران کو یہ تمنا ہوئی کہ جب یہ احکام سب کو عام ہیں تو ان میں ہمارا تذکرہ بھی ہوتا تو اچھا تھاان کے دل نے اس کو گوارا نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ تمام احکام میں مردوں کے واسطہ ہی سے ان کو خطاب فرمادیں۔ان کا جی چاہتا تھا کہ کبھی کبھی ہم کو مردوں سے جدا کر کے بھی خطاب فرمادیا کریں اور وجہ اس تمنا کی یہ تھی کہ ان کو خدا تعالیٰ سے محبت تھی۔(اور عاشق کا دل چاہا کرتا ہے کہ اس کا ذکرہ کبھی تو محبوب کی زبان پر آجایا کرے۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے ۱۲ جامع)

خدا تعالیٰ کا کسی کو اپنے احکام کا مخاطب بنانا ایک بڑا اشرف ہے جو مردوں کو حاصل تھا تو ازواج مطہرات کو اسکی تمنا ہوئی کہ اس شرف سے ہم بھی محروم نہ رہیں۔(اسوقت پردہ کے پیچھے سے پھر عورتوں کی کچھ آواز آئی۔حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا کہ بھائی باتیں کرنے سے طبیعت اُچاٹ ہوئی جاتی ہے مضمون گڑبڑ ہو جاتا ہے اگر تم اپنی باتیں بند نہیں کرتیں تو پھر ہم سے کہہ دو ہم اپنی باتوں کو بند کر دیں ورنہ اسکی احتیاط رکھو اول تو اسوقت باتیں کرنا جائز نہیں جیسا کہ ابھی میں نے حکم بتلایا تھا اور اگر کسی کی طبیعت باتوں سے نہیں رُکتی تو بلند آواز سے نہ کرو آہستہ ہی سے کرلو۱۲)غرض وہ عورتیں دین کی عاشق تھیں وہ اپنے اوپر بوجھ لادنا چاہتی تھیں وہ یہ نہ چاہتی تھیں کہ ہم احکام کے مخاطب نہ بنیں تو اچھا ہے کیونکہ ان کو دین کے ثمرات پر اطلاع تھی اور وہ جانتی تھیں کہ دین کے ثمرات ایسے ہیں کہ ان کے لئے محنت کرنا کوئی چیز نہیں اسی پر یہ آیت نازل ہوئی **فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّی لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ** یعنی احکام میں کسی کی کچھ تخصیص نہیں جو کوئی بھی عمل کرے مرد ہو یا عورت سب کو اجر ملے گا اور کسی کا عمل ضائع نہ ہوگا۔باقی رہی خصوصیت خطاب کی وجہ سو وہ یہ ہے **بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ** کہ تم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو پس حکم بھی دونوں کا یکساں ہے اس لئے ضرورت جدا خطاب کرنے کی نہیں اس کے بعد بعض جگہ خاص عورتوں کو بھی خطاب کیا گیا ہے جیسے **یَا نِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ** الخ میں دُور تک ازواج مطہرات کو خطاب ہے اور وَقُل

لّلمُومِنَاتِ يَغضُضنَ مِن اَبصَارِهِنَّ وَيَحفَظنَ فُرُوجَهُنَّ میں سب مسلمان عورتوں کو ایک خاص حکم کا مخاطب بنایا گیا ہے اس سے اس وہم کا ازالہ مَن کُلِّ الوُجُوہ ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ مردوں کی طرح حق تعالیٰ کو عورتوں پر بھی عنایت ہے اور بعض جگہ مذکر و مؤنث کے دونوں صیغے مخلوط لائے گئے ہیں۔

قرآن اور ذکرِ نسواں

چنانچہ اس آیت میں اِنَّ المُسلِمِينَ وَالمُسلِمَاتِ وَالمُؤمِنِينَ وَالمُؤمِنَاتِ وَالقٰنِتِينَ وَالقٰنِتَاتِ وَالصّٰدِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصّٰبِرِينَ وَالصّٰبِرَاتِ وَالخٰشِعِينَ وَالخٰشِعَاتِ وَالمُتَصَدِّقِينَ وَالمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالحٰفِظِينَ فُرُوجَهُم وَالحٰفِظٰتِ وَالذَّاكِرِينَ اللهَ كَثِيراً وَّالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّا اللهُ لَهُم مَغفِرَةً وَّاَجراً عَظِيماً.

ترجمہ: بیشک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانیوالی عورتیں اور فرمانبرداری کرنیوالے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنیوالی عورتیں اور خیرات کرنیوالے مرد اور خیرات کرنیوالی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنیوالی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنیوالے مرد اور یاد کرنیوالی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے اس آیت میں مردوں اور عورتوں دونوں کا ذکر دوش بدوش کیا گیا ہے (اور عورتوں کی تمنا کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس جگہ صرف عورتوں ہی کا ذکر ہوتا۔ مردوں کا ذکر ان کے ساتھ مخلوط نہ کیا جاتا مگر اس خلط میں اشارہ ہو گیا جواب کی طرف کہ چونکہ اکثر احکام مردوں اور عورتوں میں مشترک ہیں چنانچہ یہی احکام دیکھ لو کہ ان میں کسی کی کچھ تخصیص نہیں اس لئے عورتوں کا ذکر جدا کرنے کی ضرورت نہیں جو احکام مردوں کے لئے ہیں وہی عورتوں کے لئے ہیں ۱۲ جامع) رہی یہ بات کہ ہر جگہ ایسا ہی کیوں نہ کیا گیا جیسا اس آیت میں دونوں

کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کی دو وجہ ہیں ایک وجہ تصحیح کی، اور ایک وجہ ترجیح کی۔ تصحیح کی وجہ تغلیب ہے (تغلیب کے معنی یہ ہیں کہ ایک نوع کو دوسری نوع پر عمل بہ دیگر ایک کو ذکر کر کے دونوں کا ارادہ کر لیا جائے ۱۲ جامع) مثلاً باپ ماں کو والدین یا ابوین کہا کرتے ہیں۔ اسی طرح اہل عرب چاند اور سورج کو قمرین کہہ دیتے ہیں حالانکہ ابوین کا لفظی ترجمہ ہے دو باپ اور قمرین کا ترجمہ ہے دو چاند۔ ظاہر میں باپ ماں کو ابوین کہنا غلط معلوم ہوتا ہے ان کو اب وام کہنا چاہئے اسی طرح چاند اور سورج کو قمرین کہنا بھی بظاہر غلط ہے ان کو "شمس وقمر" کہنا چاہئے۔ لیکن چونکہ اس طرح عبارت طویل ہو جاتی ہے اس لئے اہل زبان اب واُم کی جگہ تغلیباً بغرض اختصار ابوین اور شمس وقمر کی جگہ قمرین کہہ دیتے ہیں اسی طرح اگر قرآن میں مردوں اور عورتوں کے لئے جدا جدا صیغہ استعمال کیا جاتا تو کلام میں طویل ہو جاتا اس لئے تغلیباً صیغہ مذکر ہی میں مؤنث کو بھی داخل کر لیا گیا جس سے کلام میں اختصار پیدا ہو گیا۔ البتہ ایک دو جگہ عورتوں کے وہم مذکور کو دفع کرنے کے لئے ان کے واسطے جدا صیغے بھی استعمال کئے گئے تا کہ ان کی تسلی ہو جائے اور اتنی مقدار سے ایجاز کلام بھی فوت نہیں ہوتا۔

درجات مرد وزن

اور ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں تابع ہیں مردوں کی۔ ہر طرح سے خلقت کے اعتبار سے بھی۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کے ایک جزو سے حوا علیہا السلام کی پیدائش ہوئی ہے۔

یعنی حق تعالیٰ نے ان کی بائیں پسلی میں سے کوئی مادہ نکالا پھر اس مادہ سے حوا علیہا السلام کو پیدا کیا جس کا اثر یہ ہے کہ عورتیں عموماً مردوں سے خلقۃً کمزور ہوتی ہیں ان کے تمام قویٰ جسمانی اور دماغی مردوں کے برابر نہیں ہوتے نیز تربیت کے اعتبار سے بھی وہ مردوں کے تابع ہیں چنانچہ کمانا اور کھیتی کرنا تجارت کرنا محنت و مشقت کے کام کرنا مردوں کے متعلق ہے اور پکانا کھانا عورتوں کے متعلق ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی اصل یہ ہے کہ وہ پردہ دار ہوں اور تعلقات انتظامیہ کے لئے پردہ مانع ہے اس لئے امور انتظامیہ ان کے متعلق نہیں ہو سکتے۔ انتظام کا تعلق مردوں ہی سے ہو سکتا ہے اس وجہ سے تمام تر تعلق انتظام کا مردوں کے سپرد کیا گیا پس جہاں دیگر انتظامات ان کے متعلق ہیں وہاں عورتوں کی اصلاح کا انتظام بھی مردوں کے

سپرد کیا گیا اور جب مردوں کے متعلق عورتوں کی اصلاح کا انتظام ہے تو وہ ان کے سردار ہوئے اور یہ قاعدہ ہے کہ سلطنت کی طرف سے جو احکام صادر ہوا کرتے ہیں ان کے مخاطب سردار ہوتے ہیں۔ رعایا کو مخاطب نہیں کیا جاتا نہ اسکی کچھ ضرورت سمجھی جاتی ہے کیونکہ لوگ خود سمجھ لیں گے کہ جب سرداران احکام کے مخاطب ہیں تو ہم بھی ان کے ساتھ پوری شریک ہیں پھر سردار اپنے ماتحت لوگوں کو ان احکام کی اطلاع بھی کردیتے ہیں اور ان سے کام بھی لیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن میں اکثر مردوں کو احکام کا مخاطب بنایا گیا ہے چونکہ وہ عورتوں پر سردار ہیں تو ان کے مخاطب ہونے سے عورتوں کا ان حکام میں شریک ہونا خود سمجھ میں آجاتا ہے پھر مردوں کے ذمہ ہے کہ عورتوں کو احکام سے بھی اطلاع کریں اور ان سے کام بھی لیں۔

کیونکہ سرداروں کے ذمہ یہ کام ہمیشہ ہوتا ہے کہ اپنے ماتحت لوگوں کو احکام سلطنت سے مطلع کرتے رہیں اور ان سے کام لیں اگر وہ اسمیں کوتاہی کریں گے تو ان سے بھی باز پرس ہوگی۔ افسوس ہے کہ آج کل مردوں نے یہ بات تو یاد کرلی ہے کہ ہم عورتوں کے سردار ہیں مگر ان کو یہ خبر نہیں کہ سردار کے فرائض کیا ہوتے ہیں۔ وہ نہ تو عورتوں کو احکام سے مطلع کریں اور مطلع کریں کس طرح، سردار صاحب کو خود ہی خبر نہیں اور نہ ان سے کام لیں یعنی جن کو احکام معلوم بھی ہیں اور وہ عورتوں کو احکام سے بھی مطلع بھی کرتے ہیں وہ اس کی نگہداشت نہیں کرتے کہ ہمارے گھروں میں ان احکام پر عمل بھی ہورہا ہے یا نہیں۔ غرض جو احکام ایسے ہیں جن میں اشتراک کی خاصیت ہے، جیسے نماز روزہ وغیرہ ان میں مردوں کو خطاب کافی ہے۔

دین وخواتین

اس تمہید کے بعد یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ اس آیت میں جو کہ میں نے اسوقت تلاوت کی تھی جس طرح حق تعالیٰ نے مردوں کو تکمیل دین کا حکم فرمایا ہے اسی طرح وہ حکم عورتوں کے لئے بھی ہے اور جو طریق کمال دین کے حاصل کرنے کا مردوں کے لئے اس میں مذکور ہے وہ طریق عورتوں کے لئے بھی ہے پس حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ.

(ترجمہ) اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو (خدا سے ڈرو) اور سچے لوگوں کیساتھ ہوجاؤ۔

یہ تو اس آیت کا ترجمہ ہے اور پہلے بیان میں اس بات کو اچھی طرح ثابت کر دیا گیا ہے کہ تقویٰ اور صدق سے کمالِ دین مراد ہے۔

پس حاصل یہ ہوا کہ اے مسلمانو! دین میں کمال حاصل کرو کاملین کے ساتھ رہو، پس اس میں اولاً حق تعالیٰ نے تکمیل دین کا حکم فرمایا ہے۔ پھر اس کا طریق بتلایا ہے کہ دین میں کامل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ راسخ[1] فی الدین ہیں۔

اُنکی صحبت حاصل کرو کیونکہ کاملین کی صحبت سے اعمال میں سہولت بھی ہوتی ہے اسطرح سے کہ ان کی برکت سے تقاضائے نفس مضمحل ہو جاتا ہے جو کہ اکثر اعمال میں مزاحم ہوتا ہے۔ نیز انکی صحبت سے طریق عملی بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کس عمل کو کس طرح ادا کرنا چاہئے۔ یہ بات محض مسائل جاننے سے حاصل نہیں ہوتی جب تک کسی کو عمل کرتے ہوئے نہ دیکھا جاوے اور یہ بات کچھ دین ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دنیوی کاموں میں بھی طریق عمل معلوم کرنے کے لئے اہل کمال کی صحبت ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص یوں چاہے کہ محض کتاب دیکھ کر قسم قسم کے کھانے پکانے سیکھ لے تو ایسا نہیں ہوسکتا جبتک وہ کسی ماہر فن سے ہر کھانے کی ترکیب عملی نہ سیکھے گا اسوقت تک کبھی اس کو کھانا پکانے کا طریقہ معلوم نہ ہوگا اور اگر کسی نے کتاب دیکھ کر عمل شروع بھی کر دیا تو اس کو قدم قدم پر دشواریاں پیش آئیں گی، چنانچہ جب چاہے اس کا تجربہ کر لیا جائے اور یہی حال ہر عمل کا ہے کہ محض ترکیب جان لینے سے کسی عمل میں کمال حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ استاد سے سیکھنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

طریق حصول دین کامل

پس دین میں بھی کمال حاصل کرنا صحبتِ کاملین پر موقوف ہے عادۃ اللہ اسی طرح جاری ہے پس میں نے اسی آیت کو عورتوں میں اس لئے پڑھا ہے کہ دو شبہے مرتفع ہو جائیں

---

[1] احقر جامع عرض کرتا ہے کہ اس آیت سے اشارۃً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جب تک دنیا میں قرآن اور اسلام کا وجود ہے اس وقت تک ہر زمانہ میں کاملین کا بھی وجود ضرور رہے گا کیونکہ جب تک دنیا میں قرآن ہے اس وقت تک ہر شخص اس آیت کا مخاطب ہے اور اس آیت میں کمالِ دین کا طریقہ صحبتِ کاملین بتلایا گیا ہے بصورتِ امر جس کا امتثال بدوں تحقیق کاملین کے نہیں ہوسکتا اور اوامر شرعیہ کے لئے متعذر الامتثال ہونا خلاف اصل ہے اس لئے یہ مدعیٰ ثابت ہو گیا کہ ہر زمانہ میں کاملین کا وجود ضرور رہے گا گو وہ قلیل ہی ہوں پس جو لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ صاحب اجکل اہل کمال کہاں ہیں اب تو کمال کا حاصل ہونا دشوار ہے یہ آیت آشارۃً ان پر رد کرائی ہے۔ فافہم ۱۲ جامع۔

ایک آرام طلب عورتوں کا شبہ کہ وہ یوں نہ سمجھیں کہ یہ حکم مردوں ہی کے لئے مخصوص ہے کیونکہ وہی اس کے مخاطب ہیں اور ہم اس سے بچے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اکثر عورتوں کا یہ خیال ہے کہ بس خدا نے ہم کو تو کھانا پکانے اور سینے پرونے ہی کے لئے پیدا کیا ہے دین کا کمال حاصل کرنا ہمارا کام نہیں بلکہ مردوں کا کام ہے۔ دوسرے خدا طلب عورتوں کا شبہ کہ وہ اپنے دل میں یوں نہ کہیں کہ بس خدا تعالیٰ کو مردوں ہی پر عنایت ہے ہم کو منہ بھی نہ لگایا۔ ان دونوں شبھوں کا جواب میں نے دیدیا ہے کہ مردوں کو خطاب کرنا اس وجہ سے نہیں کہ عورتیں ان احکام سے مستثنیٰ ہیں اور نہ اس واسطے کہ حق تعالیٰ کو عورتوں پر عنایت نہیں بلکہ خصوصیت خطاب کا منشاء کچھ اور ہے جس کو میں مفصلاً بیان کر چکا ہوں پس عورتوں کو جان لینا چاہئے کہ ان کو بھی حق تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اپنا دین کامل کرو ہر چند کہ مقصود اتنے ہی بیان سے پورا ہو گیا کیونکہ آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ اسمیں دین کے کامل کرنے کا حکم ہے اب ہر شخص دیکھ لے کہ دین کیا ہے اور اس کے کیا کیا اجزاء ہیں اس کے بعد سب کاموں کو طریقہ شرعیہ کے موافق بجالانا شروع کردے بس دین کامل ہو جائے گا مثلاً نماز دین کا کام ہے اس کا کمال یہ ہے کہ اچھی طرح پڑھو وقت پر پڑھو جلدی جلدی نہ ادا کرو، اطمینان وسکون کے ساتھ پڑھو۔ ایسے ہی زکوٰۃ دین کا کام ہے اور اس کے کمال کا طریقہ یہ ہے کہ سال پورا ہونے کے بعد فوراً ادا کرو اور خوشی سے ادا کرو، بیگار مت سمجھو۔ نیز ریاء ونمود سے بچو محض رضاء حق کو مقصود سمجھو۔ پس دین کے کام اکثر لوگوں کو معلوم ہیں اور انکے کمال کا طریقہ مسائل پڑھنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اگر میں اس وقت اجزاء دین کی تفصیل بیان کروں اور ہر ایک کے کمال کا طریقہ جدا جدا بتلاؤں تو اس کے لئے عمر طویل بھی کافی نہیں لیکن مقصود کی تعیین تفصیل پر موقوف نہیں اجمالاً سب کو دین کے کاموں کا علم ہے اور انکے کمال کا طریقہ دریافت کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔

غفلت نسواں

لیکن اب مجھ کو عورتوں کی غفلت کی شکایت کرنا باقی ہے کہ افسوس ان کو دنیا کی تکمیل کا تو خیال ہے دین کی تکمیل کا مطلق خیال نہیں، میرا مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو دین کی تکمیل سے بھی غافل نہ ہونا چاہئے جیسا کہ ان کو اپنے زیور، کپڑے اور مکان کی ضروریات کی تکمیل سے کسی وقت بھی غفلت نہیں ہوتی اور وقتاً فوقتاً مردوں سے اس کے متعلق فرمائشیں کرتی رہتی ہیں اور اگر مرد کسی

وقت کسی فرمائش کو غیر ضروری بتلاتے ہیں برتنوں اور مکان کی ضرورتوں کے متعلق اختلافات ہونے لگتا ہے کہ مرد یوں کہتے ہوں کہ ان چیزوں کی ضرورت نہیں اور مستورات کے نزدیک ان کی ضرورت ہوتو ایسے موقع پر عورتیں کہہ دیا کرتی ہیں کہ تم کو ان چیزوں کی کیا خبر تم کو گھر میں رہنا تھوڑا ہی ہے اس کو تو ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں اور بعض دفعہ تو عورتوں کا یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کیونکہ واقعی مردوں کو ان ضرورتوں کا علم پوری طرح نہیں ہوتا اور بعض دفعہ اس اختلاف کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مردوں میں قناعت کا مادہ عورتوں سے زیادہ ہے مرد تھوڑے سے سامان میں بھی گزر کر لیتا ہے اور عورتوں میں قناعت کا مادہ ہے ہی نہیں ان کی طبیعت میں بکھیڑا بہت ہے ان سے تھوڑے سامان میں گزر ہوتا ہی نہیں جب تک سارا گھر سامان سے بھرا بھرا نظر نہ آوے۔

مردوں کے نزدیک تو ضرورت کا درجہ یہ ہے کہ جس کے بغیر تکلیف ہو سو اتنا سامان تو اکثر متوسط الحال لوگوں کے گھروں میں بحمد اللہ موجود ہوتا ہی ہے اس لئے مردوں کو اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ ہاں اگر خدا وسعت دے تو اس کا بھی مضائقہ نہیں کہ اتنا سامان جمع کر لیا جاوے جس سے زیادہ راحت نصیب ہو۔ یہ درجہ مردوں کے نزدیک کمال کا مرتبہ ہے مگر عورتوں کے نزدیک ضرورت کا درجہ تو کوئی چیز ہی نہیں مرد جس کو ضرورت کا درجہ سمجھتے ہیں وہ عورتوں کے نزدیک قلت اور تنگی کا درجہ ہے ان کے نزدیک ضرورت کا درجہ وہ ہے جس کو مرد کمال کا درجہ سمجھتے ہیں اور کمال کا درجہ وہ ہے جو حقیقت میں ہوس کا درجہ ہے۔

ناشکری وحرص

اور اس کا منشاء یہ ہے کہ عورتوں میں ناشکری کا مادہ زیادہ ہے اگر خدا تعالیٰ ان کو ضرورت کے موافق سامان عطا فرمادیں تو یہ اس کو غنیمت نہیں سمجھتیں نہ اس پر خدا کا شکر کرتی ہیں بلکہ ناشکری کرتی رہتی ہیں کہ ہائے ہمارے پاس کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ حدیث میں بھی ان کی اس صفت کا تذکرہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناشکری کا مادہ عورتوں میں ہمیشہ سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَو اَحسَنتَ اِلیٰ اِحدٰا هُنَّ الدَّهرَ ثُمَّ رَأَت مِنکَ شَیئاً قَالَت مَا رأیتُ مِنکَ خَیراً قطُّ[1]۔

---

[1] مسند أحمد ۱: ۳۵۹، كنز العمال: ۴۵۷۶۲

کہ اگر تم کسی عورت کے ساتھ عمر بھر اچھا برتاؤ کرتے رہو پھر کبھی ایک دفعہ کوئی خلاف مزاج بات دیکھ لے تو وہ یوں کہے گی کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی بس ذرا سی بات میں ساری عمر کے احسانات فراموش کر جاتی ہیں۔ جہاں کسی دن ان کو شوہر کے گھر میں کھانے پہننے کی تنگی ہوئی اورانہوں نے اس کو منہ پر لانا شروع کیا کہ اس نگوڑے کے گھر میں آ کر تو میں نے سدا تنگی ہی دیکھی، باپ ماں نے مجھے جان بوجھ کر کنویں میں دھکا دے دیا، میں نے اس منحوس کے گھر میں کیا آرام دیکھا۔ غرض جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتی ہیں اور اس کا ذرا خیال نہیں کرتیں کہ آخر اسی گھر میں ساری عمر میں نے عیش برتا ہے۔ مجھے اس کو نہ بھولنا چاہئے اور خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے کلفت آج ہی دکھلائی اور زیادہ زمانہ عیش میں گزارا۔ سو عورتوں میں چونکہ ناشکری کا مادہ زیادہ ہے اس لئے ان کو تھوڑے سامان پر قناعت نہیں ہوتی چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض عورتوں کے پاس سال بھر کے کپڑے موجود ہوتے ہیں جو صندوق میں بھرے رکھے ہیں۔ لیکن پھر بھی کیا مجال ہے کہ پھیری والا بزاز ان کے گھر کے سامنے سے خالی گزر جائے جہاں بزاز کی آواز سنیں گی فوراً اس کو دروازہ پر بٹھلا کر اور کپڑا اپھڑوا لیں گی۔ برتن گھر میں ضرورت سے زیادہ ہوں گے مگر پھر بھی ان کی فرمائشوں کا سلسلہ ختم نہ ہو گا۔ واعظوں کا بیان بڑا لچھے دار ہوتا ہے۔ دہلی میں مولانا عبدالرب صاحبؒ ایک واعظ تھے وہ عورتوں کی اس صفت کو بڑے لچھے دار فقروں میں بیان کیا کرتے تھے کہ ان عورتوں کی یہ عادت ہے کہ ان کے پاس چاہے کتنے ہی کپڑے ہوں مگر جب پوچھئے کہ تمہارے پاس کتنے کپڑے ہیں تو یوں ہی کہیں گی کہ میرے پاس کیا ہیں دو چیتھڑے اور جوتوں کے چاہے کتنے ہی جوڑے ہوں مگر جب پوچھو یوں ہی کہیں گی کیا ہیں دو لتیڑے اور برتن چاہے کتنے ہی ضرورت سے زیادہ ہوں مگر جب پوچھو یوں ہی کہیں گی کیا ہیں دو ٹھیکرے۔ خیر یہ تو مولوی صاحب کا لطیفہ ہے مگر حقیقت میں عورتوں کی عادت کا فوٹو انہوں نے خوب کھینچا۔ غرض ان کو دنیا کی تکمیل کی بہت زیادہ فکر ہے ہر وقت اسی دھن میں رہتی ہیں ان کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوتی، زیور کی ہوس کا یہ حال ہے کہ بعض عورتیں سر سے پیر تک لدی پھدی رہتی ہیں مگر پھر بھی بس نہیں اگر نیا زیور نہ بنوائے گی تو پہلے ہی زیور کی توڑ پھوڑ میں روپیہ برباد کرتی رہیں گی۔ آج ایک زیور بڑے شوق سے بنوایا تھا۔ کل کو کسی عورت کے پاس وہی زیور دوسرے نمونہ کا دیکھ لیا تو اب ان کو توڑ پھوڑ کی بیکلی لگتی ہے کہ میں بھی اسی نمونہ کا بنواؤں گی۔

خطبات حکیم الامت جل ۲۰-5

تقلیدِ مغرب

مگر آج کل کچھ دنوں سے نوعمر لڑکیوں میں زیور کا شوق کم ہو گیا ہے یہ نیا فیشن چلا ہے کہ نوعمر لڑکیاں آج کل کان وغیرہ ننگے رکھتی ہیں یہاں بھی یہ اثر ضرور ہوگا یہاں کی مجھ کو زیادہ تحقیق نہیں مگر جب قصبات میں یہ اثر پہنچ گیا ہے تو شہروں میں بھی ضرور ہوگا چاندی کا زیور تو آج کل عیب شمار ہونے لگا یہ تو نیچوں جلاہیوں کا زیور رہ گیا۔ شرفاء کی لڑکیاں صرف سونے کا زیور پہنتی ہیں وہ بھی صرف کانوں میں دو ہلکے ہلکے بُندے ہیں اور سارا بدن زیور سے ننگا ہے۔ ہاں پیروں میں کچھ چاندی بھی ڈال لیتی ہیں کیونکہ وہ حقیر چیز ہے پیروں ہی میں رہنی چاہئے تو آج کل زیور میں لڑکیوں نے اختصار کر لیا ہے اور اس مزاج کی ابتداء میموں کے اتباع سے ہوئی ہے میمیں زیور نہیں پہنتیں، کیونکہ انکی قوم میں اس کا رواج نہیں۔ حکمران قوم ہے ان کو دیکھ دیکھ کر ہندوستانی عورتوں میں بھی یہ مزاج پیدا ہو گیا اور ان کو میموں کا طرز اس طرح معلوم ہوا کہ آج کل جا بجا شفا خانے کھلے ہوئے ہیں جن میں زنانے شفا خانے بھی ہیں ہندوستانی عورتیں وہاں جا کر میموں کا علاج کراتی ہیں اس ذریعہ سے ان کے پاس آمدورفت ہوتی ہے اور جو زیادہ وسعت والے ہیں وہ میموں کو اپنے گھروں پر بلاتے ہیں، دوسرے آج کل ریلوں میں بھی عورتیں سفر کرتی ہیں اسٹیشنوں پر میمیں نظر پڑ جاتی ہیں علمِ اجمالی تو اسطرح حاصل ہوا۔ پھر تفصیلی علم شفا خانوں میں جا کر یا ان کو گھر پر بلانے سے ہو گیا۔ پھر بعض عورتوں پر تو میموں کا اثر بلا واسطہ ہوا اور بعض پر بواسطہ ہوا کہ ایک نے تو میموں کو دیکھ کر ان کا طرز اختیار کیا پھر اس کو دیکھ دیکھ کر دوسریوں نے اپنا رنگ بدلا۔ لوگ اس میں احتیاط نہیں کرتے اور یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو عورتیں ہیں ان سے کیا احتیاط، اس لئے بے تکلف میموں سے علاج کراتے ہیں حالانکہ میمیں مردوں سے زیادہ قابل احتیاط ہیں کیونکہ مردوں سے تو مردوں کو سابقہ پڑتا ہے اور مردوں میں تاثر کا مادہ کم ہے وہ ان کی باتوں سے متاثر بہت کم ہوتے ہیں اور میموں سے عورتوں کو سابقہ پڑتا ہے اور ان میں تاثر کا مادہ زیادہ ہے یہ ہر نئی چیز سے بہت جلد متاثر ہوتی ہیں پھر میموں کی طرز تقریر میں ایک خاص بات ہوتی ہے جو ہندوستانی عورتوں میں نہیں ہوتی اس لئے وہ میموں کی باتوں سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک دیندار عورت نے اس حقیقت کو خوب سمجھا اسکی آنکھ میں کچھ نقص تھا ڈاکٹر کو آنکھ

دکھانے سے وہ انکار کرتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ آنکھ ہی کی تو شرم ہے جب غیر مرد کے سامنے آنکھ ہوگئی پھر پردہ کاہے کا رہا پھر اس نے ایک میم کو اپنی آنکھ دکھائی اس نے دیکھ کر کہا کہ میں اس علاج میں ماہر نہیں ہوں تم کو ڈاکٹر صاحب کو آنکھ دکھانا چاہئے اس نے ڈاکٹر کو دکھانے سے انکار کیا اس پر میم نے ایسی تقریر کی کہ انکی رائے فوراً بدل گئی اور ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے تیار ہوگئیں پھر ان کو شبہ ہوا اور عہد کیا کہ اب ساری عمر بھی ان میموں کا منہ کبھی نہ دیکھوں گی کہ اس ساحرہ نے تو میری عمر بھر کی غیرت وحیاء کو ایک منٹ میں اپنی تقریر سے مغلوب کردیا کہ اس وقت مجھے ڈاکٹر کے سامنے آنے سے بھی غیرت مانع نہ ہوتی تھی انکا کیا اعتبار یہ ظالم تو اپنی تقریر سے کسی کا دین بھی بدل دیں تو تعجب نہیں۔ صاحبو! اس بات کو معمولی نہ سمجھو اسکی بہت احتیاط ضروری ہے خصوصاً یہ جو مشن کی میمیں ہیں ان سے تو بہت ہی احتیاط لازم ہے یہ اپنے مذہب کی تبلیغ بڑی باریکی سے کردیتی ہیں کہ سننے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا مگر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے ذہن میں انکے مذہب سے نفرت نہیں رہتی اور بعض دفعہ تو علاج کے ساتھ ساتھ وہ مذہبی گفتگو بھی صاف صاف کرتی رہتی ہیں میں نے بہت واقعات ایسے سنے ہیں کہ بعض عورتوں نے میموں کا علاج شروع کیا پھر ان پر ایسا اثر پڑا کہ کمبختوں نے دین بدل دیا۔ بعض نے دین نہیں بدلا تو پردہ کرنا چھوڑ دیا اور بعض نے لباس اور زیور وغیرہ میں انکا طرز اختیار کرلیا ہے یہ تو سب ادنیٰ اثر ہے اور اب روز بروز اس کی زیادتی سے علاج کرانے کا کافر عورت سے مضائقہ نہیں مگر اس میں چند باتوں کا خیال رکھیں۔

۱۔ ان سے بجز علاج معالجہ کے اور کوئی بات نہ کریں۔

۲۔ ضرورت کے سوا زیادہ میل جول نہ بڑھاویں ان سے بہناپا نہ کریں۔ آج کل تو غضب یہ ہے کہ جس گھر میں ایک دفعہ میم صاحبہ کا قدم آجاتا ہے پھر وہ روز کے روز اسی میں کھڑی نظر آتی ہیں اگر وہ خود بھی نہ آئی تو گھر والیاں بلاتی ہیں اسکی بہت سختی کے ساتھ بندش کرنی چاہئے۔

۳۔ اگر وہ مذہبی باتیں شروع کرے تو فوراً روک دینا چاہئے یا کم از کم سننا نہ چاہئے اور اگر وہ کسی بات کا جواب مانگے تو صاف کہہ دو کہ شہر میں علماء موجود ہیں تم ان سے جا کر کہو وہ تم کو ہر بات کا جواب دیں گے۔

پردہ کی سختی

اورایک بات خاص ایسی ہے جس کی طرف اکثر عورتیں تو کیا خاص خاص مرد بھی توجہ نہیں کرتے وہ یہ کہ جن مواضع جسم کا چھپانا محرم مرد سے فرض ہے کافر عورتوں سے بھی ان کا چھپانا فرض ہے مثلاً سر کا کھولنا یا گلا کھولنا محرموں کے سامنے جائز نہیں ان مواضع کا کھولنا کافر عورت کے سامنے بھی بلاضرورت معالجہ کے حرام ہے البتہ اگر ان مواضع کو علاج کی غرض سے کھولنا پڑے تو جائز ہے لیکن بلاضرورت ہرگز نہ کھولنا چاہئے۔ جس کی دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ او نساء ھن اس سے پہلے حق تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کے سامنے عورتوں کو آنا جائز ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لاَ جُنَاحَ عَلَيهِنَّ فِى آبَائِهِنَّ وَلاَ اَبْنَاءِ هِنَّ وَلاَ اِخوَانِهِنَّ وَلاَ اَبنَآءِ اِخوَانِهِنَّ وَلاَ اَبنَاءِ اَخوَاتِهِنَّ وَلاَ نِسَاءِ هِنَّ وَلاَ مَا مَلَكَت اَيمَانُهُنَّ، وَاتَّقِينَ الله، اِنَّ اللهَ كَانَ عَلىٰ كُلِّ شَىءٍ شَهِيدًا.

وَلاَ يُبدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلاَّ لِبُعُولَتِهِنَّ اَوْ آبَآئِهِنَّ اَوْ آبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْاَبْنَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَو اِخوَانِهِنَّ اَو بَنِى اِخوَانِهِنَّ اَو بَنِى اَخَوَاتِهِنَّ اَو نِسَاءِ هِنَّ اَو مَا مَلَكَت اَيمَانُهُنَّ الآية.

(ترجمہ) اور اپنی زینت (کے مواقع) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر (خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی اور چچازاد ماموں زاد بھائی وغیرہ مراد نہیں) یا اپنے بھائیوں کی اولاد پر یا اپنی بہنوں کی اولاد پر (یہاں بھی حقیقی وعلاتی واخیافی، بہنیں مراد ہیں چچازاد خالہ زاد ماموں زاد بہنیں مراد نہیں) یا اپنی عورتوں پر (مراد مسلمان عورتیں ہیں کیونکہ وہی اپنی کہلاتی ہیں) یا اپنی باندیوں پر (مطلقاً خواہ کافر ہوں یا مسلمان) الآیۃ۔ تو ان آیتوں میں یہ نہیں فرمایا او النساء اگر اس طرح فرماتے تو یہ مطلب ہوتا کہ مسلمان عورتوں کو سب عورتوں کے سامنے آنا اور اپنے مواقع زینت کا کھولنا جائز ہے بلکہ حق تعالیٰ نے او نساء ھن فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہے اپنی عورتیں اور باتفاق مفسرین اپنی عورتیں وہی ہیں جو مسلمان ہیں پس مطلب یہ ہوا کہ مسلمان عورتوں کو مسلمان عورتوں کے سامنے اپنی زینت کے مواقع کا کھولنا جائز

ہے کافر عورتوں کے سامنے گلا اور سَر اور کلائیاں اور پنڈلیاں کھولنا جائز نہیں، اسمیں بکثرت مستورات مبتلا ہیں وہ یہ سمجھتی ہیں کہ عورتوں سے کیا پردہ؟ حالانکہ شریعت میں کافر عورتوں کا حکم مثل اجنبی مرد ہے میموں سے تو ان کو کبھی کبھار ہی واسطہ پڑتا ہے مگر اکثر بھنگنوں، چماریوں یا کنجڑیوں یا پٹونوں سے بہت واسطہ پڑتا ہے یہ عورتیں رات دن گھر میں گھسی رہتی ہیں ان سے بہت کم احتیاط کی جاتی ہے سوخوب سمجھ لو کہ یہ عورتیں مثل اجنبی مرد کے ہیں ان کے سامنے بدن کا کھولنا ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر مردوں کے سامنے بدن کھولنا پس ان سے تمام بدن کو احتیاط کے ساتھ چھپاؤ صرف منہ اور قدم اور گٹے تک ہاتھ کھولنا ان کے سامنے جائز ہے باقی تمام بدن کا چھپانا فرض ہے خصوصاً سر کھول کر گھر میں پھرنے کا عورتوں کو زیادہ مرض ہے تو ان عورتوں کے آنے کے وقت تمام سَر کو چھپالینا چاہئے کہ بال تک بھی ان کو نظر نہ آویں۔ اسکی طرف عورتوں کو بالکل التفات نہیں جس کا سبب یہ ہے کہ انکو احکام کی طرف توجہ کم ہے دنیا ہی میں ہر وقت لگی رہتی ہیں انکو اپنے زیور کپڑے سے اتنی بھی فرصت نہیں ملتی کہ تھوڑی دیر کے لئے کوئی کتاب مسائل کی پڑھ لیا کریں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان میموں وغیرہ سے عورتوں کو بچنا چاہئے۔ بلا ضرورت ان سے ہرگز نہ ملیں نہ اپنے گھر پر بلاویں اور اس کا پورا انتظام مردوں کو کرنا چاہئے ان عورتوں کے اختلاط کا بہت بُرا نتیجہ ہے مستورات کو ان کی اوضاع و اطوار سے بچنا چاہئے۔

فیشن پرستی

چنانچہ انہی کے اوضاع میں سے ایک اثر یہ بھی ہے کہ نوعمر لڑکیوں کو زیور کا خیال کم ہو گیا ہے اس کا منشاء کفایت شعاری ہرگز نہیں کیونکہ پہلی ساری کفایت شعاری زیور ہی میں رہ گئی اچھا کپڑوں میں کفایت شعاری کیوں نہیں کی جاتی جو لڑکیاں زیور کم پہنتی ہیں وہ کپڑوں میں بڑی رقم صرف کرتی ہیں اسی طرح گھر کی آرائش اور زینت میں بھی خرچ کی پرواہ نہیں کرتیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصود محض میموں کا اتباع ہے جس چیز میں وہ رقم صرف نہیں کرتی اس میں یہ بھی صرف نہیں کرتیں، اور جس میں ان کو زیادہ غلو ہے اس میں یہ بھی خرچ کی پرواہ نہیں کرتیں۔ بلکہ یہ مزاج اس درجہ غالب ہوا ہے کہ جن عورتوں میں مالی وسعت زیادہ بھی نہیں ہے وہ معمولی کپڑوں اور معمولی زیوروں ہی میں ایسی تراش خراش

کرتی ہیں اور ایسی وضع سے انکو بناتی ہیں جس سے وہ میم کی طرح نظر آنے لگیں۔ پس ایسی حالت میں انکو زیور کا خیال کم ہونا کچھ باعث مسرت نہیں بلکہ یہ تو اس کا مصداق ہوگیا ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اگر یہ اپنی پرانی وضع پر قائم رہیں پھر زیور کا شوق کم کردیں، اس وقت البتہ خوشی کی بات ہے اور جن لڑکیوں میں یہ مزاق نہیں آیا ان کی حالت یہ ہے کہ زیور سے کسی وقت ان کا پیٹ ہی نہیں بھرتا کانوں میں بالے بھی ہیں، بالیاں بھی ہیں پتے بھی ہیں انکو کچھ حس ہی نہیں کہ اس سے کان ٹوٹیں گے یا کیا ہوگا چاہے کان جھک پڑیں مگر ان کو سب زیور لادنا فرض ہے ناک میں نتھ بھی ہے اور لونگ بھی ہے پھر چاہے لونگ سے ناک میں آگ ہی لگ جائے مگر کیا مجال جو کسی وقت اترے۔ پھر اس زیور کے شوق میں ان کو ساری مصیبتیں آسان ہوجاتی ہیں یعنی کان چھدوانے میں کتنی تکلیف ہوتی ہے مگر لڑکیاں ہنسی خوشی سب کام کرالیتی ہیں بلکہ اگر کوئی ان سے یہ کہے کہ کان چھدوا کر کیا لوگی خواہ مخواہ تکلیف اپنے سر مول لیتی ہو کان مت چھدواؤ تو اس سے لڑنے کو تیار ہوجاتی ہیں۔ میرے ایک دوست ہیں ان کو اپنی لڑکی سے بہت محبت تھی ایک دن وہ مجھ سے کہنے لگے کہ اگر میں اس بچی کے کان نہ چھدواؤں تو کچھ حرج تو نہیں مجھے اسکی تکلیف سے بہت تکلیف ہوتی ہے میں نے کہہ دیا کہ نہیں حرج کیا ہوتا یہ خبر کہیں اس لڑکی کو پہنچ گئی مجھ پر بڑی خفا ہوئی کہ اپنی بیوی اور ماں بہن کو نہیں دیکھتے بھلا یہ مسئلہ میرے ہی واسطے نکالا پہلے اپنے گھر والوں کو اسکی تعلیم دی ہوتی میں تو ضرور کان چھدواؤں گی۔ وہ دوست میرے پاس آئے کہ صاحب اس لڑکی نے وہ بات سن لی، تو آپ پر بڑی خفا ہوئی۔ میں نے کہا بھائی! تم اس کے ایک ایک کی جگہ دو دو سوراخ کرادو۔

حقیقت حرص

ایک بنئے کا قصہ مشہور ہے کہ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ذرا سل کا باٹ اٹھالائے اس نے کہا مجھ سے سل کا باٹ کیونکر اٹھے گا بھاری پتھر ہے کہیں میری کمر میں لچک نہ آجاوے اس نے پتھر تو خود اٹھالیا لیکن سل کو کسی بہانہ سے باہر لے گیا اور ایک سنار کو بلا کر کہا کہ اس سل کے اوپر سونے کے پتر خوبصورتی کے ساتھ جڑ دے اور اس میں ایک مضبوط

زنجیر ڈال دے۔ جب وہ تیار ہو کر آ گئی تو اسی بیوی کو لا کر دی کہ لو ہم نے تمہارے واسطے ایک ہیکل بنوایا ہے اسے پہن لو تو اس نے خوش ہو کر اسے گلے میں ڈال لیا اور گلے میں لٹکائے پھرنے لگی، گردن بوجھ سے جھکی جاتی تھی مگر زیور کے شوق میں سب تکلیف گوارا تھی اس کے بعد بنئے نے نکال جوتا خوب خبر لی کہ کمبخت اس روز تو تجھ سے سل کا باٹ بھی نہ اٹھتا تھا اور آج اسی سل کو گلے میں لٹکائے پھرتی ہے آج تیری کمر میں کچھ نہیں ہوتا خیر یہ قصہ تو گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر جس نے تصنیف کیا ہے اس نے عورتوں کے مزاق کو خوب سمجھا ہے حقیقت میں ان کو زیور کی حرص ایسی ہوتی ہے کہ اگر سونے کا زیور بہت بھاری بھی ہو تو یہ کبھی اس کے پہننے سے انکار نہ کریں گو گردن اور گلا کیسا ہی دکھتا رہے۔ اور یوں تو عورتوں میں زیور کپڑے کی حرص طبعی طور پر ہوتی ہی ہے لیکن آپس میں ملنے ملانے سے یہ حرص اور بڑھ جاتی ہے۔ ان کا آپس میں ملنا جلنا بڑا غضب ہے ایک دوسری کو دیکھ کر رنگ پلٹتی ہے اگر کسی کو خدا تعالیٰ نے زیور اور کپڑا حیثیت کے موافق دے رکھا ہو تو وہ اسی وقت تک خوش ہے جب تک برادری کی بہنوں میں نہ جائے اور جہاں برادری میں نکلنا ہوا پھر انکی نظر میں اپنا زیور اور کپڑا حقیر معلوم ہونے لگتا ہے دوسروں کا زیور دیکھ کر ان کا دل للچاتا ہے کہ ہمارے پاس بھی ایسا ہی ہونا چاہئے اور اسمیں اپنی حیثیت پر بھی ان کو نظر نہیں ہوتی کہ جس کے پاس ہم سے زیادہ زیور ہے اسکی حیثیت کیا ہے جس کے مرد کی آمدنی پچاس روپے ماہوار ہے وہ بھی برابری کرتی ہے اس کی جس کے مرد کی آمدنی ہزار روپیہ ماہوار ہے۔

اِختلاطِ نسواں

عورتوں میں ملنے جلنے کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ سہانپور میں ایک کوٹ انسپکٹر تھے جن کی تنخواہ چار سو، پانچ سو روپے ماہوار تھی مگر ان کی عادت یہ تھی کہ ساری تنخواہ اپنے غریب رشتہ داروں میں خرچ کرتے تھے گھر میں کم رکھتے تھے۔ انکی بیوی کے پاس زیور کا ایک چھلا بھی نہ تھا، نہ گھر میں کوئی خادمہ تھی بیچاری اپنے ہاتھ سے آٹا پیستی تھی اور خود ہی پکاتی تھی اور اسی حالت میں خوش تھی۔ میرے ایک عزیز بھی اس زمانے میں سہانپور میں ملازم تھے اور ان کا مکان کوٹ انسپکٹر صاحب کے مکان سے متصل ہی تھا وہ اپنی بیوی کو کسی کے یہاں بھیجتے نہ تھے مگر ایک دفعہ ان عزیز کے گھر والوں کے اصرار پر انہوں نے ملنے کی اجازت دی وہ جو

یہاں آئی تو اس نے یہاں باندیوں کو بھی اپنے سے اچھا پایا ان کے پاس بھی کچھ زیور تھوڑا بہت تھا۔ اور کوٹ انسپکٹر کی بیوی کے پاس چھلا تک نہ تھا۔ پس یہاں سے جا کر اس نے اپنے میاں کی خوب خبر لی کہ واہ سرشتہ دار صاحب کی تنخواہ بھی تم سے کم ہے پھر بھی ان کے گھر والے زیور سے لدے پھدے ہیں اور میں بالکل ننگی ہوں اور ان کی بیوی اپنے ہاتھ سے ایک کام بھی نہیں کرتیں، ایک چھوڑ کئی کئی باندیاں ہیں سارا کام وہی کرتی ہیں اور میں سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتی ہوں اب تو مجھ سے اس طرح نہیں رہا جاتا تم مجھے بھی زیور بنا کر دو اور عمدہ لباس بنا کر دو اور گھر میں خادمہ نوکر رکھو۔ وہ کوٹ انسپکٹر پھر مجھ سے الہ آباد میں ملے تھے بیچارے کہتے تھے کہ شیخ کامل کی صحبت کا اثر ایک منٹ میں ایسا ہوا کہ میری ساری عمر کا اثر فوراً زائل ہو گیا۔ اب میرے گھر میں رات دن زیور کی فرمائش کرتی ہے۔ اور کوئی کام خود نہیں کرتی۔ زیور بناتا بناتا تھک گیا مگر سلسلہ ختم ہی نہیں ہوتا اور میری ساری خیر خیرات بند ہوگئی۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ان کا آپس میں ملنا جلنا بڑا غضب ہے۔

شرائط اختلاطِ نسواں

اور میں یہ نہیں کہتا کہ مستورات کا آپس میں ملنا جلنا بالکل بند کر دو۔ میرا مطلب یہ ہے عورتوں کو اپنے اس مرض کی اصلاح کرنی چاہئے اگر کسی کا دل دوسروں کے زیور کپڑے دیکھ کر نہ للچائے اس کو ملنے جلنے کا مضائقہ نہیں مگر جس پر دوسروں کو دیکھ کر یہ اثر ہو اس کو ضرور نہ ملنا چاہئے۔ قرآن شریف میں عورتوں کو حکم ہے۔ وَقَرنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کہ تم اپنے گھروں میں جم کر بیٹھی رہو اس میں تقسیم الآحاد عَلَى الآحاد ہے جس سے یہ مطلب حاصل ہوا کہ ہر عورت اپنے گھر میں جم کر بیٹھی رہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے اصلی حکم یہی ہے کہ وہ اپنے اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں نہ عورتوں سے ملنے کے لئے نہ مردوں سے ملنے کے لئے۔ پھر آخر کچھ تو بات ہے جو حق تعالیٰ نے عورتوں کو گھر میں رہنے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر سے باہر نکلنا ان کے لئے مضر ہے (لیکن مواقع ضرورت اس سے مستثنیٰ ہیں ۱۲) پس جس کو ملنے جلنے سے یہ ضرر ہوتا ہو اس کے لئے یہی حکم ہوگا کہ وہ کسی سے نہ ملے اپنے گھر ہی میں بیٹھی رہے۔ ہاں جس کو ضرر نہ ہوتا ہو وہ اپنے خاوند کی اجازت سے دوسروں کے گھر جا

سکتی ہے۔ بیبیو! آخرتم کھجلی والوں سے تو بچتی ہو اور ان کے پاس بیٹھنا اور ان سے ملنا جلنا تم کو گوارا نہیں ہوتا کہ کہیں ہم کو بھی کھجلی نہ ہو جاوے اور یہ حالت تو کھجلی سے بھی بدتر ہے۔ کھجلی کا ضرر تو محض جسمانی ہے اور اس کا ضرر جسمانی بھی ہے اور روحانی بھی۔ جسمانی ضرر تو یہ ہے کہ جب تم دوسری عورتوں کو اپنے سے اچھی حالت میں دیکھوگی اور ان جیسا بننا چاہوگی اور تمہاری حیثیت ان کی برابر نہیں ہے تو تم کو خواہ مخواہ اس سے الجھن اور پریشانی ہوگی اور رات دن تم اسی فکر میں گھلوگی کہ ہائے میرے پاس بھی یہ چیز ہوتی وہ ہوتی پھر بعض دفعہ تم مردوں سے بھی اس قسم کی فرمائش کروگی جو ان کی حیثیت سے زیادہ ہے۔ انکو یہ فرمائش ناگوار ہوگی جس سے خواہ مخواہ دلوں میں کدورت پیدا ہوگی جس سے بعض اوقات دور تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور روحانی ضرر یہ ہے کہ اس سے ناشکری کا مرض بڑھتا ہے جب تم دوسروں کو اپنے سے بڑھا ہوا دیکھوگی تو ان نعمتوں کی قدر نہ کروگی جو خدا تعالیٰ نے تم کو عطا فرمائی ہیں ہمیشہ یہی سمجھوگی کہ میرے پاس کیا ہے کچھ بھی نہیں اس لئے جس پر ملنے کا ایسا اثر پڑتا ہو اسکو یہی حکم دیا جائے گا کہ وہ کسی سے نہ ملے اور اگر ملے تو غریب نادار عورتوں سے ملے کیونکہ غریبوں سے مل کر تمہارا جی خوش ہوگا اور خدا کا شکر کروگی کہ الحمدللہ میں بہت سی عورتوں سے اچھی حالت میں ہوں۔ اور یہی نکتہ ہے اس حدیث میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: یَا[1] عَائِشَةَ قُرِبِي الْمَسَاكِينَ وَجَالِسِهِم، کہ اے عائشہ مساکین کے پاس بیٹھا کرو اور ان کو اپنے سے نزدیک کیا کرو۔ مساکین کے پاس بیٹھنے سے خدا کی نعمتوں کی قدر ہوتی ہے اور دل خوش رہتا ہے۔

طریق اختلاط

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اُمرا کے پاس بیٹھنے سے دن بدن میری پریشانی بڑھتی رہی اور میں یہ سمجھتا تھا کہ میرے اوپر خدا کی کچھ بھی نعمت نہیں پھر میں نے غرباء کے پاس بیٹھنا شروع کیا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بادشاہ ہوں اور میری ساری پریشانی دور ہوگئی اور خوشی بڑھ گئی۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ دین کے باب میں انسان کو اپنے سے اونچے کو جو اس سے زیادہ دیندار ہو اور دنیا کے باب میں اپنے سے نیچے کو دیکھنا چاہئے۔ مگر آج کل

---

[1] البداية والنهاية ٦ : ٥٩، بلفظ آخر

معاملہ برعکس ہے لوگ دین کے باب میں تو ان لوگوں پر نظر کرتے ہیں جو زیادہ کام نہیں کرتے پھر اپنے دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ اگر ہم رات کو نہیں اٹھتے تو کیا ہوا فلاں مولوی صاحب بھی تو رات کو نہیں اٹھتے اگر ہم عمدہ عمدہ کپڑے پہنتے ہیں تو کیا ہوا فلاں شاہ صاحب بھی تو بڑا عمدہ لباس پہنتے ہیں، دین کے باب میں لوگ ان بزرگوں کو نہیں دیکھتے جن کا تہجد کبھی قضا نہیں ہوتا اور بے چارے معمولی حیثیت میں رہتے ہیں اور دنیا کے بارہ میں ہمیشہ اپنے سے زیادہ پر نظر کرتے ہیں کہ ہائے میں فلاں رئیس کے برابر نہ ہو گیا فلاں سوداگر کے برابر نہ ہوا جس سے بجز پریشانی بڑھنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ عورتوں کو بھی چاہئے کہ دنیا کے بارہ میں اپنے سے گھٹیا کو دیکھیں مثلاً تمہارا گھر کسی رئیس زادی کے گھر سے کم ہے تو تم ان لوگوں پر نظر کرو جن کے گھر تم سے بھی گھٹیا ہیں کہ نہایت تنگ ہیں پلنگ بچھنے کے بعد چلنے کو بھی راستہ نہیں رہتا۔ وہاں ہوا کا تو کہاں گزر بارش کا بھی بچاؤ نہیں اور تم ہوا دار صحن میں ایسے آرام سے سوتی ہو کہ صبح کی نماز بھی قضا ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے مکانات دیکھ کر تم کو اپنے مکان کی قدر ہوگی کہ بلا سے اس میں جھاڑ فانوس نہیں ہیں تو کیا ہوا بارش کا بچاؤ تو ہے ہوا کا گزر تو ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ ایک مرتبہ میرے پاس جوتہ نہ تھا تو میں رنجیدہ تھا کہ اچانک میں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس کے پیر ہی نہ تھے میں نے خدا کا شکر کیا کہ میرے پیر تو ہیں جس سے جوتا نہیں تو کیا ہوا۔ تو حقیقت میں دنیا کے باب میں اپنے سے کمتر حیثیت والوں کو دیکھنے سے بڑی راحت دل کو ہوتی ہے۔

دین و دنیا

مگر اب ایسا مزاق بدلا ہے کہ دنیا میں جہاں ذرا کمی ہوئی اس کا تو قلق ہوتا ہے اور اس پر کبھی نظر نہیں ہوتی کہ اللہ کی بہت سی مخلوق ہم سے بھی ابتر حالت میں ہے، ہم پھر ان سے بہت اچھے ہیں اور دین میں ایسا استغنا برتا جاتا ہے کہ پانچ وقت کی نماز پر اکتفا کر لیا ہے اگر کوئی ان سے تہجد و اشراق کو کہہ دے تو جواب میں یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم مر جائیں بہت تو کام کرتے ہیں کہ پانچ وقت کی نماز پڑھ لیتے ہیں گویا انہوں نے نماز کیا پڑھی ساری جنت ہی خرید لی۔ جیسے ایک گنوار کا لڑکا کسی مُلا کے پاس پڑھتا تھا تو ایک دن وہ گنوار مُلا جی سے کہنے لگا

کہ میرے بیٹے کو بہت نہ پڑھا دیجو کہیں لوٹ پوٹ پگمبر نہ ہو جاوے (یعنے پیغمبر نہ ہو جاوے) تو جس طرح اس جاہل کا خیال تھا کہ زیادہ پڑھنے سے آدمی پیغمبر ہو جاتا ہے اسی طرح آج کل لوگوں کا خیال ہے کہ بس پانچ وقت کی نماز پڑھ لینے سے آدمی جنید وشبلی ہو جاتا ہے پھر اسے اور کسی کام کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح ایک گنوار کے سر میں درد تھا۔ ایک دوسرے گنوار نے کہا کہ آ میں تیرا سر جھاڑ دوں مجھے سر کے درد کی جھاڑ آتی ہے وہ سر کھول کے اس کے آگے بیٹھ گیا تو آپ نے کُل باللہ ھد پڑھ کر اس کے سر کو جھاڑا (یہ قُل ھُوَ اللہ احد (اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے) کو بگاڑا تھا) تو وہ دوسرا گنوار کہتا ہے جس کے سر میں درد تھا کہ جا ساڑے کے ساڑے تو تو ھاپج ہی ہو گیا (ساڑے کے ساڑے یہ خرابی ہے سالے کی جو گالی کا لفظ ہے اور ھاپج خرابی ہے حافظ کی) سو دیکھئے اس کے نزدیک کل باللہ ھد ہی سے آدمی حافظ ہو جاتا ہے جس میں پوری قُل ھُوَ اللہ احد بھی یاد ہونا شرط نہیں اور اس کا صحیح پڑھنا بھی شرط نہیں۔

حقیقت کمالات

یہی حال آج کل عام لوگوں کا ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک جنید وشبلی بننے کے لئے پانچ وقت کی نماز سے زیادہ اور کچھ ضرورت نہیں اور ان نمازوں کا اچھی طرح ادا کرنا بھی ضروری نہیں بس الٹی پلٹی نماز پانچ وقت پڑھ لینا کافی ہے جیسا ایک جُلا ہے کا قصہ ہے کہ اس کا لڑکا انگریزی پڑھتا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ تمہارا لڑکا انگریزی پڑھتا ہے اب کتنی لیاقت ہو گئی۔ کہنے لگا کہ کھڑا کھڑا تو موتنے لگا ہے اب ذرا سی کسر رہ گئی ہے۔ اس کے نزدیک بس کھڑے ہو کر موتنے لگنا بڑی لیاقت تھی کہ اس کے بعد کامل لیاقت میں ذرا ہی سی کسر رہ جاتی ہے شاید وہ کسر یہ ہو کہ کھڑا کھڑا ہگنے بھی لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ اچھا آدمی ذرا سی بات میں اِترانے لگتا ہے کہ جو بات کسی درجہ میں بھی قابل فخر نہیں ہوتی وہ اسی پر ناز کرنے لگتا ہے اور یہ ساری خرابی جہل کی ہے ان لوگوں کو اصل کمالات کی خبر ہی نہیں اسی لئے ان کی نظر میں چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کمالات معلوم ہوتی ہیں۔ مولانا نے اسکی خوب مثال دی ہے کہ جیسے ایک مچھر ایک تنکے پر بیٹھا ہوا تھا اس کے قریب بیل بندھا ہوا تھا، بیل نے جو پیشاب کیا تو وہ تنکا اس میں تیرنے لگا

مچھر اپنے دل میں بڑا خوش ہوا کہ آج میں نے سمندر کے اندر کشتی پر سواری لے لی۔ وہ بیوقوف بیل کے پیشاب کو سمندر اور گھاس کے تنکے کو کشتی سمجھ گیا کیونکہ اس نے اصلی سمندر کو دیکھا نہ تھا، یہی حال ہم لوگوں کا ہے کہ ہم نے اصل کمالات تو دیکھے نہیں ذرا ذرا سی باتوں کو کمالات سمجھنے لگے مولانا دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک بوڑھے میاں پڑھتے تھے اور قسمت سے بیٹے میاں بھی ابا جان کے ساتھ پڑھتے تھے باپ اور بیٹے دونوں ایک ہی سبق میں شریک تھے مگر ان کو عقل کم تھی سبق کے وقت میں بڑے اینڈے بینڈے سوالات کرتے مولانا بڑے میاں کے سوالات کا جواب کم دیتے تھے جماعت میں ایک ذہین نوجوان طالب علم بھی تھے۔ مولانا ان کے سوالات کے جوابات نہایت شوق سے دیتے تھے۔ ایک دن وہ بڑے میاں ان نوجوان طالب علم سے کہنے لگے کہ مولانا تمہارے سوالات کے جوابات خوب دیتے ہیں اور ہمارے سوالات کا جواب نہیں دیتے حالانکہ ہم اتنے بڑے آدمی ہیں اسکی کیا وجہ۔ وہ طالب علم ہنسنے لگے اور کہا کہ اسکی وجہ تم مولانا ہی سے پوچھو میں کیا بتلاؤں وہ انکو پکڑ کر مولانا کے پاس لے گئے اور پکڑ کر اس واسطے لے گئے تا کہ مولانا کے سامنے ان کی طرف اشارہ کر کے بتلا دیں کہ آپ انکے سوالات کے جواب کیوں دیتے ہیں جیسے ایک وہمی آدمی نے نیتِ اقتداء کرتے ہوئے امام کی کمر میں انگلی ماری تھی کہ نماز پڑھتا ہوں پیچھے اس امام کے۔ اس بندہ خدا کو بدوں انگلی لگائے تسلی نہ ہوتی تھی۔

حقیقت فاتحہ

اور جیسے فاتحہ دینے والے کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دیتے ہیں تا کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ کو ثواب دینے میں غلطی نہ ہو جائے کبھی ایسا نہ ہو کہ پلاؤ کی جگہ کسی دوسری چیز کا ثواب مردہ کو پہنچ جائے اس لئے وہ کھانا سامنے رکھ کر نام بنام ثواب بخشتے ہیں۔ ایک گنوار نے مجھ سے پوچھا کہ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا کیسا ہے، میں نے کہا بدعت ہے کہنے لگا کہ اس میں کیا حرج ہے میں نے کہا کہ سامنے رکھنے کی کیا ضرورت ہے آخر تم روپیہ اور کپڑا بھی تو اللہ کے نام پر دیا کرتے ہو کیا اس پر بھی فاتحہ دیا کرتے ہو، کہنے لگا جی نہیں میں نے کہا پھر کھانے پر فاتحہ دینے کی کیا ضرورت ہے جیسا روپیہ کپڑے کا، ثواب بدوں فاتحہ کے پہنچ سکتا ہے اسی

طرح کھانے کا ثواب بھی بدوں فاتحہ کے پہنچ سکتا ہے۔ دونوں میں کیا فرق ہے۔ بے چارہ تھا سمجھدار۔ فوراً سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ جی بات تو یہی ہے یہ سارے ڈھونگ ہیں، تم سچ کہتے ہو۔ بعضے گنوار بہت سمجھدار ہوتے ہیں کیونکہ ان کی طبیعت میں اینچ پینچ نہیں ہوتا سیدھی بات کو جلدی قبول کر لیتے ہیں مگر بعضے گنوار اکھڑ بھی ہوتے ہیں چنانچہ ایک گنوار نے فاتحہ کے ثبوت میں یہ دلیل بیان کی تھی کہ قرآن میں تو اس کے لئے ایک خاص سورت اُتری ہے جس کا نام ہی سورۂ فاتحہ ہے۔ بیوقوف بھلا اس سے کوئی پوچھے کہ یہ دلیل کیسی ہوئی؟ کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ تم نے اس بدعت کو ایجاد کر کے اس کا نام سورۂ فاتحہ کے نام پر رکھ دیا ہو۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کیونکہ نزول قرآن کے وقت اس رسم کا کہیں پتہ بھی نہ تھا نہ اس طرح ثواب بخشنے کو کوئی فاتحہ کہتا تھا۔ تو بعضے گنوار ایسے کوڑ مغز بھی ہوتے ہیں۔

حقیقت تکبر

غرض وہ بڑے میاں ان طالب علم کو پکڑ کر مولانا قدس سرہٗ کے پاس لائے اور کہا کہ حضرت اسکی کیا وجہ کہ آپ انکے سوالات کا تو جواب دیتے ہیں اور ہمارے سوالات کا جواب نہیں دیتے حالانکہ ہم اتنے بڑے آدمی ہیں مولانا رحمۃ اللہ کے جوابات بہت مختصر اور چبھتے ہوئے ہوا کرتے تھے۔ فرمایا کہ وجہ تو تم نے خود بیان کر دی۔ بس یہی تو وجہ ہے کہ تم اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہو، ہائے یہ تکبر بڑا سدراہ ہے یہ کمبخت انسان کو تمام فیوض و برکات سے محروم کر دیتا ہے۔ یہی تو وہ بلا ہے جس سے شیطان مردود ہوا۔ صاحبو! ہمارے اندر یہ تکبر گھسا ہوا ہے اسی واسطے ہم کمال دین سے محروم ہیں۔ اسی کا ایک اثر یہ ہے کہ ہم نے جہاں تھوڑا سا کام کر لیا۔ پانچ وقت کی نماز پڑھ لی اور اپنے آپ کو کچھ سے کچھ سمجھنے لگے۔ عورتوں میں بھی یہ مرض بہت ہے۔ اول تو ان میں دیندار بہت ہی کم ہیں اور جو دو چار دیندار ہیں بھی وہ اپنے آپ کو نہ معلوم کیا سمجھتی ہیں۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ عورتیں کم حوصلہ ہوتی ہیں اور ذرا سی بات میں تکبر اور بڑائی کرنا کم حوصلہ آدمی کا کام ہے۔ ایک عورت بڑی نمازن تھی اتفاق سے اس کی شادی کسی ڈاڑھی منڈے بے نمازی سے ہو گئی تو وہ کیا کہتی ہے کہ اللہ رے تیری شان ایسی پارسا ایسے بے دین سے بیاہی گئی۔ گویا نعوذ باللہ اسے خدا پر بھی اعتراض تھا کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کچھ ضابطہ نہیں

ہے جوڑ بیجوڑ کچھ نہیں دیکھتے، استغفر اللہ ارے تم کو کیا خبر ہے کہ خاتمہ کس کا اچھا ہو؟ خدا تعالیٰ کس کو بخشے کس کو جہنم میں بھیج دے کیا تعجب ہے کہ خدا اس بے نمازی کو کسی ادا پر بخش دے اور تم کو اس تکبر کی وجہ سے دوزخ میں ڈالدے۔ اول تو خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ دوسرے جن اعمال پر تم کو ناز ہے کیا خبر ہے وہ قبول بھی ہوتے ہیں یا نہیں گو امید تو یہی رکھنی چاہئے کہ قبول ہوتے ہیں مگر کوئی وحی بھی نہیں آ گئی اس لئے ڈرتے بھی رہنا چاہئے اور کبھی اپنے اعمال پر ناز نہ کرنا چاہئے نہ دوسروں کو حقیر سمجھنا چاہئے کہ اس سے اندیشہ ہے حبطِ نور اعمال کا۔

حقیقت نسبت

اسی طرح بعض لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں ذرا انکے قلب میں حرارت پیدا ہوئی اور وہ سمجھنے لگے کہ میں صاحب نسبت ہو گیا۔ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی (شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے والد بزرگ) کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرا دل جاری ہو گیا۔ شاہ صاحب ہنسنے لگے فرمایا کہ لوگوں کو کبھی حرارت ذکر سے خفقان (اختلاج قلب) ہو جاتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ذکر جاری ہو گیا۔ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ قلب جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل کو حرکت کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دیتی ہو یاد رکھو یہ اختلاج قلب ہے جو کہ سخت مرض ہے اس کا نام دل کا جاری ہونا نہیں ہے مکہ معظمہ سے جب ہم غار ثور پر گئے اور پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا تو سب لوگوں کے سانس پھول گئے اسوقت بے تکلف دل کی حرکت صاف محسوس ہوتی تھی اور کھٹ کھٹ کی آواز آ رہی تھی میں نے ساتھیوں سے کہا کہ لو آج سب کے دل جاری ہو گئے، سب صاحب نسبت ہو گئے۔ اگر یہی نسبت ہے تو بس روزانہ ایک میل دوڑ لیا کرو دل جاری ہو جایا کرے گا یہ محض غلط خیال ہے ذکر جاری ہونے کے لئے آواز اور کھٹکا کچھ ضروری نہیں بلکہ ذکر جاری ہو جانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سالک کو اکثر اوقات حق تعالیٰ سے ذہول وغفلت نہ ہوتی ہو زیادہ اوقات میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ دے رہے اسی کا نام ملکہ یادداشت ہے لیکن یہ بھی نسبت مطلوبہ نہیں ہے۔ بعض لوگ ملکہ یادداشت ہی کو نسبت سمجھتے ہیں یہ بھی غلطی ہے اور اس سے بھی ایک بڑا دھوکہ سالکین کو پیش آتا ہے وہ یہ کہ صوفیہ کرام نے فرمایا ہے کہ

معصیت سے نسبت سلب ہو جاتی ہے اور ملکہ یادداشت معصیت ۔سے زائل ہوتا نہیں تو جو شخص اسی کو نسبت سمجھتا ہے وہ ائمہ فن کے خلاف یہ سمجھنے لگتا ہے کہ معاصی مجھ کو مضر نہیں بعض تو معاصی کو حلال سمجھنے لگتے ہیں وہ تو زندیق ہیں بعض حلال تو نہیں سمجھتے مگر یوں خیال کر لیتے ہیں کہ ہم کو نسبت حاصل ہو گئی ہے جس سے ہر وقت ہم ذکر میں رہتے ہیں اور ذکر حسنہ ہے اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الحسنَات يُذهِبنَ السَّيئاتِ کہ حسنات سیئات کو زائل کرتی رہتی ہیں۔ پس یہ نسبت ایسا حسنہ ہے جس سے تمام گناہ دُھلتے رہتے ہیں اور کوئی گناہ ہم کو مضر نہیں ہوتا وہ نسبت سب گناہوں کا کفارہ ہوتی رہتی ہے یہ بڑی گمراہی ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ ان لوگوں نے ملکہ یادداشت کو جو کہ مشق ذکر سے پیدا ہو جاتا ہے۔ نسبت مقصودہ سمجھ رکھا ہے خوب سمجھ لو کہ نسبت اس کا نام نہیں ہے نسبت مقصودہ کے لئے گناہ اور معصیت کے لئے سخت مضر بلکہ سم قاتل ہے۔ نسبت کی حقیقت واحکام کی تفصیل زیادہ ہے (جس کو میں کسی قدر پرسوں کے وعظ میں بیان کر چکا ہوں) مگر اجمالاً ایک حکایت سے اسکی حقیقت سمجھ میں آ جائے گی۔ وہ حکایت یہ کہ ایک طالب علم سے ان کے کسی مہمان نے پوچھا تھا کہ میاں آج کل کیا شغل ہے کہنے لگے کہ شاہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں اس نے پوچھا کہ پھر کچھ سامان کر لیا ہے کہنے لگے کہ آدھا سامان تو ہو گیا آدھا باقی ہے۔ اس نے کہا یہ کیونکر کہا میں تو راضی ہوں مگر وہ راضی نہیں اور نکاح طرفین کی رضا سے ہوتا ہے لہذا ایک کا راضی ہونا آدھا نکاح ہے تو جو لوگ ملکہ یادداشت حاصل کر کے معاصی سے اجتناب نہیں کرتے اور اپنے کو صاحب نسبت سمجھتے ہیں انکی نسبت ایسی ہی ہے جیسے اس طالب علم کا آدھا نکاح کہ یہ لوگ تو خدا تعالیٰ سے یادداشت کا تعلق رکھتے ہیں مگر خدا کو ان سے کچھ علاقہ نہیں۔ یاد رکھو نسبت اس تعلق کو کہتے ہیں جو طرفین سے ہو یعنی بندہ کو خدا سے تعلق ہو اور خدا کو بندہ سے تعلق ہو اور نصوص سے یہ اُڑ جاتی ہے۔ کبھی اتنے آہستہ کہ اس کو ہوا بھی نہ لگے آقا کو ایسا پنکھا جھلنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ مگر وہ خوش اخلاقی کی وجہ سے کچھ نہیں بولتا تو اگر وہ نوکر ایسی خدمت کر کے ناز کرے کہ میں نے آج دو گھنٹہ آقا کی خدمت کی تو اس کا یہ ناز بجا ہے یا بیجا۔ یقیناً ہر شخص اس کو احمق بتائے گا کہ تو ناز کس بات پر کرتا ہے جتنی دیر تو نے

خدمت کی ہے آقا کو تکلیف پہنچائی ہے تو اسی کو غنیمت سمجھ کر اس نے تجھ کو سزا نہیں دی نہ کہ تو الٹا ناز کرتا اور اپنے کو انعام کا مستحق سمجھتا ہے۔ صاحبو! یہی حالت ہماری طاعات کی ہے کہ حق تعالیٰ ان طاعات پر ہم سے مواخذہ ہی نہ فرمائیں تو بسا غنیمت ہے یہ الٹا ناز کیسا؟ آخر کیا ہم کو اپنی طاعات کی حقیقت معلوم نہیں کہ ہم انکو کس طرح بے سروپا ادا کرتے ہیں۔ مولانا مثنوی میں ایک بہرہ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ اپنے ایک دوست کی عیادت کرنے گیا تھا راستہ میں سوچنے کہ میں تو بہرہ ہوں مجھے دوسرے کی خصوص ضعیف مریض کی بات سنائی نہ دے گی۔ اس لئے ابھی سے حساب لگالینا چاہئے کہ میں جا کر پہلے کیا کہوں گا وہ اس کو کیا جواب دے گا پھر مجھ کو اس کے جواب میں کیا کہنا چاہئے چنانچہ اس نے حساب لگایا کہ پہلے میں اس سے پوچھوں گا کہ مزاج کیسا ہے، وہ کہے گا شکر ہے پہلے سے افاقہ ہے میں کہوں گا الحمدللہ حق تعالیٰ اور زیادہ کرے پھر میں کہوں گا کہ معالجہ کون سے طبیب کا ہے وہ کہے گا فلاں حکیم صاحب کا۔ میں کہوں گا سبحان اللہ بہت ہی لائق طبیب ہیں بڑی شفقت فرماتے ہیں ان کا علاج ترک نہ کرنا چاہئے۔ پھر پوچھوں گا کون سی دوا استعمال میں ہے وہ کسی دوا کا نام لے گا میں کہوں گا خدا اسکو آپ کی رگ وپے میں پیوستہ کرے اور خوشگوار فرمائے۔ یہ حساب لگا کر وہ پہنچے بیمار نے جو بہرہ کی صورت دیکھی گھبرا گیا کہ یہ کمبخت کہاں سے آ گیا اب یہ میرا دماغ کھائے گا اپنی سب کچھ کہہ لیگا میری بات سنے گا نہیں۔ اب بہرہ میاں آگے بڑھے اور مزاج پوچھا کہ اب طبیعت کیسی ہے بیمار نے جھلا کر کہا حال کیا ہوتا مر رہا ہوں، آپ نے کہا الحمدللہ خدا اور زیادہ یات معلوم ہو چکی ہے کہ عاصی سے خدا کو رضا کا تعلق نہیں ہوتا لہٰذا معصیت کے ساتھ نسبت مطلوبہ کبھی جمع نہیں ہو سکتی مگر افسوس ہے کہ لوگ اس غلطی میں بہت مبتلا ہیں کہ وہ ملکہ یادداشت ہی کو نسبت سمجھتے ہیں، خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے کہ جہاں ذرا نماز پڑھنے لگیں اپنے آپ کو رابعہ سمجھنے لگیں۔ اوچھے آدمی بہت جلدی اپنے معتقد ہو جاتے ہیں مثل مشہور ہے۔ الحائد اِذَا صَلّٰی یَو مَینِ اِنتَظِرِ الوَحیَ۔ جُلاہا دو دن نماز پڑھ کر تیسرے دن وحی کا منتظر ہو جاتا ہے۔ بہت لوگ اپنے کمالات کے معتقد ہیں مگر ان کو یہ خبر نہیں کہ ہم دھوکہ میں پڑے ہوئے

ہیں ان لوگوں کو امام غزالی کی احیاء میں کتاب الغرور دیکھنی چاہئے (غرور بمعنی تکبر نہیں یہ اردو کا محاصرہ ہے عربی میں غرور کے معنے دھوکے کے ہیں، حق تعالیٰ فرماتے وغرکم باللّٰہ الغرور، یہاں دھوکہ میں ڈالنا ہی مراد ہے یہ وہ کتاب ہے جس نے امام غزالی رحمہ اللہ علیہ پر کفر کے فتویٰ لگوائے کیونکہ اسمیں انہوں نے ہر فرقہ کی غلطیاں ظاہر کی ہیں اور ان دھوکوں پر متنبہ کیا ہے جن میں وہ مبتلا ہیں تو چونکہ اس سے دنیا بھر کے اترے پترے کھلتے تھے اس لئے سب لوگ ان کے درپے ہو گئے پھر کافر بنانے کو موقع مل ہی جاتا ہے ۔

چشمِ بد اندیش کہ برکندہ باد　　　عیب نماید ہنرش درنظر

(بد اندیش آدمی کسی کام کو دیکھتا ہے تو اس کی نظر میں اس کا ہنر عیب معلوم ہوتا ہے)

جب آدمی کسی کے درپے ہو جاتا ہے تو اس کو کمالات بھی عیوب نظر آتے ہیں وہ کتاب دعوے پست کرنے والی ہے جو لوگ اپنے کمالات کے معتقد ہیں اس کو دیکھیں پھر غور کریں کہ وہ کس دھوکہ میں مبتلا تھے۔

عمل وناز

بعض لوگ اپنے اعمال پر ناز کرتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ مگر ہماری طاعات کی ایسی مثال ہے جیسے بعض دفعہ نوکر آقا کو پنکھا جھلتا ہے کبھی اتنے زور سے کہ ٹوپی بھی اس کے سر سے کرے، بیمار اور بھی جھلا گیا پھر پوچھا کہ کون سے حکیم صاحب کا علاج ہے اس نے کہا ملک الموت علیہ السلام کا۔ آپ نے کہا، سبحان اللہ بڑے ہی لائق طبیب ہیں ان کا علاج کبھی نہ چھوڑیئے، ماشاء اللہ بڑے ہی شفیق ہیں اللہ تعالیٰ ان کا قدم مبارک فرماوے، پھر پوچھا کہ آج کل کونسی دوا استعمال میں ہے اس نے کہا زہر پی رہا ہوں، آپ بولے ماشاء اللہ انگبیں ہے خدا اس کو آپ کی رگ رگ میں پیوستہ کرے اور خوشگوار فرمائے۔ تو اب آپ غور کیجئے کہ ایسی عیادت سے کیا کسی کا جی خوش ہو سکتا ہے ہرگز نہیں، مگر وہ بہرہ اپنے دل میں خوش تھا کہ میں نے اپنے دوست کا حق ادا کر دیا اسکی عیادت کر لی اور اس کا جی خوش کر دیا۔ ڈے پتھر جی خوش کر دیا وہ تو اسکی جان کو کوستا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسی ہی عبادت کرتے ہیں جیسی اس شخص نے عیادت کی تھی اور ان کا اپنی عبادت پر خوش ہونا ایسا ہی ہے جیسا وہ بہرہ اپنی عیادت پر خوش تھا۔

نتیجہ عبادت ناقص

صاحبو! یہ حال ہے ہماری ان عبادات کا جن پر ہم ناز کرتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ عبادت ٹوٹی پھوٹی ہم کر رہے ہیں اسکو بھی چھوڑ دیا جائے۔ بعضے ایسے احمق بھی ہیں جو یہی مطلب سمجھے ہوں گے کہ جب ہماری عبادت کسی کام کی نہیں تو پھر کیوں سر مارا۔ ارے وہ ایسے کریم ہیں کہ اکثر تو ٹوٹی پھوٹی عبادت کو بھی قبول کر لیتے ہیں نقل کو اصل کی جگہ کر دیتے ہیں جیسا آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعضے کاریگر مٹی کا خربوزہ بنا کر روٴساء کے سامنے پیش کرتے ہیں اور وہ ان کو انعام دیدیتے ہیں حالانکہ اسمیں سوا مٹی کے اور کچھ نہیں ہوتا مگر چونکہ خربوزہ کی شکل ہوتی ہے اس لئے وہ اسکی وہی قدر کرتے ہیں جو اصلی خربوزہ کی کرتے ہیں بلکہ اصلی خربوزہ سے بھی بعض دفعہ زیادہ قیمت دے دیتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ نقل پوری ہو۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے اعمال میں تو نقل بھی صحیح نہیں ہوتی۔ اب یہ کیا نماز ہے کہ قیام میں ہاتھ زانوں پر پڑے ہوئے ہیں ہاتھ بھی ڈھنگ سے نہیں باندھے جاتے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی کچھ بھی عظمت دل میں نہیں۔ عورتیں الحمد کو الہمد پڑھتی ہیں الفاظ بھی درست نہیں، خشوع خضوع کا تو کیا ذکر۔ یاد رکھو! قرآن کا صحیح پڑھنا واجب ہے کم از کم جتنا قرآن نماز میں پڑھو اس کو تو ضرور صحیح کر لو اس کی کوشش کرنا ہر ایک کے ذمہ واجب ہے کوشش کے بعد بھی درست نہ ہو تو معذور ہے تو دیکھئے ہم تو نماز کی نقل بھی صحیح طور پر نہیں کرتے باقی امید تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ اس مکروہ نماز کو بھی قبول فرما لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ مہمل ہیں ان کے پاس ہے ہی کیا؟ اس مہمل نماز کو بھی رد کر دیا جائے تو یہ بالکل ہی محروم رہ جائیں گے۔ اس لئے اکثر تو وہ ہماری بے ڈھنگی طاعات کو بھی قبول ہی فرما لیتے ہیں۔ حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ بھائی جس عبادت کے بعد پھر اسکی توفیق دوبارہ ہو جاوے تو یہ اس کے قبول ہونے کی علامت ہے اگر پہلی عبادت قبول نہ ہوئی ہوتی تو دوبارہ اسکی توفیق نہ ہوتی کیونکہ بادشاہ کو جس شخص کا اپنے دربار میں آنا ناگوار ہوتا ہے تو ایک بار کے بعد دوبارہ اس کو اپنے دربار میں گھسنے نہیں دیا کرتا یہ دلیل امید کے واسطے بہت ہے گو قطعی دلیل نہیں، ہاں اَنَا عِندَ ظَنِّ عَبدِی بِی[1] کو اسکی ساتھ ملا لو تو پھر کافی ہے۔

---

[1] مسند أحمد ۲: ۳۱۵، الترغیب والترھیب ۲: ۳۹۳

طریق معمول دینِ کامل

غرض میرا یہ مطلب نہیں کہ اگر اسوقت تم کو کامل عبادت کی توفیق نہیں تو ناقص کو چھوڑ دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس پر بس نہ کرو بلکہ اسکی تکمیل کی کوشش کرو۔ دین کا طریقہ معلوم نہ کرو اور دین میں کامل بننے کی سعی کرو۔ جس کا طریقہ کتب دینیہ کا پڑھنا سننا ہے خصوصاً عورتوں کے لئے تو یہی ایک طریقہ ہے کیونکہ ان کو علماء سے ملنے اور ان سے مسائل دریافت کرنے اور ان کے مواعظ و بیانات سننے کا موقع ہی نہیں ملتا لہذا ان کو کتب دینیہ کے پڑھنے اور سننے کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے مگر افسوس یہ ہے کہ اول تو عورتیں پڑھتی ہی نہیں ہیں اور جو لکھنا پڑھنا جانتی ہیں وہ دین کی کتابیں نہیں دیکھتیں۔ اب ان کے پڑھنے کی کیا کتابیں رہ گئی ہیں۔ ساپن نامہ، معجزہ آل نبی جس میں حضرت علی کا ایک جھوٹا قصہ ہے۔ اور وفات نامہ جس میں غلط روایات ہیں اور ہرنی نامہ یہ قصہ صحیح ہے مگر اس سے بھی کچھ احکام معلوم نہیں ہوتے اور منظوم تفسیر سورۂ یوسف اس میں بھی بعض روایات صحیح نہیں پھر اس میں زلیخا کے عشق کو بہت صاف صاف بیان کیا گیا ہے جس کا اثر اخلاق پر بہت بُرا پڑتا ہے۔ بس یہ ہے عورتوں کی انتہائی تعلیم جس نے یہ کتابیں پڑھ لیں وہ گویا سب سے زیادہ پڑھی ہوئی ہے۔

حقیقت وعظ

جیسے سہارنپور میں ایک جاہل آیا تھا اس نے یہی کتابیں پڑھی تھیں اور اس کو ناز تھا کہ میں بھی عالم ہوں چنانچہ جمعہ کی نماز کے بعد اس نے خود ہی اعلان کیا بھائیو! اُواج (وعظ) ہوگی آپ کی لیاقت کا حال تو لوگوں کو ان دو لفظوں ہی سے معلوم ہو گیا مگر تماشا دیکھنے کے لئے لوگ بیٹھ گئے کہ دیکھیں بھائی اُواج کیسی ہوتی ہے وعظ تو بہت سنے مگر اُواج کبھی نہ سنی تھی تھوڑی دیر میں واعظ صاحب ممبر پر پہنچے اور تین مرتبہ یَشین یَشین یَشین پڑھ کر اس کی تفسیر بیان کی اے محمد اے محمد اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں تجھے نہ پیدا کرتا تو نہ عرش کو پیدا کرتا نہ کرسی کو نہ آسمان کو نہ زمین کو۔ بھائیو آدھی اُواج آج ہوگئی آدھی کل کو ہوگی۔ ہارے تھکے ہیں خرچ پاس نہیں ہے کچھ ہماری امداد کرو۔ بس وعظ ختم ہوا۔ اول تو احمق نے یٰسٓ کو یَشین سے پڑھا پھر اسکی تفسیر کیسی خوبصورت کی۔ اس مجمع میں ایک نابینا

عالم بھی جن کا نام مولانا سعید الدین صاحب تھا موجود تھے اور لوگ انکے علم وفضل کے معتقد تھے انہوں نے لوگوں سے فرمایا کہ ذرا ان مولانا کو میرے پاس لانا چنانچہ لایا گیا آپ نے فرمایا کہ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو (کہیں بھاگ نہ جائیں) غرض اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آپ نے دریافت فرمایا کہ مولانا آپکی تحصیل کہاں تک ہے تو وہ واعظ صاحب فرماتے ہیں کہ ہماری تحصیل ہاپوڑ، مولانا سعید الدین صاحب سمجھ گئے کہ بیچارہ بالکل ہی جاہل ہے اسکو تحصیل کے معنی بھی معلوم نہیں۔ پھر آپ نے اردو الفاظ میں کہا کہ میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم نے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے کہنے لگا کہ ہم نے پڑھا ہے ہرنی نامہ، وفات نامہ، معجزہ آل نبی، ساپن نامہ...... اور تو کیا جانے اندھے؟ مولانا سعید الدین صاحب نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور لوگوں سے فرمایا کہ اس کو کچھ نہ کہو، جانے دو، بیچارہ معذور ہے تو جیسے اس جاہل کو ان کتابوں کے پڑھنے پر ناز تھا اس نے ایک فاضل شخص کو بھی منہ نہ لگایا اور صاف کہہ دیا کہ تو کیا جانے اندھے۔ اسی طرح آج کل جو عورتیں یہ کتابیں پڑھ لیتی ہیں وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگتی ہیں کہ بس اب ہم سے زیادہ پڑھا ہوا کون ہوگا پھر غضب یہ ہے کہ عورتیں چونکہ عموماً ان پڑھ ہیں اس لئے ان میں سے جو کچھ پڑھ لیتی ہیں ان کی قدر خوب ہونے لگتی ہے کیونکہ دوسری عورتیں اتنا بھی پڑھنا نہیں جانتیں جب انکی قدر ہونے لگی تو اب انکو آگے پڑھنے کی کیا ضرورت رہی۔ گنگوہ میں ایک جاہل واعظ آیا تھا جو جہنم کو جہندم کہتا تھا۔ اس کے وعظ عورتوں میں ہوا کرتے تھے اور عورتیں اسکی بہت معتقد تھیں بلکہ بعضے مرد بھی معتقد تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ ایسا بڑا عالم ہے کہ مولوی رسید کو تو بارہ برس پڑھاوے میں نے کہا واقعی مولانا رشید احمد صاحب کو تو بارہ برس میں بھی یہ علوم نہ حاصل ہوں گے بارہ برس کیا وہ تو ساری عمر میں بھی جہنم کو جہندم نہ کہہ سکیں گے۔

نصاب تعلیم نسواں

تو یہ عورتیں ہر ایک کی بہت جلد معتقد ہو جاتی ہیں چاہے اس نے الف بے تے ہی پڑھی ہو اور یہ سب جہل کی خرابی ہے جو ان میں پڑھی لکھی کہلاتی ہیں وہ بھی جاہل ہی ہیں کیونکہ ان کے درس میں ایسے ایسے فضول قصے رہ گئے ہیں جن سے احکام کا علم بالکل نہیں ہوتا۔ آج کل ایک

مناجات پڑھی جاتی ہے جس کو عورتیں اور مرد بڑے شوق سے سنتے ہیں جس میں ہر دو شعر کے بعد یہ مصرع پڑھا جاتا ہے۔ "مری بار کیوں دیراتنی کری"۔ اس کا مضمون بالکل خلاف شرع ہے مگر جہل ایسا عام ہوا ہے کہ کسی کو بھی ادھر التفات نہیں ہوتا اس نظم میں اول تو خدا تعالیٰ کی شکایت ہے کہ سب کو تو یہ یہ نعمتیں دے دیں اور میری بار کیوں دیر کر رکھی ہے اس میں علاوہ شکایت کے حق تعالیٰ کی طرف نعوذ باللہ ظلم کی بھی نسبت ہے کہ عجب کارخانہ ہے جس میں کچھ ضابطہ ہی نہیں کہ ایک بندے کو سب کچھ دیدیا اور مجھے ٹال رکھا ہے اب تک میرا مقصود پورا نہیں ہوتا۔ نیز اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی مساوات کا بھی دعویٰ ہے اور ان پر حسد بھی ہے کیونکہ اس میں تمام انبیاء مشہورین کا ذکر کیا گیا ہے کہ آدم کو یہ دیا اور نوح کو دی پیغمبری اور سلیمان (علیہم السلام) کو دی سروری اور ہر ایک کے بعد یہ مصرع بھی کہ مری بار کیوں دیراتنی کری۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شاعر کو ان حضرات پر حسد ہے کہ انکو تو سب کچھ مل گیا اور مجھے کچھ بھی نہ ملا مری بار میں دیر ہو رہی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ناظم کی نیت بھی یہی تھی مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ مطلب ان اشعار کا مدلول ضرور ہے اور قاعدہ ہے کہ جس بات میں ایہام خلاف بھی ہو اس سے بھی منع کیا جائے گا۔ آخر حق تعالیٰ نے صحابہ کو رَاعِنَا کہنے سے کیوں منع فرمایا کیا معاذ اللہ صحابہ کرام کے ذہن میں اسکے معنے کچھ بُرے تھے ہرگز نہیں بلکہ محض اس لئے کہ یہ لفظ مُوہم ہوتا ہے بُرے معنے کا قصد کر کے استعمال کریں اس قاعدہ کے تحت میں یہ نظم بھی داخل ہے گو قائل کا قصد بُرا نہ ہو۔ پس اس کا پڑھنا اور سننا اور پڑھوانا سب ناجائز ہے۔ پس یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ عورتوں کے نصاب تعلیم میں تمام فضول اور خرافات قصے ہی رہ گئے اور یہاں تک بھی بس تھی۔

مذمتِ ناول

اب تو غضب یہ ہے کہ عورتیں ناول پڑھتی ہیں جس سے اخلاق بہت ہی خراب ہو جاتے ہیں۔ ان ناولوں کی بدولت شرفاء کے گھروں میں بھی بڑے بڑے واقعات شرمناک وقوع میں آ چکے ہیں مگر اب بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان ناولوں سے تو وہ پرانی کتابیں قصہ گل بکاؤلی و چہار درویش و طلسم ہوشربا ہی غنیمت ہیں۔ اگرچہ میں انکے دیکھنے سے بھی عورتوں کو سختی کے ساتھ منع کرتا ہوں مگر واللہ ان ناولوں سے وہ ہزار درجہ

بہتر ہیں انکے برابر وہ اخلاق کوخراب نہیں کرتیں قصے گوان میں بھی خرافات ہی ہیں مگر تدابیر اختلاط وحیلہائے وصول الی المقصود ان میں ایسے بتلائے ہیں جو نہایت متعذر الحصول اور دشوار ہیں مثلاً شاہزادہ کا گل بکاؤلی کے باغ میں پہنچنا کیسے ہوا کہ راستہ میں ایک دیو ملا اس کو اس نے ماموں بنایا اسے اس پر رحم آیا اور اس نے باغ میں پہنچا دیا۔ اسی طرح چہار درویش کے قصے میں بھی تمام صورتیں حصول مقصود کی ایسی ہیں جو انسان کے قبضہ کی نہیں ہیں خدا ہی چاہے تو اس طریقوں سے مقصود میسر آ سکتا ہے اور ان کمبخت ناولوں میں تو ایسی سہل سہل ترکیبیں لکھی ہیں جن سے ہر شخص کام لے سکتا ہے مثلاً یہ کہ عاشق نے کسی نین کو یا جلا ہی کو لالچ دلایا کہ میں تجھ کو اتنے روپے دوں گا تو فلاں لڑکی سے مجھ کو ملا دے۔ اب یہ ترکیب ایسی آسان ہے کہ جس کے پاس روپیہ ہو وہ اس سے بآسانی کام نکال سکتا ہے کیونکہ ایسی عورتیں بہت جلد لالچ میں آ جاتی ہیں نہ ان میں دین ہے نہ حیا نہ کسی کی آبرو کا ان کو خیال ان کے ذریعہ سے گھروں میں کچھ سے کچھ واقعات ہو جانا بڑی بات نہیں۔ اس لئے میں ان ناولوں کو گل بکاؤلی وغیرہ سے بھی بدتر جانتا ہوں۔

فرائضِ مَرد

صاحبو! خدا کے واسطے اپنی عورتوں کو ان ناپاک کتابوں سے بچاؤ اور ناول کو ہرگز اپنے گھر میں نہ گھسنے دو، اگر کہیں نظر بھی پڑ جائے تو فوراً جلا دو، اور عورتوں کے پاس ایسی کتابیں پہنچاؤ جن میں دین کے پورے اجزاء سے کافی بحث ہو۔ عقائد کا بھی مختصر بیان ہو۔ وضو اور پاکی ناپاکی کے بھی مسائل ہوں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، بیع وشرا کے بھی مسائل ہوں اصلاح اخلاق کا طریقہ بھی مذکور ہو۔ آداب اور سلیقہ کی باتیں بھی بیان کی گئی ہوں یہ بات مردوں کے ذمہ ہے اگر وہ اسمیں کوتاہی کریں گے ان سے بھی مؤاخذہ ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا قُوا اَنفُسَکُم وَاَھلِیکُم نَاراً۔ اے مسلمانو! اپنی جانوں کو بھی جہنم سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی۔ اگر کوئی مرد خود متقی بن جائے اور اپنے گھر والوں کے دین کی خبر نہ لے تو خدا تعالیٰ اسکی عورتوں کے ساتھ اس کو بھی جہنم میں بھیج دیں گے۔ تنہا اس کا متقی بن جانا قیامت میں عذاب سے نجات کے لئے کافی

نہ ہوگا پس مردوں کا کام یہ ہے کہ عورتوں کے پاس ایسی کتابیں پہنچائیں اور عورتوں کا کام یہ ہے کہ...... وہ اپنے مردوں سے یہ کتابیں پڑھیں اور ان پر عمل کریں خود بھی دیکھیں اور اپنی لڑکیوں کو بھی پڑھائیں اور جو اَن پڑھ عورتیں ہیں ان کو بھی احکام سنائیں اور ہمت کر کے ان پر عمل کرنے کا اہتمام کریں انشاء اللہ دین بہت جلد مکمل ہو جائے گا۔

کوتاہی نمازِ نسواں

اجمالاً میں نے دین کامل کرنے کا طریقہ بتلا دیا اب مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں رہی لیکن جس طرح بعض ضروری فروع پر مردوں کے وعظ میں تنبیہ کی گئی تھی اسی طرح بعض فروع یہاں بھی بیان کرتا ہوں جن میں اکثر عورتیں کوتاہی کرتی ہیں تا کہ ان پر قیاس کر کے وہ دوسرے اجزاء دین سے بھی غفلت نہ کریں کیونکہ اس وقت میں ان فروع کا ذکر کروں گا جو بہت ظاہر ہیں۔ جب ان میں بھی کوتاہیاں کی جاتی ہیں تو دوسرے فروع کا کیا حال ہوگا۔ اس کو خود سمجھ لینا چاہئے۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نماز کا بیان شروع کرتا ہوں جس کا فرض ہونا ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عورتیں نمازی بہت کم ہیں حالانکہ قرآن کی ایک آیت میں نماز ترک کرنے کو شرک میں داخل کیا گیا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

مُنِيبِينَ اِلَيهِ وَ اتَّقُوه وَاَقِيمُوا الصَّلٰوۃَ وَلاَ تَكُونُوا مِنَ المُشرِكِينَ.

ترجمہ: یہ ہے کہ اس کی طرف رجوع کرو اور اس سے ڈرو، نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے مت بنو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز نہ پڑھنا مشرک بنتا ہے اور حدیث میں تو یہ مضمون بہت صاف ہے مَن تَرکَ[1] الصَّلوۃَ مُتَعَمِّداً فَقَد کَفَرَ جس نے نماز کو قصداً ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔ گو جمہور علماء نے ان آیات و احادیث میں تاویل کی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ نماز کا چھوڑنا کافروں کا سا کام کرنا ہے مگر صاحبو! اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ظاہر الفاظ میں ایسے شخص کو کافر کہہ دیا ہے گو علماء تاویل کرتے ہیں میرا مطلب یہ نہیں کہ یہ تاویل غلط ہے لیکن ہم کو اس تاویل کے بھروسہ پر بے فکر نہ ہونا چاہئے کیونکہ خدا اور رسول جس بات کو کفر فرما رہے ہیں۔ اگر وہ واقع میں کفر بھی نہیں تو یقیناً کفر سے بہت قریب ہے۔ اور کفر کا انجام جو کچھ

---

[1] كنز العمال: ۱۹۰۰۸، إتحاف السادة المتقين ۳: ۱۰

ہے سب کو معلوم ہے کہ ابدالآباد کے لئے جہنم کی سزا ہے تو جو کام اس سے قریب کرنیوالا ہو مسلمان کواس سے کوسوں دور بھاگنا چاہئے۔ بعض عورتیں نماز پڑھتی ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ وہ رکوع وسجدے ٹھیک نہیں کرتیں بڑی جلدی کرتی ہیں۔ حالانکہ تعدیل ارکان واجب ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک فرض ہے۔ تعدیل ارکان کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے ہر رکن کو اطمینان و سکون کے ساتھ ادا کیا جاوے۔ مثلاً رکوع کے بعد سر اٹھا کر تھوڑی دیر سیدھا کھڑا ہو جانا چاہئے اور سمع الله لمن حمده رَبنا لک الحمد (اللہ تعالیٰ نے اس کی پکار سن لی جس نے اس کی تعریف کی اے ہمارے پروردگار تیرے تعریف) سیدھا کھڑا ہو کر کہے اس کے بعد اطمینان سے سجدہ میں جاوے۔ اس کو قومہ کہتے ہیں۔ عورتیں قومہ بالکل نہیں کرتیں اور بعض مرد بھی نہیں کرتے بس رکوع سے فارغ ہو کر ذرا سر کا ارشادہ کر کے فوراً سجدے میں چلے جاتے ہیں اس طرح نماز نہیں ہوتی۔ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہو جانا ضروری ہے۔ اسی طرح اکثر عورتیں دونوں سجدوں کے بیچ میں جلسہ نہیں کرتیں بس ایک سجدہ کر کے ذرا سا سر کا اشارہ کر کے فوراً دوسرا سجدہ کر دیتی ہیں اس طرح بھی نماز نہیں ہوتی اس کا خوب خیال رکھو اور قومہ وجلسہ اطمینان سے ادا کرو۔ بعض عورتیں قرآن غلط پڑھتی ہیں اس کا اہتمام بھی ضروری ہے بعض دفعہ ایسی غلطی ہو جاتی ہے جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے چند سورتیں نماز کے لئے کم از کم ضرور صحیح کر لو۔ بعض عورتیں نماز وقت سے ٹال دیتی ہیں۔ نماز کا وقت آ گیا اور بیٹھی باتیں بنا رہی ہیں جب وقت قریب الختم ہوتا ہے اس وقت پیشاب پاخانہ کے لئے لوٹا ہاتھ میں لیا جاتا ہے حتیٰ کہ ان مقدمات ہی میں وقت نکل جاتا ہے۔ یاد رکھو بدوں کسی عذر کے نماز کا وقت سے ٹالنا سخت گناہ ہے (عورتوں کو سب نمازیں اول وقت میں پڑھنی چاہئیں، ان کے لئے یہی افضل ہے ۱۲ جامع) بعض دفعہ ایام سے پاک ہونے کے بعد جلدی نماز شروع نہیں کرتیں دو تین وقت ٹال دیتی ہیں کہ کل کو سر دھو کر بال درست کر کے نہا دیں گے پھر نماز شروع کریں گے۔ اس کا یہ حکم ہے کہ اگر تین دن پورے ہونے سے پہلے پاک ہو جائے تب تو آخر وقت مستحب تک انتظار کرنا واجب ہے اگر آخر وقت تک پاک ہی رہی تو غسل کر کے نماز پڑھنا واجب ہے۔ اور اگر تین دن کے بعد مگر عادت سے پہلے پاک ہوئی تو آخر وقت تک انتظار کرنا مستحب ہے پھر غسل

کر کے نماز پڑھنا واجب ہے غرض پاکی نظر آنے کے بعد ایک وقت کی نماز قضا کرنا بھی جائز نہیں اور یہی حکم روزہ کا ہے خوب سمجھ لو، (عورتوں کو اپنے ایام عادت کا یاد رکھنا واجب ہے اس میں غفلت جائز نہیں ایام عادت کے بھول جانے سے بڑی پریشانی ہوگی اور اس کے لئے مسئلہ بہت پیچ در پیچ ہو جائے گا جب کوئی عورت کسی معمول سے پاک ہو فوراً ان کے دن لکھ لیوے یا اچھی طرح یاد کر لیوے ۱۲ جامع) پاکی ناپاکی کے مسائل معلوم کرنا بھی عورتوں کے ذمہ لازم ہے، بقدر ضرورت بہشتی زیور میں اس کے مسائل موجود ہیں۔ کسی سمجھدار عورت سے یا اپنے شوہروں سے سمجھ کر پڑھ لیں۔ بعض عورتیں اگر خود نماز کی پابندی کرتی ہیں تو وہ اپنے بچوں اور ماماؤں کو نماز کے واسطے نہیں کہتیں۔ بچوں کی پرورش زیادہ تر ماؤں کی آغوش میں ہوتی ہے لہٰذا ان کو اخلاق حسنہ سکھلانا اور نماز وغیرہ کی تعلیم دینا عورتوں کے ذمہ ہے اسمیں ہرگز غفلت نہ کریں جب بچہ سات برس کا ہو جاوے اس وقت سے نماز کی تاکید شروع کریں اور جب دس سال کا ہو جاوے تو مار پیٹ کر نماز پڑھاویں۔ اطباء نے لکھا ہے کہ اخلاق حسنہ و اعمال صالحہ کا اثر صحت پر بھی اچھا ہوتا ہے جس بچے کو نیک کاموں کی عادت ہوگی اس کی صحت بھی عمدہ ہوگی عورتوں کو بچوں کی صحت کا بہت خیال ہوتا ہے اس لئے میں نے یہ فائدہ بھی بتلا دیا کہ اگر کسی کو دین کا خیال نہ ہو تو صحت ہی کا خیال کر کے بچوں کو نماز وغیرہ کی تاکید کرتی رہیں۔ اسی طرح ماماؤں کو بھی نماز کی تاکید کرنی چاہئے چونکہ وہ تمہاری ماتحت ہیں اگر تم ان کو دھمکاؤ گی تو ضرور اثر ہوگا اور اس میں سستی کرنے سے تم پر بھی مواخذہ رہے گا کہ تم نے قدرت ہوتے ہوئے کیوں سستی کی بلکہ جس ماما کو مقرر کرو اس سے یہ شرط کر لیا کرو کہ تم کو پانچوں وقت کی نماز پڑھنی ہو گی۔ جس گھر میں ایک شخص بھی بے نمازی ہوتا ہے اس گھر میں نحوست برستی ہے۔ عورتوں کو اس طرف تو بالکل ہی توجہ نہیں۔ یہ عورتوں کی نماز کے متعلق چند کوتاہیاں ہیں۔

کوتاہی روزہ نسواں

روزہ کو میں اس واسطے نہیں کہتا کہ عورتوں کو روزہ زیادہ دشوار نہیں اس میں وہ ماشاء اللہ مردوں سے بھی زیادہ شیر ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ عورتیں روزے بہت رکھ لیتی ہیں مگر نماز سے انکی جان نکلتی ہے۔ اور روزہ رکھنا کچھ عورتوں کا زیادہ کمال بھی نہیں بلکہ اسمیں ایک

طبی راز ہے وہ یہ کہ ان میں رطوبت و برودت کا غلبہ ہے سرد مزاج والے کو بھوک پیاس کم لگتی ہے اس لئے ان کو روزہ آسان ہے دوسرے ان کو کھانے کے اندر مشغولی رہتی ہے اپنے ہاتھ سے سب چیزیں پکاتی ہیں۔ خوشبو سونگھتی رہتی ہیں اس سے بھوک تو فوراً کم ہو جاتی ہے، صرف پیاس کی تکلیف رہ گئی اسکی سہار بھی ان کو مشکل نہیں کیونکہ اول تو وہی برودت و رطوبت مانع عطش بھی ہے۔ دوسرے یہ دن بھر گھر ہی میں رہتی ہیں کہیں دھوپ میں آنے جانے کا انکو کام نہیں پڑتا رہا یہ کہ کھانا پکانے میں آگ کے سامنے بیٹھنا پڑتا ہے تو اکثر جو عورتیں روزہ دار ہیں وہ اپنے ہاتھ سے کم پکاتی ہیں ان کے آگے خدمت کرنے کو مامائیں موجود ہوتی ہیں اور جن کو خود کام کرنے پڑے وہ یہ ترکیب کرتی ہیں کہ پہلے سالن کی ہانڈیاں تیار کر لیتی ہیں سالن پکانے میں آگ کے سامنے جم کر نہیں بیٹھنا پڑتا، ایک دفعہ آگ جلا دی ہانڈی رکھ دی اور چلتے پھرتے پکالی پھر جب عصر کا وقت ہو گیا گرمی کم ہو گئی جلدی جلدی پندرہ بیس منٹ میں روٹی پکالی اس لئے ان کو کھانا پکانے میں بھی کچھ زیادہ دقت نہیں ہوتی۔ تیسری وجہ سہولت روزہ کی یہ ہے کہ عموماً عورتوں کو کھانے کی حرص کم ہوتی ہے ان کو عمدہ کھانا مرغوب نہیں ہوتا بس انکی ہانڈی محض مردوں کی خاطر سے پکتی ہے اگر کبھی مرد گھر پر نہ ہو تو یہ چٹنی پیس کر ہی گزر کر لیتی ہیں۔ شریف عورتیں عمدہ غذائیں کھانے سے بہت بچتی ہیں آپس میں کہا کرتی ہیں کہ اگر ہم اچھی غذائیں کھائیں گے تو لوگ یوں کہیں گے، کہ بڑی چٹوری ہے۔ ہائے یہ کیسی بُری بات ہے جب یہ اسطرح اپنے نفس کو مارتی ہیں تو رفتہ رفتہ انکی بھوک بھی مر جاتی ہے اس لئے روزہ میں ان کا کمال نہیں بلکہ اس میں مردوں کا کمال ہے کہ ہاؤ ہپ ہیں اور پھر روزہ رکھتے ہیں۔ مگر افسوس اب مردوں نے روزہ رکھنے میں ہمت بہت ہار دی ہے آج کل مردوں میں روزہ دار بہت کم ہیں۔ پس میں عورتوں سے یہ تو نہیں کہتا کہ وہ روزہ نہیں رکھتیں، ہاں روزہ میں غیبت سے بچنے کو ضرور کہونگا۔ کیونکہ انکا روزہ غیبت سے بہت کم پاک ہوتا ہے جب ان کو روزہ میں کھانا پکانے کا دھندہ کم ہوتا ہے تو آپس میں محفل جما کر بیٹھتی ہیں اور تیری میری غیبت شکایت میں روزہ برباد کرتی ہیں یوں تو غیبت ہر حال میں حرام ہے مگر روزہ کی حالت میں اس کا گناہ زیادہ ہے جیسے زنا کرنا ہر جگہ حرام ہے، اور مکہ معظمہ میں کرنا سخت گناہ ہے کیونکہ شرفِ مکان و شرفِ زمان سے جس طرح طاعات کا ثواب بڑھتا ہے اسی طرح معاصی کا گناہ بھی بڑھ جاتا ہے تیز روزہ میں پان کھانے والیاں یہ بھی کوتاہی کرتی ہیں کہ سحری میں منہ کے اندر پان دبا کر سو رہتی ہیں اگر صبح تک منہ میں پان رہا تو روزہ نہیں ہوتا اسکی احتیاط بہت ضروری ہے۔

ترغیبِ زکوٰۃ

زکوٰۃ میں بھی عورتیں بہت سستی کرتی ہیں کہ اپنے زیوروں لچکوں کی زکوٰۃ نہیں دیتیں۔ یادرکھو! جتنا زیور عورت کو جہیز میں ملتا ہے وہ اسکی مِلک ہے اس کی زکوٰۃ دینا اس پر واجب ہے اور جو زیور شوہر کے گھر سے ملتا ہے اگر وہ اس نے انکی مِلک کر دیا ہے تو اس کی زکوٰۃ بھی ان پر واجب ہے اور اگر ملک نہیں کیا محض پہننے کے واسطے دیا ہے تو اسکی زکوٰۃ مردوں کے ذمہ واجب ہے۔ ہر سال اپنے زیور کا حساب کر کے جتنی زکوٰۃ اپنے ذمہ ہو فوراً ادا کر دینی چاہئے۔ اس میں سستی کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ نے بہت سے غریبوں کو مال نہیں دیا۔ حالانکہ تم ان سے کچھ زیادہ نہیں ہو، اکثر غرباء کمالات میں تم سے بڑھے ہوئے ہیں کہ وہ نمازی بھی ہیں دیندار بھی ہیں پھر بھی جوان کو خدا نے مال نہیں دیا اور تم کو دیا ہے تو اسکی کیا وجہ؟ خدا نے امیروں کو اسی واسطے مال دیا ہے کہ وہ غریبوں کو دیا کریں کیونکہ ہر شخص اتنے ہی مال کا حق دار ہے جتنے کی اسکو ضرورت ہے پھر جس کو خدا نے حاجت سے زیادہ مال دیا ہے وہ جمع کرنے کے واسطے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کو دینے کے واسطے ہے جن کو حاجت کے موافق بھی نہیں ملا اور اس میں خدا تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں کہ وہ غریبوں کو امیروں کے ہاتھ سے دلوانا چاہتے ہیں اس قاعدہ کا تو یہ مقتضا تھا، کہ امیروں کو یہ حکم دیا جاتا کہ جتنا مال انکی ضرورت سے زیادہ ہو سب غریبوں کو دیدیا کریں کیونکہ عقلاً وہ انہی کا حق ہے لیکن یہ خدا کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اس نے سارا مال دینے کا حکم نہیں کیا بلکہ صرف چالیسواں حصہ واجب کیا ہے پھر اس میں بھی کوتاہی کرنا بڑا ظلم ہے۔

پَردہ میں کوتاہی

ایک کوتاہی عورتوں میں یہ ہے کہ ان میں پردہ کا اہتمام کم ہے۔ اپنے عزیزوں میں جو نامحرم ہیں ان کے سامنے بے تکلف آتی ہیں۔ ماموں زاد، چچا زاد، خالہ زاد بھائیوں سے بالکل پردہ نہیں کرتی ہیں اور غضب یہ کہ ان کے سامنے بناؤ سنگار کر کے بھی آتی ہیں پھر بدن چھپانے کا ذرا اہتمام نہیں کرتیں گلہ اور سر کھلا ہوا ہے انکے سامنے آ جاتی ہیں اور اگر کسی کا

سارا بدن ڈھکا ہوا بھی ہو تو کپڑے ایسے باریک ہوتے ہیں جن میں سارا بدن جھلکتا ہے
۔ الغرض باریک کپڑے پہن کر محارم کے سامنے آنا بھی جائز نہیں کیونکہ محارم سے علاوہ ماتحت
الازار کے پیٹ اور کمر اور پہلو اور پسلیوں کو چھپانا بھی فرض ہے پس ایسا باریک کرتہ پہن کر
محارم کے سامنے آنا بھی جائز نہیں جس سے پیٹ یا کمر یا پہلو یا پسلیاں ظاہر ہوں یا ان کا کوئی
حصہ نظر آتا ہو شریعت نے تو محارم کے سامنے آنے میں بھی اتنی قیدیں لگائی ہیں اور آج کل
کی عورتیں نامحرموں کے سامنے بھی بیبا کانہ آتی ہیں گویا شریعت کا پورا مقابلہ ہے۔ بیبیو!
پردہ کا اہتمام کرو اور نامحرم عزیزوں کے سامنے قطعاً نہ آؤ اور محارم کے سامنے احتیاط سے
آؤ۔ اس جگہ مجھ کو ایک بات یاد آئی جس پر اہل علم کو تنبیہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ
متون میں تو صرف یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ محارم کے سامنے ماتحت الازار کے علاوہ ظہر و بطن کا
چھپانا ضروری ہے اور شروح میں اس پر اتنی زیادت اور مذکور ہے۔ **مع الجنبین** یعنی
پہلوؤں کا چھپانا بھی ضروری ہے اسکو ایک بہت بڑے عالم نے **مع الجبین** پڑھ کر ترجمہ
یہ کر دیا کہ محارم سے پیشانی کا بھی چھپانا فرض ہے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے اور حیرت ناک
غلطی ہے کیونکہ جبین داخل وجہ ہے اور ستر وجہ فرض نہیں کیونکہ وجہ وکفین وقدمین عورۃ نہیں
ہیں گو بوجہ خوف فتنہ کے غیر محارم کے سامنے کشف وجہ سے وجوباً منع کیا جاتا ہے یہ اور بات
ہے اس سے وجہ کا داخل ہونا لازم نہیں آتا اس لئے یہ مسئلہ اگر کسی کی نظر سے گزرے تو دھوکہ
نہ کھاوے اسمیں ان عالم سے غلطی ہو گئی ہے مگر اس سے ان کے عالم فاضل ہونے میں کچھ
نقص نہیں آ گیا کیونکہ عالم نے کسی مقام پر لغزش بھی ہو جاتی ہے اور اس سے کوئی بھی بچا ہوا
نہیں بجز انبیاء علیہم السلام کے (گو لغزش ان سے بھی ہو جاتی ہے مگر وہ خطا پر مستمر نہیں رہ سکتے
وحی سے فوراً ان کو متنبہ کر دیا جاتا ہے ۱۲ جامع) الغرض عورتوں کو نامحرم عزیزوں سے گہرا پردہ
کرنا چاہئے ، ہاں جس گھر میں بہت سے آدمی رہتے ہوں جن میں بعض نامحرم ہوں اور بعضے
محرم اور گھر تنگ ہو، اور پردہ کرنے کی حالت میں گزر مشکل ہو۔ ایسی حالت میں نامحرم
عزیزوں سے گہرا پردہ کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ایک گھر میں اس طرح نباہ ہو سکتا ہے
اس صورت میں نامحرموں کے سامنے بقدر ضرورت چہرہ کا کھولنا جائز ہے مگر باقی تمام بدن

سر سے پیر تک لپٹا ہوا ہونا چاہئے۔ کفوں کے چاک سے ہاتھ نہ جھلکیں۔ گریبان کھلا ہوا نہ رہے بٹن اچھی طرح لگے ہوئے ہوں تاکہ گلا اور سینہ نہ جھلکے، دوپٹہ سے تمام سر لپٹا ہوا ہو کہ ایک بال بھی باہر نہ رہے۔ اسطرح بدن کو چھپا کر ان کے سامنے منہ کھول کر گھر کا کام کاج کر سکتی ہیں (اور بہتر یہ ہے کہ ایسی حالت میں بھی گھونگھٹ کی عادت رکھیں کھلم کھلا ان کے سامنے چہرہ ظاہر نہ کریں ۱۲ جامع) اور یہی حکم کافر عورتوں کا ہے کہ ان کے سامنے صرف چہرہ اور ہاتھ اور پیر کھولنا جائز ہے باقی تمام بدن کا ان سے چھپانا واجب ہے کہ سر کا بال بھی ان کے سامنے نہ کھلے، عورتیں بھنگنوں اور چماریوں سے بالکل احتیاط نہیں کرتیں حالانکہ ان سے بھی بجز وجہ اور کفین اور قدمین کے باقی بدن کا شرعاً ویسا ہی پردہ ہے جیسے نامحرم مردوں سے لیکن گھبراؤ نہیں کہ اتنی احتیاط ہم سے کس طرح ہو سکتی ہے۔ تم احتیاط کرنا تو شروع کرو، انشاء اللہ ذرا دقت ہوگی۔ یاد رکھو اس نفس کی مثال بچہ جیسی ہے کہ بچہ کا اگر دودھ نہ چھڑایا جاوے تو وہ بارہ برس تک بھی دودھ ہی پیتا رہے گا اور خود کبھی نہ چھوڑے گا اور اگر دو برس کے بعد دودھ چھڑا دیا جاوے تو دو چار روز کے لئے تو دقت ہوتی ہے مگر پھر بچہ کو روٹی کی ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ اس کو ماں کے دودھ سے نفرت ہو جاتی ہے اور اب اگر کوئی اس سے دودھ پینے کو کہے تو وہ ہرگز راضی نہ ہو، یہی حال نفس کا ہے کہ اگر گناہوں کے کام اس سے نہ چھڑائے جائیں تب تو یہ کبھی اپنے آپ ان سے نہیں رک سکتا اور اگر ہمت کر کے قصد کر لیا جائے کہ بس آج سے پیچھے یہ گناہ نہ کرینگے تو اول اول دو چار روز تک تو تکلیف ہوتی ہے پھر آسانی ہو جاتی ہے بلکہ کچھ دنوں کے بعد اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ پھر جیسے بچہ کا اگر دودھ نہ چھڑایا جاوے تو اس کا معدہ کمزور رہتا ہے کہ عمدہ نفیس غذائیں ہضم نہیں کر سکتا اور دودھ چھڑانے کے بعد وہ دنیا بھر کی نعمتیں کھانے لگتا ہے اور ان کا مزہ چکھ کر باپ ماں کو دعا دیتا ہے کہ خدا ان کا بھلا کرے کہ انہوں نے میرا دودھ چھڑا کر ان نعمتوں کے قابل مجھے بنا دیا اسی طرح گناہوں کو چھوڑ کر آپ کا دل انوار طاعات کے قابل ہو جائے گا پھر جب طاعات کے انوار قلب پر فائض ہوں گے تو آپ بھی دعا دیں گے کہ خدا اس شخص کا بھلا کرے جس نے گناہوں کو ہم سے چھڑا کر ہم کو ان انوار کے قابل بنا دیا پھر آپ کو ان

گناہوں کی طرف التفات بھی نہ ہوگا البتہ چندروز ہمت کرنا پڑے گی۔ مصرع:

چندروزے جہد کن باقی بخند (چندروز کوشش کرو پھر خوش رہو گے)

اور چندروز کے لئے ہمت کرنا کچھ مشکل بھی نہیں کیا آپ بچہ سے بھی گئے گزرے کہ وہ تو دودھ چھڑانے کی کلفت برداشت کرلیتا ہے اور آپ سے ایک ذراسی کلفت برداشت نہ ہو۔

تعظیم شوہر

ایک کوتاہی عورتوں کی یہ ہے کہ وہ شوہروں کی تعظیم اوران کا ادب نہیں کرتیں اور یہ سخت بے حیائی ہے۔ بعضی عورتیں مردوں سے ایسا برابری کا برتاؤ کرتی ہیں گویا شوہران کا برابر کا بھائی ہے اور یہ بھی غنیمت ہیں۔ بعض جگہ تو عورتیں مردوں پر حکومت کرتی ہیں حالانکہ شریعت میں شوہروں کی تعظیم کے متعلق سخت تاکید ہے۔ حدیث میں صاف آیا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کے لئے سجدہ کو جائز کرتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ لیکن سجدہ کو خدا کے سوا کسی کو جائز نہیں مگر اس سے یہ بات تو معلوم ہوگئی کہ شوہر کی کس درجہ تعظیم عورتوں کے ذمہ واجب ہے (کہ جو چیز خدا کے لئے مخصوص ہے اگر اس کا مستحق کوئی غیر ہوسکتا تو شوہر اس کا مستحق ہوتا ۱۲) بعض جگہ تو عورتیں مردوں کو ذلیل کرتی ہیں اور بعض جگہ مرد بھی ظالم ہوتے ہیں کہ وہ عورتوں کو بہت ذلیل رکھتے ہیں اور بعض جگہ دونوں طرف سے یہ برتاؤ ہوتا ہے قیامت میں ان سب کا حساب ہوگا اور جس نے جس کی حق تلفی کی ہوگی اس سے انتقام لیا جائے گا۔ پس مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کے حقوق کی رعایت رکھیں اور عورتوں کو مردوں کی تعظیم کرنی چاہئے انکی اطاعت وفرمانبرداری کا خیال کرنا چاہئے۔

فضول خرچی

ایک کوتاہی عورتوں کی یہ ہے کہ یہ اسراف بہت کرتی ہیں، روپیہ کو احتیاط سے خرچ نہیں کرتیں۔ بس یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم کو تو کمانا پڑتا نہیں ہم جس طرح چاہیں خرچ کریں مرد اپنے آپ کما کر لائے گا۔ بعض جگہ مامائیں خوب گھر لوٹتی ہیں اور یہ ذرا خبر نہیں لیتیں۔ یاد رکھو! شوہر کے مال کی نگہبانی عورتوں کے ذمہ واجب ہے اس کو اسطرح رائیگاں کرنا ان کو جائز نہیں

قیامت میں عورتوں سے اس کا بھی حساب ہوگا۔ خصوصاً شادیوں میں تو بہت ہی فضول خرچی کرتی ہیں۔ ان میں تو عورتوں ہی مفتی اعظم ہوتی ہیں۔ سارے کام انہی سے پوچھ پوچھ کر کئے جاتے ہیں۔ مرد جانتے ہی نہیں کہ شادیوں میں کہاں خرچ کی ضرورت ہے کہاں نہیں بس جس جگہ عورتیں خرچ کرنے کا حکم دیتی ہیں وہاں بلاچوں وچرا خرچ کیا جاتا ہے اوران عورتوں نے ایسے بے ڈھنگے خرچ نکال رکھے ہیں جن میں فضول روپیہ برباد ہوتا ہے ان شادیوں کی بدولت بہت سے بڑے بڑے گھر تباہ وبرباد ہو گئے ہیں لیکن اب بھی لوگوں کو عقل نہیں آتی اور وہ ان رسوم وغیرہ میں عورتوں وغیرہ کا اتباع نہیں چھوڑتے۔ حتیٰ کہ ایک صاحب یہ کہتے تھے کہ خدا بھلا کرے اصلاح الرسوم کے مصنف کا کہ ہم کو رسموں کی تفصیل یاد نہ رہی تھی اس میں ہم عورتوں کے محتاج تھے اصلاح الرسوم میں بہت تفصیل کے ساتھ تمام رسموں کو لکھ دیا ہے بس اب ہم اسی کو دیکھ دیکھ کر سب کام کرتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس بندۂ خدا نے اصلاح الرسوم سے یہ کام لیا حالانکہ اس میں تو رسموں کی خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں اور ہر رسم کا گناہ ہونا بتلایا گیا ہے مگر اس ظالم نے اس مضمون کو تو چھوڑ دیا اور صرف رسموں کا بیان دیکھ لیا کہ فلاں وقت یوں ہوتا ہے اس کے بعد یہ ہوتا ہے۔ تو اب بھی لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلیں۔ جب سارا گھر بار نیلام ہو جائے گا اسوقت شریعت کے موافق شادی کرنے کی سوجھے گی۔ صاحبو! شادیوں میں بہت اختصار کرنا چاہئے تا کہ بعد میں افسوس نہ ہو کہ ہائے ہم نے یہ کیا کیا اگر کسی کے پاس بہت زیادہ ہی رقم ہو تو اسکو اسطرح برباد کرنا مناسب نہیں بلکہ دنیا دار کو کچھ رقم جمع کرنا بھی چاہئے اس سے دل کو اطمینان رہتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ صاحب اسباب کو کچھ رقم اپنے پاس نفس کے بھلاوے کیلئے جمع رکھنی چاہئے اس سے دل مطمئن رہتا ہے اور طاعات میں یکسوئی نصیب ہوتی ہے۔ صاحب اسباب کے پاس اگر رقم جمع نہ ہو تو اس کا دل پریشان رہتا ہے جس سے دین کے کاموں میں بھی خلل پڑتا ہے۔ ہاں جس کو توکل کی قوت نصیب ہو وہ جمع نہ کرے بلکہ خوب اللہ کے نام پر لٹائے تا کہ ثواب بھی ملے مگر فضول روپیہ برباد نہ کرو۔

فضول رسوم

ایک کوتاہی عورتوں میں یہ ہے کہ یہ غمی میں بھی بہت اسراف کرتی ہیں بھلا وہاں خرچ کا کیا موقع وہ تو کوئی افتخار کا وقت نہیں، بلکہ عبرت کا موقع ہے مگر ان کے یہاں غمی میں بھی خاصی بارات کا اہتمام ہوتا ہے پھر حیرت تو ان جانیوالوں پر ہے کہ جہاں کسی کے گھر موت ہوئی اور یہ گاڑیاں لے کر اس کے گھر پہنچ گئیں، اب اس غریب پر ایک تو موت کا صدمہ تھا ہی دوسرا یہ وبال پر آ کھڑا ہوا کہ آنیوالیوں کے کھانے کی فکر کرے، پان چھالیہ کا انتظام کرے گاڑی کے گھاس دانہ کا اہتمام کرے پھر اگر ذرا بھی کسی بات میں کوتاہی ہوگئی تو آنیوالیاں طعنے دیتی ہیں کہ ہم گئے تھے ہمیں پان بھی نصیب نہ ہوا بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ یہ وقت تمہارے ناز نخرے پورا کرنے کا تھا یا اس بیچاری پر مصیبت کا وقت تھا مگر انکی بلا سے ان کے ناز نخرے کسی وقت کم نہیں ہوتے۔ حالانکہ اسوقت تو یہ مناسب تھا کہ آنیوالیاں اپنا دال آٹا ساتھ باندھ کر لاتیں اور گھر والوں سے کہہ دیتیں کہ اسوقت تم ہماری فکر نہ کرو تم خود مبتلائے رنج ہو جب کبھی خوشی کا موقع ہوگا ہماری خاطر مدارت کر لینا باقی اسوقت تو ہم اپنا انتظام خود ہی کریں گے اور یہ تو بہت سخت بے حیائی ہے کہ وہاں جا کر بھی اپنے سارے معمولات پورے کریں کہ نہ پان میں فرق آوے نہ چائے میں۔ بلند شہر میں ایک رئیس زادے کے باپ کا انتقال ہوگیا تھا ان کے اعزہ چاروں طرف سے جمع ہو گئے اور ایک بارات سی ان کے گھر پر آ گئی۔ رئیس زادے نے سب کے لئے عمدہ عمدہ کھانے پکوائے۔ جب کھانا چنا گیا تو اس نے مہمانوں سے کہا کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے پہلے میری بات سن لیجئے پھر کھانا شروع کیجئے۔ سب لوگ ہاتھ روک کر بیٹھ گئے۔ اس نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ اسوقت مجھ پر کیسا سانحہ گزرا ہے اسوقت میرے والد ماجد کا سایہ میرے سر پر سے اٹھ گیا ہے اور سب جانتے ہیں کہ باپ کا سایہ اٹھ جانے سے کیسا صدمہ ہوتا ہے تو کیا یہی انصاف ہے کہ مجھ پر تو یہ مصیبت گزرے اور تم آستین چڑھائے مرغن کھانا کھانے کو تیار ہو گئے کیوں صاحب یہی ہمدردی ہے۔ بس مجھ کو جو کہنا تھا کہہ چکا اب کھانا شروع کیجئے بھلا اب کون کھاتا جب سر پر جوتیاں پہلے ہی پڑ گئیں۔ سب لوگ دستر خوان سے اٹھ کھڑے ہوئے اور رئیس زادے نے غربا کو بُلا بھیجا کہ بیٹھو کھاؤ،

تمہارے کھانے سے میرے باپ کی روح کو بھی ثواب پہنچے گا اور یہ برادری کے کھاتے پیتے لوگ آستین چڑھا کر بیٹھ گئے ان کے کھانے سے ان کو کیا ثواب ملتا اور میری رقم برباد ہو جاتی۔ غرض غریبوں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور دعا دیتے ہوئے چلے گئے۔ اس کے بعد برادری کے چند معزز لوگ ایک طرف جا کر بیٹھے اور غمی کی رسوم میں مشورہ کرنے لگے۔ سب نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ واقعی یہ رسمیں بالکل عقل کے خلاف ہیں اور شریعت کے خلاف تو ہیں ہی ان سب کو یک لخت موقوف کر دینا چاہئے۔

کسی نے ان رئیس زادے سے کہا کہ میاں جب تم کو کھانا کھلانا منظور نہ تھا تو پہلے ہی سے یہ بات کہہ دی ہوتی اتنا انتظام ہی تم نے کیوں کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ اگر میں یہ انتظام نہ کرتا اور کھانا تیار کرنے سے پہلے یہ بات کہتا تو لوگ یوں کہتے کہ اپنی بچت کے لئے یہ بات نکالی ہے۔ اب کسی کا یہ منہ نہیں رہا کہ مجھے یہ الزام دے سکے۔ کیونکہ میں نے کھانے عمدہ سے عمدہ تیار کرا دیئے تھے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ مجھے اپنی بچت منظور نہ تھی بلکہ محض اس بے ہودہ رسم کا بے ہودہ ہونا ظاہر کرنا تھا۔

واقعی اس شخص نے خوب کیا اگر دو چار آدمی اسی طرح کریں تو یہ سب رسمیں موقوف ہو جاویں۔ مگر ایسا کرنے کیلئے ہمت کی ضرورت ہے۔ ہر ایک کی ایسی ہمت نہیں ہوتی۔ جب کسی کے گھر پر آدمی پہنچ جاتے ہیں تو وہ شرما شرمی ان کا انتظام کرتا ہی ہے۔ مگر جانے والوں کو خود اس کا خیال کرنا چاہئے۔

خلاصہ

یہ تو نمونہ ہے عورتوں کی کوتاہیوں کا، ان سے بچنے کا، ان کو اہتمام کرنا چاہئے یہاں تک تو گویا وَاتَّقُوا اللهَ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو) کا بیان ہوا۔ کیونکہ تقویٰ کے معنی معاصی سے بچنے ہی کے ہیں۔ نمونہ کے طور پر میں نے چند معاصی کی فہرست گنا دی ہے اور یہ تو وہ باتیں ہیں جو اس وقت میرے ذہن میں بے تکلف آ گئیں۔ اسی پر دوسرے اعمال کو قیاس کر لیں۔ کیونکہ ہمارے اکثر اعمال کوتاہی سے خالی نہیں۔ اگر کوئی عورت یہ خیال کرے کہ اس آیت میں تو تقویٰ کا امر اول مردوں کو ہے اور ان کے واسطہ سے ہم کو ہے مگر کہیں خاص

ہم کو بھی حکم ہوا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں خاص عورتوں کو بھی اس کا حکم ہوا ہے۔ حق تعالیٰ سورۂ احزاب میں فرماتے ہیں۔ وَاتَّقِينَ اللهَ جو کہ صیغہ جمع مؤنث حاضر کا ہے اس میں خاص عورتوں ہی کو خطاب ہے اب تو سوال نہیں رہا۔

عورتوں کے لئے نیک صحبت کا طریقہ

اب میں دوسرے جزو كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (اور دین میں سچے اور پکے لوگوں کے ساتھ رہو) کے متعلق کچھ مختصر بیان کرتا ہوں (کیونکہ وقت کم رہ گیا ہے نماز عصر قریب ہے) اس جزو کا حاصل تو یہی ہے کہ اس میں کمال دین حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ تم کاملین اور راسخین فی الدین کے ساتھ ہو جاؤ۔ مردوں کو تو اس طریقہ پر عمل کرنا آسان ہے۔ اب قابل غور یہ ہے کہ عورتوں کے لئے اس کا طریقہ کیا ہے؟ اور یہ سوال واقعی بہت ضروری ہے۔ سو جواب یہ ہے کہ اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ عورتیں بھی انہی بزرگوں سے فیض حاصل کریں جن سے مرد فیض حاصل کرتے ہیں۔ مگر یہ ذرا دشوار ہے کیونکہ اول تو مردوں اور عورتوں کا ساتھ کیا۔ دوسرے پردہ کی وجہ سے شیخ کو ان سے مناسبت کامل نہیں ہو سکتی اور بدوں مناسبت کے نفع کامل نہیں ہوتا اور بزرگوں کے سامنے آنا اور ان سے پردہ نہ کرنا جائز نہیں۔ ہاں جن عورتوں کا باپ یا خاوند قابل ہو وہ ان سے فیض حاصل کر سکتی ہیں۔ مگر سب کے تو باپ اور شوہر کامل نہیں اس لئے یہ طریقہ کافی نہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مرد کامل مردوں سے فیض لیں اور عورتیں کامل عورتوں سے اور اصل قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ جس طرح مردوں کو حکم ہے كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ (اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اسی طرح عورتوں کو حکم دیا جاوے كُنَّ مَعَ الصّٰدِقَاتِ (اے عورتو تم سچی عورتوں کے ساتھ ہو جاؤ) مگر اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا عورتیں بھی کامل ہو سکتی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہاں قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں بھی کامل ہو سکتی ہیں کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کو صَادِقِينَ فرمایا ہے، اسی طرح عورتوں کو صَادِقَات فرمایا ہے......

چنانچہ سورۂ احزاب کی ایک آیت اِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَ الْمُسْلِمَاتِ :الآیہ۔ (مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں) میں نے ذرا دیر ہوئی پڑھی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے وَالصّٰدِقِينَ

وَالصّٰدِقَاتِ (سچے مرد اور سچی عورتیں) اور صادقین کے معنے کاملین کے ہیں تو صَادِقات بمعنے کاملات ہوا۔ اس سے عورتوں کے بھی کامل ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور واقعی عورتوں کی اصلاح کا سب سے اچھا طریق یہ ہے کہ جو عورتیں کامل ہوں یہ ان کی صحبت میں رہیں۔ مگر افسوس ہے ہمارے طبقہ اناث پر کہ آج کل ان میں کامل بہت کم ہیں۔

جب میں نے جزاء الاعمال لکھی ہے تو اس میں میں نے چند بزرگوں کے نام کی فہرست لکھی تھی کہ عام لوگ ان میں سے کسی کے ساتھ وابستہ ہو جاویں۔ اس وقت میرا جی چاہا کہ چند عورتوں کے نام بھی لکھوں تا کہ عورتیں ان سے فیض حاصل کریں۔ مگر عورتوں میں کوئی ایسی نظر ہی نہ پڑی جس کا نام میں اطمینان کے ساتھ لکھ دیتا۔ اور بعضی ایسی بھی تھیں جن کے کمال کی خبریں میں سنتا تھا اور اس وقت تک انؒ کے متعلق کوئی بات بے اطمینانی کی نہ تھی مگر ان کا نام لکھنے سے چند وجوہ سے رُکا۔

ا۔ یہ کہ ان کے کمالات عورتوں ہی کی زبانی سنے تھے خود مجھ کو ان کے کمال کی تحقیق نہ تھی اور نہ تحقیق کی کوئی صورت تھی، بخلاف ان بزرگوں کے جن کے نام شائع کئے گئے تھے کہ ان سب سے میں خود مل چکا تھا اور عورتوں کے بیانات پر مجھے وثوق نہ ہوا کہ نہ معلوم یہ اپنے ذہن میں کمال کسے سمجھتی ہوں گی اور کس کو کامل کہتی ہوں گی۔ ان سے یہ بھی بعید نہیں کہ ناقص کو کامل سمجھتی ہوں۔

۲۔ اگر عورتوں کا نام کاملات کی فہرست میں شائع ہوا تو ایسا نہ ہو کہ مردوں کو بھی ان سے اعتقاد ہو جائے اور بعضے مرد ان سے فیض حاصل کرنے جاویں۔

۳۔ ممکن ہے کہ عورتیں دور دراز سے ان کی ملاقات وزیارت کے لئے سفر کریں اور ایسا ضرور ہوتا اور میں عورتوں کے لئے سفر کو پسند نہیں کرتا اور جب عورتیں سفر کر کے ان کے پاس آتیں تو ان بے چاری کاملات کو آنے والیوں کی خاطر مدارت اور مہمانی کرنی پڑتی جس سے ان پر بار ہوتا۔

۴۔ پھر آنے والیوں کی خاطر مدارات کے متعلق ان کاملات میں اور ان کے شوہروں میں نزاع ہوتا۔ شوہر جھلاتا کہ میرے گھر یہ روز روز گاڑیاں کیسی آنے لگیں۔ مردوں کو روز روز عورتوں کے آنے سے پردہ وغیرہ کی تکلیف ہوتی ان کی آزادی میں خلل پڑتا۔

۵۔اس قدر رجوعات سے کہیں ان کاملات کا دماغ نہ بڑھ جاتا کیونکہ یہ تعظیم وتکریم وہ بلا ہے کہ اس کے ساتھ کامل سے کامل مرد کو بھی سنبھلنا دشوار ہوتا ہے۔عورتوں کا دماغ تو بہت ہی بڑھ جاتا ہے کہ ہاں ہم بھی کچھ ہیں۔تو ان بے چاریوں کا تھوڑا بہت جو کچھ کمال تھا وہ بھی اس تکبر کے بدولت زائل ہو جاتا۔

خیر وجوہ تو میرے ذہن میں بہت سی آئیں مگر سب سے زیادہ مانع پہلی وجہ تھی کہ ان کے کمالات عورتوں ہی کی زبانی سنے ہوئے تھے اس لئے پوری طرح وثوق نہ ہوا۔اور حقیقت میں میرا خیال صحیح نکلا۔کیونکہ میں نے جن مردوں کو کاملین میں شمار کیا تھا الحمد للہ اس وقت تک قریب قریب میں ان سب کے کمال کا معتقد ہوں اور بجز ایک دو کے باقی سب ایسے ہیں کہ ان کی بابت کوئی بات خلاف کمال مجھے معلوم نہیں ہوئی اور جن عورتوں کے متعلق میں نے کامل ہونے کی خبریں سنی تھیں قریب قریب اس وقت میں ان میں سے کسی کا معتقد نہیں رہا کیونکہ ہر ایک میں کچھ نہ کچھ بات بعد میں معلوم ہوئی۔اس لئے میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس وقت میں نے ان کے نام شائع نہ کئے ورنہ شائع ہو جانے کے بعد اب بڑی دقت ہوتی۔چنانچہ ان ہی میں سے ایک مسماۃ ایک قصبہ کی رہنے والی بھی تھیں جن کو میں نے کاملات میں شمار کرنے کا قصد کیا تھا۔ان کا نام جنت تھا شاید اب تو وہ مرگئی ہیں۔اس وقت ان کی حالت بہت اچھی سننے میں آرہی تھی کہ بہت نیک ہیں سوائے نماز روزہ اور تسبیح کے ان کو اور کوئی کام نہیں تھا۔ لڑکیوں کو پڑھایا بھی کرتی تھیں مگر اخیر میں وہ بجائے جنت کے دوزخ بن گئیں۔

اسی قصبہ میں کچھ زمانہ سے ایک بے نکاحی عورت نے فتنہ برپا کر رکھا ہے اپنے آپ کو ولی اور بزرگ ظاہر کرتی ہے۔مردوں عورتوں کو مُرید کرتی ہے۔اور کسی سے شادی نہیں کرتی۔ اس کم بخت کے ایک بچہ بھی بدوں خاوند کے ہوا جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ جس طرح مریم علیہا السلام کے عیسیٰ علیہ السلام بدوں باپ کے ہوئے تھے۔اسی طرح میرے بھی بدوں باپ کے بچہ ہو گیا۔نعوذ باللہ مگر عورتوں کی جہالت دیکھئے کہ باوجود ایسی بے حیائی اور بدکاری کے پھر بھی اس کی معتقد ہیں اور اس کو پیرانی کا لقب دے رکھا ہے۔حیرت یہ ہے کہ بعضے مردوں کی عقل پر بھی پتھر پڑ گئے کہ پڑھ لکھ کر ڈوب گئے اور اس کے معتقد بن گئے اور ان تمام بدکاریوں اور بے حیائیوں کی تاویل کرنے لگے۔(خدا کرے غارت کرے

قَاتَلَهُمُ اللهُ اَنّیٰ یُوفَکُونَ ۱۲ جامع) (اللہ تعالیٰ انکو ہلاک کرے کہاں جارہے ہیں) وہ بی جنت بھی اخیر عمر میں ایسی بے حیا عورت کی معتقد ہوگئی تھیں اور اس کی مرید بن گئی تھیں اور ان کے سامنے جو کوئی اس کی بُرائی کرتا اور ان کو بے وقوف بناتا کہ تم ان کی مرید کیوں ہوگئیں تو وہ اس کہنے والے کو بے وقوف بناتیں اور اسے کوسنے دیا کرتیں۔

غرض آخیر میں وہ بالکل مسخ ہوگئی تھیں (خدا مغفرت کرے) تو جن عورتوں کو میں نے کامل سنا تھا کچھ دنوں بعد اکثروں کا ناقص ہونا معلوم ہوگیا۔ تو اب یہ صورت تو عورتوں کی اصلاح ہو نہیں سکتی کہ وہ آپس میں اپنی ہم جنس عورت سے فیض حاصل کریں اب دو ہی صورتیں ہیں۔

اصلاحِ نسواں کی پہلی صورت

ایک یہ کہ جن کے محارم میں سے کوئی کامل ہو وہ اس سے مستفیض ہوں جس کا خاوند کامل ہو وہ اپنے خاوند سے فیض حاصل کرے مگر اس میں یہ مشکل ہے کہ شوہر تو بعض جگہ غلام ہے ورنہ برابر کا دوست تو ہے ہی۔ شوہر کی تعظیم و تکریم عورتیں اس درجہ نہیں کرتیں جتنی مربی کی تعظیم ہونی چاہئے اور بدوں اس کے فائدہ نہیں ہوسکتا۔

دوسرے بیوی کو شوہر سے ویسا اعتقاد بھی نہیں ہوتا جیسا دوسروں سے اعتقاد ہوتا ہے گو اپنا شوہر کتنا ہی بڑا کامل ہو، ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے گھر میں جو پہلی بیوی تھیں باوجود یکہ حضرت کی بہت فرمانبردار تھیں مگر بیعت ہونے کو وہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے کہتی تھیں اور حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ آپ حضرت حاجی صاحب سے کیوں نہیں بیعت ہو جاتیں .... بھلا حضرت کے ہوتے ہوئے مجھ سے بیعت ہونا کیا مناسب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حاجی صاحب کے کمال میں شبہ نہیں مگر میں ان سے بیعت نہیں ہوتی میں تو آپ سے ہی بیعت ہونا چاہتی ہوں (پھر معلوم نہیں کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ان کو بیعت کیا یا نہیں مگر دیکھ لیجئے کہ ان کو حاجی صاحب سے بیعت ہونا منظور نہ تھا بلکہ ان کے خلفاء سے بیعت کی درخواست کرتی تھیں)

اور حضرت حاجی صاحب کی دوسری بیوی تو سُنا ہے کہ بہت ہی نیک تھیں۔ جن عورتوں نے ان کو دیکھا ہے وہ کہتی ہیں کہ حاجی صاحب میں اور ان میں صرف اتنا فرق تھا کہ حضرت مرد تھے اور وہ عورت تھیں اور کچھ فرق نہ تھا۔ سُنا ہے کہ وہ مثنوی کو بھی خوب سمجھتی

تھیں اور یہ دوسری بیوی حضرت حاجی صاحب کی منگیتر تھیں۔ پہلے ان سے حضرت کی منگنی ہوئی تھی مگر حضرت کے انکار کی وجہ سے نکاح نہ ہوا تھا۔ کسی دوسرے سے نکاح ہو گیا تھا۔ پھر شوہر اول کے بعد حضرت حاجی صاحب نے ان سے دوسرا نکاح کر لیا تھا۔

اصلاحِ نسواں کی دوسری صورت

تو اگر خاوند سے بھی فیض حاصل نہ کر سکیں اور اپنے محارم میں بھی کوئی کامل نہ ہو تو اب دوسری صورت یہ ہے کہ بزرگوں کی کتابوں اور ان کے ملفوظات و مواعظ کا مطالعہ کیا جائے، بزرگوں کی تصانیف اور ان کے ملفوظات میں بھی وہی اثر ہوتا ہے جو ان کی صحبت میں ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

چوں کہ گل رفت و گلستاں شد خراب — بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب
چوں کہ خورشید و مارا کرد داغ — چارہ نبود در مقامش از چراغ

یعنی "جب پھولوں کا موسم چلا جائے تو اب اس کی خوشبو گلاب سے حاصل کرنی چاہئے۔ گلاب میں بھی پھول کی خوشبو مل سکتی ہے اسی طرح آفتاب چھپ جائے تو اب چراغ سے روشنی حاصل کرنی چاہئے" ...... یہ مشاہدہ ہے کہ اہل اللہ کے کلام میں نور ہوتا ہے اور ملحدوں کے کلام میں ظلمت ہوتی ہے۔ گو بزرگوں کی کتابوں کی عبارت سادی ہوتی ہے۔ ان میں عبارات آرائی نہیں ہوتی مگر ان کے مطالعہ سے نور قلب میں پیدا ہوتا ہے اور جو لوگ متبع شریعت نہیں ہیں ان کی کتابوں کی عبارت گو کیسی ہی شستہ ہو مگر باطن میں اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے گو ان میں تمام باتیں دین ہی کی ہوں مگر الفاظ چونکہ ان کے اپنے ہیں اس لئے وہ ظلمت سے خالی نہیں ہوتے جس کے دل میں کچھ بھی ادراک ہے وہ اس فرق کو ضرور محسوس کریگا اسی طرح اہل اللہ کی تقریر میں بھی ایک نور ہوتا ہے جو غیر اللہ کے کلام میں نہیں ہوتا...... ایک بزرگ کے صاحب زادے تحصیل علم کے لئے کہیں باہر گئے۔ جب وہ فارغ ہو کر واپس ہوئے اور پورے عالم ہو گئے تو اپنے والد صاحب کے پاس آئے انہوں نے ان سے فرمایا کہ تم وعظ کہو۔ چنانچہ صاحب زادے سے وعظ کہا اور بڑے بڑے عالی مضامین بیان کئے مگر کسی پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

جب وعظ کہہ چکے تو ان کے والد صاحب ممبر پر تشریف لائے اور وعظ سے پہلے انہوں نے اپنا واقعہ اسی رات کا بیان فرمایا کہ رات ہم نے روزہ کی نیت کی تھی سحری کے لئے کچھ دودھ رکھدیا تھا۔ مگر بلی آئی اور سارا دودھ پی گئی۔ بس اتنا ہی بیان فرمایا تھا کہ ساری مجلس تڑپنے لگی۔ اس کے بعد ان بزرگ نے اپنے صاحب زادے سے فرمایا کہ صاحب زادے سننے والے پر قلب کا اثر پڑا کرتا ہے۔ الفاظ کا اثر نہیں ہوتا۔ تم نے اب تک علم الفاظ حاصل کیا ہے اب قلب کے اندر بھی اس علم کو پہنچانا چاہئے۔ اہل اللہ کے کلام سے ضرور نہیں کہ آنکھوں سے آنسو نکلنے لگیں، بلکہ اہل دل کے کلام سے سامعین کے دل آنسوؤں سے بھر جاتے ہیں۔

غرض تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بزرگوں کی تصانیف سے بھی قریب قریب وہی فائدہ ہوتا ہے جو ان کے پاس رہنے سے ہوتا ہے گو بالکل اس کے برابر نہ ہوگا مگر اس کے قریب ضرور ہوگا تو اگر عورتوں کو بزرگوں کی صحبت میسر نہ آسکے تو ان کے ملفوظات اور احوال موجود ہیں ان کو دیکھتی رہا کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ کمال ضرور حاصل ہوگا اور مردوں کو بھی بزرگوں کی تصانیف اور ان کے ملفوظات و احوال کا مطالعہ کرتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ ہر شخص کو اتنی مہلت نہیں ملی جو ان کے پاس جا کر رہے۔ عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ گویا اسی زمانہ کے واسطے یہ فرما گئے ہیں ؎

دریں زمانہ رفیقے کی خالی از خلل است　　صراحی مئے ناب و سفینہ غزل است

(اس زمانہ جو رفیق خلل سے خالی ہے وہ کتاب ذکر و شغل طاعت و عبادت اور بزرگوں کے ملفوظات ہیں)

صراحی مئے ناب سے مراد ذکر و شغل اور طاعات و عبادات ہیں اور سفینہ غزل سے مراد اہل عشق کے ملفوظات ہیں۔ اس میں حضرت حافظؒ کے کتاب کو رفیق بتلایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو فائدہ رفیق سے ہوتا ہے وہ اس سے بھی ہوتا ہے اور شیخ بھی رفیق طریق ہوتا ہے تو جس کو شیخ میسر نہ ہو وہ کتابوں کو رفیق بنائے۔

پس الحمد للہ کہ اس سوال کا جواب ہر پہلو سے مکمل ہو گیا کہ عورتوں کے لئے معیتِ صادقین کی کیا صورت ہوگی؟ حاصل جواب کا یہ ہوا کہ جن کے محارم میں کوئی کامل نہ ہو وہ اس کی تلاش کریں کہ کوئی عورت کامل فی الحال ملے تو اس کی صحبت سے فائدہ اٹھائیں اور جس کو

دونوں باتیں میسر نہ ہوں تو وہ بزرگوں کلام اور ملفوظات اور قصص واحوال کا مطالعہ کریں۔ پس اب عورتوں کے لئے بھی اس آیت کا بیان مکمل ہو گیا اور میں نے انکو بھی کمال دین حاصل کرنے کا آسان سے آسان طریق بتلا دیا۔ اب آگے انکی ہمت ہے کہ عمل کریں یا نہ کریں۔

ایک علمی اشکال واس کا جواب

پس مضمون تو ختم ہو گیا اب اس کا ایک ڈُنابہ رہ گیا۔ اس کو بیان کر کے میں اپنی تقریر ختم کر دوں گا۔ وہ ڈُنابہ ایک طالب علمانہ اشکال و جواب ہے جس کو طلباء واہل علم خوب سمجھ لیں گے۔ اشکال یہ ہے کہ قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں کامل ہو سکتی ہیں چنانچہ اَلصَّادِقِینَ وَالصَّادِقَاتِ (سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں) اس پر دلالت کر رہا ہے اور ایک حدیث میں بھی ہے کَمُلَ[1] مِنَ الرِّجَالِ کَثِیر وَلَم یَکمَل مِنَ النِسَاءِ اِلَّا مَریَمَ بِنتَ عِمرَانَ وَآسِیۃ اِمرَأۃَ فِرعَونَ وَفَضلُ عَائِشَۃَ عَلیٰ اَلنِسَاءِ کَفَضلِ الثَّرِیدِ عَلیٰ سَائِرِ الطَّعَامِ۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مردوں میں تو بہت لوگ کامل ہوئے لیکن عورتوں میں بجز مریم علیہا السلام اور آسیہ فرعون کی بیوی کے اور کوئی کامل نہ ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت ہے تمام کھانوں پر۔ اس سے علماء نے حضرت عائشہؓ کا کمال بھی سمجھا ہے کہ وہ کامل ہیں۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں کامل ہو بھی سکتی اور اس کا وقوع بھی ہوا ہے گوان میں کامل افراد بہ نسبت مردوں کے کم ہیں مگر ایک حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عورتیں کامل ہو ہی نہیں سکتیں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ آپ نے ایک بار عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا:

مَارَأیتُ[2] مِن نَاقِصَاتِ عَقلٍ وَدِینٍ اَذھَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الحَازِمِ مِن اِحدٰکُنَّ.

ترجمہ: ’’میں نے عورتوں سے بڑھ کر کوئی ناقص العقل اور ناقص الدین ایسا نہیں دیکھا جو ہوشیار مرد کی عقل کو جلدی زائل کر دیتا ہو۔‘‘

---

[1] الصحیح للبخاری ۴:۱۹۳، الصحیح لمسلم فضائل الصحابہ ب:۱۲، رقم:۷۰، مشکوٰۃ:۵۷۲۴ [2] الصحیح للبخاری: ۱: ۸۳

اس پر عورتوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری عقل اور دین میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورتوں کی گواہی مردوں کی آدھی گواہی کے برابر نہیں ہے۔ انہوں نے کہا بے شک۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو ان کی عقل کا نقصان ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر شمار کی گئی ہے اور کیا جب تم کو حیض آتا ہے تو تم نماز روزہ چھوڑ کر نہیں بیٹھ جاتیں۔ انہوں نے کہا بے شک! فرمایا کہ یہ تمہارے دین کا نقصان ہے۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ناقص ہونے کا جو سبب بیان فرمایا ہے وہ ایسا سبب ہے جس سے کوئی عورت بھی خالی نہیں۔ لہٰذا لازم آتا ہے کہ عورتوں میں کوئی بھی کامل نہ ہو سکے۔ حالانکہ قرآن اور دیگر احادیث سے ان میں بھی کاملات کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ یہ اشکال عرصہ سے میرے ذہن میں تھا مگر اس کا کوئی شافی جواب اب تک ذہن میں نہ آیا تھا۔ اسی لئے اس اشکال کو اب تک میں نے کہیں بیان نہ کیا کہ خواہ مخواہ دوسروں کو بھی کیوں پریشانی میں ڈالوں الحمد للہ اس وقت جواب ذہن میں آ گیا اس لئے میں نے اشکال کو بھی بیان کر دیا اور جواب بھی عرض کرتا ہوں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کمال کی دو قسمیں ہیں ایک کمالِ اختیاری ایک کمال غیر اختیاری۔ اسی طرح نقصان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری ایک غیر اختیاری اور انسان مکلّف ہے تحصیل کمال اختیاری کا جو کہ امر مکتسب ہے اور مکلّف ہے ازالہ نقصان اختیاری کا جو اس کی قدرت میں داخل ہے اور کمال غیر اختیاری کی تحصیل اور نقصان غیر اختیاری سے اجتناب کا انسان مکلّف نہیں۔

لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفساً اِلَّا وُسعَهَا۔ (اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) لیکن یہ ضرور ہے کہ کمال غیر اختیاری کے حاصل نہ ہونے سے عورتوں کو گناہ نہ ہوگا لیکن گناہ نہ ہونے سے اس کا موجب نقصان نہ ہونا لازم نہیں۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے نہ ہوئے سے گناہ نہیں ہوتا۔ لیکن نقصان ضرور ہے (مثلاً ایک آدمی میں طبعاً بزدلی اور خوف بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے وہ جہاد نہیں کر سکتا اس صورت میں اس کو گناہ تو نہیں ہوگا لیکن یہ نقصان ضرور ہے اور مجاہدین کے برابر وہ شخص نہیں ہو سکتا۔ ۱۲)

پس قرآن میں جو عورتوں کو کامل کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کمال مکتسب کا درجہ

اس کو حاصل ہوسکتا ہے اور حدیث میں جوان کو ناقصات الدین کہا گیا ہے اس میں نقصان غیر اختیاری کو بیان کیا گیا ہے اور کمال مکتسب ونقصان غیر اختیاری کے جمع ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ اب یہ سوال رہا کہ دوسری حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ مردوں میں تو بہت کامل ہوئے اور عورتوں میں بجز مریم علیہا السلام وحضرت آسیہ کے اور کوئی کامل نہیں ہوا۔ اس سے در یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں میں کمال کا وہی درجہ تھا جو مردوں میں تھا (کیونکہ جس کمال کو مردوں کے لئے ثابت کر کے عورتوں سے اسکی نفی کی گئی ہے۔ حدیث میں صیغہ استثناء کے ساتھ اسی کمال کو ان دونوں کیلئے ثابت کیا گیا ہے۔ اگر یہ مطلب نہ ہو تو ان کے استثناء کرنے کے کچھ معنی نہ ہوں گے ۱۲) اور جب یہ مطلب ہوا کہ ان دونوں کو کامل مردوں کے برابر کمال حاصل تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان میں نقصان عقل ونقصان دین کا وہ سبب غیر اختیاری موجود نہ تھا جو دوسری عورتوں میں موجود ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ممکن ہے ان میں وہ نقصان غیر اختیاری موجود نہ ہو اور خدا تعالےٰ کی قدرت سے یہ کچھ بعید نہیں۔ دوسرے ممکن ہے کہ ان میں بھی نقصان غیر اختیاری جس سے اس نقصان غیر اختیاری کی تلافی ہوگئی ہو۔

اب میں اس مضمون کی زیادہ تفصیل نہیں کرتا۔ بعض لوگ سمجھ گئے ہیں بس اتنا ہی کافی ہے جن کی سمجھ میں نہ آیا ہو وہ ان سے سمجھ لیں۔ حضرت حاجی صاحب بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے کہ کسی دقیق مضمون کی تقریر ایک بار فرما دیا کرتے اس کے بعد اگر کوئی اس کے متعلق سوال کرتا تو آپ فرما دیتے کہ فلاں شخص اس کو خوب سمجھ گیا ہے۔ اس سے سمجھ لو۔ البتہ یہاں ایک سوال اور رہ گیا میں اس کو بھی حل کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس تقریر سے تو یہ معلوم ہوا کہ نقصان غیر اختیاری بھی موجب نقص ہے حالانکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نقصان غیر اختیاری موجب نقص نہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی شخص کا کوئی وِرد ہو اور وہ سفر کرے یا بیمار ہو جائے اور سفر یا بیماری کی وجہ سے وِرد ناغہ ہو جائے تو حق تعالیٰ ملائکہ سے فرماتے ہیں کہ اس کا ثواب پورا ہی لکھو یعنی سفر اور بیماری میں گو وِرد ناغہ ہو جاتا ہے مگر ثواب ان دنوں کے برابر ہی ملتا ہے جن میں وِرد ناغہ نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر اختیاری عذر کی وجہ سے اگر اعمال میں کمی آوے تو ثواب کم نہیں ہوتا۔ پھر اس کی کیا وجہ کہ

حیض وغیرہ میں عورتوں کی نماز ناغہ ہوتی ہے تو اس کو نقصان کا سبب شمار کیا گیا وہ بھی تو اعذار غیر اختیاری ہیں بلکہ بظاہر ان کا غیر اختیاری ہونا سفر سے زیادہ ہے کیونکہ سفر من وجہ اختیاری ہے اور من وجہ غیر اختیاری یعنی سفر شروع کرنے کے بعد تو اوقات پر قبضہ نہیں رہتا اور مجبوراً اوراد ناغہ ہو جاتے ہیں لیکن سفر کا شروع کرنا تو اختیاری امر ہے۔ اگر ہم سفر ہی نہ کرتے تو اس کی نوبت نہ آتی۔ پس سفر انتہاءً غیر اختیاری ہے اور ابتداءً اختیاری ہے۔ یہ سوال میرے ذہن میں ابھی آیا ہے اور جواب بھی اسی وقت ذہن میں آ گیا ہے وہ یہ کہ عذر کی دو قسمیں ہیں ایک عذر اتفاقی دوسرے عذر مستمر۔ قانون شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر اتفاقی و عذر مستمر میں فرق ہے۔ عذر اتفاقی سے ثواب کم نہیں ہوتا اور عذر مستمر موجب نقصان اجر ہوتا ہے۔ چنانچہ موت سے بڑھ کر عذر غیر اختیاری کون سا ہوگا لیکن نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ موت سے اجر و ثواب منقطع ہو جاتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ دو شخص ایک ساتھ اسلام لائے اور دونوں کے اعمال بھی برابر تھے۔ ان میں سے ایک صاحب تو کسی غزوہ میں شہید ہو گئے اور دوسرے ان کے بعد ایک ہفتہ کے فاصلہ سے انتقال کر گئے۔ صحابہ کو یہ خیال ہوا کہ پہلا شخص شہید ہو کر مرا ہے اور یہ بستر پر مرا ہے اس لئے شاید اس کا درجہ اس سے کم رہے تو انہوں نے دوسرے کے حق میں یہ دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ الحِقهُ بِصَاحِبِه. کہ اے اللہ! اس کو بھی اس کے ساتھی کے درجہ میں پہنچا دیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاَینَ صَلٰوتُهُ وَصِیَامُهُ وَقِیَامُهُ بَعدَهُ اَو کَمَا قَالَ۔[1]

کہ اس نے جو اس کے بعد ہفتہ بھر نمازیں پڑھیں ہیں اور روزے رکھے ہیں اور تہجد کی نماز پڑھی ہے یہ اعمال کہاں چلے گئے یعنی تم نے اس کے لئے پہلے شخص کے برابر ہونے کی کیوں دعا کی۔ اس نے جو اس کے بعد اعمال کئے ہیں ان کا ثواب بھی تو اس کے نامہ اعمال میں لکھا گیا ہے تو یہ اس سے بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس شخص کے بارہ میں تصریحاً بھی فرمایا کہ واللہ دونوں کے درجہ میں ایسا تفاوت ہے جیسا زمین و آسمان کے درمیان میں (رہی یہ بات کہ پہلا شہید تھا اور یہ شہید نہیں ہوا تو اس سے اس کا درجہ کم ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ شہادت

---

[1] مسند احمد ۴: ۲۱۹

کے لئے یہ بھی تیار تھا جہاد میں دونوں شریک ہوئے تھے۔ اب یہ اور بات ہے کہ اس کا وقت آ گیا تھا وہ شہید ہو گیا اس کا وقت نہ آیا تھا یہ قتل نہ ہوا۔ مگر نیت دونوں کی برابر تھی اس لئے شہادت کا اجر اس کے لئے بھی ہے ۱۲) اس سے صاف معلوم ہوا کہ موت سے اجر منقطع ہو جاتا ہے اور ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ تصریح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

يَنقَطِعُ اَجرُا لمُؤمِنِ بِمَوتِهِ اِلَّا مِن ثَلٰثٍ الخ[1]

(مومن کا اجر موت سے منقطع ہو جاتا ہے بجز تین کے)

پس مرض اور سفر اتفاقی عذر ہیں ان سے اجر کم نہیں ہوتا اور حیض و نفاس وغیرہ عذر مستمر ہیں اور عذر مستمر سے اجر کم ہو جاتا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ عذر اتفاقی ابتداء عمل کے وقت ذہن میں نہیں ہوتا۔ جب آدمی کوئی عمل بہ نیت مداومت شروع کرتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ بات ہرگز نہیں ہوتی کہ اگر میں سفر میں جاؤں گا یا بیمار ہو جاؤں گا۔ تو یہ عمل نہ کروں گا۔ کیونکہ سفر اور مرض عارضی امور ہیں۔

اصل حالت یہی ہے کہ انسان تندرست رہے اور اپنے گھر میں رہے اس لئے نیت دوام کی باقی رہتی ہے۔ پھر جب اتفاقاً عذر پیش آتا ہے تو اس کو ثواب پورا ملتا ہے۔ دوسرے یہ کہ سفر اور مرض کا کوئی خاص وقت نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ آدمی برسوں بھی سفر نہ کرے نہ بیمار ہو، اس لئے ایام سفر و مرض کو عمل سے مستثنیٰ کرنے کی طرف التفات نہیں ہوسکتا۔

پس وہ دن بھی اس کے ذہن میں عمل ہی کے لئے مقرر تھے مگر اتفاق سے ناغہ ہو گیا بخلاف حیض و نفاس وغیرہ کے کہ یہ اعذار مستمرہ ہیں نیز اکثر ان کے اوقات بھی معین ہوتے ہیں۔ پس عورتیں جب نماز پڑھنا شروع کریں گی ان کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ حیض و نفاس کے وقت نماز کو چھوڑ دیں گے تو ان کی نیت دوام کی نہیں ہوتی۔ یہ نیت کسی عورت کی نہیں ہوتی کہ میں ان دنوں میں بھی نماز پڑھوں گی۔

ایسے ہی موت کا آنا یقینی ہے گو وقت معلوم نہیں مگر ہر شخص جس کام کو شروع کرتا ہے اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ جب تک زندہ ہوں یہ کام کرتا رہوں گا۔ یہ نیت کوئی نہیں کرتا کہ موت

---

[1] كتاب التمهيد لابن عبدالبر ١: ٢١٣؛ بلفظ آخر

کے بعد بھی عمل کرتا رہوں گا اور اگر کوئی ایسی نیت کرے تو وہ معتبر نہیں کیونکہ وہ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں نیت اور عزم کا درجہ اس میں کبھی نہیں ہوسکتا اور اس نیت کی ایسی مثال ہوگی جیسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا تھا کہ مجلس املاء میں سب لوگ سوال کرتے ہیں تم کچھ سوال نہیں کرتے۔ اس نے کہا انشاء اللہ تعالیٰ اب سے سوال کیا کروں گا۔

چنانچہ ایک دن حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ روزہ غروب کے ساتھ فوراً افطار کرنا چاہئے تو وہ طالب علم صاحب پوچھتے ہیں کہ حضرت اگر کسی دن غروب ہی نہ ہو تو الخ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ بس آپ خاموش ہی رہیں آپ کو بولنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے کسی کے یہاں بہو آئی تھی وہ بولتی نہ تھی ساس کو بہت رنج تھا کہ ہائے بہو گونگی آئی بولتی ہی نہیں۔ جب ساس نے اس کو بہت سمجھایا بجھایا کہ لڑکیاں تو بولتی ہوئی اچھی لگا کرتی ہیں تو بولتی کیوں نہیں؟ تو ایک دن آپ یہ بولیں کہ ساس سے کہنے لگیں کہ میں تم سے یوں پوچھوں ہوں کہ اگر تمہارا بیٹا مر گیا تو تم میرا دوسرا نکاح بھی کردو گی یا یوں ہی ساری عمر بٹھائے رکھو گی۔ ساس نے کہا کہ بس بی تو چپ ہی رہا کر مہینوں میں بولی تھی تو یہ پھول جھڑے آگے کو نہ معلوم کیا ستم ڈھائے گی ......؟ ایسے ہی وہ طالب علم صاحب تھے کہ یا تو سوال ہی نہ کرتے تھے اور سوال کیا تو یہ کہ حضرت بھلا اگر آفتاب غروب ہی نہ ہو جیسے یہ قضیہ شرطیہ مہمل ہے جس میں مقدم کا وجود ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ عالم کا بقاء ہے اسی طرح اگر کوئی مرد یہ نیت کرے کہ اگر میں نہ مرا تو ساری عمر نماز پڑھتا رہوں گا۔ یہ قضیہ بھی مہمل ہے جس کا شریعت میں اعتبار نہیں۔ شرط وہی معتبر ہوسکتی ہے جس کا وقوع بھی عادتاً ہوتا ہو۔

پس یہ عذر نیت دوام کو مانع ہے اور سفر و مرض نیت دوام کو مانع نہیں اس لئے جب وہاں دوام کو نیت ہوسکتی ہے تو ثواب بھی مرض و سفر میں اس نیت کی وجہ سے ملے گا اور عذر نسوانی اور موت قاطع نیت دوام ہیں اس لئے وہاں ان اعذار کے وجود سے ثواب منقطع ہو جائے گا۔ یہ وجہ ہے حیض و نفاس کے سبب ہونے کی اور سفر و مرض کے سبب نقصان نہ ہونے کی خوب سمجھ لو۔

خلاصہ کلام

بحمد اللہ اب یہ مبحث مکمل ہو گیا اور تمام شبہات زائل ہو گئے۔ اور دلائل سے معلوم ہو گیا کہ عورتیں بھی کامل ہو سکتی ہیں یعنی کمال مکتسب ان کو حاصل ہوسکتا ہے گو اس کے ساتھ

ایک نقصان غیر اختیاری بھی رہے اوران کے لئے کمال کا طریقہ یہ ہے کہ اول تو وہ کتابیں دیکھیں جن میں مسائل واحکام شرعیہ کا ذکر ہے ان کو دیکھ کر ہر عمل کے کامل کرنے کا طریقہ معلوم کریں اور جن اعمال میں کوتاہی ہورہی ہے اس کی اصلاح کریں یہ تو اصل طریقہ ہے اور اس میں آسانی پیدا کرنے کے لئے یہ طریق ہے کہ اگر کوئی مرد کامل اپنے محارم میں مل جائے تو اس کی صحبت سے فائدہ اٹھائیں اس سے اپنے اخلاق وعادات کی اصلاح کا طریقہ پوچھ کر دل کی اصلاح کریں اور اگر کوئی مرد ایسا نہ ملے تو کسی کاملہ کی صحبت میں رہیں۔ اگر کوئی کاملہ بھی نہ ملے تو اپنے گھر کے مردوں کی اطلاع اوراجازت سے کسی دوسرے بزرگ سے بذریعہ بذریعہ خط وکتابت کے اپنی اصلاح کا تعلق رکھیں اوراس کو اپنے حالات سے اطلاع دیتی رہیں۔ جو کچھ وہ لکھے اس پر عمل کریں اور اپنے گھر ہی میں رہیں اوراس کے پاس جانے کی زحمت نہ اٹھاویں۔ ہاں اپنے گھر پر بزرگوں کے قصے ان کے حالات اور ملفوظات اوران کی تصانیف کا مطالعہ جاری رکھیں۔ اس سے بھی وہی نفع ہوگا جو پاس رہنے سے ہوا کرتا ہے اوراگر مردوں میں سے بھی کسی کو بزرگوں کے پاس جانے کی فرصت نہ ہو وہ بھی اسی طریقہ پر عمل کریں جو میں نے عورتوں کو بتلایا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح ان کا بھی دین کامل ہوجائے گا۔

پس اصل طریقہ کمال فی الدین کا تحصیل تقویٰ ہے اوراس کی تیسیر وتسہیل کا طریقہ معیت کاملین ہے۔ یہ خلاصہ ہے تمام بیان کا اب میں ختم کرتا ہوں کیونکہ عصر کی نماز قریب ہے۔ گو بعضے مضامین اب بھی ذہن میں باقی ہیں مگر اول تو وقت نہیں، دوسرے ضروری باتیں بیان ہی ہو چکی ہیں اس لئے ان مضامین کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں پھر کسی موقع پر دیکھا جائے گا۔ اب دعاء کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور عمل کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین!

واخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین وصلّی اللّٰہ تعالیٰ علٰی سیّدنا و مولانا محمّد وعلٰی الہٖ واصحابہٖ اجمعین!

رفع الالتباس عن نفع الالباس

الملقب بہ

الفیض الحسن

فی

تھانہ بھون

حقوق الزوجین کے موضوع پر خواجہ عزیز الحسن صاحب کی درخواست پر یہ وعظ حضرت حکیم الامت کی چھوٹی اہلیہ کے مکان پر بارہ رجب ۱۳۴۷ھ بروز چہار شنبہ بعد ظہر ایک گھنٹہ پینتالیس منٹ کرسی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تخمینی تعداد تقریباً ۶۰ علاوہ مستورات۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قلمبند فرمایا۔ وعظ کے بعد مجلسِ وعظ ہی میں نکاح کیا گیا۔

خطبہ ماثورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلہِ نَحمَدُہٗ وَنَستَعِینُہٗ وَنَستَغفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتوکَّلُ عَلَیہِ وَنَعُوذُ باللہِ مِن شُرُورِ اَنفُسنَا وَمِن سَیِّاٰتِ اَعمَالِنَا مَن یَّھدِہِ اللہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضلِلہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشھَدُ اَن لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحدَہٗ لاَ شَرِیکَ لَہٗ وَنَشھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَولاَنَا مُحَمَّداً عَبدُہٗ وَرَسُولُہٗ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَبَارِکَ وَسَلِّم اَمَّا بَعدُ فَاَعُوذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّ جِیم. ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُم وَاَنتُم لِبَاسٌ لَّھُنَّ. (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۷)

(ترجمہ: بیبیاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو)

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے اس میں حق تعالیٰ شانہ نے زوجین کے تعلقات کو مختصر مگر بلیغ عنوان سے بیان فرمایا ہے۔

سببِ وعظ

چونکہ اس بیان کا سبب ایک تقریب والوں کی تحریک ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ بیان نکاح ہی کے مناسب ہو۔ اور مختصر ہو کیونکہ وقت تھوڑا ہے۔ عصر سے پہلے بیان کا ختم کر دینا ضروری ہے تا کہ اس کے بعد نکاح کے لئے بھی کافی وقت باقی رہے۔ اس لئے میں نے قرآن کے اس جملہ کو بیان کے لئے اختیار کیا جو مختصر بھی ہے اور بلیغ بھی اور مقصود کے واضح کرنے میں کافی بھی۔ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ وہ عورتیں یعنی حلال عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ ھن کے ترجمہ میں حلال عورتیں، میں نے اس لئے کہا کہ اوپر سے ازواج ہی کا ذکر چلا آ رہا ہے دوسرے عام عورتوں کو مردوں سے کوئی خصوصیت مقصودہ نہیں اس لئے عام عورتوں کو مردوں کا لباس اور مردوں کو ان کا لباس نہیں کہا جا سکتا کیونکہ آگے معلوم ہو جائے گا

کہ لباس کی ساتھ تعبیر کرنے سے شدت تعلق کی طرف اشارہ ہے اور ظاہر ہے کہ شدت تعلق عام عورتوں اور مردوں میں نہیں ہوا کرتا بلکہ زوجین ہی میں ہوتا ہے تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ غیر حلال کے منافع کیوں بیان فرماتے اگر کہیں نفع بھی محتمل ہوتا تو اس کے ضرر کو غالب بتا کر اس نفع کو غیر قابل تحصیل فرما دیا، جیسا ارشاد ہے: اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ (ان دونوں کا گناہ ان دونوں کے نفع سے بڑھ کر ہے)

اور خمر کے باب میں ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَّلٰكِنَّهٗ دَاءٌ [1] (بے شک وہ دوا نہیں وہ بیماری ہے) (رواہ مسلم)

اور اس آیت میں مرد عورت کے تعلق کے منافع کا ذکر نہ ہو بلکہ تعلق حلال ہی کا ذکر ہو، اور حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ خمر وغیرہ حرام چیز میں دوائیت ونفع مطلقاً نہیں تاکہ یہ اشکال وارد ہو کہ یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے ہم تو مشاہدہ سے دیکھتے ہیں کہ حرام چیزوں سے بھی نفع ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ نفع قابل اعتبار نہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اعتبار غالب کا ہوتا ہے اگر کسی شے میں غالب نفع ہے تو وہ شی نافع ہے اور اگر ضرر غالب ہے تو وہ مضر ہے پس مطلب یہ ہے کہ حرام میں ضرر اس قدر ہے کہ اس کے مقابلہ میں نفع ناقابل اعتبار ہے کیونکہ (ایک تو) آخرت میں اس کا ضرر شدید ہے جس کے مقابلہ میں شفاعاجل کالعدم وکالمعفی ہے (دوسرے جن چیزوں کو شریعت نے حرام کیا ہے دنیا میں بھی وہ ضرر سے خالی نہیں ان میں غالب ضرر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طیبات کو حلال کیا ہے اور خبیثات کو حرام پس تحقیق وتفتیش سے معلوم ہو جائے گا کہ جن چیزوں کو شریعت نے حرام کیا ہے ان میں ضرر ہی غالب ہے گو کسی خاص وقت میں ضرر کا ظہور نہ ہو ۱۲ ظ۔ پس حرام سے جو شفا ہوتی ہے وہ حقیقت میں شفا ہی نہیں (بلکہ وہ ایک مرض کو دفع کرتی ہے۔ دوسرے امراض جسم میں پیدا کر دیتی ہے ۱۲ ظ) بہرحال اس کا قائل ہونا ضروری ہے کہ یہاں حلال بیبیاں اور حلال مرد مراد ہیں کیونکہ تخصیص بالازواج پر قرائن عقلیہ بھی قائم ہیں اور قرائن نقلیہ بھی۔

---

[1] الصحيح لمسلم كتاب الأشربة: ١٢، مشكوة المصابيح: ٣٦٤٢

آیۃ کی شانِ نزول

اور ہر چند کہ اس آیت کا شان نزول بھی تخصیص بالازواج ہی کو مقتضی ہے مگر اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں۔ اب میں مکرر ترجمہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیبیاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ اس کے بعد میں اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو عنوان لباس سے مقصود ہے یعنی اس تعلق کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو زوجین کے درمیان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس عنوان بلیغ سے بیان فرمایا ہے پس اول یہ سمجھنا چاہئے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے تشبیہ کو استعمال فرمایا ہے کیونکہ لباس لغوی تو یقیناً مراد نہیں بلکہ استعارہ ومجاز مراد ہے اس کے بعد یہ سمجھئے کہ ایک چیز کی دوسرے کے ساتھ تشبیہ کسی خاص وصف میں ہوتی ہے خواہ وصفِ واحد ہو یا متعدد۔ پھر کبھی تو وہ وصف منصوص ہوتا ہے اور کبھی اجتہادی ہوتا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ وجہ تشبیہ ایسا وصف ہونا چاہئے جو مشبہ بہ میں مشہور ومعروف اور واضح ہو جیسے شجاعت میں تشبیہ دینے کے لئے کہا جاتا ہے زید اسد زید شیر ہے کیونکہ شیر کی بہادری اور شجاعت مشہور ہے۔ اسی طرح یہاں جو زوجین کو لباس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے وجہ تشبیہ ایسا وصف ہونا چاہئے جس میں لباس مشہور ہے اب ہم کو لباس کے اوصاف میں غور کرنا چاہئے۔

اور گو اسکی تعیین میں اختلاف ہوا ہے کہ یہاں کونسا وصف مراد ہے۔ لیکن میرے نزدیک ان سب اقوال میں تعارض کچھ نہیں بلکہ سب کا حاصل یہ ہے کہ وجہ تشبہ میں تعدد ہے کیونکہ لباس کے اوصاف متعدد ہیں اور سب کو زوجین کے تعلق سے مناسبت ہے پس ایک شخص کا ذہن ایک وصف کی طرف منتقل ہوا اور دوسرے کا دوسرے وصف کی طرف چنانچہ لباس میں ایک وصفِ اشتمال ہے چونکہ زوجین میں تعالق وتواصل کے وقت اشتمال یکدگر ہوتا ہے اس لئے ہر ایک کو لباس سے تشبیہ دی گئی مگر شارع کا مقصود اس تشبیہ سے محض اس اشتمال حسی پر اشارہ کرنا نہیں بلکہ شدت تعلق کی طرف اشارہ مقصود ہے یعنی اس تشبیہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ زوجین میں بہت شدید اور گہرا تعلق ہے۔

تعلقِ زوجین اللہ تعالیٰ کی رحمت

اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ میاں بی بی کے درمیان ایسا قوی تعلق پیدا کر دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ کوئی تعلق دنیا میں نہیں ہوتا کیونکہ بدوں تعلق شدید کے حقوق زوجیت کا

بسہولت ادا ہونا دشوار تھا گو قدرت سے باہر تو نہیں کیونکہ وہ تمام حقوق انسان کی قدرت و اختیار میں ہیں اور انسان اپنے ارادہ واختیار ہی کے صرف کرنے کا مکلّف ہے اور اسی سے صدور افعال کا ہوتا ہے اس سے کام لینا بہت ضروری ہے مگر لوگ خاص دین کے باب میں اس کے درپے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کو ایسا شدید تعلق ہو جائے کہ حقوق خود بخود ادا ہوتے رہیں ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے بس محبت وشوق کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ نماز روزہ خود ہی ادا ہوتا رہے، سو یہ حالت غیر اختیاری ہے۔ بندہ کے اختیار میں نہیں۔

صرف امورِ اختیاریہ ہی مقصود ہیں

بلکہ اس کے ذمہ یہ واجب ہے کہ اپنے ارادہ واختیار سے کام لے۔ اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہو اس مسئلہ کے متعلق میرے چند بیانات ہو چکے ہیں اور یہ بہت ضروری مسئلہ ہے جیسے حدیث میں،

اَلطُّھُورُ شَطرُ الاِیمَان [۱] (پاکی ایمان کا جُزو ہے)

وارد ہے اسی طرح میں اس مسئلہ کو نصف السلوک سمجھتا ہوں کہ اختیاری میں کوتاہی نہ کرے اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہو لوگوں نے آج کل صرف نماز روزہ کا نام دین رکھ لیا ہے حالانکہ یہ عمل دین کا جزو ہیں کہ اختیاری امور کے درپے ہو، غیر اختیاری کے درپے نہ ہو اور یاد رکھو کہ یہ امور غیر اختیاریہ یعنی حالات وکیفیات وغیرہ اگر کبھی حاصل ہوتے ہیں اعمال اختیاریہ ہی میں مشغول ہونے سے حاصل ہوتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ عمل اختیاری سے غیر اختیاری کی نیت بھی نہ کرے کیونکہ حصول میں تعجیل وتاجیل اختیار سے باہر ہے کبھی تو نقصان عمل کی وجہ سے تاجیل ہوتی ہے کبھی قلتِ استعداد وضعف استعداد کی وجہ سے دیر ہوتی ہے پس تم اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو خود ان کے درپے نہ ہو بلکہ ان اعمال کے درپے ہو جو تمہارے اختیار میں ہیں ؎

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن   کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

(تو فقیروں کی طرح مزدوری کی شرط پر عبادت مت کر کیونکہ آقائے حقیقی بندہ پروری کا طریقہ خود جانتے ہیں)

---

[۱] الصحیح لمسلم کتاب الطھارت: ۱، مسند أحمد ۵: ۳۴۲، مشکوٰۃ المصابیح: ۲۸۱

وہ خود جانتے ہیں کہ تمہارے لئے کیا مناسب ہے کیا نہیں اس لئے اگر حالات وکیفیات تمہارے لئے مناسب ہوں گے عطا کردیں گے نہیں مناسب ہوں گے تو نہیں عطا کریں گے۔ دیکھو ماں اپنے بچہ کے واسطے جو مصلحت سمجھتی ہے وہی کرتی ہے بچہ کی خواہش پر عمل نہیں کرتی خصوصاً باپ کہ وہ تو بچہ کی ضد سے مغلوب ہی نہیں ہوتا ماں تو کسی وقت مغلوب بھی ہوجاتی ہے مگر زیادہ حالت یہی ہے کہ والدین بچہ کے ساتھ اپنی رائے کے موافق معاملہ کرتے ہیں جو مصلحت جانتے ہیں ویسا ہی عمل کرتے ہیں گو بچہ کتنا ہی ضد کرے مولانا فرماتے ہیں ؎

طفل مے لرزد زنیش احتجام　　　　مادر مشفق ازاں غم شاد کام

بچہ پچھنے لگانے والے کے نشتر وغیرہ کو دیکھ کر روتا ڈرتا ہے مگر ماں خوشی کے ساتھ اس کے پچھنے لگواتی ہے کیونکہ اس کی نظر انجام صحت پر ہے۔

عربی میں حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں خط بنانے والے کو نہیں کہتے بلکہ اس کو حلاق کہتے ہیں مگر آج کل حلاق کو حجام کہا جاتا ہے اور ہمارے یہاں کے بچے تو اس سے بھی ڈرتے ہیں چنانچہ سر مونڈنے کے وقت بہت روتے ہیں تو جب ماں باپ بچوں کی رائے پر کام نہیں کرتے پھر حق تعالیٰ بندوں کی رائے پر کیوں کام کریں اور تم سے مشورہ کیوں لیں وہاں شخصیت ہے پارلیمنٹ نہیں ہے۔ غرض اعمال اختیاریہ میں بھی امور غیر اختیاریہ کا قصد نہ کرے جو بات اس کے اختیار میں نہیں ہے اس کا طرف التفات ہی نہ کرے بلکہ اپنے کام میں لگے۔

صاحبو! انسان کے اندر ایک چیز ہے جس سے صدور افعال ہوتا ہے جس کا نام قصد و اختیار ہے۔ آدمی جب تک اس سے ہمت کے ساتھ کام لیتا رہے معاصی سے بچ سکتا ہے۔

اصل قلب میں داعیہ خیر ہو

مگر رسوخ و دوام صرف داعی فی القلب ہی سے ہوتا ہے کہ دل میں کوئی خاص حالت پیدا ہوجائے ایسا شخص کسی وقت بھی احکام سے پہلو تہی نہیں کرسکتا وہ شادی کی پہلی رات میں بھی نماز کی جماعت ترک نہیں کرتا اور جو شخص داعی قلب سے خالی ہے وہ ایسے وقت میں اول تو نماز قضا کردے گا ورنہ جماعت تو فوت کر ہی دے گا حالانکہ بیوی، میاں کو نماز سے نہیں روکتی مگر آپ دیکھ لیں کہ شادی کرکے شب زفاف میں کتنے لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ حالت موجودہ یہ

ہے کہ نکاح شادی میں دولہا ودلہن کا تو کیا کہنا سارے باراتی اور گھر والے ہی بے نمازی ہو جاتے ہیں خصوصاً وہ لوگ جن کے سپرد کوئی کام یا انتظام ہو اور اس کی وجہ وہی ہے کہ لوگ داعی قلب سے خالی ہیں ورنہ اگر قلب میں نماز کا داعی ہوتا تو وہ نمازی آدمی کو نماز کے وقت بے چین کر دیتا ہے بدوں نماز کے اس کو چین ہی نہیں آتا اب بتلایئے وہ کسی وقت قصداً جاگتے ہوئے ہوش وحواس میں ہوتے ہوئے نماز کیوں کر ترک کر سکتا ہے ہرگز نہیں پس دوام اور بناہ سہولت کے ساتھ داعی قلب ہی سے ہوتا ہے اور بدوں اس کے بھی دوام ہو سکتا ہے مگر ہمت تو یہ کے ساتھ ہر وقت ارادہ اور اختیار سے کام لے ہر روز نیا قصد اور نیا ارادہ پیدا کرے اسی لئے حضرت شارع نے ہم کو سہولت اعمال کے طریقے بھی بتلا دیئے ہیں (جو حاصل ہے قلب میں داعی پیدا ہو جانے کا) مگر تسہیل اعمال کے طریقے بتلانا شارع یا نائب شارع کے ذمہ نہیں بلکہ اگر وہ ایسے طریقے بتلا دیں تو ان کا تبرع واحسان ہے اس مسئلہ پر بھی میرا ایک بیان ہو چکا ہے۔ (جس کا نام التسہیل و التحصیل ہے ۱۲) کیونکہ عمل کا مدار اس پر نہیں بلکہ اصل مدار اعمال ارادہ وقصد وصرف اختیار پر ہے ہاں اسمیں شک نہیں کہ طریقہ موثق صدور اعمال کا یہی ہے کہ حق تعالیٰ قلب میں ایک داعی اور تقاضا پیدا کردیں خصوصاً بچوں کی پرورش جو کہ محض گوہ کا ڈھیر اور موت کی پوٹ ہیں وہ بدوں داعی قلب کے ہو ہی نہیں سکتی بچے تو ہر وقت اپنی خدمت کراتے ہیں۔ خود خدمت کے لائق نہیں ان کے اقوال و افعال بھی مجنونانہ ہیں مگر حق تعالیٰ نے محبت ایسی پیدا کر دی ہے کہ ان کی مجنونانہ حرکات بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ وہ کام خلاف تہذیب کر دیتے ہیں جس پر سزا دینا عقلاً ضروری ہوتی ہے مگر بچوں کے متعلق عقلاء میں اختلاف ہو جاتا ہے ایک کہتا ہے کہ سزا دی جائے دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بچے ہیں ان سے ایسی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ معاف کر دینا چاہئے۔

محبت بہت بڑا داعی ہے

غرض اپنے بچوں کو تو کیوں نہ چاہیں دوسرے کے بچوں پر دیکھ کر پیار آتا ہے اور ان کی حرکتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر یہ محبت کا تقاضا اور داعی نہ ہوتو اور راتوں کو جاگنا اور گوہ موت کرانا پڑتا تو کیونکر گزر ہوتا یقیناً بدوں محبت کے یہ کام دشوار ہو جاتا مثلاً کسی غیر کے بچہ کی خدمت کر کے دیکھو تو حقیقت معلوم ہو جائے گی گو خدا کا خوف کر کے تم روزانہ اس کی خدمت کر دو گے مگر دل میں پیچ وتاب ضرور ہوگا اور اس کے والدین پر غصہ بھی آئے گا کہ کم

بختوں نے دوسروں پر یہ وبال ڈال دیا جن جن کے بچے پھینک دیئے ان کی پرورش نہیں کی جاتی اور مائدروں کے قصے تو اس بارہ میں بہت ہی مشہور ہیں۔ مائدو پر سوتیلی اولاد کی خدمت اس لئے گراں ہے کہ اس کے دل میں ان کی محبت نہیں بعض تو ان سے پریشان ہو کر ان کو ستاتی ہیں اور بعض اللہ کی نیک بندیاں ایذاء تو نہیں پہنچاتیں مگر سوتیلیوں کی خدمت گراں اور دوبھران کو بھی ہوتی ہے۔ چونکہ اولاد کی خدمت بدوں محبت کے دشوار تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اولاد کی محبت والدین کے دل میں ایسی پیدا کر دی ہے کہ اب وہ اس خدمت میں مجبور ومضطر ہیں اور یہ ایسی محبت ہے کہ جو ذوات قدسیہ محض محبت حق ہی کے لئے مخصوص ہیں وہ بھی اس محبت سے خالی نہیں ہیں چنانچہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات حسنینؓ سے ایسی محبت تھی کہ ایک بار آپ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ حضرات حسنینؓ بچے سے لڑ کھڑاتے ہوئے مسجد میں آ گئے حضورؐ سے ان کا لڑکھڑانا دیکھ کر نہ رہا گیا آپ نے درمیان خطبہ ہی میں ممبر سے اتر کر ان کو گود میں اٹھا لیا اور پھر خطبہ جاری فرما دیا اگر آج کوئی شیخ ایسا کرے تو آج کل کے جہلا اسکی حرکت کو خلاف وقار کہتے مگر وہ زبان سنبھالیں کیسا وقار لئے پھرتے ہیں آج کل لوگوں نے تکبر کا نام وقار اور خوداری رکھ لیا ہے۔

سچے آدمی کی نشانی

صاحبو! سچے آدمی کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے جذبات فطریہ کے موافق بلا تکلف عمل کرتا ہے اس کو اسکی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی میرے اس فعل پر اعتراض کریگا یا کیا سمجھے گا۔ بنا ہوا جھوٹا آدمی ایسا نہیں کر سکتا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ میں تصنع اور بناوٹ کا نام ونشان نہ تھا آپ بے تکلف اپنے جذبات پر عمل فرماتے تھے کبھی خطبہ کے درمیان بچوں کو اٹھا لیتے تھے کبھی بچہ کو کندھے پر سوار کر کے نماز پڑھ لیتے تھے کبھی صحابہ کے ساتھ مزاح فرما لیتے تھے کبھی اپنی بیویوں کے ساتھ مسابقت کر لیا کرتے تھے یہ باتیں سچا ہی کر سکتا ہے بنا ہوا مدعی نبوت کبھی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کو تو ہر وقت یہی اندیشہ رہتا ہے کہ لوگ مجھ پر اعتراض نہ کریں اس لئے وہ کبھی آزادی کے ساتھ اپنے جذبات پر عمل نہیں کر سکتا اسی طرح قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ

بیساختہ کلام ہے کسی تکلف کی اس میں پابندی نہیں نہ قافیہ کی نہ سجع کی اور اس سے بڑھ کر ایک بات خاص قرآن میں یہ ہے کہ اس کو سن کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متکلم پر کسی کا بھی کچھ اثر نہیں۔ورنہ ہر کلام کو غور کر کے دیکھ لیا جائے تو ضرور متکلم پر کسی نہ کسی کا اثر معلوم ہوگا سلاطین بھی مصالح ملکیہ سے متاثر ہو کر مصالح کی رعایت سے کلام کرتے ہیں کیونکہ عمائد وارا کین سلطنت کا ان پر کچھ اثر ہوتا ہے۔حتیٰ کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام یعنی حدیث سن کر بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ متکلم کسی سے مغلوب ہیں کیونکہ آپ پر تو خشیت وخوف الٰہی سب سے زیادہ غالب تھا تو آپ کے کلام میں بھی تاثر کی شان ہے مگر قرآن شریف میں یہ خاص بات ہے کہ اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متکلم پر کسی کا بھی اثر نہیں ہے آزادی کے ساتھ جو چاہتا ہے جس کو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے یہ بات بہت سے لوگوں کے دل میں جن کو قرآن سے کچھ مناسبت ہے آتی ہے اور قریب قریب سب کو احساس ہوتا ہے کہ قرآن میں ایک خاص بات ہے جو کسی کلام میں نہیں مگر اس خصوصیت کی تعبیر پر اکثر لوگ قادر نہیں ہوتے الحمدللہ میں نے اس کو بہت سہل عنوان سے بیان کر دیا ہے ایک عالم کے سامنے میں نے اس بات کو بیان کیا تو وہ وجد کرنے لگے اور کہا میرے دل میں بہت دنوں سے یہ بات تھی مگر تعبیر پر قادر نہ تھا پھر میں نے حیدرآباد کے ایک عالم کے کلام میں دیکھا کہ انہوں نے اس تقریر کو میری طرف منسوب کیا ہے مجھے خوشی ہوئی کیونکہ طبعاً یہ بات خوشی کی ہے ہی۔

غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے واسطے کبھی یہ فکر نہیں کی کہ کوئی کیا کہے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو اُمت کے ساتھ شفیق تھے اپنی مصلحت کے واسطے نہ تھے .... بلکہ ہماری مصلحت کے واسطے شفیق تھے یہ تو معاملات حیات میں آپ کا برتاؤ تھا، اور وفات کے واقعات میں یہ ہوا کہ حضورؐ نے اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم (علیہ وعلیٰ ابیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت رنج وغم کا اظہار فرمایا آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی رواں تھے اور زبان سے بھی یہ فرمایا: اِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا اِبرَاھِیمُ لَمَحزُونُونَ۔[1]

اے ابراہیم ہم کو تمہاری مفارقت کا واقعی صدمہ ہے۔یہ بھی آپ کے سچے نبی ہونے کی علامت تھی کہ آپ نے اسوقت قولاً وعملاً جذبہ فطریہ کو بے تکلف ظاہر فرمایا ورنہ بنا ہوا نبی

---

[1] المصنف لابن أبي شيبة ۳: ۳۹۳

کبھی اپنے جذبہ کو اس وقت ظاہر نہ کرتا بلکہ بہادر بنا ہوا صدمہ کو ٹالتا اور یہ سمجھتا کہ میں دعویٰ نبوت کے ساتھ رنج وصدمہ کیونکر ظاہر کروں جبکہ ایک ادنیٰ درجہ کا ولی ایسے موقعہ پر پورے ضبط سے کام لیتا ہے بلکہ بعض اولیاء تو وفات فرزند پر رونے کے بجائے ہنسے ہیں اور بعض نے اپنی اولاد کو دیکھ کر کہا کہ افسوس یہ سب بچے یتیم ہیں کسی نے کہا حضور یہ کدھر سے یتیم ہو گئے جبکہ آپ ان کے باپ زندہ سلامت ہیں تو کہا میں تو بہت زمانہ سے مر چکا ہوں تو بنا ہوا نبی ان اولیاء کے واقعات سے متاثر ہوکر اپنے رنج وصدمہ کو ضرور دبا تا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی ذرا پرواہ نہیں کی بلکہ بے تکلف اپنے جذبات کو ظاہر فرما دیا اور کسی کے معتقد رہنے یا نہ رہنے کی مطلق پرواہ نہیں کی اور حضورؐ کے اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکمل حالت وہی ہے جو حضورؐ پر ظاہر ہوئی اور جو اولیاء ایسے مواقع پر ہنسے ہیں وہ متوسطین ہیں کیونکہ یہ یکطرفہ ہیں انہوں نے محض خدا کے حق کا لحاظ کیا اولاد کے حقوق کا کہ وہ بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں لحاظ نہیں کیا بلکہ اولاد کے حقوق کو تلف کر دیا اور کمال یہ ہے کہ ؎

بر کفِ جام شریعت بر کفِ سندانِ عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

آپؐ کی جامعیت

حضورؐ کی یہی شان تھی یعنی جامعیت اور اس جامعیت کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ خالق کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے بھی حقوق ادا کرے جن میں اولاد کے حقوق سب سے زیادہ ہیں اور اولاد کا ایک حق یہ ہے کہ ان کے مرنے کے وقت ان کی مفارقت کا رنج وغم بھی کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حق کو بھی ادا کر کے دکھلا دیا اور یہی نہیں کہ محض عقلی غم ہوا ہو بلکہ آپ کو طبعی غم بھی ہوا کیونکہ بکا۔ بالعین محض عقلی غم سے نہیں ہوسکتا آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا رواں ہونا بتلاتا ہے کہ آپ کو طبعی رنج وغم ہوا تھا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اولاد کی محبت سے ذوات قدسیہ بھی خالی نہیں تو یہ حق تعالیٰ کی حکمت ہے...... کہ ہمارے اندر اولاد کی محبت پیدا کر دی اگر یہ داعی نہ ہوتا تو ہم ان کے حقوق ادا نہ کر سکتے اور یہ حکمت ہم اپنے لحاظ سے بیان کر رہے ہیں باقی انبیاء علیہم السلام میں یہ محبت کس حکمت کی وجہ سے کی گئی اس کو ہم نہیں جانتے کیونکہ یہ حکمت جو ہمارے لحاظ سے ہے وہاں نہیں ہوسکتی وہ حضرات بدوں

محبت کے کبھی اولاد کے حقوق پوری طرح ادا کرتے بوجہ امر حق کے۔ان کے لئے تو امر حق ہی بڑا داعی تھا اور یہی تمام حقوق کے ادا کے لئے کافی تھا پھر اس حکمت کے بعد کمال

قلت ولا يبعد ان يكون ايداع حب الا ولا دوالازواج فى قلوب الانبياء لاتمام الحجة على الخلق بان الانبياء مع كونهم اشد قوة واكمل جذبة الىٰ ازواج والذرية لا يعصون الله طرفته عين ولا يشغلهم حب الخلق عن الخالق ولا ساعة ولكم فى رسل الله اسوة حسنة ولو كانواعراة عن ذلک الحب لم يوثر تبليغهم فى الناس وقالوا انكم لا تعصون الله بخلو قلوبكم وسلو بالكم عن حب الازواج والذرية ولو كنتم مثلنا مشغوفين بهم لم تستطيعوا العمل بماتامروبنا هذا والله تعالىٰ اعلم وعلمه اتم واحكم ۱۲ ظ.

عنایت یہ ہے کہ باوجود یکہ والدین اولاد کی تربیت اور شوہر بیوی کے ساتھ الفت اپنے فطری جذبہ سے مجبور ہو کر کرتا ہے مگر اس پر اس کو ثواب بھی ملتا ہے حدیث میں:

حَتّٰى اللُّقمَةَ تَضَعُهَافِي فِي اِمرَاَتِکَ فَهِيَ صَدَقَة[1]

کہ بیوی کے منہ میں جو ایک لقمہ شوہر رکھدے تو یہ بھی صدقہ ہے۔اس کا بھی ثواب ملتا ہے حالانکہ قیاس وعقل کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس میں ثواب تو کیسا ملتا بلکہ برعکس فیس مانگی جاتی تو بعید نہ تھا مگر اللہ رے عنایت کہ وہ خود اپنے پاس سے فیس دیتے ہیں اور یہاں سے اس اولاد کی نالائقی ظاہر ہوگئی جو والدین کی خدمت وتربیت کی یہ کہہ کر ناقدری کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا جو کچھ کیا اپنے جذبہ فطریہ سے مجبور ہو کر کیا جس سے جانور تک مجبور ہو کر اپنی اولاد کی خدمت کرتے ہیں۔افسوس! ان لوگوں کو شرم کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ باوجود یکہ انسان کے جذبات کو سب سے زیادہ جانتے ہیں وہ تو والدین کی اس خدمت وتربیت کی اتنی قدر فرماتے ہیں کہ ایک ایک لقمہ پر ان کو اجر دیتے ہیں حالانکہ اس سے خدا کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچا اور اولاد جس کو والدین کے اس جذبہ سے پورا نفع پہنچا ہے یہ کہہ کر اسکو ٹھکراتی ہے کہ والدین نے ہمارے ساتھ کیا کیا جو کچھ کیا اپنے جذبہ سے مجبور ہو کر کیا۔

---

[1] مسند أحمد: ۱۷۲:۱

ماقبل سے ربط

یہ مضمون محبت اولاد کا اس پر چلا تھا کہ میں نے یہ کہا تھا کہ صدور افعال کا مدار تو ارادہ و اختیار پر ہے مگر سہولت اعمال داعی قلب سے ہوتی ہے اسی سے اعمال میں رسوخ و دوام نصیب ہوتا ہے دیکھئے رمضان میں بعض دفعہ سخت گرمی ہوتی ہے مگر روزہ دار کو جو روزہ کا عادی ہو چکا ہو کوئی ہزار بلکہ لاکھ روپے بھی دے کہ تو روزہ توڑ دے تو وہ ہرگز نہ توڑے گا حالانکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ میں روزہ کا کفارہ ادا کر سکتا ہوں۔ مگر عمداً افطار کرنے پر کفارہ کے بھروسے کوئی روزہ دار جرأت نہیں کرتا خصوصاً ان پڑھ مسلمان کہ وہ اس معاملہ میں مولویوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں پڑھے لکھے تو اگر مگر کر کے کچھ تاویل بھی کر لیتے ہیں مگر جاہل لوگ نہایت پختہ ہوتے ہیں وہ تاویل کو نہیں جانتے۔ یہ مولوی تو بعض دفعہ معمولی مرض میں روزہ توڑ دیتے ہیں مگر جاہل مسلمان سخت مرض میں بھی روزہ نہیں توڑتے چاہے ان کی جان جاتی رہے۔ اب اس کے متعلق بعض مولوی استفتاء کیا کرتے ہیں کہ جب اس شخص کو شرعاً افطار جائز تھا تو اس کو افطار نہ کر کے اپنے کو ہلاک کرنے کا گناہ ہوا یا نہیں میں کہتا ہوں کہ تم نے اسکی ہمت و پختگی کی اچھی قدر کی کہ تم اس کو گنہگار بھی کرنا چاہتے ہوں۔ صاحب اس کو افطار نہ کرنے پر اجر ملے گا کیونکہ وہ تو افطار کو ممنوع سمجھ کر روزہ پر اصرار کر رہا ہے۔

وَاِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ [1] (اور بلاشبہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)

یہ اور بات ہے کہ اس کو جہل عن الاحکام کا گناہ ہو سو اس کو اس حالت کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں جاہل کو جہل کا گناہ تو ہر حالت میں ہے جب تک وہ جاہل رہے گا۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ روزہ دار جو ایک روزہ کے مقابلہ میں ہزار لاکھ روپے پر لات مار دیتا ہے یہ کیا بات ہے یہ اسی داعی قلب کا اثر ہے جس نے روزہ کی ساتھ اتنا تعلق بڑھا دیا کہ دنیا کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رہی یہ بات بدوں داعی قلب کے محض ارادہ وقصد سے نہیں ہوتی جو شخص محض ارادہ اور قصد سے عمل کرتا ہے وہ بعض وقت دنیا کو دین پر مقدم بھی کر دیتا ہے اور جو داعی قلب سے عمل کرتا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

---

[1] الصحیح للبخاری ۲، سنن الترمذی: ۱۶۴۷، سنن النسائی کتاب الطهارة ب: ۵۹

(اِلَّا نادِراً وَالنَّادِرُ کَالمَعدُومِ ۱۲)

پس آیت میں زوجین کولباس کے ساتھ تشبیہ دے کراس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہم نے زوجین کے متعلق جوحقوق رکھے ہیں۔ان کی تسہیل اس طرح کردی گئی ہے کہ طرفین میں قوی تعلق رکھدیا ہے جس سے ادائے حقوق آسان ہوگیا..........اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ادائے حقوق نہایت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کواس کا اس قدر اہتمام ہے کہ اس کی تسہیل کا ایسے طریقہ سے انتظام فرمایا جو بندہ کے اختیار سے باہر تھا جس چیز کا اللہ تعالیٰ اہتمام فرمائیں ہمارے ذمہ اسکی نگہداشت نہایت ضروری ہے مگر آج کل حالت یہ ہے کہ مرد اپنے حقوق تو بیوی کے ذمہ سمجھتے ہیں بیوی کے حقوق اپنے ذمہ نہیں سمجھتے جیسے بعضا باپ اولاد پر تو اپنا حق سمجھتا ہے مگر اولاد کے حقوق اپنے اوپر نہیں جانتا اوراس میں راز یہ ہے کہ عرفاً حکومت زندگی ہے محکومیت موت ہے۔اس لئے حاکم زندہ ہے وہ اپنے حقوق کو بھی زندہ سمجھتا ہے اور وصول کرلیتا ہے اور محکوم چونکہ مردہ ہے اس لئے اس کے حقوق بھی مردہ سمجھے جاتے ہیں اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ آج کل ہر محکوم کے حقوق مردہ ہیں اکثر سلاطین رعایا سے اپنے حقوق وصول بھی کرلیتے ہیں اور مطالبہ بھی کرتے ہیں مگر رعایا کے حقوق ادانہیں کرتے ان کی راحت وچین کا پورا انتظام نہیں کرتے اسی طرح سلاطین سے نیچے جوحکام ہیں وہ بھی اپنا بھلا چاہتے ہیں محکومین کے ساتھ ذرا ہمدردی نہیں کرتے ان کے بعد باپ کی حکومت اولاد پر ہے شوہر کی بیوی پر آقا کی نوکر پر استاد کی شاگرد پر پیر کی مرید پر قریب قریب سب کی یہی حالت ہے کہ صاحب حکومت اپنے حقوق وصول کرلیتا ہے اور محکوم کے حقوق عموماً مردہ سمجھے جاتے ہیں کیونکہ وہ مطالبہ نہیں کرسکتا۔ہاں جو محکوم حاکم کا مقابلہ کرکے سختی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے تو اس کو کچھ حق مل جاتا ہے تو یوں کہئے کہ آج کل اہل حکومت یوں چاہتے ہیں کہ جب تک محکوم محکوم بن کر رہے اسوقت تک اس کو حقوق نہ دیئے جائیں ہاں جس دن وہ محکوم حاکم بن کر یا کم ازکم مساوی بن کر اپنے حق کا مطالبہ کرنے لگے گا اسی دن سے اس کو حقوق ادا ہونے لگیں گے کیونکہ مثل مشہور ہے ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' مگر شریعت میں اس کا برعکس ہے شریعت میں ایسے مردہ حقوق کے ادا کرنے کی زیادہ تاکید ہے جن کا کوئی مطالبہ کرنے والانہیں ہے حدیث میں ہے کہ جس حق کو

خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ صاحب حق بھی نہیں جانتا۔ ایسے حقوق خدا تعالیٰ خود حساب اور مطالبہ فرمائیں گے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا کوئی مددگار نہ ہو خدا اس کا سب سے زیادہ مددگار ہے۔ چنانچہ مظلوم کی بددعا کا رد نہ ہونا اسی پر مبنی ہے کہ رد نہیں ہوتی مظلوم جب بددعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لأنصُرَنَّکَ وَلَو بعد حِینٍ او کما قالَ.

میں ضرور تیری مدد کرونگا کچھ دیر ہی میں اس کا ظہور ہو۔ اور اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ انی آتیتہ المواریث میں وصیت کے ذکر کو دین سے مقدم کیا ہے حالانکہ بالاجمال دین کا ادا کرنا وصیت سے مقدم ہے علماء نے اس میں یہی وجہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیم وصیت میں ہم کو متنبہ کیا ہے کہ جس حق کو صاحب حق زور کے ساتھ وصول نہ کر سکے اس کا مطالبہ سب سے پہلے ہم کریں گے پس وصیت کر محض اس وجہ سے کہ تبرع ہے اور موصی لہ کو بعض اوقات اس کی خبر بھی نہیں ہوتی یا اس میں قوت نہیں ہوتی اس واسطے وہ مطالبہ نہیں کر سکتا اور خبر و قوت بھی ہو تب وہ مطالبہ سے شرماتا ہے کہ لوگ کہیں گے میاں کچھ تم نے دیا تھا جو تقاضا کرتے ہو معمولی بات سمجھ کر مت ٹالنا بلکہ اس کے نافذ کرنے کا پورا اہتمام کرنا اور دین گوادا میں مقدم ہے مگر چونکہ اس کا مطالبہ کرنے والا موجود ہے جو کاغذ سے اور گواہوں سے ثبوت دے کر مطالبہ کریگا اور مطالبہ میں شرمائے گا بھی نہیں اس لئے اس کا ذکر موخر کیا گیا۔ غرض باپ نے اور خاوند نے یعنی اہل حکومت نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہمارے حقوق زندہ ہیں کیونکہ ہم وصول کرنے اور مطالبہ کرنے پر قادر ہیں اور عورتیں بیچاری کچھ نہیں کر سکتیں اس لئے ان کے حقوق مردہ سمجھے جاتے ہیں۔ ہاں عورتیں ایک کام تو کرتی ہیں کہ ان کو کوسنا خوب آتا ہے جب کوئی خاوند ان کو ستاتا ہے تو ان کی زبان خوب چلتی ہے کہ جھاڑو مارو آگ لگا نگوڑا مگر اس کے نہ جھاڑو لگے نہ آگ لگے ہاں دل میں ان باتوں سے ضرور آگ لگتی ہے تو وہ پہلے سے بھی زیادہ مارتا ہے اور یہ بھی برابر زبان کو تیز کرتی جاتی ہیں۔ عورتیں کہا کرتی ہیں کہ کسی کا ہاتھ چلے کسی کی زبان چلے۔ مگر صاحبو! اس زندگی میں کچھ لطف نہیں کہ چار دن ہنس بول لئے اور دس دن کولڑ جھگڑ لئے۔ لطف زندگی جبھی ہے کہ جانبین سے ایک دوسرے کے حقوق کی پوری رعایت ہو مگر مردوں نے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم عورتوں کو کھانا کپڑا دیتے ہیں بس اس سے سارا

حق ادا ہو گیا اور اس کے بعد جو کچھ حقوق ہیں عورتوں ہی کے ذمہ ہیں ہمارے ذمہ کچھ نہیں۔

حقِ زوجہ کی اہمیت

مگر میں کہتا ہوں کہ تمہارے کھانے کپڑے کے عوض میں یہ بیبیاں تمہاری اس قدر خدمت کرتی ہیں کہ اتنی تنخواہ میں کوئی نوکر یا ماما ہرگز نہیں کر سکتی جس کو شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے بدوں بیوی کے گھر کا انتظام ہو ہی نہیں سکتا چاہے تم لاکھ خادم رکھو۔ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جن کی معقول تنخواہ تھی مگر بیوی نہ تھی نوکروں کے ہاتھوں خرچ تھا تو ان کے گھر کا خرچ اس قدر بڑھا ہوا تھا جسکی کچھ حد نہیں نکاح ہی کے بعد گھر کا انتظام ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر بیوی کچھ بھی گھر کا کام نہ کرے صرف انتظام اور دیکھ بھال ہی کرے تو یہی اتنا بڑا کام ہے جس کی دنیا میں بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی ہیں اور منتظم کی بڑی عزت وقدر کی جاتی ہے۔ دیکھئے ویسرائے ظاہر میں کام کچھ نہیں کرتا کیونکہ اس کے تحت میں اتنا بڑا عملہ کام کرنے والا ہوتا ہے کہ اس کو خود کسی کام میں ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر اس کی جو اتنی بڑی تنخواہ اور عزت ہے محض ذمہ داری اور انتظام کی وجہ سے پس بیویوں کا یہی کام اتنا بڑا ہے جس کا عوض نان ونفقہ نہیں ہو سکتا مگر ہم تو شریف زادیوں کو دیکھتے ہیں وہ خود بھی اپنے ہاتھ سے گھر کا بہت کام کرتی ہیں۔ خصوصاً بچوں کو بڑی محنت سے پرورش کرتی ہیں یہ وہ کام ہے کہ تنخواہ دار ماما بھی بیوی کی برابری نہیں کر سکتیں۔

ہندوستانی عورتیں

اور یہ ہندوستان کی عورتیں خصوصاً ہمارے اطراف کی عورتیں تو واقعی جنت کی حوریں ہیں جن کی شان میں عرباً یعنی عاشقات لازواج آیا ہے چنانچہ مردوں پر فدا ہیں کہ مردوں کی ایذا کو ہر طرح سہتی ہیں اور صبر کرتی ہیں ورنہ بعض مقامات میں تو روزانہ خلع طلاق ہوا کرتا ہے اور عرب میں وہاں سے بھی زیادہ ہم نے وہاں ایک اکیس سالہ لڑکی کو دیکھا اس کے ساتواں خاوند تھا۔ وہاں تو یہ حالت ہے کہ جہاں عورت مرد میں نا اتفاقی ہوئی اور عورت نے قاضی کے یہاں دعویٰ دائر کیا اور انوثت کا خاصہ ہے کہ حاکم عورت ہی کو مظلوم سمجھتا ہے اس لئے عموماً ڈگریاں انہی کو ملتی ہیں اور فوراً مرد کو طلاق یا خلع پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں یہ حالت

ہے کہ اول تو کوئی عورت طلاق یا خلع کو گوارا نہیں کرتی اور جو سخت مصیبت میں خلع کی درخواست کرتی بھی ہے تو یہ حال ہوتا ہے کہ کانپور میں قاضی صاحب سے (جو نکاح خواں قاضی تھے) خود خلع کی درخواست کی چنانچہ قاضی صاحب کے کہنے سے مرد خلع پر راضی ہوگیا پھر جب اس نے عورت کو طلاق دی ہے تو حالانکہ خود اسی کی درخواست پر دی تھی لیکن طلاق دیتے ہی وہ دھاڑیں مار کر روتی تھیں کہ ہائے میں برباد ہوگئی، ہائے میں تباہ ہوگئی۔

اور ہندوستان کی عورتوں میں حوروں کی ایک اور صفت بھی ہے۔ یعنی قٰصِرَاتُ الطَّرفِ:

چنانچہ ان کو اپنے شوہر کے سوا کسی کی طرف میلان نہیں ہوتا۔ بعض عورتوں کو عمر بھر غیر مرد کا وسوسہ بھی نہیں آیا اور اگر ان کو کسی غیر کا میلان اپنی طرف معلوم ہو جائے تو اس سے سخت نفرت ہو جاتی ہے یہاں کی یہی تہذیب ہے مگر یورپ کی تہذیب ہے کہ جو اپنے کو چاہے ہم کو بھی اسکی طرف جھکنا چاہئے اس لئے اگر وہاں کی عورتیں کسی کو اپنی طرف مائل دیکھتی ہیں اسکی خوب خاطر مدارات کرتی ہیں اور ہندوستان کی عورتوں کو جو اپنے مردوں کے ساتھ اس قدر تعلق ہے یہ زمین ہند کا خاصہ ہے اسی لئے بھاشا وغیرہ میں بھی جو عاشقانہ ودہ ہے میں ان میں عورت کی طرف سے مرد کو خطاب ہوتا ہے۔ اور سَتی کی رسم کا منشا بھی یہی تعلق ہے گو یہ غلو ہے تو ہندوستان کا مزاج میلان النساء الی الرجال ہے اور عرب کا مزاج میلان الرجال الی النساء ہے عرب کا مرد عورت کو عاشقانہ خطاب کرتا ہے اور سب سے گندہ مزاق فارسی کا ہے یعنی میلان الرجال الی الرجال فارسی شاعری میں مرد مرد کو خطاب کرتا ہے کہ تو حیرت ہے کہ جہاں کی عورتیں دنیا بھر کی عورتوں سے زیادہ مردوں کی تابع و مطیع ہیں وہاں ہی یہ ظلم ہے کہ ان کے حقوق ادا نہیں کئے جاتے۔ اور جہاں روزانہ خلع وطلاق ہوتا رہتا ہے۔ اور قاضی کے دروازہ پر عورتیں کھڑی رہتی ہیں وہاں کے مردوں کا مزاج درست رہتا ہے اب میں ان حقوق کی تفصیل تو نہیں کرسکتا کیونکہ وقت مختصر ہے اور نہ تفصیل کی ضرورت ہے کیونکہ کتابوں میں حقوق ازواج مفصل مذکور ہیں البتہ اسوقت ایک قصہ یاد آ گیا اس کو بیان کئے دیتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ خاوند اور باپ جو یہ سمجھتا ہے کہ سارے حقوق میرے ہی عورت پر یا اولاد پر ہیں مجھ پر کوئی حق ان کا نہیں یہ غلط ہے۔

حقوقِ محکوم پر حکایتِ عجیب

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں ایک باپ نے اپنے بیٹے پر دعویٰ کیا کہ یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا حضرت عمرؓ نے لڑکے سے دریافت کیا اس نے کہا اے امیر المومنین کیا باپ ہی کا سارا حق اولاد پر ہے یا اولاد کا بھی باپ پر کچھ حق ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اولاد کا بھی باپ کے ذمہ حق ہے: کہا میں ان حقوق کو سننا چاہتا ہوں۔ فرمایا اولاد کا حق باپ پر یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کے لئے شریف عورت تجویز کرے اور جب اولاد پیدا ہو ان کا نام اچھا رکھے اور جب ان کے ہوش درست ہو جائیں ان کو تہذیب اور تعلیم دین دے۔ لڑکے نے کہا کہ میرے باپ نے ان حقوق میں سے ایک حق بھی ادا نہیں کیا کیونکہ اس نے ایسی باندی کو میری ماں بنایا ہے جو آوارہ گرد تھی۔ اور جب میں پیدا ہوا تو میرا نام جُعل رکھا (جس کے معنی ہیں گوہ کا کیڑا) اور مجھے دین کا ایک حرف نہیں سکھلایا مجھے دینی تعلیم سے بالکل کورا رکھا۔ یہ سن کر حضرت عمر کو باپ پر بہت غصہ آیا اور اس کو بہت دھمکایا اور یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دیا کہ جاؤ پہلے تم اپنے ظلم کی مکافات کرو اس کے بعد لڑکے کے ظلم کی فریاد کرنا۔

لباس کا پہلا معنیٰ

خلاصہ یہ کہ: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُم وَاَنتُم لِبَاس لَّهُنَّ. (بیبیاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو)

میں زوجین کو لباس سے تشبیہ دے کر ایک اشارہ تو اس طرف فرمایا کہ ہم نے ادائے حقوق کی تسہیل کے لئے زوجین میں ایسا قوی تعلق پیدا کیا ہے کہ جس کی وجہ سے گویا دونوں متحد ہیں کہ ایک دوسرے کو مشتمل ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ دو قالب ایک جان ہیں۔

لباس کا دوسرا معنیٰ

اور دوسرا اشارہ اس تشبیہ میں اس طرف فرمایا کہ جیسے لباس میں ستر کی شان ہے اسی طرح عورت مرد کی ساتر ہے اور مرد عورت کے لئے ساتر ہے۔

مصلحتِ نکاح

اور یہ ستر کئی طرح پر ہے ایک اس طرح کہ ہر ایک دوسرے کی عیوب کے لئے ساتر ہے کیونکہ نفس میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں اگر ان کے پورا ہونے کے لئے ایک محل بھی تجویز نہ کیا جائے تو پھر انسان تقاضے کو ہر جگہ پورا کریگا اور اس طرح اسکی بے حیائی کا عیب نمایاں ہو جائے گا اسی لئے شریعت نے نکاح تجویز کیا ہے جس میں تقاضائے نفس کو پورا کرنے کے لئے ایک محل کی تعیین ہے اور اس تجویز میں شریعت کا عقل سے زیادہ خیر خواہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر عقل سے استفتاء کیا جائے تو عقل نکاح کو تجویز نہیں کر سکتی کیونکہ ایک اجنبی مرد کے سامنے ایک اجنبی عورت کا اس طرح بے حجاب ہو جانا اور اس کے ساتھ مرد کا بے حجاب ہونا عقل کے نزدیک بالکل قبیح ہے مگر عقل کی اس تجویز پر عمل کیا جاتا تو زیادہ فتنہ برپا ہوتا کہ اب تو ایک ہی اجنبی مرد و عورت بے حجاب ہو رہے تھے پھر نہ معلوم کتنے مرد اجنبی عورتوں کے ساتھ بے حجاب ہوتے اور کتنی عورتیں اجنبی مردوں کے سامنے بے حجاب ہوتیں کیونکہ آخر مرد و عورت ایک دوسرے سے کہاں تک صبر کرتے ان عواقب پر نظر کر کے شریعت سماویہ نے نکاح کو تجویز کیا تا کہ اس تقاضے کے پورا ہونے کا محلِ محدود و متعین ہو کر فتنہ نہ بڑھے اور یہی علامت ہے مذہب کے سماوی ہونے کی کہ اسکی عواقب پر محیط ہوتی ہے اور جو قوانین محض عقل سے بنائے جاتے ہیں ان کی نظر عواقب پر محیط نہیں ہوتی......!

رخصت پر عمل

اسی لئے اسی لئے بعض جگہ شریعت کا حکم بظاہر عزیمت کے خلاف معلوم ہوتا ہے مگر عواقب کے اعتبار سے وہی افضل ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبالغہ فی العمل سے منع فرمایا ہے اور جب بعض صحابہ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات دریافت کئے اور سنکر اپنے نزدیک ان کو تھوڑا کام سمجھا اور یہ کہا کہ حضور تو بالکل بخشے بخشائے ہیں ہم کو زیادہ کام کرنا چاہئے اور یہ بھی حضرات صحابہ کے حسن مزاج کی دلیل ہے کہ ان کو اعمال صالحہ کا بہت شوق تھا ورنہ ہم ہوتے تو یوں کہتے کہ جب حضور پیغمبر ہو کر اتنا کام کرتے ہیں تو ہم کو تو اس سے بھی کم کافی ہے ہم تو چھوٹے درجہ کے ہے ہیں ہم کو تھوڑا عمل بھی کافی ہے جب حضورؐ کو صحابہ کا قول معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

اَمَّا اَنَا فَاَقُومُ وَاَرقُد وَاَصُومُ وَاَفطِرِ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ هٰذَا مِن سُنَّتِی وَمَن رَغِبَ عَن سُنَّتِی فَلَیسَ مِنِّی اَو کَمَا قَالَ[1]

(حالانکہ میں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں مستورات سے شادی بھی کرتا ہوں، یہ میری سنت ہے جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں)

اب ظاہر بین سمجھتا ہے کہ حضورؐ نے تکثیر عمل سے منع فرمادیا مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ درحقیقت حضورؐ نے تقلیل عمل سے منع فرمادیا ہے کیونکہ مبالغہ فی العمل کا مآل تعطل ہے۔ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ محنت میں زیادتی نہ کرنا یہ کامل اور عاقل کی تعلیم ہے اور اناڑی تو یوں کہتا ہے کہ جتنی محنت ہو سکے کرلو مگر مولانا فرماتے تھے کہ اگر سبق کو دس دفعہ کہنے کو جی چاہے تو ایک دفعہ کا شوق باقی رکھ لو جیسے کھانے میں اطباء کہتے ہیں کہ تھوڑی سی بھوک رکھ کر کھانا چاہئے ورنہ ایک دفعہ ٹھونس کر کھانے کا انجام یہ ہوگا کہ دوسرے وقت بھوک مر جائے گی۔ پھر اگر دوسرے وقت اگر بے بھوک مر جائے گی پھر اگر دوسرے وقت اگر بے بھوک کھالیا گیا تو معدہ کا ناس ہو جائے گا۔ مگر بعض لوگ ایسے بے تکے ہوتے ہیں کہ مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کے پاس ایک بدہضمی کا مریض آیا آپ نے اس کے لئے نسخہ لکھنا چاہا تو وہ کہتا ہے کہ اس کے پینے کی گنجائش ہوتی تو اور کھانا ہی نہ کھاتا اسی طرح یہاں ہمارے قصبہ میں ایک صاحب تھے وہ کھاتے تھے اور قے کرتے تھے اور قے کر کے پھر کھاتے تھے یہ تو واہیات ہے بلکہ موجب ہلاکت ہے۔

کھانے میں اعتدال

پس اعتدال یہ ہے جو حدیث میں ہے۔

ثُلُث لِطَعَامِهٖ وَثُلُث لِشَرَابِهٖ وَثُلُث لِنَفسِهٖ.

ایک تہائی کھانے کے لئے اور ایک پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے اور ایک ثلث کی قید غالبًا اتفاقی ہے مطلب یہ ہے کہ کچھ گنجائش رکھ کر کھانا چاہئے یہی تعلیم مولنٰ

[1] مسند احمد ۳: ۲۵۹، موارد الظمآن للهیثمی: ۱۰۳۲

کی لکھنے پڑھنے کے متعلق تھی کہ تھوڑا سا شوق باقی رکھ کر محنت کیا کرو۔ پھر مولانا نے فرمایا کہ تم نے چکی بھی پھرائی ہے ہم نے کہا حضرت نہیں فرمایا تم نے دنیا میں خاک دیکھا۔ دیکھو چکی پھرانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اس پر سے سارا ڈورا نہ اُتارا جائے اگر ڈورا سارا اُتر جائے گا تو پھر از سرِ نو چڑھانا پڑے گا اور اگر تھوڑا سا ڈورا اس پر لپٹا رہے تو نہایت آسانی سے اسی پر لوٹ آتی ہے۔ یہی قاعدہ شارع نے مقرر کیا ہے۔

اِنَّ اللهَ لاَ یَملِ حتیٰ تَمِلُّوا۔[۱]

یعنی عمل شوق باقی رکھ کر وا تنا عمل نہ کرو کہ سارا شوق ایک دم سے ہی پورا کر لو بلکہ نفس پر آسانی کرو زیادتی نہ کرو عبادت تحمل کے موافق کرو تحمل سے زیادہ نہ کرو۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ شریعت کی نظر عواقب پر ہوتی ہے گو ظاہر میں خلاف عزیمیت ہو مگر انجام کے لحاظ سے وہی افضل ہوتا ہے۔ چنانچہ عقل تو مطلقاً حیا کو مطلوب سمجھتی ہے اور نکاح کو خلاف حیا بتلاتی ہے مگر شارع نے قانون نکاح حیا ہی کی حفاظت کے لئے مقرر کیا ہے کیونکہ اگر ایک جگہ بھی حیا کو ترک نہ کیا جائے تو پھر انسان پورا بے حیا ہو جائے گا تو زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے ساتر ہو گیا یعنی ایک دوسرے کے لئے معاصی سے ساتر ہے اسی فائدہ کو حدیث میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

مَنِ استَطَاعَ مِنکُمُ البَاءَ ةَ فَلیَتزَوَّ ج فَاِنَّهُ اَغضُّ لِلبَصَرِ وَاَحصَنُ لِلفَرَج.[۲]

جس کو اسباب نکاح میسر ہوں اسے شادی کر لینا چاہئے، کیونکہ نکاح نگاہ کو بہت نیچا کر دیتا ہے اور عفت کو بہت محفوظ کر دیتا ہے یعنی اس سے بصر و عفت آسانی سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ عادت غالبہ یہی ہے کہ نکاح سے طبیعت سلیمہ کو عفت بآسانی حاصل ہو جاتی ہے باقی جو خبیث الطبع ہو جسے ایک نکاح یا دو نکاح یا چار نکاحوں سے بھی عفت حاصل نہ ہو بلکہ متعہ یا زنا وغیرہ سے پھر بھی گوہ کھاتا پھرے اس کا یہاں ذکر نہیں کیونکہ یہاں آدمیوں کا ذکر ہے جانوروں اور بندروں کا ذکر نہیں۔ سہولت عفت بالنکاح کی حقیقت یہ ہے اور یہی سبب سہولت کی حقیقت ہے کہ تقاضا کی دو قسمیں ہیں، ایک تقاضا شدید ایک تقاضا مطلق۔

---

۱ الصحیح للبخاری ۲:۶۸، موطا امام مالک:۱۱۸، الصحیح لمسلم صلوة المسافرین: ۲۱۵

۲ الصحیح للبخاری ۳:۳۴، الصحیح لمسلم کتاب النکاح ۱، سنن أبی داؤد کتاب النکاح باب: ۱

مشکل مرض کا علاج بھی سخت ہوتا ہے

پس مطلق تقاضا تو کسی طرح بھی زائل نہیں ہونا چاہئے کوئی کیسا ہی مجاہدہ کرے اور چاہے کیسی ہی دوائی سرد استعمال کی جائے ہم نے ایک ستر برس کے بڈھے کو دیکھا ہے جسے ایک لڑکے سے محبت تھی جوان کے پاس نوکر تھا۔ حالانکہ وہ خود کسی مصرف کے نہ تھے مگر اسکی طرف دیکھنے کا تقاضا تھا اور تقاضا بشہوت تھا جو یقیناً حرام تھا وہ مجھ سے اپنا حال بیان کر کے علاج کے طالب ہوئے میں نے کہا کہ اس لڑکے کو اپنے سے الگ کر دو کہنے لگے یہ تو مشکل ہے۔ میں نے کہا پھر علاج بھی مشکل ہے۔ مشکل مرض کا آسان علاج تو مجھ کو آتا نہیں لوگ یہ چاہتے ہیں کہ علّت بھی لگی لپٹی رہے اور شفا بھی ہو جائے تو یہ نہیں ہوسکتا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ علاج ہی کے طالب نہیں اور اپنے کو مریض ہی نہیں سمجھتے اگر امراض باطنیہ کو بھی مثل امراض ظاہرہ کے مہلک سمجھتے تو دوائی تلخ سے ہرگز نہ گھبراتے۔ آخر ظاہری امراض کے علاج میں کس قدر مشقتیں برداشت کی جاتی ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ اس کو مرض اور سبب ہلاکت سمجھا جاتا ہے امراض باطنہ کو سبب ہلاکت نہیں سمجھا جاتا یا بربادی دین کی پرواہ ہی نہیں تو میں نے ان بڑے میاں سے کہا کہ اس کا علاج صرف بعد ہے اور وہ بھی کلی بعد کہ اول تو اس کو اپنے سامنے سے دور کرو پھر ذہن سے بھی دور کرو یعنی بالقصد اس کا تصور نہ کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی اور چیز کا تصور اپنے ذمہ لازم کر لو یا تو عذاب جہنم کا تصور کیا کرو۔ بعض کو اس سے بہت نفع ہوا ہے یا کسی بدشکل آدمی کا تصور کیا کرو بعض کو اس سے بھی نفع ہوا ہے۔ غرض مجاہدہ سے یہ نہیں ہوتا کہ تقاضا بالکل زائل ہو جائے۔ بلکہ یہ تو نہ بڑھاپے سے ہو نہ کسی دوا سے ہو نہ تقلیل غذا سے ہو بس مجاہدہ کا نفع یہ ہے کہ تقاضا خفیف ہو جاتا ہے کہ پہلے مقاومت دشوار تھی اب آسان ہوگئی۔ اب ذرا سے اشارہ میں نفس مغلوب ہو جاتا ہے پہلے سخت سزا اور جرمانوں سے بھی درست نہ ہوتا تھا۔ اور اگر تقاضا بالکل زائل ہو جائے تو ثواب کیونکر ہوگا ثواب تو اسی واسطے ملتا ہے کہ آدمی تقاضے کا مقابلہ کر کے نیک کاموں پر جمارہتا ہے۔

اپنے مرض کو محقق پر ظاہر کر دینا چاہئے

بعض لوگ اپنے امراض کو بلی کے گوہ کی طرح چھپائے رہتے ہیں کسی محقق پر ظاہر نہیں کرتے۔ یادرکھو! اس طرح شفا حاصل نہیں ہوسکتی۔

ما حال دل را بایار گفتیم　　　نتواں نہفتن درد از حبیباں

(ہم نے اپنے دل کا حال اپنے محبوب کے سامنے بیان کیا کیونکہ محبوبوں کے سامنے اپنا درد نہیں چھپانا چاہئے)

اوراس سے پہلے جو فرمایا ہے:

چنداں کہ گفتیم غم باطبیباں در ماں نکردند مسکین غریباں

(ہر چند کہ ہم نے طبیبوں کے سامنے اپنا غم بیان کیا لیکن انہوں نے ہم غریبوں اور مسکینوں کا علاج نہ کیا)

وہاں طبیب سے مراد ظاہری طبیب ہے کہ ان حکیموں سے دردِ دل کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اور نتواں نہفتن درداز حبیباں (طبیب باطن سے درد نہ چھپانا چاہئے) میں طبیب باطن مراد ہے کہ درد دل کو ان سے نہ چھپانا چاہئے بعض اس خیال سے اپنے امراض کو ظاہر نہیں کرتے کہ وہ بزرگ ہم کو ذلیل سمجھیں گے یا کسی اور سے کہہ دیں گے مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ تم کو تو کیا ذلیل سمجھتے جب وہ کتے کو بھی اپنے سے افضل سمجھتے ہیں دوسرے وہ امین ہوتے ہیں کسی کا راز دوسروں پر کبھی ظاہر نہیں کرتے بعض لوگ اس خیال سے اپنا حامی ظاہر نہیں کرتے کہ اس میں اظہار معصیت ہے سو میں کہتا ہوں کہ معصیت تو فعل ہے افعال کے اظہار کی ضرورت نہیں بلکہ مواد کو بیان کرو اور مواد کا بیان کرنا معصیت نہیں۔

اور اگر کسی وقت شیخ افعال کی بھی تحقیق کرے اور علاج کے لئے تحقیق افعال کی ضرورت سمجھے تو اس وقت افعال کا بھی ظاہر کرنا شیخ پر جائز ہے اور اسکی بالکل وہی مثال ہے جیسے بدن مستور کا کھولنا ڈاکٹر اور جراح کے سامنے جائز ہے جبکہ پوشیدہ جگہ زخم ہو۔ مشائخ اعمال صالح کی وجہ سے بابرکت ہوتے ہیں اس لئے ان کی تعلیم میں بھی برکت ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد شفا ہو جاتی ہے خود کتابیں دیکھ کر علاج جان لینا کافی نہیں۔ پس یہ جو مشہور ہے کہ مجاہدہ سے نفس مر جاتا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ ضعیف ہو جاتا ہے کہ اب اس کا مقابلہ آسان ہو جائے گا اور مقابلہ تو پہلے بھی کر سکتا تھا اس وقت بھی مقاومت قدرت میں تھی مگر مجاہدہ سے پہلے تقاضائے نفس کی مقاومت میں دشواری ایسی ہوتی ہے کہ انسان یوں سمجھ لیتا ہے کہ میں اس وقت مجبور ہو گیا ہوں حالانکہ یہ خیال غلط ہوتا ہے مجبور تو نہیں ہاں مغلوب ہو جاتا ہے حدیث میں لفظ اَغَضُّ وَ اَحصَنُ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مطلق غض و حصن نکاح سے پہلے بھی ممکن تھا اگر آدمی ہمت سے کام لے تو بدوں نکاح کے بھی نگاہ نیچی رکھ سکتا اور اپنی عفت کو بچا سکتا ہے مگر ایسے ہمت والے تھوڑے ہی ہیں زیادہ نہیں ہیں اس لئے شریعت نے

عقل کے فتوے کورد کر کے یہ حکم دیا ہے کہ نکاح کرو اور بیوی کے سامنے حیا کو الگ کرو ایسا غلو فی الحیا محمود نہیں کہ بیوی میاں سے یا شوہر بیوی سے بھی حیا کرے اس ایک محل میں ترک حیا کا انجام یہ ہوگا کہ دوسرے مواقع میں حیا وعفت محفوظ رہے گی پھر معاصی کا تقاضا شدید نہ ہوگا جوش کو سکون ہو جائے گا۔ باقی اگر کوئی یہ چاہے کہ نکاح کے بعد معاصی کا وسوسہ بھی نہ آئے ذرا بھی تقاضا نہ ہو تو یہ نہیں ہوسکتا۔ پس تشبیہ باللباس سے ایک اشارہ اس طرف ہوا کہ شوہر بیوی کا اور بیوی شوہر کی ساتر و محافظ ہے یعنی ایک دوسری کی حیا وعفت کو محفوظ رکھتا اور گناہوں سے بچاتا ہے بشرطیکہ کوئی خود بھی بچنا چاہے اور جو گوہ ہی کھانا چاہے اس کے لئے کوئی تدبیر بھی نافع نہیں۔ یہ دو وجہ تشبیہ تو علماء کے کلام میں منقول ہیں۔ ایک وجہ شبہ[۱] میرے ذہن میں یہ آئی ہے کہ جیسے بدوں کپڑے کے انسان سے صبر نہیں ہوسکتا۔

عورت اعانت میں اور مرد خدمت میں محتاج ہے

اسی طرح بدوں نکاح کے مرد وعورت کو صبر نہیں آسکتا کوئی تقاضائے نفس ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اعانت وغیرہ میں عورت اپنے خاوند کی محتاج ہے اور خدمت و راحت رسانی میں مرد عورت کا محتاج ہے چنانچہ بیماری کے زمانہ میں بیوی سے زیادہ کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ ایک بوڑھے میاں نے ستر اسی برس کی عمر میں پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کا قصد کیا حالانکہ انکی بہو بیٹیاں بہت تھیں سب نے منع کیا کہ تمہاری خدمت کو ہم موجود ہیں نکاح کی کیا ضرورت ہے۔ بڑے میاں نے کہا کہ بیوی کے برابر کوئی خدمت نہیں کر سکتا اور موقع پر میں تم کو بتلا دوں گا۔ چنانچہ نکاح ہوا اور چند سال کے بعد بڑے میاں کو ایک مرض ہوا اس میں دست آنے لگے تو ساری بہو بیٹیاں تعفن سے گھبرا کر الگ ہو گئیں اور بیوی کی یہ حالت تھی کہ ان کو پیروں پر بٹھلا کر پاخانہ کراتی اور استنجا کر کے کپڑوں کو پاک وصاف کرتی دن میں بیس پچیس دست بھی آتے تو وہ ہر دفعہ اسکو پاک وصاف کر لیتی تھی اور اسوقت بڑے میاں نے کہا میں نے اس دن کے واسطے نکاح کیا تھا دیکھ لو آج اس کے سوا میرے کوئی کام نہیں آیا پس لباس کی طرح مرد کو عورت سے استغنا نہیں عورت کو مرد سے استغنا نہیں مرد عورت کا معاون ہے۔ عورت مرد کی خادم ہے۔

---

[۱] نیز جس طرح بدوں لباس کے صحت خراب ہوجاتی ہے کہ کبھی گرمی ستاتی ہے کبھی سردی اسی طرح بدوں زوج کے صحت اچھی نہیں رہتی جو لوگ بے نکاح رہتے ہیں وعلی ہذا جو عورتیں بے خاوند کے ہیں اکثر امراض و آلام میں مبتلا رہتے ہیں ۱۲ منہ

لباس کا چوتھا معنی

ایک وجہ تشبیہ میرے ذہن میں اور آئی کہ جس طرح لباس زینت ہے اسی طرح زوجین میں عورت مرد کیلئے اور مرد عورت کے لئے زینت ہے لباس کا زینت ہونا تو خود نص سے ثابت ہے۔

یٰبَنِي اٰدَمَ خُذُوا زِينَتَكُم (اے اولاد آدم علیہ السلام کی تم اپنا لباس پہن لیا کرو) قُل مَن حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي اَخرَجَ لِعِبَادِهٖ. (آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جس کو اس نے اپنے بندوں کے لیے بنایا کس نے حرام کیا)

میں بالاتفاق زینت سے مراد لباس ہے اوپر سے لباس ہی کا ذکر ہو رہا ہے چنانچہ اس سے پہلے ارشاد ہے:

يَا بَنِىَ اٰدَمَ قَد اَنزَلنَا عَلَيكُم لِبَاساً يُّوَارِى سَوااٰتِكُم وَرِيشاً. (اے اولاد آدم علیہ السلام کی ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو کہ تمہارے پردہ دار بدن کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے)

یہاں گو لباس کو صراحۃً زینت نہیں کہا گیا ہے مگر زینت کا جو نتیجہ ہے وہ یہاں بھی مذکور ہے یعنی يُوَارِى سَوااٰتِكُم (تمہارے پردہ دار بدن کو چھپاتا ہے)

کہ ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس ایجاد کیا جو تمہاری بد نمائی کو ڈھانکتا ہے اور یہی زینت کا حاصل ہے کہ بدنمائی اور عیوب پوشیدہ ہو جائیں اور ریش[1] سے مراد پرندوں کے پَر ہیں کہ وہ حیوانات کے لئے زینت ہیں۔ یہاں شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ تم نے جو لباس کو زینت کہا ہے اور آیت میں اس پر امتنان فرمایا ہے تو کیا زینت کے لئے لباس پہننا جائز ہے جواب یہ ہے کہ جائز ہے اور یہ بھی لباس کی ایک منفعت ہے اور منافع لباس میں یہ تفصیل ہے کہ اس منفعت کے چار درجے ہیں ایک درجہ ضرورت کا ہے یہ تو ضروری ہے اس کے بعد ایک درجہ آسائش کا ہے مثلاً ضرورت تو دو آنے گز کپڑے میں رفع ہو سکتی تھی مگر اس سے تکلیف ہوتی اس لئے چار آنہ آٹھ آنہ گز کا نرم کپڑا پہن لیا یہ بھی جائز ہے ایک درجہ آرائش کا ہے یعنی زینت کا۔ مثلاً آرام کے لئے تو گبروں بھی کافی تھے تم نے زینت اور دل کی خوشی کے لئے سرج کا کپڑا پہن لیا یہ

---

[1] بعض نے ریش سے مراد مال لیا ہے اور لباس کے ساتھ اس کا تعلق یہ ہے کہ مال بھی لباس کی طرح عیب پوش ہے مالداروں کے عیوب پر کسی کی نظر نہیں ہوتی۔

بھی مباح ہے اس کے بعد نمائش کا درجہ ہے یعنی ریا کا یہ حرام ہے یعنی اس نیت سے عمدہ کپڑا پہننا کہ لوگ دیکھ کر ہم کو بڑا آدمی سمجھیں[1] گے پس کل چار درجے ہیں ضرورت آسائش آرائش نمائش جن میں سے حرام صرف ایک ہے باقی سب مباح ہیں اور درجوں کے عنوانات میں قافیہ بھی ہے صرف ایک درجہ بدوں قافیہ کے ہے اگر ضرورت کے معنی کا بھی قافیہ مل جاتا تو اور زینت ہو جاتی مگر آرائش اور نمائش میں فرق کرنا دشوار ہے بہت لوگ نمائش کے لئے عمدہ لباس پہنتے ہیں اور دل کو یوں سمجھا لیتے ہیں کہ ہم تو اپنا جی خوش کرنے کے لئے پہنتے ہیں میں اس کے لئے ایک معیار بیان کرتا ہوں اس سے فرق واضح ہو جائے گا وہ یہ کہ جو شخص عمدہ لباس پہننے میں نمائش کی نیت کا انکار کرتا ہے اس کو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ صرف محافل و مجامع ہی میں عمدہ لباس پہنتا ہے یا خلوت میں بھی اچھا لباس پہنتا ہے جو لوگ نفیس المزاج ہیں اور صرف اپنا جی خوش کرنے کے لئے عمدہ لباس پہنتے ہیں وہ خلوت میں بھی عمدہ ہی لباس پہنتے ہیں اور جو نمائش کے لئے عمدہ لباس پہنتے ہیں ان کی ایک اچکن (اچکن نہیں) بلکہ ایک شیروانی کھونٹی پر الگ لٹکی رہتی ہے اور ایک گرگابی جدا رکھی رہتی ہے (ان لباسوں کے نام سے بھی تو درندگی ٹپکتی ہے کسی کے اول میں شیر ہے تو کسی میں گرگ ہے)۔ غرض یہ شیروانی اور گرگابی باہر نکلتے ہوئے پہنی جاتی ہے اور اوپر سے نکٹائی لگائی جاتی ہے یعنی ناک کٹائی اور اس کے ساتھ بوٹ سوٹ بھی پہنا جاتا ہے ہمیں تو نام بھی ان لباسوں کے یاد نہیں اور خدا کرے کبھی یاد نہ ہوں غرض محفلوں اور بازاروں میں تو یوں بن کر نکلتے ہیں اور خلوت میں گھر کے اندر یہ ایسے رہتے ہیں جیسے چمار، تو جنکی یہ حالت ہے وہ عمدہ لباس محض ریا و نمائش کے لئے پہنتے ہیں۔ آج کل ایک لباس اور نکلا ہے جس کا نام نیکر ہے جس میں گھٹنے کھلے رہتے ہیں اس کو پہن کر آدمی شریف تو معلوم ہوتا نہیں بلکہ نوکر معلوم ہوتا ہے نام بھی نیکر جو نوکر سے ملتا ہوا ہے۔ نہ معلوم ان لوگوں کی حیاء و غیرت و شرافت کہاں چلی گئی جو محض یورپ کی تقلید میں ایسا لباس پہنتے ہیں اور محض تقلید یورپ ہی اس کا سبب ہے ورنہ اس میں نہ کوئی منفعت ہے نہ کوئی زینت واقعی کسی نے سچ کہا ہے کہ اگر کسی وقت یورپ میں ناک کٹانا فیشن میں داخل ہو جائے تو ہندوستانی ناک بھی کٹوانے لگیں گے چنانچہ مسلمان داڑھی تو منڈوانے

---

[1] اور اگر بڑائی اور تکبر کی نیت نہ ہو بلکہ صرف اپنے کو ذلت سے بچانا مقصود ہو تو یہ نیت بھی جائز ہے۔ ۱۲ ظ

لگے اور اب سنا ہے کہ ڈاکٹروں میں اس مسئلہ پر گفتگو ہو رہی ہے۔ بعض ڈاکٹروں نے ڈاڑھی منڈانے کو مضر ثابت کیا ہے۔ اس پر میں نے الہ آباد میں کہا تھا کہ جنٹلمینوں کو اس وقت جلدی سے ڈاڑھی رکھ لینا چاہئے کیونکہ بعض ڈاکٹروں نے اس کے منڈانے میں مضرت ثابت کی ہے اگر سب کا اس پر اتفاق ہو گیا تو یورپ والے ضرور ڈاڑھیاں بڑھائیں گے اور اس وقت ان کی تقلید میں تم بھی بڑھاؤ گے تو پرانے مسلمان تم پر ہنسیں گے کہ یہ ڈاڑھی تقلید یورپ کی ہے۔ تم ڈاکٹروں کے اتفاق سے پہلے ہی بڑھا لو تاکہ لوگ تم کو نہ ہنسیں۔ غرض جس طرح لباس زینت ہے اسی طرح شوہر بیوی کی زینت ہے اور بیوی اپنے مرد کے لئے زینت ہے۔ عورت سے تو مرد کی زینت یہ ہے کہ بیوی بچوں والا آدمی لوگوں کی نظر میں معزز ہوتا ہے اگر کسی سے قرض مانگے تو اس کو قرض بھی مل جاتا ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اسکی اکیلی جان نہیں بلکہ آگے پیچھے کو اور بھی آدمی ہیں یہ کہاں جا سکتا ہے اور اکیلے آدمی کو اُدھار قرض نہیں ملتا اسکی عزت دنیا والوں کی نظر میں کم ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ بیوی والے کو سانڈ نہیں سمجھتے اپنی بیوی بچوں پر اس کی نفسانی خواہش کا خوف نہیں کرتے اور بے نکاح آدمی کو مثل سانڈ کے سمجھتے ہیں اسکی طرف سے ہر شخص کو اپنی بیوی بچیوں پر خطرہ ہوتا ہے۔ اور مرد سے عورت کی عزت یہ ہے کہ لوگ اس کے اوپر کسی قسم کا شبہ نہیں کرتے۔ میاں چاہے پاس رہے یا پردیس میں رہے جتنے بال بچے ہوں گے سب اسی کے نامہ اعمال میں درج ہوتے رہیں گے۔ اور نکاح سے پہلے عورت کی عزت و آبرو ہر وقت خطرہ میں رہتی ہے۔ یہ تو وہ اشارات تھے جو لباس کے اوصاف ظاہر[1] سے تشبیہ اخذ کر کے حاصل ہوئے تھے۔

---

[1] میں کہتا ہوں کہ لباس میں ایک وصف ظاہری اور ہے وہ یہ کہ لباس ضروریات خارجیہ منفصلہ میں سے ہے اور اس کا درجہ ضروریات داخلیہ متصلہ کے بعد ہے چنانچہ غذا کا اہتمام لباس کے اہتمام سے مقدم ہے پس اس تشبیہ میں اسطرف اشارہ ہے کہ مردوں کو چاہئے کہ عورتوں کو مثل لباس کے سمجھیں یعنی وہ ایک خارجی اور منفصل ضرورت کی چیز ہے اس سے تعلق اتنا ہی رکھیں جتنا لباس سے تعلق ہوتا ہے زیادہ اس کو دل میں جگہ نہ دیں۔ وعلیٰ ھذا عورتوں کو بھی مردوں سے اتنا ہی تعلق رکھنا چاہئے تاکہ طلاق و موت کے وقت زیادہ کوفت نہ ہو اور تاکہ اس کی محبت بڑھ کر احکام الٰہیہ میں اختلال نہ ہو۔ نیز لباس کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ جسم کی وضع پر اس کے موافق ہوتا ہے اگر لباس جسم کے موافق نہ ہو تو اس کو الگ کر دیا جاتا ہے اسی طرح عورت و مرد میں اگر باہم توافق نہ ہو تو طلاق و خلع سے مفارقت جائز ہے نیز اس میں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ نکاح میں توافق طبع و توافق مزاج کی رعایت اہم ہے جیسا کہ لباس میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ تراش و وضع جسم کے موافق ہو اور اگر سلنے کے بعد بہت تنگ یا بہت ڈھیلا

لباس کا پانچواں معنی:

اب ایک وصف لباس کا اور ہے جو شرعی وصف ہے۔اس سے بھی ایک اشارہ حاصل ہوتا ہے میں اس کو بیان کر کے ختم کر دوں گا وہ یہ کہ قرآن میں جہاں تک میں نے غور کیا لباس کا لفظ عذاب وضرر کے واسطے مستعمل نہیں ہوا سوائے ایک جگہ کے سورۂ نحل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الجُوعِ وَالخَوفِ بِمَا كَانُوا يَصنَعُونَ. (اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا)

اور اس کے ساتھ ہی بطور جملہ معترضہ کے ایک فائدہ بھی بتلاتا ہوں کہ لفظ ذوق قرآن میں زیادہ تر عذاب ہی کے واسطے آیا ہے تو اس آیت میں عجیب صنعت ہے کہ عذاب کے لئے لفظ ذوق بھی لایا گیا اور لباس بھی تو ذوق کے لفظ سے تو عذاب کو مطعوم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے صفت احساس میں کہ اس کا ایسا احساس ہوگا جیسا منہ میں رکھی ہوئی چیز کا احساس ہوتا ہے اور لباس کے لفظ سے عذاب کو تشبیہ دی گئی ملبوس کے ساتھ اشتمال واحاطہ میں قرآن میں عجیب غریب صنعتیں ہیں۔غرض قرآن میں لباس کی لفظ سوا ایک جگہ کے اور کسی جگہ عذاب وضرر کے واسطے نہیں آیا تو عورتوں کو لباس کہنے میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ عورتوں میں اضرار کی شان بھی ہے گو قلیل ہی سہی گو صرف لام کے موضوع سے ہے انتفاع کے لئے اس سے ظاہراً آ ئی ہے لیکن لام صلہ کا بھی ہوتا ہے جیسے لَهُم عَذَاب اور اگر اس رباء کا اعتبار کیا جوے اس اشارہ کو مدلول قرآن نہ کہا جاوصرف مادۂ لباس کو وجہ اشارہ کہا جاوے اس اشارہ کے اعتبار سے کہا جاوے گا کہ عورت میں جہاں بہت سے منافع

ہوا تو جیسے اس وقت ناگواری ہوتی ہے اور سلے سلائے کپڑے کو ادھیڑنا یا بیکار کرنا گراں گزرتا ہے اسی طرح نکاح کے بعد طلاق دینا بھی گراں اور ناگوار چیز ہے۔نیز جب نکاح بمنزلہ لیس لباس کے ہے تو بے نکاح رہنا عریانی ہے پس اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عورت ومرد کے لئے بے نکاح رہنا عیب کی بات ہے جبکہ استطاعت ہو و لهذا كره انفقها امامته الاغرب بحضرة المتاهل لكونا عريانا معنى ولذاورد فى الحديث شرار كم عرابكم پس کسی عورت کو بیوہ اور کسی مرد کو حتی الامکان بے نکاح نہ رہنا چاہئے۔۱۲ ظ

وير عليه ان هذا يستلزم وجود شان الاضرار فى الرجال ايضا للنساء والجواب نعم كما ان الرجل نقيتن بالمرأة كذا تفتتن هى ايضا به فى دينها ولكن فتنة الرجال للنساء اقل كما ان كونهم لباس لهن موخر)

ہیں کچھ ضرر بھی ہے چنانچہ اس شان ضرر کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔

مَا اَتَخَوَّفُ فِتنَةٌ اَضَرُّ عَلٰی اُمَّتِی مِنَ النِّسآءِ۔[1]

کہ میں اپنی اُمت کے لئے عورتوں سے زیادہ خطرناک فتنہ کوئی نہیں سمجھتا نیز نص میں:

یا یُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اِنَّ مِن اَزوَاجِکُم وَاَولَادِکُم عَدُوًّلَکُم فَاحذَرُوھُم.

اے ایمان والو! تمہارے بیوی بچوں میں بعض تمہارے لئے (باعتبار انجام کے) دشمن بھی ہیں ان سے ڈرتے رہو۔ اس پر ایک لطیفہ یاد آیا وہ یہ کہ ہمارے ایک دوست تھے وہ اولاد سے بہت ڈرتے تھے بلکہ اولاد کے دشمن تھے اور دلیل میں یہ آیت پڑھتے تھے:

اِنَّمَا اَموَالُکُم وَاَولَادُکُم فِتنَة. (بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے)

اللہ تعالیٰ نے اولاد کو فتنہ کہا ہے اس لئے میں تو نکاح نہ کرونگا اور اگر کرونگا تو بیوی کو کوئی ایسی دوا کھلا دونگا کہ اولاد نہ ہو میں نے کہا عقلمند آیت میں تو اموال کو بھی فتنہ فرمایا گیا ہے۔ اگر فتنہ ہونے کی وجہ سے تم اولاد کے دشمن ہو تو ملازمت کیوں کرتے ہو مال کے دشمن کیوں نہ بنے۔ اب تو ہوش درست ہوئے۔ آیت کا مطلب یہ تھوڑا ہی ہے کہ بیوی بچوں سے فتنہ لگا ہوا ہے تم کو لپٹ ہی جائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں تم کو ضرورت کے لئے دی گئی ہیں اور ان سے تمہارا امتحان بھی مطلوب ہے کہ تم ان سے بقدر ضرورت ہی تعلق رکھتے ہو یا بس انہی کے ہو رہتے ہو۔ بہر حال اس اشارہ سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں ضرر کی شان بھی ہے اور واقعی ہے بھی کیونکہ عورتوں کے فتنہ نے بہت لوگوں کا دین برباد کر دیا ہے کوئی عورتوں کی وجہ سے سود لینے میں مبتلا ہے کوئی رشوت لینے میں تا کہ ان کی فرمائش زیور وغیرہ کی پوری کی جائے اور کوئی حرام اور ناجائز تعلق میں گرفتار ہے اور فتنہ سب سے اشد اور اُمُّ الفتن ہے۔ لیکن شریعت نے جو طریقہ اس ام المفاسد کے انسداد کا مقرر کیا ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو یہ فتنہ بند ہو سکتا ہے اور وہ طریقہ پردہ ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ صاحب پردہ میں بھی فتنہ ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بھی پردہ میں کوتاہی کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی پردہ میں کچھ بے پردگی ہوتی ہے۔ تب فتنہ ہوتا ہے اور اگر پردہ میں ذرا بے پردگی نہ ہو تو کوئی وجہ فتنہ کی نہیں ہے اور ہر چند کہ پردہ فطری شئے ہے غیر تمند حیادار طبیعت کا خود یہ تقاضا ہے عورتوں کو پردہ میں رکھا جائے کوئی غیور آدمی اس کو

---

[1] لم أجد الحديث في موسوعة ألطراف الحديث النبوي الشريف.

گوارہ نہیں کرسکتا کہ اس کی بیوی کو تمام مخلوق کھلے منہ دیکھے اور شریعت نے فطریات کا خاص اہتمام نہیں کیا چنانچہ پیشاب پاخانہ کی طہارت ونجاست سے تو بحث کی ہے یہ کہیں حدیث و قرآن میں نہیں آیا کہ پیشاب پینا حرام یا پاخانہ کھانا حرام ہے کیونکہ اس سے تو طبائع کو خود ہی نفرت ہے اس قاعدہ کا مقتضی یہ تھا کہ شریعت پردہ کے احکام سے بھی بحث نہ کرتی مگر شارع کو معلوم تھا کہ ایک وقت میں طبائع پر بہیمیت غالب ہوگی جس سے حیا کم ہو جائے گی یا جاتی رہے گی اس لئے اس کے متعلق احکام فرمادیئے ہیں پھر انکا بھی کس قدر اہتمام کیا ہے جو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ۔

کہ اپنی زینت کو بھی ظاہر نہ کریں اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن میں زینت سے مراد لباس ہے چنانچہ: خُذُوا زِينَتَكُم۔

اپنا لباس پہن لیا۔ اس میں تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد لباس ہی ہے اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر یہی کی ہے کہ عورتیں خوب بن ٹھن کر بھڑکدار برقعہ اوڑھ کر باہر نکلتی ہیں اور زینت کو تو برقعہ چھپالیتا ہے مگر برقعہ میں ایسی چین بیل لگی ہوتی ہے کہ اس کو دیکھ کر ہی دوسرے کا دل بے چین ہو جائے۔ واقعی وہ برقعہ ایسا ہوتا ہے جسے دیکھ کر لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی حور کی بچی ہوگی گو منہ کھولنے کے بعد چڑیل ہی کی ماں نکلے تو شریعت نے ایسے زینت کے لباس کا ظاہر کرنا حرام کہا ہے پھر بھلا چہرہ اور گلا کھولنا مطلقاً کیونکر جائز ہوسکتا ہے جو مجمع المحاسن ہے۔

لباس کا چھٹا معنی

ایک نکتہ تشبیہ باللباس کا اور سمجھ میں آیا وہ یہ کہ لباس تابع ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں مردوں کی تابع ہیں پھر لباسیت نساء کا ذکر مقدم کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ تابعیت میں عورتیں مقدم ہیں۔ یہاں یہ سوال ہوگا کہ آگے تو مردوں کو بھی عورتوں کا لباس کہا گیا تو کیا وہ بھی عورتوں کے تابع ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ایک درجہ میں وہ بھی تابع ہیں مگر ان کی تابعیت مؤخر ہے متبوعیت مقدم ہے اور عورتوں کی تابعیت مقدم ہے متبوعیت مؤخر ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عورتیں تو فطرۃً اور قانوناً مردوں کی تابع ہیں اور مرد محبت کی وجہ سے تابع ہو جاتے ہیں اور یہاں ایک کام کی بات یاد آئی وہ یہ کہ یہ تابعیت محبت کے بقا تک

اور محبت کا بقاء پردہ کی بقاء تک ہے اور یہ مسئلہ عقلی بھی ہے۔ چنانچہ ایک یوروپین عورت نے اس کے متعلق اخبارات میں اپنی تقریر شائع کی ہے کہ عورتوں کے لئے جو بے پردگی کی کوشش کی جاتی ہے، .... یہ عورتوں کے لئے سخت مضر ہے کیونکہ اس وقت تو مردوں کو عورتوں کی راحت رسانی کا پورا اہتمام ہے اور اس کا سبب محبت ہے اور محبت کا منشاء اختصاص ہے مشاہدہ ہے کہ جو چیز عام ہوتی ہے اس سے قوی تعلق نہیں ہوتا اور یہ اختصاص پردہ سے قائم ہے پس محبت کی بناء پردہ ہے اس انگریزن کی تقریر سے پردہ کی تاکید بھی معلوم ہورہی ہے۔ ہندوستان کے لوگوں کو شرم کرنا چاہئے کہ ایک یورپین عورت تو پردہ کی خوبی بیان کرے اور تم ایشیائی ہوکر پردہ کی مذمت کرتے ہو۔

اب میں ختم کرتا ہوں قرآن کے ان دو جملوں میں جو مضامین اس وقت بیساختہ سمجھ میں آئے وہ میں نے بیان کردیئے اور سامعین کو معلوم ہوا ہوگا کہ ان مضامین کو گھیر گھار کر نہیں لایا گیا اور اگر غور کیا جاتا تو شاید اور بھی کچھ مضامین نکل آتے اب دعا کیجئے اللہ تعالیٰ سے کہ ہم کو توفیق عمل اور فہم سلیم عطا فرمائیں:

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد وعلی

نوٹ: بیان کے بعد حضرت والا نے خواجہ صاحب سے دریافت فرمایا کہ صاحبزادے کا عقد نکاح یہاں ہی کردیا جائے یا مسجد میں کیا جائے خواجہ صاحب نے کہا یہاں ہی کردیا جائے چنانچہ اسی مجلس میں نکاح ہوا بعد عقد نکاح کے حضرت نے فرمایا کہ بعض مستورات نے فرمائش کی تھی کہ نکاح گھر ہی میں ہوتا کہ ہم بھی دیکھیں نکاح کس طرح ہوتا ہے کیونکہ نکاح ہمیشہ مسجدوں میں یا مردانہ مکانوں میں ہوتا ہے۔ عورتوں نے نکاح کا طریقہ کبھی نہیں دیکھا تھا اس واسطے جی میرا یہی چاہتا تھا کہ نکاح اسی مجلس میں ہوتا کہ مستورات کی فرمائش بھی پوری ہو جائے مگر میں نے ابتداء میں اس کو ظاہر نہ کیا تاکہ اہل مجلس آزادی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کریں۔ فقط:

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ

اِصلاح النساء

عورتوں کی اصلاح کے لئے یہ وعظ بیس جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ کاندھلہ میں بیان فرمایا۔ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ نے قلمبند فرمایا۔

خطبہ مسنونہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمدهٗ ونستعينه ونستغفرهٗ ونومن بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحدهٗ لا شريک لهٗ ونشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله وصلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابهٖ وبارک وسلم. اما بعد ...... فقد قال النبى صلى الله عليه وسلم ...... یا[1] مَعشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقنَّ فَاِنّی اَرَیتُکُنَّ اَکثَرَ اَهلِ النَّارِ فَقُلنَ وَلِمَ یَارَسُولَ اللهِ قَالَ تُکثِرنَ اللَّعنَ وَتُکفِرن العَشِیرَ مَا رَأَیتُ مَن نَاقِصَاتِ عَقلٍ وَدِینٍ اَذهَبَ لِلُبِّ الرَّ جُلِ الحَازِمِ مَن اِحدَاکُنَّ قُلنَ وَمَا نُقصَانُ دِینِنَا وَعَقلِنَا یَارَسُولَ اللّٰهِ قَالَ اَلَیسَ شَهادَةُ المَرءَ ةِ مِثلَ نِصفِ شَهادَةِ الرَّجُلِ قُلنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِکَ مِن نُقصَانِ عَقلِهَا قَالَ اَلَیسَ اِذَا حَاضَت لَم تُصَلِّ وَلَم تَصُم قُلنَ بلٰی قَالَ فَذٰلِکَ مِن نُقصَانِ دِینِهَا مُتَّفَق عَلَیهِ:

ترجمہ: حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عورتوں کوخطاب کر کے) فرمایا کہ اے عورتوں کے گروہ! تم صدقہ دو! اس لئے کہ دکھلایا گیا ہوں کہ تم اہل نار میں سے سب سے زیادہ ہو۔ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ تم لعنت ملامت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے تم سے زیادہ کہ تم ناقصات العقل والدین بھی ہوشیار مرد کی عقل کو سلب کرنے والا کوئی نہیں دیکھا ...... عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین اور عقل کے نقصان کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت سے

---

[1] الصحيح للبخارى ۱ :۸۳ ، الصحيح لمسلم كتاب الإيمان: ۱۴۲

نصف نہیں ہے؟ عورتوں نے عرض کیا کہ بے شک ہے۔ فرمایا کہ بس یہ نقصانِ عقل ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب کوئی حائضہ ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی نہ روزہ رکھتی ہے؟ عرض کیا کہ بے شک۔ فرمایا کہ بس یہ نقصانِ دین ہے۔

تمہید

میں نے اس وقت اس حدیث کو جس میں عورتیں مخاطب ہیں حالانکہ یہاں مردوں کا بھی مجمع ہے، اس لئے اختیار کیا ہے کہ عورتوں کو ایسا موقع بہت کم ملتا ہے اس لئے وہ بالکل بے خبر ہیں اور طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہیں اور وہ خرابیاں عورتوں سے تجاوز کر کے مردوں اور بچوں تک پہنچتی ہیں۔ اس لئے ان کی اصلاح سے گھر بھر کی درستی ہے۔ اس کے اعتبار سے یہ مضمون عام اور مشترک النفع بھی ہو گیا اور نیز اس میں بعض مضامین بلاواسطہ بھی مشترک ہیں۔ البتہ مقصود زیادہ تر عورتوں ہی کو سنانا ہے۔

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے پانچ نقائص بیان فرمائے۔ دو اضطراری اور تین اختیاری ...... دو اضطراری یہ ہیں نقصان عقل، نقصان دین اور تین اختیاری اکثار لعن کفران عشیر مرد حازم کی عقل کو سلب کرنا۔

نقائصِ اضطراری

نقصان عقل دین کی ماہیت سے سوال کے جواب میں بجائے بیان حقیقت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی علامتیں اس لئے بیان فرمائیں کہ مخاطب کم سمجھ ہیں اس لئے حقیقت کے سمجھنے میں تکلف ہوتا اور جہاں مخاطب کم عقل ہو ایسا ہی کرنا مناسب ہے۔ مثلاً کوئی عامی نار کی حقیقت سے سوال کرے تو کہا جاوے گا کہ جس میں دھواں ہوتا ہے وہ نار ہے اسی طرح حضور نے نقصان عقل کو بھی ایک علامت سے بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ دو عورتوں کی گواہی بمنزلہ ایک مرد کے قرار دی گئی ہے اور نقصان دین کو بھی اس علامت سے کہ حیض کے ایام میں روزہ نماز نہیں پڑھتی۔ اس زمانہ میں چونکہ انقیاد للحق غالب تھا یہ علامتیں بیان کر دینا کافی تھیں۔ آج کل طبائع کا رنگ بدل گیا۔ بجائے انقیاد کے عناد

غالب ہے۔ اب تو اسی میں سوال پیدا ہوگا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ دو کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوئی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث و قرآن کوئی فن کی کتاب نہیں ہے کہ اس میں ایسی کاوش کی جاوے بلکہ قرآن و حدیث تو طب کی سی کتابیں ہیں اس لئے اس کو اس نظر سے دیکھنا چاہئے جس نظر سے شفیق طبیب کے کلام کو دیکھا جاتا ہے کہ کہیں وہ ایک مریض کی حالت کے لحاظ سے کلام کرتا ہے اور کہیں دوسرے مریض کے مناسب حال اسی واسطے قرآن و حدیث کو وہ خوب سمجھے گا اور جو شان نزول سے واقف ہو کیونکہ اس سے معلوم ہو جاوے گا کہ کس موقع پر یہ ارشاد ہوا ہے۔ وہاں کیا حالت تھی کیا مقتضیات اور خصوصیات تھیں اور اسی وجہ سے ہم فہم قرآن و حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے سخت محتاج ہوں گے۔ بڑا فرق ہے اس شخص میں نسخہ لکھنے کے وقت طبیب کے پاس حاضر ہو اور جو حاضر نہ ہووے، مدت کے بعد اس نے صرف نسخہ دیکھا ہو۔ جو حاضر ہے وہ مریض کے سن اور مزاج اور دوسری خصوصیات کو مشاہدہ کرلے گا۔ اس لئے نسخہ کے محل کو وزن کو جیسا وہ سمجھے گا دوسرا شخص نہیں سمجھے گا۔ اسی طور پر قرآن و حدیث کی تفسیر میں سلف کا قول مقدم ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن و حدیث پر اس اعتبار سے نظر نہ کرنا چاہئے کہ وہ کوئی فن کی کتاب ہے جس میں تعریفات کے جامع مانع نہ ہونے سے یا قیود کے مفید احتراز نہ ہونے سے تصنیف کو ناقص سمجھا جاتا ہے۔ اسی واسطے میری یہ رائے ہے کہ قرآن و حدیث ایسے وقت پڑھانا چاہئے کہ دماغ فلسفہ و منطق سے متاثر نہ ہوا ہو۔ بہر حال اس وقت نقصان دین و عقل کی علامت کو بیان کردینا کافی ہوگیا اور اگر آج یہ کافی نہیں ہے تو حقیقت کے بتلانے والے بھی بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں۔

اور نقائص اختیاری تو اس لئے بیان فرمائے ہیں کہ اپنے نقائص پر مطلع ہوکر ان کے علاج کی فکر کریں اور نقائص اضطراری غیر اختیاری جو معالجہ سے نہیں جاسکتے ان کو اس لئے بیان فرمایا کہ اپنے اندر ان نقائص کو دیکھ کر کبر اور پندار جاتا رہے اس لئے کہ عورتوں میں کبر اور پندار کا بہت مرض ہے ذرا سا کمال ہوتا ہے اس کو بہت کچھ سمجھتی ہیں۔

تکبر کا منشاء اور بنیاد جہالت ہوتی ہے

اور منشاء اس عجب و کبر کا ہمیشہ جہل ہوتا ہے۔ بڑا عالم اپنے کو وہی سمجھتا ہے جو کچھ نہ ہو۔ کیونکہ جو واقع میں بڑا ہوگا اس کی نظر کمال کی حد آخر تک ہوگی اور اپنے کو اس سے عاری دیکھے گا۔ اس لئے ممکن نہیں کہ اپنے کو بڑا سمجھے البتہ ایسے شخص کو اپنا بڑا سمجھنا شایان جو تمام مراتب کمال کو جامع ہو اور وہ صرف ایک ذات وحدہٗ لاشریک ہے اس لئے متکبر اس کا کمالی نام ہے۔ اس کے معنے ہیں اپنے کو بڑا سمجھنے والا۔ سو چوکہ واقع میں حق تعالیٰ بڑا ہے اس لئے اگر وہ اپنے کو بڑا نہ جانتا تو یہ جہل ہوتا اور جہل نقص ہے اور حق تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہیں۔

بس خدا کا تو یہی کمال ہے کہ وہ اپنے کو بڑا جانے اور بندہ کا یہ کمال ہے کہ اپنے کو چھوٹا سمجھے۔ اگر وہ اپنے کو بڑا سمجھے تو یہ نقص ہوگا۔ حدیث قدسی میں ہے: اَلْكِبرِيَاءُ رِدَائِيَ وَالعَظمَةُ اِزَارِى فَمَن نَازَعَنِى فِيهِمَا قَصَمتُهُ[1]: یعنی عظمت و کبریا میرا خاص ہے جیسے ازار اور رداء انسان کا ملبوس خاص ہوتا ہے۔ پس جو شخص مجھ سے (ان صفات میں) کھینچا تانی کرے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عظمت اور بڑائی حق تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہیں اس لئے بندہ کا کمال اپنے کو عاجز سمجھنا ہے۔ چنانچہ جن حضرات کے قلب میں حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریا آ گئی ہے وہ اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں۔ جس شخص کی رستم کی قوت پر حاتم کی سخاوت پر نظر ہوگی وہ اپنے کو قوی اور سخی نہ سمجھے گا جس کے پیش نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہوگا وہ اپنے کو تو کیا عالم سمجھے گا۔

آج کل یہ خبط ہو گیا ہے کہ تھوڑا سا کمال ہو جاتا ہے تو اپنے کو بڑا سمجھنے لگتے ہیں اور عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے۔ اگر کوئی عورت ذرا نماز اور تلاوت کی پابند ہو جاتی ہے تو اپنے کو رابعہ سمجھنے لگتی ہے اور ہر ایک کو حقیر سمجھتی ہے اور وجہ اس کی بھی ہے کہ ان کی کسی نے تربیت نہیں کی کتابیں پڑھ پڑھ کر دیندار ہو جاتی ہیں۔ پس ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کتب طب دیکھ کر دوا دیہ کھانے لگے بنانے لگے اس سے بجائے نفع کے خوف ضرور غالب ہوگا جب تک طبیب کی رائے سے دوا نہ کھائے کچھ نفع نہ ہوگا۔ اسی طرح چونکہ عورتوں کے اخلاق کی تربیت نہیں ہوتی اور کسی مربی سے

---

[1] مسند احمد ۲: ۴۱۴، إتحاف السادة المتقين ۶: ۳۲۸

رجوع نہیں کرتیں اور جو کچھ سمجھ میں آتا ہے کر لیتی ہیں اس لئے اپنے کو با کمال سمجھنے لگتی ہیں۔

ایک لڑکی کا کسی شخص سے نکاح ہوا۔ وہ لڑکی نماز وروزہ کی پابند تھی اور شوہر اس قدر پابند نہ تھا اور آوارہ سا تھا تو وہ لڑکی کہتی ہے کہ افسوس میں ایسی پرہیزگار اور ایسے شخص کے جال میں پھنس گئی۔ میری قسمت ڈوب گئی۔ حالانکہ بے وقوف یہ نہیں سمجھتی کہ اگر ہم نے نماز پڑھی روزہ رکھا۔ تلاوت کی تو اپنا کام کیا دوسرے پر کیا احسان کیا۔ کوئی دواء پی کر فخر کرتا ہے کہ میں بڑا بزرگ ہوں کہ دوا پیا کرتا ہوں۔

اسی طرح یہ سب طاعات میں اپنا ہی نفع ہے اور اس سے اپنا ہی حق ادا کر رہا ہے اور حقوق اللہ جو اس کا لقب ہے یہ اس اعتبار سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے منتفع ہے یا اس کا حق اس سے اتر جاتا ہے کیونکہ صاحب حق کو تو دیکھنا چاہئے کہ اس کی ہم پر کس قدر نعمتیں ہیں۔ اگر نعمتوں کو دیکھا جاوے تو درحقیقت یہ ہماری نماز روزہ کچھ بھی نہیں اور جہاں ہزاروں انبیاء اولیاء وملائکہ کی عبادتوں کے ذخیرے کے ذخیرے انبار کے انبار موجود ہیں ان کے مقابلے میں ہمارے روزہ نماز کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ جواہرات کے سامنے مٹی کے کھلونے، تو حقیقت میں احسان تو حق تعالیٰ کا ہے کہ ہماری ایسی عبادتوں کو قبول فرماتے ہیں اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص کسی اپنے مخدوم کی خدمت بدوں اسکی حاجت کے اس کی مرضی کے موافق نہ کرے اور اس مخدوم کو اس خدمت سے بجائے راحت کے تکلیف پہنچی مگر خوش اخلاقی سے خاموش ہو جاوے تو وہ خادم اپنی جہالت سے یہ سمجھے گا کہ میں نے بڑا کام کیا۔ حالانکہ بڑا کام تو مخدوم نے کیا کہ اس ناگوار خدمت کو قبول فرمایا۔ دیکھئے قاعدہ عقلیہ اور شرعیہ ہے کہ کامل وناقص کا مجموعہ ہمیشہ ناقص ہوتا ہے اور پاک وناپاک مل کر ناپاک ہوتا ہے۔ پس جبکہ ہماری نماز میں وساوس وخطرات اور ترک سنن اور خلاف خشوع امور بھی شامل ہیں تو وہ مجموعہ نماز کامل کیسے ہوئی۔ اسی بناء پر حدیث شریف میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھنے والے کو جو کہ تعدیل ارکان نہ کرتا تھا فرمایا: صَلِّ فَاِنَّکَ[۱] لَم تُصَلِّ یعنی تو نماز پڑھ اس لئے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ چونکہ اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کو طریقہ نماز کا مع تعدیلِ

۱؎ لم اجد الحدیث فی "موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی شریف"

ارکان اور آداب کے سکھایا اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ جس قدر اس میں سے کمی ہوگی اسی قدر نماز میں کمی ہو جاوے گی۔ اس لئے فقہائے اُمت رحمہم اللہ نے سمجھا کہ نماز تو ہو جاوے گی مگر ناقص ہوگی ورنہ ظاہر الفاظ حدیث سے معلوم ہوتا تھا کہ بالکل ہی نماز نہ ہو۔

بہر حال یہ محض رحمت ہے کہ ہماری ناقص عبادت کو بھی عبادت گردانا یہ محض فضل ہے۔ پھر ایسی عبادت پر خوش ہونا اور فخر کرنا جہالت ہے اور منشاء اس فخر و کبر کا وہی جہل ہے اور جس قدر عقل کم ہوتی ہے یہ مرض کبر کا زیادہ ہوتا ہے چنانچہ مردوں کی نسبت عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نقائص اضطراری پر نظر و تنبہ و توجہ ہونے سے یہ مرض کم ہوتا ہے۔ اور اول معلوم ہو چکا ہے کہ نقص اضطراری کہ جن کے ازالہ پر قدرت نہیں اس مقام پر دو ہیں نقصان عقل اور نقصان دین۔ نقصان عقل کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علامت سے بیان فرمایا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی عقل میں نقصان ہے۔ آج کل یہ سوال اس مسئلہ میں پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ دو کی گواہی ایک کے برابر ہے۔ جواب حقیقی اور قاطع شغب تو یہی ہے کہ اس میں کوئی حکمت ہوگی کہ جس کی ہم تعیین نہیں کرتے اور اگر دین ہماری طرف سے تبرع ہے جواب تو اسی قدر کافی ہے۔

مردوں اور عورتوں کی خِلقت میں فرق ہے

باقی ہم تبرعاً کہتے ہیں کہ حکمت یہ ہے کہ عورتوں کی خلقت ہی میں نقصان ہے۔ تمام قویٰ اور اعضاء میں ان کے بہ نسبت رجال کے نقصان آفتاب نیمروز کی طرح آتا ہے اور جبکہ خلقتاً ناقص ہیں تو حافظہ بھی ناقص ہوگا اور مدار شہادت کا حفظ پر ہے اس لئے دو کی گواہی ایک کے برابر قرار دی گئی اور چونکہ حافظہ بھی معین عقل ہے اس لئے یہ علامت ہوگی ایک درجہ میں نقصان عقل کی۔ پھر اس میں سوال ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ضعیف کیوں پیدا فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تمدن کی حفاظت ہے۔ تاوقتیکہ ایک کو دوسرے کا تابع اور محتاج نہ بنایا جائے تمدن محفوظ نہیں رہ سکتا اور تبعیت دو مساوی میں ہوتی نہیں۔ اسی واسطے فرماتے ہیں اَلرِّجَالُ قَوّٰمُونَ یعنی مرد عورتوں پر سردار ہیں اور وجہ اس کے آگے ارشاد فرمائی ہے۔ فَضَّلَ اللّٰهُ بَعضَهُم عَلٰى بَعضٍ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی)

یعنی بسبب اس بات کے کہ اللہ تعالےٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور جن لوگوں نے برعکس اس حکم کے عورتوں کو متبوع بنالیا وہاں کی خرابیاں پوشیدہ نہیں ہیں۔

آج کل اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ (مرد عورتوں پر حاکم ہیں) کی تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ مرد عورتوں کے مزدور ہیں۔ سبحان اللہ! کیا تفسیر دانی ہے۔ ان مفسر صاحب سے کوئی پوچھے کہ فَضَّلَ اللهُ بَعضَهُم (اللہ تعالیٰ نے بعض کو فضیلت دی کہ کیا معنی ہیں؟ اگر جرأت کر کے یہ کہیں کہ اس میں بھی بعضھم سے مراد عورتیں ہی ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے مسلم۔ لیکن آگے جو فرماتے ہیں۔ وَبِمَا انفقُو مِن اَموَالِهِم۔

(اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں) اس میں تو ضمیر یقیناً رجال ہی کی طرف ہے کیونکہ متفق وہی ہیں تو کیا پھر فضل اللہ کی وہ تفسیر سرتا سر مہمل اور تحریف قرآن نہ ہوگی۔ اگر یہی معنے ہوتے تو لِلنِسَاء فرماتے۔ علیٰ جو کہ تسلط کے لئے ہے نہ فرماتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر خلقۃً بھی فضیلت ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

اَفَمَن يُنَشَّؤُا فِي الحِليَةِ وَهُوَ فِي الخِصَامِ غَيرُ مُبِين.

مشرکین جو ملائکہ کو بنات اللہ کہتے تھے ان کا رد اس طرح فرماتے ہیں کہ کیا تم ایسی مخلوق کی حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہو جو کہ پست خیال ہے اور ہمیشہ بناؤ سنگار اور زیور میں نشو ونما پاتے ہیں اور دوسرے یہ کہ ان میں مقابلہ کے وقت قوت بیانیہ نہیں ہے واقعی یہ دو صفتیں جو عورتوں کی ارشاد فرمائی ہیں کھلم کھلا نظر آتی ہیں۔ زیور اور آرائش اور بناؤ سنگار میں شب و روز رہتی ہیں اس سے آگے ان کا خیال ترقی ہی نہیں کرتا۔ غایۃ مقصود اپنا اسی کو سمجھتی ہیں اور مقابلہ اور مناظرہ کے وقت ان کے دلائل میں قوت بالکل نہیں ہوتی ادھر ادھر کی باتیں بہت کریں گی لیکن کسی امر پر دلیل صحیح ہرگز نہ بیان کر سکیں گی۔

کوئی عورت یہ نہ کہے کہ یہ زیور تو ہم کو ماں باپ نے پہنا دیا اس سے عادت ہوگئی۔ اس سے میلان کہاں ثابت ہوا۔ جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر ماں باپ بھی نہ پہناویں تب بھی ان کا طبعی میلان نمائش و آرائش کی طرف ہے۔ چنانچہ بہت سے واقعات

اس کے مشاہد ہیں اور اسی طرح اگر کوئی صاحب دوسری جزو میں یعنی قوت بیانیہ میں کمی کے بارے میں فرمادیں کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ ہماری عورتوں کی تعلیم نہیں ہوتی، اگر تعلیم وتربیت کامل ہوتو یہ نقصان ہرگز نہ رہے یہ بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ جو عورتیں تعلیم یافتہ کہلاتی ہیں وہ بھی معلوم ہوا کہ لیکچروں میں ناقص تقریر کرتی ہیں۔ ان کے شوہر اس لکچر کی تکمیل کرتے ہیں یہ حکمت تبرعاً بیان کردی گئی ورنہ یہ کہنا کافی ہے کہ خدا تعالےٰ کی کوئی حکمت ہوگی ہمارا کوئی فائدہ اس کی تعیین پر موقوف نہیں۔ اسی واسطے جو چیزیں فضول ہیں ان کی تحقیق وتفتیش سے منع کردیا گیا ہے۔ ہم کو اس تحقیق سے کیا فائدہ ہے کہ فلاں ناقص کیوں ہے فلاں کامل کیوں ہم کو تو اس کے نتائج واحکام پر عمل کرنا چاہئے۔ بہرحال تقریر سے معلوم ہوگیا کہ نقصان عقل اضطراری اور خلقی ہے اور دوسرا نقصان یعنی نقصان صلوٰۃ جس کو نقصان دین فرمایا ہے جس کا سبب حیض کا آنا فرمایا ہے وہ تو ظاہر ہی ہے کہ خلقی ہے اور تین امر اختیاری ان کی طرف منسوب فرمائے کہ ان کا ازالہ ان کے اختیار میں ہے۔ وہ **کفران عشیر و ازہاب لب رجل حازم و اکثار لعن** (خاوند کی ناشکری کرنے والی اور ہوشیار مرد کی عقل کو سلب کرنے والی اور لعن طعن کثرت سے کرنے والی) چونکہ یہ اختیاری ہیں اس لئے ان کو نقص نہ کہنا چاہئے۔ بلکہ ان کو شر کے نام سے موسوم کرنا مناسب ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ عورتوں میں دو نقص اور تین شر ہیں۔ جو نقص ہیں ان کا فکر تو بے سود ہے اس لئے کہ وہ معاملے زائل ہونے والے نہیں بلکہ اس کی تو تمنا سے بھی منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ وارد ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مردوں کے فضائل سن کر فرمایا تھا کہ یَا لیتَا کُنَّا رِجَالاً۔ یعنی اے کاش، ہم مرد ہوتے تو مردوں کی سی فضیلت ہم کو بھی ملتی اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

وَلاَ تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ:

یعنی مت تمنا کرو اس شئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شئے سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے یعنی خلقی آگے فرماتے ہیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ.

یعنی مردوں کے لئے حصہ ہے اس شئے سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے

حصہ ہے جوانہوں نے کمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی تمنا چھوڑ و عمل میں کوشش کرو۔

اب اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر ہم عمل بھی کریں تب بھی ناتمام ہی رہیں گے۔ نقصان ہمارا کہاں دور ہوگا۔ تو اس کا جواب فرماتے ہیں۔

وَاسئَلُوا اللّٰهَ مِن فَضلِهٖ[1]۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اُس کے فضل کا سوال کرو۔

مطلب یہ ہے کہ عمل نیک کرے۔ اگر خدا تعالیٰ کا فضل ہو تو تم مردوں سے بڑھ سکتی ہو۔

غرضیکہ جو نقص اضطراری ہیں اسکی فکر تو بالکل فضول ہے اور جو اختیاری ہیں جن کو ہم نے شر کہا ہے اس کی اصلاح واجب ہے اور وہ کل تین شر ہیں **اکثار لعن، کفران عشیر اذھاب لب رجل**۔ (کثرت سے لعنت کرنا، خاوند کی ناشکری اور عقل مند مرد کی عقل کو سلب کرنے والی)

لعنت ملامت کرنے کا مرض

اکثار لعن یعنی لعنت ملامت زیادہ کرنا۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ صبح سے شام تک ان کا یہی مشغلہ ہے کہ جس سے دشمنی ہے اس کی غیبت کرتے ہیں اور جس سے محبت ہے اس کو کوستی ہیں اپنی اولاد کو کوستی ہیں۔ اپنی جان کو کوستی اور ہر شئے کو خواہ وہ قابل لعنت ہو یا نہ ہو کوستی ہیں۔

یاد رکھو!...... بعض وقت اجابت کا ہوتا ہے اور وہ کوسنا لگ جاتا ہے۔ پھر نادم ہونا پڑتا ہے۔ ہمارے یہاں ایک شخص تشنج زدہ ہے جو کہ چارپائی سے ہل نہیں سکتا اور سخت تکلیف میں ہے اس کی ماں نے اس کو کسی شرارت پر یہ کہا تھا کہ خدا کرے تو چارپائی کو لگ جاوے۔ خدا کی قدرت وہ ایسا ہی ہوگیا اور اس کی مصیبت والدہ صاحبہ کو ہی اٹھانا پڑی۔

ناشکری کا مرض

کفران عشیر یعنی زوج کی ناشکری جس قدر ان کو دیا جاوے سب تھوڑا ہے۔ مجھ کو مولوی عبدالرب صاحب کا ایک لطیفہ یاد آ گیا کہ وہ فرماتے تھے کہ ان کے پاس کتنا ہی کپڑا ہو، جب پوچھو کہ کپڑا ہے تو کہیں گی کہ کیا ہیں چار چیتھڑے، اور کتنے جوڑے جوتے کے ہوں گے مگر پوچھنے پر یہی کہیں گی کہ کیا دو لیتھڑے، اور برتن کیسے ہی عمدہ اور کثرت سے ہوں مگر

---

[1] الصحيح لمسلم كتاب الجهاد: ۳۰ ، مسند أحمد ۱: ۳

یوں ہی کہیں گی کہ کیا ہیں چار ٹھیکرے۔ایک عورت خود کہتی تھی کہ ہمارا حال تو دوزخ کا سا ہے کہ اس کا کہا جاوے گا هَلِ امتلاتِ؟ کیا تو بھر گئی؟ وہ جواب میں کہے گی هَل مِن مَّزِیدٍ (کہ کچھ اور بھی ہے) ایک مرض ان میں اور بھی ہے جو کفران ہی کا شعبہ ہے کہ کوئی چیز خواہ وہ کارآمد ہو یا نکمی ہو پسند آنا چاہئے۔ بے سوچے سمجھے اس کو خرید لیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ گھر میں ہوئی چیز کام آ ہی جاتی ہے۔اور یہ شعبہ کفران کا اس لئے ہے کہ اضاعۃ مال شوہر کا ہے خود اپنے مال کی اضاعۃ بھی کفران ہیں۔جیسا ارشاد ہے:

اِنَّ المُبَذِّرِینَ کَانُوا اِخوَانَ الشَّیَاطِینَ وَکَانَ الشَّیطَانُ لِرَبِّہٖ کَفُورًا۔

''بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔''

اور جب مال بھی دوسرے کا ہو تو کفران حق کے ساتھ کفران شوہر بھی ہے۔مومن کا قلب تو زیادہ بکھیڑے سے گھبرانا چاہئے گو کہ اسراف بھی نہ ہو اور بے ضرورت کوئی شئے خریدنا تو صریح اسراف میں داخل ہے۔حدیث میں ہے۔

نَهَی رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ عَن اِضَاعِۃِ المَالِ۔[1]

''یعنی منع فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے ضائع کرنے سے''

آج کل گھروں میں اور خصوصاً بڑے گھروں میں نہایت اسراف ہوتا ہے۔برتن ایسے خریدے جاتے ہیں جو قیمت میں تو بہت زیادہ مضبوط خاک بھی نہیں ذرا ٹھیس لگ جاوے چار ٹکڑے اور پھر حاجت سے بھی زائد۔بعض گھروں میں اس کثرت سے شیشہ و چینی وغیرہ کے برتن ہوتے ہیں کہ عمر بھر بھی ان کے استعمال کی نوبت نہیں آتی۔علیٰ ہذا کپڑوں میں بھی بہت اسراف ہے۔گز کا اور گز کا کپڑا بہت باریک ہو کہ علاوہ ممنوع ہونے کے کسی کام کا نہیں پہنتی ہیں۔اگر کہیں سے نکل گیا تو کسی کام کا نہیں اور موٹا کپڑا اگر پرانا ہو جاتا ہے کسی غریب ہی کے کام آجاتا ہے۔یہ تمام مصیبت اس کی ہے کہ عورتیں اسکی کوشش کرتی ہیں کہ میرا جوڑا ایسا ہو کہ کسی کے پاس نہ ہو اپنی حیثیت کو نہیں دیکھتیں،ظروف ولباس مکان ہر شے میں شان نمود تفاخر

---

[1] لم أجد الحدیث فی ''موسوعة اطراف الحدیث النبوی شریف''

ریا ٹوٹ ٹوٹ کر بھرے ہیں۔ یہ حال تو روزمرہ کے برتاؤ کا ہے اور اگر کہیں کوئی تقریب پیش آ جائے تو کیا ٹھکانا ہے۔ تمام رسوم پوری کی جاویں گی جن میں سراسر نمود ہی نمود ہے۔

بعض عورتیں فخر کرتی ہیں کہ ہم نے رسوم سب چھوڑ دیں۔ مگر رسمیں دو قسم کی ہیں ایک تو شرک و بدعت کی رسمیں مثلاً چٹائی پر بھوکا بٹھانا، اس کی گود میں بچہ دینا کہ اس سے شگون لیتے ہیں کہ اولاد ہو، تو واقعی ایسے ٹونے ٹوٹکے تو اکثر جگہ چھوٹ گئے۔ دوسری تفاخر اور نام آوری کی رسمیں۔ سو یہ دوسری قسم متروک نہیں ہوئی۔ بلکہ بسبب تمول کے بہ نسبت پہلے کے کچھ بڑھ گئی ہیں۔ پہلے زمانے میں اتنا تفاخر اور ریاء اور نمود نہ تھا کیونکہ کچھ سامان کم تھا کچھ طبائع میں سادگی تھی۔ اب تو کھانے میں الگ تفاخر ہو گیا وہ پہلی سی سادگی ہی نہیں رہی۔ پلاؤ بھی ہو، کباب بھی ہوں، فیرنی، تنجن اور بریانی ہوں۔ اور کپڑے کے تکلفات کو اول بیان ہی کیا گیا ہے۔ ایک دلہن ایک جگہ ڈیڑھ ہزار کا صرف کپڑا ہی کپڑا جہیز میں لائی تھی۔ شاید یہ کپڑا اس کے مرنے تک بھی ختم نہ ہوا ہو اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ دلہن مر گئی ہے اور یہ سب سامان ہزاروں روپیہ کا ضائع ہوا۔ پھر علاوہ دلہن کے تمام کپڑوں کے تمام کنبہ کے جوڑے بنائے جاتے ہیں اور بعض دفعہ ان کو پسند بھی نہیں آتے اور ان میں عیب نکالے جاتے ہیں۔ کس قدر بے لطفی ہوتی ہے اور اس پر دعویٰ یہ کہ ہم نے رسمیں چھوڑ دی ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہیز کو دکھاتے تک نہیں۔ دیکھو ہم نے رسمیں چھوڑ دیں۔ سو جناب اس میں کیا کمال۔ اپنی بستی میں تو برسوں پہلے سے سامان جمع کر کے ایک ایک کو دکھلا چکی ہو جو مہمان آتی ہے اس کو بھی اور جو رشتہ دار آتی ہے اس کو بھی ایک ایک چیز دکھلائی جاتی ہے اور خود سامان آنے میں جو شہرت ہوتی ہے وہ الگ۔ آج دہلی سے کپڑا آ رہا ہے اور مراد آباد گئے تھے۔ وہاں سے برتن لائے ہیں اور اس کے بعد وہ دولہا کے گھر جا کر کھلتا ہے اور عام طور پر دکھایا جاتا ہے اور اسی واسطے لڑکی کے ہمراہ بھیجا جاتا ہے تو یہ قصداً اعلان نہیں ہے تو کیا ہے؟ ہاں اگر ہمراہ نہ کیا جاتا تو عقل کے بھی موافق تھا کیونکہ یہ سب سامان لڑکی ہی کو دیا جاتا ہے اور اس وقت وہ قبضہ نہیں کرتی اور نہ اس کو خبر ہوتی ہے کہ اس کو دینا تو یہ ہے کہ سر دست اپنے گھر رکھو جب وہ اپنے گھر آ دے اس وقت وہ تمام سامان اس کے سامنے رکھو اور کہو کہ یہ

سب چیز تمہاری ہے تمہارا جب جی چاہے لے جانا بلکہ مصلحت یہ ہے کہ وہ اب نہ لے جاوے کیونکہ اس وقت تو اس کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کسی وقت جب ضرورت ہوگی لے جائیں گے اور اوفق للعقل ہونے کے ساتھ اس میں ریاء بھی نہ ہوئی۔ اس وقت یہ دعویٰ ترکِ رسم کا صحیح ہوتا۔ مگر چونکہ اس میں کوئی تفاخر اور دکھاوا نہیں ہے اس لئے ایسا کوئی بھی نہیں کرتا۔

چالاکی وہوشیاری کا مرض

تیسرا اذھاب لُبِّ رجل حازم، یعنی بڑے ہوشیار مرد کی عقل کو سلب کر لینا۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ ایسی اتار چڑھاؤ کی باتیں کرتی ہیں کہ اچھے خاصے عاقل بے عقل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لہجہ میں خلقۃً ایسا اثر رکھا گیا ہے کہ خواہ مخواہ مرد اس سے متاثر ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ عقل میں مردوں سے زیادہ ہیں بلکہ وجہ اسکی یہ ہے کہ مکر اور چالاکی ان میں مردوں سے زیادہ ہوتی ہے عقل اور شئے ہے اور مکر اور چالاکی دوسری شے ہے۔ شیطان میں مکر اور چالاکی تھی عقل نہ تھی اسی واسطے دھوکہ کھایا جبکہ حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سجدہ نہ کیا اور خَلَقْتَنِی مِن نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِن طِینٍ۔

(مجھ کو تو نے مٹی سے بنایا ہے اور اس کو تو نے خاک سے پیدا کیا ہے) کہہ گزرا اور یہ نہ سوچا کہ جب حق تعالیٰ نے سجدہ کا حکم فرمایا ہے تو ضرور اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ اور مصلحت وحکمت تو بہت ہی ظاہر تھی۔ چنانچہ فرمایا ہے:

اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَةً۔

یعنی میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی جانشین تخت سلطنت پر بیٹھتا ہے تو اس کو نذریں گزاری جاتی ہیں۔ جو معاملہ منیب کیساتھ کیا جاتا تھا وہ اب نائب کے ساتھ کیا جاتا ہے اس لئے یہاں بھی حکم ہوا کہ ہم کو جس طرح سجدہ کرتے تھے اسی طرح آدم علیہ السلام کو کرو اس لئے کہ ہمارا خلیفہ ہے۔

ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کیا گیا وہ سجدہ تحیت تھا اور حق تعالیٰ کو سجدہ کرنا سجدہ عبادت ہے تو اتنی موٹی بات میں اس نے غلطی کی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اس میں عقل نہ تھی ہاں چالاکی اور مکر میں بے شک بے مثل ہے۔

اس پر ایک میاں جی کی حکایت یاد آئی کہ ان کے پاس کہیں سے بتاشے آئے انہوں نے ایک مٹی کے بدھنے میں آٹا لگا کر بند کر کے رکھ دیئے تاکہ کوئی لڑکا نہ کھا جاوے۔ لڑکوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوئی تدبیر ایسی ہونی چاہئے کہ بدھنے کا منہ بھی نہ کھلے۔ تاکہ راز ظاہر نہ ہو اور بتاشے بھی وصول ہو جاویں، سوچتے سوچتے ایک تدبیر نکالی کہ پانی لاکر ٹونٹی کی راہ سے اس میں بھرا اور شربت گھول کر پی گئے تو یہاں یہ نہ کہا جاوے گا کہ یہ لڑکے بڑے عاقل تھے بلکہ یوں کہا جاوے گا کہ بڑے شریر اور چالاک و مکار تھے۔ کیونکہ عقل کا مقتضا تو اپنے استاد کی خدمت و اطاعت ہے نہ کہ ضرر رسانی۔ کیونکہ عقل کے معنی لغت میں بستن کے ہیں۔ عقل وہی ہے جو کہ مضرت سے بند رکھے روکے، بندر بہت عجیب عجیب کام کرتے ہیں مگر اس سے بندر کو عاقل نہ کہا جاوے گا بلکہ مکار کہیں گے۔

غرض عقل اور شئے ہے اور چالاکی و مکر اور چیز ہے۔ عقل محمود ہے اور اس کا نہ ہونا مذموم اور چالاکی مذموم ہے اور اس کا نہ ہونا محمود۔ چنانچہ شریعت میں یہ بھی محمود نہیں ہے کہ دوسروں کو ضرر پہنچائے کہ مکر ہے۔ اسی طرح یہ بھی کمال نہیں کہ اپنے کو مضرت سے نہ بچائے کہ کم عقلی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

لاَ يُلدَغُ المُؤمِنُ مِن جُحرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَينِ[1]

یعنی مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں کاٹا جاتا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ اگر مومن کو کسی جگہ سے ضرر پہنچے تو اس کی شان یہ نہیں ہے کہ پھر وہاں جاوے یا کسی آدمی سے تکلیف و نقصان پہنچا تو یہ مناسب نہیں ہے کہ پھر اس سے معاملہ کر لے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن کے لئے اتنی بیدار مغزی کمال کی بات ہے کہ اپنے کو مضرت سے بچائے۔ اسی واسطے دین کو نفع ہمیشہ عقلاء ہی سے ہوا ہے۔ انبیاء اور مقتدائے دین جس قدر ہوئے ہیں سب بڑے عاقل تھے۔ کسی نبی کی ایسی حکایت نہ سنی ہو گی وہ بھولے ہوں ان کو کچھ خبر نہ ہو۔ ہاں چالاک و مکار نہ تھے۔ عاقل ہوشیار حکیم تھے اور یہی تو وہ شئے ہے کہ جس کی بناء پر خلیفۃ اللہ بنایا گیا ہے غرضیکہ عورتوں میں چالاکی اور مکر ہے

---

[1] سنن ابن ماجه: ۳۹۸۲، سنن أبی داؤد: ۴۸۶۲، مسند احمد ۲: ۱۱۵، کنز العمال: ۸۳۰

عقل نہیں۔ اس چالاکی اور مکر کی وجہ سے عاقل کی عقل کو سلب کر لیتی ہیں۔ چنانچہ تنہائی میں ایسی باتیں کرتی ہیں جس سے شوہر کا دل اپنی طرف ہو جاوے اور سب سے چھوٹ جاوے۔ بیاہ کے بعد گھر آتے ہی سب سے اول کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ شوہر ماں باپ سے چھوٹ جاوے .... بڑے ظلم کی بات ہے کہ جس ماں نے مشقتیں اٹھا کر اس کو پالا اپنا خون جگر پلایا خود تکلیف میں رہی اس کو آرام سے رکھا اس کے تمام ناز برداشت کئے اور جس باپ نے دھوپیں کھائیں اور اولاد کے لئے گھر چھوڑا محنت کر کے ان کو پالا آج ان کی خدمات کا یہ صلہ دیا جاتا ہے کہ ان سے چھڑایا جاتا ہے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعونَ (ہم سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) پھر اگر یہ منتر انکا چل گیا تو اس پر بھی اکتفا نہیں، کہتی ہیں کہ تم تو الگ ہو گئے مگر تمہاری کمائی تو اس کے پاس جا رہی ہے کبھی ماں کو جوتا لا دیا کبھی کچھ نقد دے دیا غرض کوشش کر کے اس میں بھی کامیاب ہوتی ہیں پھر اس پر بھی صبر نہیں آتا اس کے بھائی سے بہن سے اور اگر پہلی زوجہ سے اولاد ہو اس سے چھڑاتی ہیں غرض شب و روز اسی فکر میں گزرتا ہے اور یہی رات دن سعی ہوتی ہے کہ سوائے میرے اور میری اولاد کے کوئی نہ ہو اور انہیں کی بدولت بہت سے گھروں میں بلکہ بہت سے خاندانوں میں نااتفاقی ہو جاتی ہے۔ مردوں میں یہ بے احتیاطی ہے کہ ان کی باتیں سنتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور خود اس کفران اور اذہاب کی وجہ دو ہیں اول تو انکو زوج کی مساوات کا زعم ہوتا ہے کہ ہم اس سے کیا کچھ کم ہیں چنانچہ یہاں تک کوشش ہوتی ہے کہ مناظرہ میں بھی ہم غالب رہیں جو بات شوہر کہتا ہے اس کا جواب ان کے پاس تیار رہتا ہے کوئی بات بے جواب نہ چھوڑیں گی خواہ ناگوار ہو یا گوار ہو، خواہ معقول ہو یا نامعقول ہو اور کفران کے آثار اکثر اس دعوئے مساوات سے پیدا ہوتے ہیں۔

حقوق زوجین

اب میں ان حضرات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو مساواۃ حقوق زوجین کی کوشش کرتے ہیں ان سے التماس ہے کہ آپ حضرات جو اسی سعی میں ہیں کہ رجال ونساء میں مساوات ہو جاوے تو قطع نظر سب جوابوں کے کہتا ہوں اگر آپ ہی کی بیگم صاحبہ آپ سے

مساوات کا دعویٰ کرے اور مقابلہ میں آ کر جواب سوال کرے تو سچ کہنا کہ آپ ناخوش نہ ہوں گے، ضرور ہوں گے ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ میرے اہل وعیال میرے تابع ہوکر رہیں اور خصوصاً جنٹل مین حضرات کہ مساوات تو کیا رکھتے معمولی حقوق بھی بیبیوں کے ضائع کرتے ہیں بیبیو تم مردوں کے برابر کیسے ہوسکتی ہو تم ہر طرح اور ہر امر میں پیچھے رکھی گئی ہو دیکھو تمہاری امامت جائز نہیں میراث شہادت امارت ولایت وغیرہ میں ہر طرح مردوں سے پیچھے ہو تم آگے کیوں بڑھنا چاہتی ہو امام صاحب کا قول ہے کہ اگر صف میں مرد کے برابر عورت کھڑی ہو جاوے تو نماز فاسد ہو جاوے گی جب عبادات میں مساواۃ نہیں ہے جس میں زیادہ ہمت زیادہ عقل کی بھی ضرورت نہیں تو معاملات میں کہ جن میں بہت سے ان امور کی ضرورت ہے جو خاص مردوں میں پائے جاتے ہیں کیسے برابر ہوسکتی ہو اور تم تو برابری کا دعویٰ کرنا چاہتی ہو حالانکہ تمہارا مرتبہ لونڈی سے بھی کم ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی غیر کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے اور یہ نہیں فرمایا کہ لونڈی کو حکم دیتا کہ اپنے مولےٰ کو سجدہ کرے معلوم ہوا کہ تمہارا مرتبہ لونڈی سے بھی کم ہے اور شوہر کا مرتبہ مالک سے بھی زیادہ ہے مگر تمہاری یہ حالت ہے کہ خاوند سے دبنا نفس کے خلاف ہونے سے عار سمجھا جاتا ہے تم ان احکام کو دین ہی نہیں سمجھتیں بڑا شوق دین کا ہوگا تو وظائف اور سبحان اللہ اور الحمد للہ کی بہت سی تسبیح پڑھ ڈالیں گی میں کہتا ہوں کہ وظائف کا مرتبہ تو ان سب سے پیچھے ہے، بڑی فضیلۃ اسی میں ہے جس میں نفس کا خلاف ہو اور ان وظائف اجزاء دین میں سے اکثر نے انتخاب کیا ہے اسکے اندر نفس کا ایک خفی کید ہے وہ یہ ہے کہ عام میں اس کی وجہ سے تعظیم وتکریم بہت ہوتی ہے عام بزرگ سمجھنے لگتے ہیں اس لئے اس میں نفس خوش ہوتا ہے اور خاوند کی حرمت اور تعظیم اور اطاعت نفس کے خلاف ہے اس لئے اس سے اعراض ہے، غرضیکہ ایک وجہ خرابی کی تو زعم مساواۃ ہے۔

حقیقتِ حسدِ نسواں

دوسری وجہ حسد ہے یہ مرض بھی عورتوں میں بہت ہے ذرا ذرا سی شئے پر ان کو حسد ہوتا ہے مثلاً اسی پر حسد ہوتا ہے کہ ماں باپ کو یہ شئے کیوں دیتا ہے اگر ماں باپ نہ ہوتے تو یہ شئے

ہمارے پاس رہتی لیکن اے عورتو! میں تمہاری اس امر میں تعریف کرتا ہوں کہ تمہارا ایمان تقدیر پر بہ نسبت مردوں کے زیادہ ہے مردوں کو صد ہا وسوسے پیش آتے ہیں علماء سے الجھتے ہیں لیکن تم کو اس میں شک وشبہ بھی نہیں ہوتا مگر معلوم نہیں کہ یہ تمہارا تقدیر پر ایمان لانا اس موقع پر کہاں گیا خوب سمجھ لو کہ جس قدر تقدیر میں ہے وہ تم کو مل کر رہے گا۔ پھر حسد اور جلن کا ہے کے لئے کرتی ہو اور یہی حسد ہے جن کی وجہ سے سَوت سے ہمیشہ انکی لڑائی رہتی ہے لیکن کوئی عورت اس کا اقرار ہرگز نہ کرے گی۔ کہ مجھ کو حسد ہے بلکہ مختلف پیراؤں میں یہ جلن نکالتی ہے کبھی کہتی ہیں کہ فلانی میں یہ عیب ہیں فلانی باہر کی ہے یا شرافت میں میرے برابر نہیں ہو سکتی۔

دعویٰ شرافت

ہمارے قصبات میں بالخصوص دعویٰ شرافت کا ایسا مرض ہے کہ باہر کی عورت یا مرد کیسا ہی شریف ہو مگر اپنی شرافت کے گھمنڈ میں کسی کو منہ نہیں لگاتے اور مجھ کو تو اسی میں شبہ ہے کہ جو شریف کہلاتے ہیں آیا واقع میں ایسی ہی ہیں یا نہیں کیونکہ یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر شیوخ ہیں کوئی تو اپنے کو صدیقی کہتا ہے کوئی فاروقی کوئی علوی کوئی عثمانی کوئی انصاری کیا ان چار پانچ صحابہ کے سوا نعوذ باللہ اور صحابہ منقطع النسل تھے کوئی اپنے کو یہ نہیں کہتا کہ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہوں یا حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہوں سب ان چار پانچ حضرات ہی کی طرف نسبت کرتے ہیں شبہ ہوتا ہے کہ یہ سب تراشیدۂ یاراں ہے مشاہیر اور جلیل القدر والا شان صحابہ کو لے کر انکی طرف نسبت کرنے لگے جن کے پاس نسب نامہ محفوظ نہیں ظاہر ہے کہ ان کا بیان تو زبانی ہی قصہ ہے اور جن کے پاس نسب نامہ ہے اس میں بھی اوپر سے اشتباہ ہے کوئی تحقیقی بات نہیں ہے۔ چنانچہ ہم لوگ تھانہ بھون کے فاروقی مشہور ہیں۔ مگر تاریخ سے اس میں شبہ بڑھتا ہے اس لئے کہ ابراہیم بن ادہمؒ اس سلسلہ نسب میں موجود ہیں اور ان میں اختلاف ہے کوئی ان کو فاروقی لکھتا ہے کوئی عجلی کوئی تمیمی کوئی سید زیدی لکھتا ہے پھر ہمارا کیا منہ ہے کہ ہم کہیں کہ فلانی کم قوم کی ہے خوب یاد رکھو قیامت کے دن صرف یہ پوچھا جاوے گا۔ ماذا اکتسبت یعنی تو نے کیا

کمایا یہ نہ پوچھا جاوے گا۔ بمن انتسبت یعنی کس کی طرف منسوب تھا اور جس قدر اقوام
ہیں سب کے مرجع اور منتہا یقینی طور پر آدم علیہ السلام ہی ہیں مگر معلوم نہیں ان کی طرف اپنے
کو نسبت کیوں نہیں کرتے اگر جواب میں کہا جاوے کہ وہ بعید ہیں اور نسب میں قریب کا
اعتبار ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر قریب کا اعتبار ہے تو میں ایک شے نہایت قریب بتاتا ہوں
اسکی طرف نسبت کرو وہ کیا ہے ایک آبِ ناپاک ایک بزرگ کے سامنے سے ایک شخص
نہایت فخر اور تکبر سے اکڑتا ہوا نکلا ان بزرگ نے اس کو نصیحت کی کہ بھائی اِتراؤ مت اس
نے کہا کہ تم مجھ کو نہیں جانتے میں کون ہوں۔ فرمایا ہاں جانتا ہوں اولک[1] نطفة قذرة
واخرک جیفة قذرة وانت بین ذلک تحمل العذرة اور اس سے یہ نہ سمجھا
جاوے کہ شرفِ نسب کوئی چیز نہیں آخرت میں تو واقعی نسب کوئی چیز نہیں ہے عمل ہی کام آنے
والا ہے لیکن دنیا میں وہ بے کار بھی نہیں ہے شریعت نے خود اس کا اعتبار کیا ہے اگر نسب کوئی
شئے نہ ہوتی تو غیر کفو میں نکاح کرنے سے منع نہ کیا جاتا اور یہ قانون مقرر نہ ہوتا الائمة من
قریش ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع نے بھی شرفاء میں ضرور تفاوت رکھا ہے اور یہ
تفاوت مصالح تمدنیہ کی حفاظت کے لئے ہے اگر سب کے سب اس میں یکساں ہوتے تو
تمدن ہر گز محفوظ نہ رہ سکتا نہ کوئی کام چل سکتا مثلاً اگر کوئی گھر بنانے کے لئے کسی کو کہتا تو وہ کہتا
تم ہی ہمارا گھر تعمیر کرو نائی سے خط بنانے کو کہتے وہ کہتا تم ہی میرا بنایئے دھوبی کپڑے نہ
دھوتا غرض سخت مصیبت ہوتی اگر بڑھئی کی ضرورت ہوتی تو وہ نہ ملتا اگر نوکر کی ضرورت ہوتی
نوکر نہ ملتا یہ ادنےٰ اعلےٰ کا تفاوت ہی ہے جس سے لوگوں کے کام چل رہے ہیں چنانچہ
الائمة من قریش میں بھی ایک انتظامی مصلحت ہے قدرتی طور سے اللہ تعالیٰ نے قریش کو
فضیلت دی ہے تو جب ائمہ اور امراء ان میں سے ہوں گے تو اوروں کو ان کے اتباع سے عار
نہ ہوگا اور ان کو دوسرے کے اتباع سے عار ہوتا اور جنگ وجدال کی صورت قائم ہوتی اور نیز
یہ قاعدہ ہے کہ آدمی اپنے خاندانی شئے کی بہت حفاظت کیا کرتا ہے تو اگر قریشی امام ہوگا تو

---

[1] تیری ابتدائی خلقت ایک ناپاک پانی سے، اور تیرا انجام ایک مردار بدبودار (لاشہ بننا) ہے اور تو ان دونوں
حالات کے درمیان گندگی کو اٹھانے والا ہے ۱۲

دین کی حفاظت دو وجہ سے کرے گا ایک اس وجہ سے کہ دین ان کے گھر کا ہے، دوسرے مذہبی تعلق سے پس معلوم ہوا کہ نسب میں مصالح تمدنیہ ودیعت ہیں اس لئے وہ بے کار نہیں مگر نسب پر تکبر کرنا اور فخر کرنا ہر حالت میں حرام ہے اور آج کل کے شرفاء میں تو نسب پر تکبر ہی ہے مگر غیر شرفاء میں دوسرے طور پر تکبر پایا جاتا ہے کہ اپنے کو شرفاء کے برابر سمجھتے ہیں اور اپنے میں اور ان میں کچھ فرق نہیں جانتے یہ بھی زیادتی ہے جو فرق اللہ تعالیٰ نے رکھدیا ہے اس کو کون مٹا سکتا ہے غرض یہ کہ تفاخر اور کبر بھی برابر ہے جیسا مدعیانِ شرافت خصوص عورتوں میں ہے اور فرق مراتب نہ رکھنا بھی ناپسندیدہ ہے جیسا دوسری قوموں نے اختیار کیا ہے۔

ضرورت اخلاق

میں اسکو بیان کررہا تھا کہ ہماری عورتوں کے اخلاق نہایت خراب ہیں ان کو اپنی اصلاح کرانا نہایت ضروری ہے اور یاد رکھو بغیر اخلاق کے درست ہوئے عبادت اور وظیفہ کچھ کارآمد نہیں حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ فلانی عورت بہت عبادت کرتی ہے راتوں کو جاگتی ہے لیکن اپنے ہمسایوں کو ستاتی ہے فرمایا هِيَ فِي النَّارِ اور ایک دوسری عورت کی نسبت عرض کیا گیا کہ وہ عبادت نہیں کرتی مگر ہمسایوں سے حُسنِ سلوک کرتی ہے فرمایا هِيَ فِي الْجَنَّةِ[1] مگر ہماری عورتوں کا سرمایہ بزرگی آج کل تسبیح اور وظیفہ پڑھنا رہ گیا، اخلاق کی طرف اصلاً التفات نہیں حالانکہ اگر دین کا ایک بھی جز کم ہوگا تو دین ناتمام ہوگا مگر آج کل لوگوں نے جیسے اور چیزوں کا سَت نکالا ہے اسی طرح دین کا بھی سَت نکال لیا ہے بعض نے تو نماز روزہ ہی کو دین سمجھ لیا ہے معاملات اخلاق وغیرہ کو چھوڑ دیا۔ اور بعضوں نے صرف اخلاق کو لے لیا اور عبادات وعقائد کو چھوڑ دیا، اگرچہ ان مدعیانِ اخلاق کے اخلاق بھی درست نہیں ہیں لیکن اگر ہوتے بھی تو بیکار تھے ایک جماعت وہ ہے کہ ان کے عقائد و اعمال ومعاملات اچھے ہیں مگر سمجھتے ہیں کہ ہم خوش عقیدہ ہیں اور اس پر تفاخر کرتے ہیں اور دوسروں کی تحقیر کرتے ہیں۔ تو ان میں اخلاق کی کمی ہے اسی طرح ہماری عورتوں نے عقائد اور وظائف ونماز کو لے لیا مگر اخلاق کو چھوڑ دیا صبح سے شام تک غیبت حسد لعن طعن کبر میں مبتلا ہیں

---

[1] مسند احمد ۲: ۴۴۰، المستدرک للحاکم ۴: ۱۶۶، کنز العمال: ۲۵۶۱۸

اور اس پر یہ سمجھتی ہیں کہ ہم بڑے بزرگ ہیں تو بزرگی صرف یہ نہیں ہے اسی طرح مردوں کو بھی کہا جاتا ہے کہ اخلاق کی ان میں بھی کمی ہے وہ بھی اصلاح کریں بلکہ اخلاق کا بعض حیثیات سے اعمال سے بھی زیادہ اہتمام ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر اعمال میں کمی ہوگی تو اس کا ضرر اپنی ذات ہی تک محدود رہے گا اور اخلاق اگر خراب ہوئے تو اس کا ضرر دوسروں کو پہنچے گا یہ حق العبد ہے افسوس ترکِ صلوٰۃ اور دیگر کبائر کو تو گناہ سمجھا جاتا ہے اور غیبت اور حسد وطمع زیور اپنی سَوت سے لڑنا وغیرہ وغیرہ خصال کو گناہ نہیں سمجھتیں خلاصہ تمام تر وعظ کا یہ ہوا کہ اس حدیث میں تین شر بیان فرمائے گئے ہیں اور یہ تین شر ایسے ہیں کہ تمام شرور کا تعلق ان ہی تین سے ہے بعض شرور کا تعلق تو ان سے اِنا ہے اور بعض کالماً ہے یعنی بعض شرور ان سے پیدا ہوتے ہیں اور بعض شرور سے یہ پیدا ہوتے ہیں مثلاً **کفرانِ عشیر** (خاوند کی ناشکری) کا منشاء حرص وطمع ہے **اکثارِ لعن** (کثرت سے لعنت کرنا) سے غیبت نمائی وغیرہ ہوتی ہے۔

اذھابِ لُبِّ رجل حازم (ہوشیار مرد کی عقل سلب کرنے والی) سے نااتفاقی جنگ و جدال آپس کی خانہ جنگیاں وغیرہ اسی طرح غور کرنے سے سب کا تعلق معلوم ہوسکتا ہے پس یہ تینوں واجب الاصلاح ٹھہرے اب طریقہ اصلاح کو غور سے سننا اور سمجھنا چاہئے اور اسی پر بیان ختم ہو جاوے گا اور وہ طریقہ اصلاح مرکب ہے علم وعمل سے اور علم یہی نہیں ہے کہ ترجمہ قرآن شریف پڑھ لیا تفسیر سورۂ یوسف پڑھ لی یا نور نامہ وفات نامہ پڑھ لیا بلکہ کتاب وہ پڑھو جس میں تمہارے امراض کا بیان ہے یہ تو علم ہوا۔

طریق اصلاحِ نسواں

اور عمل ایک تو یہ کہ اول تو زبان کو روک لو، تمہاری زبان بہت چلتی ہے تم کو کوئی بُرا کہے یا بھلا تم ہرگز مت بولو اس سے **کفران عشیر اذھاب لب رجل حازم اکثار لعن** وحسد وغیبت وغیرہ جاتے رہیں گے اور جب زبان روک لی جاوے گی تو امراض کے مبانی بھی قلب سے جاتے رہیں گے کیونکہ جب اس قوۃ سے کام ہی نہ لیا جاوے گا تو ان امراض کے مناشی بھی ضعیف اور مضمحل ہو جاویں گے اور دوسرے یہ کہ ایک وقت مقرر کر کے یہ سوچا کرو کہ دنیا کیا چیز ہے اور یہ دنیا چھوٹنے والی ہے اور موت کا اور موت کے بعد جو

امور پیش آنے والے ہیں جیسے قبر اور منکر نکیر کا سوال اور اس کے بعد قبر سے اٹھنا اور حساب و کتاب اور پل صراط کا چلنا سب کو بالتفصیل روزانہ سوچا کرو اس سے حُبِ جاہ حبِ مال تکبر حرص اور اس کے فروغ غیبت حسد وغیرہ سب امراض جاتے رہیں گے غرض حاصل معالجہ کا دو جُز و ہوئے ایک علمی دوسرا عملی، علمی کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کے بعد ایسی کتابیں پڑھو جس میں احکام فقہیہ کے ساتھ امراض قلب مثل حسد تکبر وغیرہ کا بھی بیان ہو کم سے کم بہشتی زیور ہی کے دس حصہ پڑھ لو اور عملی جُز کا حاصل دو چیزیں ہیں کفِ لسان اور مراقبہ موت لیکن طوطے کی طرح بہشتی زیور کے الفاظ خود پڑھ لینے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ یہ ضروری ہے کہ کسی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھ لو جب کہ گھر میں عالم ہو ورنہ گھر کے مردوں سے درخواست کرو کہ وہ کسی عالم سے پڑھ کر تم کو پڑھا دیا کریں مگر پڑھ کر بند کر کے مت رکھ دینا ایک وقت مقرر کر کے ہمیشہ اس کو خود بھی پڑھتی رہنا اوروں کو بھی سناتی رہنا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس طریقہ سے انشاء اللہ بہت جلد اصلاح ہو جاوے گی اور یہاں اس سے زیادہ بیان کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ ماشاء اللہ یہاں کی عورتیں خود سمجھ دار ہیں اور اصل الاصل ان تمام تر خرابیوں کا ایک ہی امر ہے اس کا اگر ازالہ ہو جاوے تو سب امور کی اصلاح ہو جاوے وہ یہ کہ آج کل بے فکری ہو گئی اگر ہر امر میں دین کا خیال رکھا جاوے کہ یہ امر جو ہم کرتے ہیں آیا دین کے موافق ہے یا نہیں تو انشاء اللہ چند روز میں اصلاح ہو جاوے اب دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے............ آمین آمین آمین۔ فقط:

کساء النساء

حقوق مستورات اور مردوں کو تنبیہ کہ عورتوں کو حقیر نہ سمجھیں بعض امور میں عورتیں مردوں سے کم ہیں اور بعض میں برابر اور بعض میں بڑھ بھی سکتی ہیں۔

یہ وعظ پانی پت محلہ مخدوم زادگان عبدالحکیم صاحب کے زنانہ مکان میں ۲۷ر صفر ۱۳۳۷ھ یوم دوشنبہ ۲ر دسمبر ۱۹۱۸ء کو صبح آٹھ بج کر ۱۸ منٹ سے ۱۰ بج کر چھبیس منٹ تک کُل وقت ۲ گھنٹے ۸ منٹ چوکی پر بیٹھ کر بیان فرمایا۔
حکیم محمد مصطفٰے صاحب بجنوری و مُنشی عزیز الرحمٰن صاحب ایجلوی و خواجہ عزیز الحسن صاحب نے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۱۰۰ تھی علاوہ مستورات۔

خطبہ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دعا، خطبہ اما بعد: فَاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ. بِسمِ اللهِ الرَّ حمنِ الرَّ حِيم. فَاستَجَابَ لَهُم رَبُّهُم اَنِّی لَا اُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنكُم مِن ذَكَرٍ اَو اُنثٰى بَعضُكُم مِن بَعضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَاُخرِجُوا مِن دِيَارِهِم وَاُوذُوا فِی سَبِيلِی وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَا كُفِّرَنَّ عَنهُم سَيِّاٰتِهِم وَلَاُدخِلَنَّهُم جَنّٰتٍ تَجرِی مِن تَحتِهَا الاَنهَارُ ثَوَاباً مِن عِندِاللّٰهِ وَاللّٰهُ عِندَهٗ حُسنُ الثَّوَابِ. (۱۹۴،۱۹۵، آل عمران)

(ترجمہ: آیت نمبر۱۶۴ ج ۲۰) سومنظور کرلیاان کی درخواست کوان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہوا کارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے میری راہ میں جہاد کیا اور شہید ہو گئے ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کردوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے)

تمہید

یہ ایک آیۃ ہے جس کا ایک خاص جزو اس وقت بیان کرنے میں مقصود ہے کیونکہ اس خاص جزو میں عورتوں کے بتلانے کے قابل ایک بات ہے اس واسطے ضرورت ہوئی اسی کے مقصود بنانے کی میں اسکی تعیین ابھی کردوں گا۔ اسی سے وجہ معلوم ہو جائے گی، اس آیت کے اختیار کرنے کی۔ گو میں نے آیت پوری پڑھی ہے مگر ترجمہ اسی جزو مقصود تک کروں گا۔

حقیقت عمل

اول سمجھ لیجئے کہ اس سے اوپر حق تعالیٰ نے کچھ ذکر کیا ہے اہل طاعت کا اور ان کے بعض اقوال وافعال ذکر فرمائے ہیں کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ وہ ذکر کرتے ہیں حق تعالیٰ کا اور

کائنات میں تفکر کرتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں وہ دعائیں نقل فرمائی ہیں اور نقل کیا فرمائی ہیں بلکہ تعلیم فرمائی ہیں۔ نہایت پاکیزہ اور جامع دعائیں ہیں اس کے بعد یہ آیت ہے جو میں نے پڑھی۔ فَاستَجَابَ لَهُم رَبُّهُم الخ۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی دعا قبول ہوئی اور انکی درخواست منظور کی گئی۔ اگلے جملے میں اس کی وجہ ارشاد ہے:

اَنِّی لَا اُضِیعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنکُم۔

یہاں لام مقدر ہے یعنی تقدیر لَانّی ہے مطلب یہ ہوا کہ درخواست انکی اس وجہ سے منظور ہوئی کہ میری عادت یہی ہے کہ میں کسی شخص کا عمل اور کسی کام کرنیوالے کا کام ضائع اور برباد نہیں کیا کرتا چونکہ دعاء بھی عمل ہے اس واسطے اس کو بھی میں نے ضائع نہیں کیا بلکہ اس کو منظور کرلیا اور وہ جو سوال کرتے ہیں وہ میں پورا کروں گا۔ ایک تو یہ توجیہ ہے اور ایک یہ ہے کہ انی کی تقدیر لانی نہیں ہے اور یہ علت نہیں ہے فاستجاب کی بلکہ یہ جملہ مفعول ہے استجاب کا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے اس بات کو منظور فرمایا کہ ان کا کوئی عمل ضائع نہیں کریں گے۔ اس میں دعا بھی آ گئی اور اعمال بھی آ گئے۔ اور گو اوپر اعمال کے ضائع نہ کرنے کی درخواست نہیں تھی پھر استجاب کے کیا معنی مگر اعمال تو مذکور ہیں یذکرون (نصیحت حاصل کرتے ہیں) اور یتفکرون (غور کرتے ہیں) میں جواب اعمال کو شامل ہے۔

لما قالوا کل مطیع للّٰه فهو ذاکر. (اللہ کی اطاعت کرنے والا ذاکر ہے)

اور جو شخص عمل کرتا ہے بہ نیت قبول کے کرتا ہے تو عمل کرنا بھی درخواست ہے ضائع نہ کرنے کی پس اس طرح سے عدم اضاعۃ کا استجاب کا مفعول بہ ہوگیا یہ تو توجیہ کا اختلاف ہے لیکن ہر حال میں خلاصہ مشترک اس کا یہ ہے کہ یہ بات معلوم کرادی گئی کہ خدا تعالیٰ کسی کا عمل ضائع نہیں کرتے یہ مضمون ایسا ہے کہ سب جانتے ہیں اور جا بجا آیتوں میں مذکور ہے چنانچہ کئی جگہ آیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیعُ اَجرَ المُحسِنِینَ (یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے) اور فَمَن یَعمَل مِثقَالَ ذَرَّةٍ خَیرًا یَّرَهٗ۔ (سو جو شخص (دنیا) میں ذرہ برابر نیکی

کرے گا وہ وہاں اس کو دیکھ لے گا)

بہر حال اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور اسمیں کوئی اشتباہ نہیں کہ خدا تعالےٰ کسی کا کام ضائع نہیں کرتے۔ چونکہ یہ بہت ظاہر اور مسلم بات ہے لہٰذا اسوقت یہ بیان سے مقصود بھی نہیں۔

حقیقت تواضع

مقصود وہ ہے جو آگے ہے یعنی تعمیم اس حکم کی کہ عامل کوئی ہو خواہ مرد ہو یا عورت سب کے لئے یہ حکم عام ہے جو نیک عمل کرے اس کا عمل ضائع نہیں کیا جائے گا اور یہ امر مقصود بالبیان اس واسطے تجویز ہوا کہ عورتیں یوں سمجھتی ہیں اور آج کل کی عورتوں پر کیا منحصر ہے پہلے بھی ایسے ہی ہوا تھا کہ عورتیں یہ سمجھتی تھیں کہ ہم کوئی چیز نہیں بالکل ردی اور بیکار چیز ہیں اسی پر یہ آیت نازل ہوئی تھی چنانچہ شان نزول اس کی یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ مردوں کے لئے ہجرت کے بڑے فضائل آئے ہیں عورتوں کا کچھ ذکر نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ مضمون کچھ تو عورتوں کے ذہن میں خود ہی ہے اور کچھ بعض مضامین کے سننے سے پیدا ہو گیا ہے۔ جو واعظ بیان کرنے کو اٹھتا ہے وہ عورتوں کی مذمت ہی کرتا ہے۔ اوران کے عیوب ہی بیان کرتا ہے۔

ایسے ہی مضامین سنتے سنتے عورتوں کی طبیعتیں سرد ہو گئی ہیں اور یہ کلیہ انہوں نے ذہن میں جمال لیا ہے کہ ہم بُرے اور بیکار ہیں۔ وہ مضامین بہت سے صحیح بھی ہیں اور یہ کلیہ جو ان کے ذہن میں آیا ہے بہت کار آمد چیز ہے کیونکہ یہ تواضع ہے اور اپنے آپ کو مٹانا ہے۔ مگر چونکہ ایک ہی قسم کے مضامین پر کفایت کی جاتی ہے اور دوسرا رُخ نہیں دکھلایا جاتا اس واسطے مفید نہ رہا۔ کیونکہ ہر چیز اپنے موقع پر ٹھیک ہوتی ہے جو عورتوں میں عیوب ہیں وہ بھی ٹھیک ہیں لیکن صرف عیوب ہی نہیں ہیں کچھ اوصاف حمیدہ بھی ہیں عیوب کو اپنے موقع پر اور اوصاف حمیدہ کو اپنے موقع پر بیان کرنے سے نفع ہو سکتا ہے۔ اگر اس کا خیال نہ رکھا جائے اور دونوں میں سے صرف ایک ہی شق کو بیان کیا جائے تو کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکتا بلکہ وہ بیان بالکل مہمل اور بیکار ہو جاتا ہے۔ اور گو اپنے آپ کو لاشے سمجھنا فی نفسہ بہت نافع ہے۔ کیونکہ تواضع ہے مگر

میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو بالکل بیکار سمجھنا کسی عارض سے مضر بھی ہے۔ اگر طبیعت سلیم ہوتو اپنے آپ کو جس قدر کم سمجھے اسی قدر نفع ہوتا ہے اور اگر طبیعت سلیم نہ ہوتو نفع نہیں ہوتا۔ بلکہ ضرر ہوتا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ نیستی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اہل اللہ نے بڑی کوششیں کیں کہ اپنے آپ کو مٹا دیں کسی شمار ہی کا نہ رکھیں۔ انہوں نے اس کی کوششیں کیں اور منجانب اللہ ان پر حالتیں بھی ایسی طاری ہوئیں جس سے ہستی بالکل مٹ جائے ؎

باوجودت آواز نیامد کہ منم (اس کے باوجود آواز نہیں آتی کہ میں ہوں)

ان کو یہ بھی کہتے شرم آتی ہے اور خدائے تعالیٰ کی جانب سے بھی حالات اسی قسم کے پیش آتے ہیں کہ ان کی ہستی بالکل مٹ جائے چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے وقت میں ایک دفعہ بارش نہ ہوئی لوگ عقیدت کی وجہ سے ان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت دعا کیجئے کہ بارش ہو جائے فرمایا میں کیا دعا کروں یہ میری ہی آفت ہے یہ میری ہی شامتِ اعمال ہے کہ بارش نہیں ہوتی اس کو معتقدین کب تسلیم کرتے عرض کیا کہ حضرت آپ تو مقبول بندے ہیں اور بزرگ ہیں اور چنان وچنیں ہیں آپ یہ کیا فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نحوست ہے ہمارے واسطے استغفار کر دیجائے کہ حق تعالیٰ ہمارے گناہوں پر نظر نہ فرماویں اور اپنی طرف سے رحمت نازل فرماویں فرمایا میں سچ کہتا ہوں کہ یہ میری ہی نحوست ہے جب تک میں شہر میں رہوں گا رحمت نہ ہوگی۔ لوگ مجبور ہوئے اور ان کو شہر سے باہر پہنچا دیا بس ان کا شہر سے نکلنا تھا کہ فوراً بارش ہوگئی۔ کیا ٹھکانا ہے حق تعالیٰ کے معاملات کا کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ انکی تربیت کی تکمیل مقصود تھی اس واسطے ایسا ہوا کہ جب تک وہ شہر میں رہے بارش نہیں ہوئی۔ گو اس میں یہ راز ہوسکتا ہے کہ اس تواضع پر عمل کرنے کی برکت سے بارش ہوئی ہو۔ غرض وہ لوگ خود اپنے آپ کو مٹاتے ہیں اور حق تعالیٰ بھی ان کے واسطے ایسا ہی سامان کرتے ہیں کہ ان کی ہستی بالکل مٹ جائے۔ اپنے آپ کو مٹانے پر ایک اور حکایت یاد آئی ایک بزرگ تھے سید احمد رفاعیؒ یہ حضرت سیدنا غوث پاک کے معاصر ہیں یہ اتنے بڑے شخص ہیں کہ جب مدینہ طیبہ پہنچے وہاں روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ذوق وشوق کی حالت میں یہ شعر پڑھے ؎

في حالة البعد روحي كنت ارسلها　　تقبل الارض مني وهي نائبتي

وهذه نوبة الاشباح قد حضرت　　فامدد يديک لكي تحظى بها شفتي

جن کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم دور تھے تو اپنی روح کو بھیج دیا کرتے تھے۔ وہ روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر زمین بوس ہو جایا کرتی تھی اب جسم کے حاضر ہونے کی نوبت آ گئی ذرا اپنے دستِ مبارک کو بڑھایئے تا کہ میرا لب اس سے بہرہ ور ہو سکے ہونٹوں کو یہ دولت نصیب ہو جائے۔ جلال الدین سیوطی نے نقل کیا ہے کہ روضۂ منورہ کے اندر سے ایک نہایت نورانی ہاتھ ظاہر ہوا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھا۔ انہوں نے دوڑ کر بوسہ دیا اور بیہوش ہو گئے بس ہاتھ غائب ہو گیا مگر کیفیت یہ ہوئی کہ تمام مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نور ہی نور پھیل گیا۔ ایسا نور کہ اس کے سامنے آفتاب کو بھی حقیقت نہ تھی اور واقعی آفتاب کی اس نور کے سامنے کیا حقیقت ہوتی۔ جب ان کو افاقہ ہوا تو خیال ہوا کہ میری بڑی عظمت ظاہر ہو گی جس سے میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ بس کیا کیا کہ دروازہ پر جا کر زمین پر لیٹ گئے اور پکار کر کہا کہ میں سب کو قسم دیتا ہوں کہ میرے اوپر سے پھاندتے ہوئے اور مجھ کو روندتے ہوئے جائیں یہ اس واسطے کیا کہ کیا عُجب پیدا نہ ہو جائے کہ میں ایسا ہوں کہ میرے واسطے ایسا ایسا ہوا۔ چنانچہ کوتاہ نظر عوام الناس نے یہی کیا کہ سب ان کے اوپر کو پھاندتے ہوئے گئے۔ ان کو اس میں لطف آتا تھا اور اس کی کچھ بھی پرواہ نہ تھی کہ ابھی کیا شان تھی اور ابھی کیا گت بن رہی ہے۔ ایک بزرگ سے جو کہ اس مجمع میں موجود تھے اس قصے کے بعد کسی نے پوچھا کہ آپ بھی ان کے اوپر پھاند کر گئے تھے کہا توبہ توبہ یہ کیسے ہوسکتا تھا خدا کا غضب فوراً نازل ہوتا اگر میں ایسا کرتا۔ عوام تو معذور ہیں کیونکہ ان کو پہچانتے نہ تھے۔ اور جو ان کو پہچانتا ہو وہ بے ادبی کرے تو فوراً پکڑ لیا جائے گا۔ ان بزرگ سے اس شخص نے یہ بھی پوچھا کہ آپ کو رشک تو بہت ہوا ہوگا۔ فرمایا میں تو کیا اس وقت ملائکہ کو بھی رشک تھا کہ ہمیں بھی یہ دولت نصیب ہوتی تو اخفاء کمالات کی یہ حالت ہوتی ہے اور کبھی کسی کمال کو ظاہر بھی کر دیا ہے تو وہ اس اظہار کے ماذون بلکہ مامور تھے۔ سو جب اس کے اظہار کے لئے کوئی حکم ہو جاتا ہے اس کو نہیں چھپا سکتے اس وقت کوئی بات ظاہر ہو جاتی ہے سو کمالات کو چھپایا ہے بلاغات کو نہیں چھپایا ہے یعنی احکام کو پوشیدہ نہیں رکھا لیکن اس صورت میں بھی جبکہ حکم سے ان کا کوئی کمال ظاہر ہو گیا تو انہوں نے دوسرے طریق سے اپنے آپ کو اس قدر مٹایا کہ کسی کو نیک گمان ان کی طرف سے ہی نہ سکے۔ یہ حالت تھی مٹانے کی۔ جو آپ نے ابھی سُنی۔

نتائجِ تواضع

غرض اپنے آپ کو مٹانا جس کو تواضع کہتے ہیں۔ بڑے کام کی اور نفع کی چیز ہے یہ مٹانا وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے واسطے بندگان خدا نے سلطنتیں چھوڑ دیں دنیا بھر کی پرواہ نہ کی۔ کوئی بات تو تھی، جسکی بدولت دنیا بھر سے اسکو ترجیح دیتے تھے۔ تو یہ صفت جس درجہ تک بھی کسی میں ہو محمود اور مقصود ہونی چاہئے۔ مگر ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اگر طبیعت سلیم نہ ہو تو اس سے نقصان بھی پہنچتا ہے۔ چنانچہ مایوسی اور ناامیدی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان سمجھنے لگتا ہے کہ میں تو کچھ ہوں ہی نہیں نہ میرا نماز روزہ کچھ ہے نہ اتنی طاقت ہے کہ مقصود تک پہنچوں۔ مقصود ہر طرح دور ہی دور ہے۔ بس اس وقت شیطان بہکاتا ہے کہ ارے بیٹھ بھی رہ محنت بھی کرے گا دنیا کے لذات کو بھی چھوڑ دے گا اور ہوتا ہواتا کچھ ہے نہیں بس یہ شخص مایوس ہو کر کام چھوڑ بیٹھتا ہے۔ یہ سب اسی تواضع کے نتائج ہیں جس کو غلطی سے علی الاطلاق محمود کہا جاتا ہے اور جس میں واقع میں تفصیل ہے۔ اور یہ نہ سمجھئے کہ یہ دھوکہ عوام ہی کو لگتا ہے۔ درویشوں کو بھی لگتا ہے۔ ایک شخص ذکراللہ کرتا تھا۔ تہجد کو اٹھتا تھا۔ شیطان نے کہا ارے بڑے حوصلہ کی ضرورت ہے اللہ اللہ کرنے کے لئے۔ تو نے اتنا اللہ اللہ کیا، کیا فائدہ ہوا۔ دماغ خراب کیا۔ مغز مارا مگر وہاں سے کوئی رسید ہی نہیں ملتی۔ بس وہ شخص مایوس ہو کر آرام سے مکان میں جا کر سو رہا۔ اور سوتے وقت ہی نیت کر لی کہ تہجد کو نہ اٹھوں گا۔ فائدہ کیا جب اتنے دن محنت کی اور کچھ نہ ہوا تو آگے ہی کیا ہو گا۔ بس وہ کام سے رہ گیا۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ اعمال صالحہ پر جب ثمرات مرتب نہ ہوئے اعمال سے بددل ہو جاتے ہیں۔ دنیا دار تو ظاہری ثمرات کو دیکھتے ہیں اور دیندار باطنی ثمرات کو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ دنیا داروں کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا دنیا کی فلاح میں دیر ہوئی تو دین سے بیزار ہو گئے۔ چنانچہ ہمارے عزیزوں میں ایک صاحب سب انسپکٹر تھے۔ جو نماز نہیں پڑھتے تھے اور ان کی بیوی نمازی تھی۔ ایک دن بیوی نے کہا کہ آپ بھی نماز پڑھا کیجئے۔ کہنے لگے کہ مجھی کو نماز سے کیا وصول ہوتا ہے جو میں بھی پڑھا کروں۔ وصول کیا ہوتا۔ آج کل لوگ وصول اسے سمجھتے ہیں جیسے ایک پیش کار صاحب تھے۔ وظیفہ بہت تھے صبح کی نماز کے بعد مصلے ہی پر

بیٹھے رہتے اور وظیفہ پڑھتے رہتے اشراق پڑھ کر مصلے اٹھایا جاتا۔ مگر اس مصلے پر ہی بیٹھے بیٹھے رشوت لیتے مصلے اور رشوت کا بھی کیا جوڑ ملایا ہے ؎

ہر گنا ہے کہ کنی در شب آدینہ بکن　　　تا کہ از صدر نشیناں جہنم باشی

اہل معاملہ آتے اور رشوت کی بات چیت کرتے تو یہ منہ سے نہ بولتے اشاروں میں جواب دیتے کہ ایک انگلی اٹھادی مطلب یہ ہوا کہ ایک سو لیں گے دو اٹھادیں دو سو لیں گے۔ پانچ اٹھادیں پانسو لیں گے۔ بولتے اس واسطے نہیں کہ وظیفہ خراب ہو جائے گا۔ یہ عجیب بات ہے کہ وظیفہ میں بولنا تو ناجائز مگر رشوت لینا جائز یہ تقوی کلابی کہلاتا ہے کہ کتا ٹانگ اٹھا کر موتتا ہے ایسا محتاط ہے کہ ٹانگ کو پیشاب سے بچاتا ہے مگر منہ سے پائخانہ کھاتا ہے پانوں موت میں آلودہ نہ ہو چاہے منہ گوہ میں بھر جائے...... اور گوہ پیٹ تک پہنچ جائے۔ اسی طرح یہ پیشکار صاحب زبان کو تو بچاتے کہ وظیفہ خراب نہ ہو جائے مگر پیٹ کو رشوت سے بھر لیتے۔ کوئی کہتا اتنا لایا ہوں پیشکار صاحب اشارہ سے کہتے نہیں اتنا لیں گے خیر اسی طرح لوٹ پھیر کر کے رشوت اشاروں ہی میں طے ہو جاتی ؎

میان عاشق و معشوق رمزے نیست　　　کراماً کاتبین راہم خبر نیست

(عاشق اور معشوق کے درمیان اشارہ ہے کراماً کاتبین کو اس کی خبر نہیں ہے)

جب اشراق پڑھ کر اٹھتے تو ڈیڑھ سو دو سو تین سو روپے مصلے کے نیچے سے نکلتے۔ یہ روز کی آمدنی تھی۔ کسی منحوس دن میں ایسا ہوتا کہ دس بیس روپے ہوتے یہ بار آور نماز تھی اسی کو وصول سمجھا جاتا ہے تو انسپکٹر صاحب نے جو بیوی سے سوال کیا کہ تجھے نماز سے کیا وصول ہوتا ہے یہی وصول مراد ہوگا۔ اسی بناء پر جو نماز پڑھی اور روپیہ نہ ملا تو ان کا کہنا ٹھیک ہے کہ فائدہ کیا ہوا۔

حقیقت دین و دنیا

بعضے لوگ اسی واسطے اعمال کرتے ہیں کہ دنیا حاصل ہو۔ روپیہ پیسہ ملے۔ دنیا کی حاجتیں پوری ہوں یہ تو اہل دنیا کے قصے ہیں۔ ان قصوں کو سنکر دیندار ہنستے ہیں کہ یہ دینداری ہے کہ دین کو ذریعہ بنایا دنیا کے حاصل کرنے کا مگر یہ لوگ سن لیں کہ آپ میں سے بھی بعضے انہیں کی طرح دنیا میں مبتلا ہیں اور دین سے دنیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس

طرح مبتلا ہیں کہ ذکر شغل سے خاص ثمرات کے طالب ہوتے ہیں اس طرح کے فقیر بنیں لوگوں میں مشہور ہو کہ یہ بزرگ ہیں اور مجاہدے کرتے ہیں کہ لوگوں کے ذہنوں میں انکی عزت ہو اگر کبھی کسی وجہ سے ان کی عزت میں فرق آ گیا تو سمجھے کہ ہمارا ذکر شغل بیکار رہے، کیونکہ اس کا ثمرہ نہیں پایا جاتا۔ یہ تو طالب جاہ ہیں اور بعضے طالب کیفیات ہوتے ہیں اگر کبھی کیفیات نہ طاری ہوئیں تو دل گھٹ گیا۔ یہ طلب کیفیات کسی درجہ میں طبعی بات ضرور ہے مگر سمجھدار آدمی کو کیفیات پر نظر نہ رکھنا چاہئے۔ اسی طرح جاہ کی حالت ہے کہ اکثر دیندار کی عزت ذہنوں میں ہوتی ہے لیکن ذکر سے اس عزت کو مقصود نہ بنانا چاہئے اس طرف التفات ہی نہ کرنا چاہئے کوئی عزت کی نظر سے دیکھے یا ذلت کی نظر سے ان کو اسکی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہئے اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے ورنہ یہ ہوتا ہے کہ بعض وقت جو کم فہموں میں انکی عزت نہیں ہوتی کیونکہ ان کے قلب میں دین ہی کی وقعت نہیں ہوتی تو یہ اس ذلت کو دیکھ کر عمل ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ غرض وہ شخص جو رسید کا منتظر تھا یہ نیت کر کے سو گیا کہ میں تہجد کو نہ اٹھوں گا۔ خواب میں فرشتہ کے ذریعہ سے اس کو متنبہ کیا گیا۔ بات یہ ہے کہ اس نے تو ذکر کو چھوڑنا چاہا مگر حق تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اس کو اس طرح چھوڑ دیں۔ فرشتے نے کہا کہ بھائی حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ آج تو نے میرا نام کیوں نہیں لیا۔ کہا میں عرصہ سے نام لیتا تھا مگر ادھر سے کچھ جواب ہی نہ ملتا۔ میں یہ سمجھا کہ میرا عمل قبول نہیں ہوتا۔ جب عمل قبول نہیں ہوتا تو اس کا کرنا فضول ہے میں پکارتا ہوں مگر ادھر سے نہ سلام ہے نہ جواب ہے۔ بس میری ہمت ٹوٹ گئی جواب میں ارشاد ہوتا ہے جس کو مولانا نقل فرماتے ہیں۔

گفت آں اللہ تو لبیک ما است ، ویں نیاز و سوز و دردت پیک ما است

(تیرا اللہ ہی کہنا ہمارا جواب ہے اور تیرا یہ سوز و نیاز اور درد ہمارا قاصد ہے)

یعنی وہ تیرا اللہ اللہ کہنا ہی ہمارا جواب ہے اگر ہم کو تیرا اللہ اللہ کہنا پسند نہ ہوتا تو دوبارہ توفیق ہی نہ ہوتی۔ تمام عالم بھرا پڑا ہے اللہ اللہ کون کرتا ہے سوا اس کے جس کو ہم توفیق دیں۔ جب ہم نے توفیق دی تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم کو تیرا عمل پسند ہے یہ بات ذاکرین کے لئے کس قدر تسلی دہ اور ہمت بڑھانے والی ہے گو ہمارا ذکر ہرگز اس قابل نہیں کہ قبول کیا جا سکے ان کی رحمت ہے کہ ایسے ذکر کو بھی قبول کر لیتے ہیں مولانا دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

ایں قبول ذکر تو از رحمت است　　　　چوں نماز مستحاضہ رخصت است

(یہ تمہارا ذکر قبول کرنا حق سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت ہے۔ جس طرح استحاضہ والی عورت کی نماز بوجہ عذر قبول کی جاتی ہے)

دیکھئے مستحاضہ کی اور بیمار کی کیا نماز ہے خون پیپ بہہ رہا ہے احکم الحاکمین کے دربار میں ان نجاستوں کے ساتھ کھڑے ہونے کی کیا ہمت ہوسکتی ہے مگر یہ حکم ہے کہ اسی طرح پڑھ لو۔ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ایسی نماز بھی قبول کر لی جاتی ہے۔ خیر اس شخص سے فرشتہ نے کہا کہ تو نے غلط سمجھا ایک بار کے بعد دوبارہ ذکر کی توفیق ہوئی تو قبول ہی کی علامت ہے اس کو سن کر اس کا دل بڑھا اور اٹھ بیٹھا اور تہجد پڑھا اور ذکر کرنے لگا۔ غرض دل گھٹنے سے عمل میں قصور رہتا ہے کیونکہ عمل کرنیوالا یوں سمجھتا ہے کہ میرا عمل کسی کام کا تو ہے نہیں پھر میں کیوں تکلیف اٹھاؤں اور دوسرے کاموں میں کیوں خرچ کروں؟

مقصدِ وعظ

بعضے واعظ ایک طرف سے سب کو ایک ہی طرح ہانکنا شروع کر دیتے ہیں ان کے تمام بیان میں ترہیب ہی ترہیب ہوتی ہے انہوں نے ترغیب کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ بس ان کا وعظ یہ ہوتا ہے کہ تمہاری نماز کچھ نہیں تمہارا روزہ کچھ نہیں حج تمہارا بیکار زکوٰۃ تمہاری فضول۔ اس کا اثر یہ نہیں ہوتا کہ سننے والے نماز روزہ اور اعمال کی اصلاح کریں بلکہ ہمت ہار کر جو کچھ بُرا بھلا عمل کرتے تھے اس کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ جیسے ایک گنوار کا قصہ ہے کہ گاؤں میں ایک واعظ صاحب آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ جب تک نیت نہ کرے روزہ نہیں ہوتا۔ اور نیت بتائی کہ یوں کہنا چاہئے بصوم غدٍ نویت۔ کوئی ایسے ہی ٹٹ پونجیا واعظ ہونگے جیسے گشتی واعظ اور کھانے کمانے والے ہوا کرتے ہیں ورنہ نیت کی حقیقت بھی بیان کر دیتے پھر غلطی نہ ہوتی۔ اگلے دن کیا دیکھتے ہیں کہ دن میں چودھری صاحب بے دھڑک حقہ پی رہے ہیں کیا مردود رمضان ہے تو نے روزہ نہیں رکھا۔ کہا مولوی جی خفا مت ہو تم ہی نے تو مسئلہ بیان کیا تھا کہ بے نیت کے روزہ نہیں ہوتا اور جو نیت تم نے بتائی تھی وہ مجھے یاد نہیں ہوئی اب اسے یاد کر کے روزہ رکھا کروں گا۔ آج میں نے سوچا کہ جب روزہ تو ہوا ہی نہیں پھر حقہ کا ذائقہ کیوں چھوڑ دوں۔

اس حکایات کو سن کر ہم لوگ ہنستے ہیں اور اس روزہ نہ رکھنے والے کو گنوار اور بیوقوف سمجھتے ہیں مگر انصاف سے کہیئے کہ اس میں قصور کس کا ہے۔ قصور واعظ کا ہے کہ بات کہی مگر ادھوری مسئلہ اس طرح بتایا کہ اس گنوار سے اس پر عمل نہ ہوسکا جب اس نے دیکھا کہ اس طرح عمل کرنا میرے بس کا نہیں ہے تو عمل ہی کو چھوڑ دیا۔ یہی اثر ان واعظوں کے بیان کا ہوتا ہے جو نری ترہیب ہی ترہیب بگھارتے ہیں۔ اور اس کی تائید میں پرانے بزرگوں کے مجاہدوں کے قصے بیان کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے پانی پینا چھوڑ دیا تھا فلاں بزرگ نے جوتا پہننا چھوڑ دیا تھا۔ فلاں بزرگ نے تمام عمر میں اتنے جَو کھائے تھے تم کیا کر سکتے ہو۔ تمہاری کیا نماز ہے تمہارا کیا روزہ ہے، تمہارا کیا ذکر ہے، کیا شغل ہے، بس سننے والے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم ایسے تو ہونے سے رہے اور بلا ایسے ہوئے کسی شمار میں نہیں لہٰذا قصہ ختم کرو کہ کچھ بھی نہ کرو۔

طریقِ تعلیم

میں مشورہ دیتا ہوں اہل تربیت کو کہ کبھی ایسی سخت تعلیم نہ کریں۔ اگر کسی سختی کی ضرورت بھی ہو تو عنوان اس کا نرم ہونا چاہئے۔ اس میں راز وہی ہے کہ طالب کو وحشت نہ ہو جاوے اور اس کو گراں سمجھ کر اصل کام سے بھی نہ رہ جائے۔ اتنی تنگی نہیں چاہئے کہ وہ اس کو تکلیف مالایطاق سمجھ لے۔ میں بعض دفعہ دوستوں کو مستحبات کی تاکید نہیں کرتا اس وجہ سے کہ کہیں وہ تنگ ہو کر ضروریات سے بھی نہ رہ جائیں۔ اس واسطے میں کہتا ہوں کہ موقع اور محل میں مخاطب کی خاص حالات کی رعایت کی نہایت ضرورت ہے بعض لوگ سختی کرتے ہیں اور طالبین کو مشکلات میں ڈال دیتے ہیں۔ میں مخاطب کی رعایت بہت زیادہ کرتا ہوں حتیٰ کہ بعض وقت کسی کے ساتھ بہت نرمی کی جاتی ہے اور کسی فعل پر روک ٹوک نہیں کی جاتی جو ظاہراً مداہنت ہی معلوم ہوتی ہے اس پر بعض دیکھنے والے کہنے لگتے ہیں کہ اس شخص کو یہ ٹوک دیتے یا اس کام کا امر کر دیتے تو یہ شخص ضرور مان لیتا[1] ایسے موقع پر چوکنا نہ چاہئے تھا۔ بات یہ ہے کہ ہر کام کا ایک آدمی ہوتا ہے وہ اس کے موقع محل کو سمجھتا ہے۔ اس کو مشورہ

---

[1] جیسے ایک ڈپٹی صاحب کو ریل کے سفر میں نماز کے وقت حضرت والا نے نماز کیلئے نہ کہا اور خود نماز پڑھی جس کو انہوں نے دیکھا لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ معتقد ہیں اگر حضرت والا ذرا اشارہ کرتے تو نماز میں ضرور شریک ہو جاتے لیکن اس چشم پوشی کا یہ اثر ہوا کہ وہ خود بہت شرمندہ ہوئے اور ہمیشہ کے لئے نمازی بن گئے۔ ۱۲

دینے کی ضرورت نہیں اور مشورہ دینا بھی ہو تو اس وقت نہیں دینا چاہئے یہ تو اعتراض کی صورت ہے اگر خیر خواہی اور دلسوزی ہے تو کسی وقت تنہائی میں کہہ دیا جائے تو مضائقہ نہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت دوسروں کی سمجھ میں اس کے فعل کی غایت نہیں آتی۔ کیونکہ نتیجہ کچھ زمانہ کے بعد مترتب ہونیوالا ہوتا ہے جس کو یہ سمجھتا ہے دوسرا نہیں سمجھتا اس لئے وہ اس فعل کو فضول سمجھ رہا ہے۔ دیکھئے اناج ربیع میں بویا جاتا ہے بوتے وقت کوئی ناواقف دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ اتنا اناج مٹی میں غارت کیا جارہا ہے لیکن بونے والا جانتا ہے کہ اس کا نتیجہ چندروز میں نکلے گا اور اس تلف شدہ اناج کا بدلہ دو چندسہ چند ملے گا۔ غرض جس شخص کو کسی کام کا اہل مان لیا جاوے اس کے افعال پر اعتراض نہ کرنا چاہئے اگر کسی کے فعل کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو کسی وقت اس سے بطور عرض کے سوال کیا جاسکتا ہے اعتراض کی اصلاً گنجائش نہیں کیونکہ اس کو جاننے والا تسلیم کیا جاچکا ہے اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ بعض لوگ مدرسوں میں جاتے ہیں تو طرح طرح کی رائے دیتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ کورس ایسا ہونا چاہئے کوئی کہتا ہے خودداری کی تعلیم ہونا چاہئے۔ تم کیا جانو جو لوگ اس کے اہل ہیں جن کے ہاتھ میں مدرسہ ہے وہ اس کے نشیب وفراز کو سمجھ سکتے ہیں یا آپ؟ بس جب آپ نے ان کے ہاتھ میں مدرسہ دے دیا ہے تو ان کی رائے میں دخل نہ دیجئے ہاں اگر ان میں نا اہلیت ثابت ہو جائے تو ان کو معزول کر کے کسی دوسرے اہل کے ہاتھ میں مدرسہ دید یجئے۔ اور اس دوسرے کے بارہ میں بھی یہی کہوں گا کہ اس کی رائے میں دخل مت دینا یہ بڑی غلطی ہے کہ ایک شخص کو کسی کا اہل مان کو پھر اس کی رائے کو نہ مانا جائے اور اس کے مقابلہ میں رائے زنی کی جائے۔ غرض جو آدمی جس کام کا ہو اس کو کام کرنے دو۔ میرے یہاں بعض وقت کسی پر تشدد بھی کیا جاتا ہے جس پر بعض دفعہ دوسروں کو رحم آتا ہے لیکن میرے یہاں (میں دعوے سے نہیں کہتا) بفضلہ تعالےٰ جس کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا اخیر میں اکثر وہ اسی کا اہل ثابت ہوا۔ یہ کچھ میرا کمال نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی تائید ہے خلاصہ یہ کہ مخاطب کی رعایت کرنا عموماً نہایت ضروری ہے اور خصوص اہل تربیت کیلئے تو بہت ہی لازم ہے اور یہ طریقہ مفید نہیں کہ جب بیان ہو تو ترہیب ہی کا ہو جیسا آج کل واعظوں کی عادت ہو۔

اعمالِ نسواں

اگر عورتوں کو ہمیشہ دوزخی، دوزخی کہا جائے گا تو دوخرابیاں ہوں گی یا تو وہ نماز روزہ بالکل ہی چھوڑ دیں گی یا کرینگی مگر دل بجھا ہوا رہے گا۔ رحمت سے مایوسی ہو جائے گی اور آپ نے سنا ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے یہ عجیب بات ہے کہ واعظ صاحب ممبر پر تو بیٹھتے ہیں تقویٰ سکھلانے کو اور طرز بیان ایسا ہے جس نے ایک مؤمن کو کافر یا قریب بکفر بنا دیا یا اس کا دل شکستہ کر دیا حتیٰ کہ وہ بیچاری اپنے آپ کو خدا کی رحمت سے محروم سمجھنے لگی میں نہیں سمجھتا کہ آخر عورتوں کو بات بات پر دوزخی کیوں کہا جاتا ہے کیا وہ نماز نہیں پڑھتیں کیا وہ روزہ نہیں رکھتیں روزہ رکھنے میں تو وہ مردوں سے بھی آگے ہیں۔ غرض جس طرح مرد عمل کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کرتی ہیں۔ اگر ان کے اعمال کو بیکار کہا جاتا ہے تو کیا مردوں کے سب اعمال باکار ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ حقیقت پر اگر نظر کی جاوے تو عمل تو سب ہی کے بیکار ہیں حق تعالیٰ کی شان کے موافق کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا۔ پھر کسی فریق کو کیا حق ہے کہ اپنے عمل کو باکار سمجھے اور دوسرے کے اعمال کو بے کار۔ اگر ایک فریق کو حق تعالیٰ کی رحمت سے ایسے بیکار اعمال کے قبول ہو جانے کی امید ہو سکتی ہے تو دوسرے فریق کو کیوں نہیں ہو سکتی؟ اول تو نجات کا اصلی مدار رحمت پر ہے مگر عمل کو جتنا دخل ہے عورتیں بھی اس سے محروم نہیں۔ عورتیں بھی عمل کر سکتی ہیں اور کرتی ہیں تو سب کو ایک لکڑی ہانکنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ واعظوں کی مہربانی سے عورتوں کے ذہن میں علی العموم یہ بات جم گئی ہے کہ ہمارے اعمال بالکل نکمے ہیں اور ہمارا انجام دوزخ کے سوا کچھ نہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمت ہار دی اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ بھی نہیں کرتیں۔ میں کہتا ہوں یہ بڑی غلطی ہے خدا تعالیٰ کی رحمت تنگ نہیں ہے نہ کسی کے ساتھ اس کو خصوصیت ہے تمہاری نماز ٹوٹی پھوٹی کیسی بھی سہی اگر مردوں کی نماز حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر رکھتی ہے تو تمہاری نماز بھی وہی قدر رکھتی ہے۔ بیبیو! ہمت نہ ہارو اور ایسے واعظوں کے کہنے کو مت سنو حق تعالیٰ کی رحمت تو تم پر اسی وقت متوجہ ہو گئی جب تم کو نماز کی توفیق دی۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ ہماری نماز ہی کیا؟ یہ قول بہت اچھا ہے مگر اس میں دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ ہمارا فعل ہے اس معنی کر یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا ہی سمجھنا چاہئے۔ اور ایک حیثیت یہ کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اسکی توفیق دی

اس معنی کر یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ خدا تعالیٰ کا عطیہ ہے اور خدا تعالیٰ کی نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ نماز لنگڑی لنجی ہو اس حیثیت سے کہ عطیہ خداوندی ہے، بہت بڑی نعمت ہے اگر اسکی بھی توفیق نہ ہوتی تو کیا کرتے۔ اگر ایک شخص کو روکھی روٹی ملے تو اس کو ناک مار کر کھانا کفران نعمت ہے کیونکہ اگر یہ بھی نہ ملتی تو اس کا کیا بس تھا؟

وقتِ تواضع

اب واعظوں نے ایک حیثیت کو تو غائب کر دیا اور ایک پر نظر کر رکھی ہے لہٰذا جب بیان کریں گے تو یہی کہ تمہاری نماز کیا اور تمہارا روزہ کیا۔ واعظ صاحب سے کوئی پوچھے کہ آپ کی نماز میں بھی تو دو حیثیتیں ہیں اس میں بھی اسی ایک حیثیت پر نظر کیوں نہیں رکھتے۔ عورتوں کو ہی خطاب کیوں کرتے ہو کہ تمہاری نماز کیا اور روزہ کیا۔ مجھے اس لفظ پر کہ اپنی چیز کو گھٹیا سمجھنا چاہئے ایک حکایت یاد آئی۔ ایک مرتبہ میں انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا میری اکثر عادت تو تیسرے درجے میں سفر کرنے کی ہے مگر بعض دفعہ اس میں تکلیف ہوتی ہے تو ایسے موقع پر میں اس کو بھی تکلف سمجھتا ہوں کہ تھرڈ میں سفر کرنے کو اپنی وضع بنا لیا جاوے ہجوم وغیرہ کے موقع پر میں بے تکلف انٹر میں سفر کر لیتا ہوں۔ چنانچہ آرام کے خیال سے اس وقت انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا جس میں تین چار جنٹلمین بھی بیٹھے ہوئے تھے مجھے عمر بھر کبھی ایسی غیر مہذب صحبت کا اتفاق نہیں ہوا جیسی غیر مہذب جماعت سے اس دن سابقہ پڑا۔ حالانکہ وہ معمولی درجہ کے لوگ نہ تھے بلکہ بڑے بڑے درجہ کے لوگ تھے۔ ایک جنٹ تھے اور ایک وکیل تھے اور خدا جانے کیا تھے غرض ممتاز لوگ تھے۔ انہوں نے وہ خرافات آپس میں بکنا شروع کی کہ سننے والا شرما جاوے۔ اتفاق سے ایک ہندو منصف بھی اسی ڈبہ میں آ بیٹھے۔ عہدہ اس کا بھی بڑا تھا مگر غیر مذہب کا آدمی تھا۔ جنٹلمینوں نے آپس میں فحش فحش اشعار پڑھنا شروع کئے منصف صاحب کی کمبختی آئی کہ کسی شعر پر آپ بول اٹھے کہ ہاں صاحب ذرا پھر پڑھئے انہوں نے وہ شعر تو دوبارہ پڑھا نہیں مگر منصف صاحب کے سر ہو گئے ایک بولا اچھا آپ بھی شاعر ہیں اس نے کہا جی نہیں میں شاعر تو نہیں۔ دوسرے بولے آپ ضرور شاعر ہیں اس جماعت کی یہ حالت تھی جیسے بھانڈ ہوتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر

تیسرا بولا آپ یقینی شاعر ہیں آپ کا تخلص مسکین ہے ایک بولے آہ ہاہ تو یہ شعر آپ ہی کا ہے۔

مسکین خر اگرچہ بے تمیز است　　　چوں بار ہمے برد عزیز است

(مسکین کا گدھا اگرچہ بدتمیز ہے چونکہ ہمارا بوجھ اٹھاتا ہے اس لئے ہمیں عزیز ہے)

غرض بچارے کو ایک مشغلہ بنا دیا مگر منصف صاحب کچھ نہ کہہ سکے کیونکہ وہ خود ہی اپنے ہاتھوں بلا میں پھنسے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ کا خود ہی جی چاہا مسخرہ بنے کو ایسے بھانڈوں کو چھیڑا ہی کیوں تھا پھر انہوں نے ایک حرکت یہ کی کہ جب دستر خوان بچھایا اور کھانا نکالا گیا تو ایک بولے آیئے منصف صاحب آپ بھی کچھ گوہ موت کھا لیجئے دوسرا بولا کہ تم بڑے بدتمیز ہو کہ کھانے کو گوہ موت کہتے ہو۔ اس نے کہا میاں اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہئے۔ اسی کا نام تواضع ہے اپنے کھانے کو کھانا کہنا تکبر ہے میں تو چار لپیٹ کر ایک طرف کو لیٹ گیا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ ایسا نہ ہو کہ مجھ پر بھی کچھ عنایت ہو خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر تو کچھ عنایت نہیں ہوئی اور شائد وہ منصف صاحب کو بھی کچھ نہ کہتے مگر ان کی کمبختی نے خود ہی دھکا دیا کہ اپنے آپ پنچوں میں شامل ہوئے اور بجلی کے تار کو ہاتھ لگایا۔ خیر مجھے یہ حکایت صرف اتنی مناسبت سے یاد آ گئی کہ اپنی چیز کو گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہئے اتنی بات تو صحیح ہے مگر جیسا گھٹیا نام ان جنٹلمینوں نے اپنے کھانے کو دیا وہ نہایت بدتمیزی اور بدتہذیبی کا نمونہ تھا۔ کھانے کو گوہ موت کہنا تواضع نہیں ہے کھانا خدا کا رزق ہے اس کو اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے مگر کسی قدر گھٹیا نام سے یاد کر سکتے ہیں مثلاً دال روٹی یا آب ونمک کہہ دیا جاوے مگر نہ اس قدر گھٹانا کہ گوہ موت ہی کہہ دیا جائے۔ کیونکہ کھانے میں یہ بھی تو ایک حیثیت کہ وہ خدا کا رزق ہے اسی لحاظ سے وہ بہت کچھ معظم و مکرم ہے غرض یہ ان کا مسخرہ پن تھا کہ رزق کے لئے ایسے الفاظ بیہودہ استعمال کئے۔

حقیقت تقویٰ

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اللہ والوں کے یہاں جیسی دیکھی کہیں نہیں دیکھی۔ چنانچہ ایک بار حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کے یہاں میں مہمان تھا۔ جب میں نے کھانا شروع کیا مولانا نے پوچھا کیا کھانا ہے۔ میں نے کہا ارہر کی دال اور روٹی ہے

فرمایا سبحان اللہ خدا کی بڑی نعمت ہے۔ دیکھو صحابہ کرام نے جہاد میں ایک ایک چھوارے پر پورا دن گزارا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بعض وقت بدوں سالن کے روٹی کھاتے تھے کبھی سرکہ سے کھا لیتے۔ واقعی اللہ کے بندے ایسے ہی شاکر ہوتے ہیں۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ کوئی کھانا کھلاتا ہے تو اس میں دس قسم کے اعتراضات نکالتے ہیں اور جگہ جگہ گاتے پھرتے ہیں کہ فلانے کے یہاں گھی کم تھا گوشت سخت تھا۔ گلا گھونٹ پلاؤ تھا۔ گھونسے مار مار کر حلق سے اتارا گیا۔ یہ کیا بیہودگی ہے اپنے آپ کو ایسا بڑا سمجھتے ہیں کہ پلاؤ قورمہ بھی نظر میں نہیں آتا اگر واقعی کھانا خراب ہی تھا اور تمہیں پسند نہ آیا تو اس کو نہ کھاتے واپس چلے آتے مگر اس کی نسبت تحقیر کے الفاظ کہنا جا بجا گاتے پھرنا یہ کہاں کی تہذیب ہے دکھو مولانا نے ارہر کی دال کو بڑی نعمت فرمایا اور فرمایا کہ صحابہ کرام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کھایا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جَو کو پیس کو پھونک سے بھوسی اُڑا کر کھا لیا جاتا تھا پھر کس کا منہ ہے کہ پلاؤ قورمہ سے بھی ناک چڑھائے میں نے اپنے ایک استاد کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ بخش دیا میں نے پوچھا کس بات پر بخش دیا فرمایا ایک ذرا سی بات پر وہ یہ کہ ایک روز گھر میں کھچڑی پکی تھی اس میں نمک ٹھیک نہ تھا۔ میں نے اس کو حق تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر چپکے بیٹھ کر کھا لیا کچھ تکرار نہیں کیا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں تمہاری یہ بات پسند آئی لہٰذا تم کو بخش دیا۔ ہم تو اس بناء پر ان کے معتقد تھے کہ وہ بڑے متقی تھے نماز ایسی پڑھتے تھے ذکر و شغل کرتے تھے بڑے پابند شرع تھے مگر بخشش انکی اس پر ہوئی کہ بے نمک کی کھچڑی خوشی سے کھالی تھی۔ حق تعالیٰ کے سامنے کسی کا زہد و طاعت اور اتقا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہمارا عمل ان کی شان کے موافق ہے۔ اگر بخشش ہو سکتی ہے تو صرف نظر عنایہ سے ہو سکتی ہے......

جس کے لئے سبب ادنیٰ بھی کافی ہو سکتا ہے۔ پھر اس سبب میں کیا مردوں ہی کا حصہ ہے عورتوں کا نہیں ہم لوگ حدیث پڑھتے ہیں جو لوگ پلاؤ قورمہ پر ناک مارتے ہیں وہ حدیث میں دیکھیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جو کھانا پسند نہیں آیا اس کو چھوڑ دیا۔ نہ کھایا نہ کوئی بُرا لفظ اس کے متعلق فرمایا آج کل افراط و تفریط دونوں ہیں یا تو پلاؤ قورمہ پر ناک ماریں یا باوجود رغبت نہ ہونے کے کھائے چلے جاویں اور

اس کو بڑی نفس کشی سمجھیں کہ طبیعت لیتی نہیں مگر زبردستی حلق سے اتارے چلے جاتے ہیں اسے نفس کی مخالفت نہیں کہتے بلکہ اس کا نام زہدِ خشک ہے شریعت میں اعتدال ہے۔

اعتدالِ طعام

سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم نہیں فرمائی کہ جی نہ چاہتا ہو تو خواہ مخواہ کھا ہی لو بلکہ تعلیم دی ہے کہ جی چاہے تو کھاؤ نہ چاہے تو چھوڑ دو مگر اس کو بُرا کہنے کی اجازت نہیں دی اعتدال وہی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھا دیا کھانا پسند آیا کھا لیا نہ پسند آیا چھوڑ دیا۔ حدیث میں ہے۔ لم یَعِب[1] طعاما یعنی کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا جیسا ہم کرتے ہیں کہ گھی کم ہے کچا ہے پکا ہے۔ یہ سارے نخرے اس لئے ہیں کہ خدا نے دے رکھا ہے۔ کھانے کی قدر بھوکے سے پوچھو اس کو یہ نہیں سوجھتا کہ روٹی تازی ہے یا باسی گھی کم یا زیادہ کھانا گرم ہے یا ٹھنڈا غرض کھانے کو کسی حال میں بُرا نہ کہنا چاہئے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ باورچی کیسا ہی خراب اور بے ترکیبی سے پکائے اس کو تنبیہ بھی نہ کی جائے، یہ بات نہیں پکانے والے کو سمجھا دینا چاہئے مگر کھانے سے ناک منہ چڑھایا جاوے کہ منہ میں رکھا اور ذرا نمک کم ہے تو تھوک دیا اٹھا کر برتن پھینک دیا بی بی یا خادمہ کے سر پر سالن لوٹ دیا۔ بعض لوگ برتن بہت توڑتے ہیں۔ ارے برتن نے کیا خطا کی تھی بلکہ ان سے کوئی یہ پوچھے کہ یہ جرمانہ کس پر ہوا آپ نے جو اپنے گھر کا آٹھ آنہ کا پیالہ توڑا یہ تو آپ ہی کے اوپر جرمانہ ہوا جس سے لازم آیا کہ خطاوار تم ہی ہو غصہ میں یہ بھی نہیں سوجھا کہ خطاوار نوکر ہے یا تم خود ہو اور جرمانہ کس پر ہو رہا ہے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرنا یُخرِبُونَ بُیوتَھُم بِاَیدِیھِم (اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو برباد کرتے ہیں) کا مصداق بننا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایک گروہ کفار کی حالت میں بیان فرمایا ہے کہ ان پر یہ عذاب الٰہی نازل ہوا کہ بھاگتے وقت اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے گھر میں رہنا تو کیا ملتا اسی طرح کھانا تو تم سے چھین ہی لیا گیا تھا کہ بھوکے رہے اور یہ جرمانہ ہوا کہ برتن بھی ٹوٹ گئے بُری بات ہے۔ کھانے میں عیب نکالنا تکبر کی بات ہے اور اتنا بڑا عیب نکالنا کہ اس کو گوہ موت کہنا۔ یہ سب ان کا مسخرہ پن تھا۔ اور اس کو تواضع میں ٹھونسنا تو نری شرارت تھی اس کو تواضع نہیں کہتے یہ تو ایسا ہے جیسے تم کسی کے پاس جاؤ اور وہ پوچھے تم کون ہو تو

---

[1] لم أجد الحديث في "موسوعة اطراف الحديث النبوی شریف"

جواب میں یوں کہو کہ گدھا ہوں اور اس کو تواضع سمجھو تو ہر گز کوئی عقلمند اس کو پسند نہیں کرے گا اپنی نسبت کوئی تعظیم کا لفظ نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو کہ انسان سے گدھے بن جاؤ اس کا نام تواضع نہیں ہے۔ اس کا نام ناشکری اور بدتمیزی ہے۔ اسی طرح اپنی نماز کو بالکل رائیگاں اور بیکار سمجھ لینا یہ بھی تواضع نہیں ہے اعتدال کا درجہ یہ ہے کہ نماز کو اس حیثیت سے کہ اپنا فعل ہے ہیچ سمجھے مگر اس حیثیت سے حق تعالیٰ کا عطیہ ہے یوں سمجھے کہ جس نماز کی توفیق ہم کو دی گئی ہے ہم اس کے بھی قائل نہ تھے یہ محض حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایسے نالائقوں کو ایک دین کے کام کی توفیق دی ۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل　　　نسیمِ صبح تیری مہربانی

تواضع و مایوسی

خلاصہ یہ ہے کہ ناز نہ کرے بلکہ شکر کرے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آگے چل کر اس سے اچھی عمل کی توفیق ہوگی اور جب تم اپنے عمل کو ناقص وحقیر جانتے ہو تو اس کی اصلاح کرو اور اصلاح میں کسی خاص درجہ پر اکتفا نہ کرو جو جو خرابیاں اس میں سب کی اصلاح کرو اور پوری طرح سنوار لو صحیح طریقہ یہ ہے نہ یہ کہ اس کو لاشے محض سمجھو اسکی بیقدری کرو بلکہ ہر درجہ میں اس کو ایک لحاظ سے خدا کی نعمت سمجھو اور دوسرے لحاظ سے اس کو کسی قابل نہ سمجھو ہر وقت تکمیل اور اصلاح کی فکر میں لگے رہو اس سے نہ ناز ہوگا نہ ہمت ٹوٹے گی۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ زیادہ تواضع کرنے سے آدمی مایوس ہو جاتا ہے اور رحمت سے ناامیدی ہو جاتی ہے ہم نے ایسے مسلمان دیکھے ہیں جو گناہ میں مبتلا ہوئے پھر انکے دل میں کھٹکا پیدا ہوا لیکن بتلانے والوں نے انکو امید نہیں دلائی بلکہ ڈرا ڈرا کر مایوس کر دیا اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ اور زیادہ گناہ میں مبتلا ہو گئے۔ میرٹھ میں ایک مسلمان سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے ان کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی عیب دنیا کا نہیں تھا جو ان میں نہ ہو بہت ہی بڑا ظالم اور بے رحم آدمی تھا جب ان سے یہ کہا جاتا کہ یہ کیا حالت ہے تو کہتے کہ میں دوزخی تو ہو ہی چکا پھر کیوں کسر رکھوں ایسی بہت نظیریں ہیں یہ خرابی ہے مایوسی کی جس سے بعض دفعہ ایمان کے جاتے رہنے کا ڈر ہو جاتا ہے اور ایمان نہ بھی جاوے تو آدمی پریشان تو ضرور رہے گا اور بھی کچھ نہیں عمل میں تو کمی کرے ہی گا کمی بھی نہ کرے تو ناشکری تو ضرور کریگا چنانچہ بعض دفعہ ایسے لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمیں کیا دیا حق تعالیٰ نے نہ نماز کی توفیق دی نہ روزہ کی اس ناشکری اور گستاخی کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کی طبیعت میں

مایوسی جاگزیں ہوگئی ہے اسی لئے وہ کچھ بھی ہمت سے کام نہیں لیتے اور اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب تک بندہ میں طلب و ہمت نہ ہو اس وقت تک توفیق نہیں دیتے پس خدا کی شکایت کرنا کہ ہم کو نماز روزہ کی توفیق نہیں دی دراصل اپنی شکایت کرنا ہے ایک ضرر تو مایوسی کا یہ ہے دوسرا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ نماز روزہ کرتے بھی ہیں وہ نہایت بددلی کے ساتھ کرتے ہیں کیونکہ یہ خیال جم گیا ہے کہ ہماری نماز کیا ہے، روزہ کیا ہے، یہ سب بیکار باتیں ہیں اس لئے وہ صرف ایک رسم سی ادا کر لیتے ہیں۔ عورتوں پر یہ اثر زیادہ دیکھا جاتا ہے زیادہ عورتیں آپ کو اسی خیال کی ملیں گی جو یہ سمجھے بیٹھی ہیں کہ ہمیں دین حاصل ہو ہی نہیں سکتا نہ ہماری نماز کچھ ہے نہ روزہ کچھ ہے اور اگر آپ تجسس کریں گے تو اس کو حضرات واعظین ہی کی برکت کا نتیجہ پائیں گے۔ کیونکہ یہ لوگ جب مستورات کے مجمع میں بیان کرتے ہیں تو صرف یہی حدیث پڑھتے ہیں کہ عورتیں زیادہ دوزخ میں جائیں گی۔ مستورات کو اول تو بیان سننے کے مواقع ہی کم ملتے ہیں اور جب ملتے ہیں تو یہی بات کان میں پڑتی ہے کہ تم دوزخی ہو دوزخ میں تم زیادہ ہو گی اس سے ان کے دل میں یہ خیال مستحکم ہو جاتا ہے کہ ہمارے اعمال بیکار ہیں اور چونکہ عورتوں میں بوجہ ضعف تاثر کا مادہ بہت ہوتا ہے اس لئے وہ واعظوں کی ہر قسم کی باتوں سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہیں۔

فضول خرچی

اس تاثر کی ایک اور فرع یاد گئی وہ یہ کہ بعض چندہ وصول کرنے والے قصداً عورتوں کے مجمع میں بیان کرتے ہیں، تاکہ چندہ زیادہ وصول ہو چنانچہ ان پر واقعی بڑا اثر ہوتا ہے اور چندہ خوب ہو جاتا ہے۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ چندہ دینے میں عورتوں کے دل کو کیا لگتی ہے کچھ بھی نہیں کیونکہ خاوند کا مال ہے اور مال مفت دل بے رحم۔ دوسرے یہ کہ ان بیچاریوں میں عقل بھی کم ہوتی۔ موقع و محل کو نہیں سمجھتیں جوش میں جو کچھ ہاتھ میں آیا دے ڈالا اور ایک تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں ذرا کوئی قصہ رقت آمیز سنا دیا اور یہ پانی پانی ہو گئیں۔ ایک چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ عورتیں سونے چاندی سے خالی نہیں ہوتیں سب کے پاس کچھ نہ کچھ زیور ضرور ہوتا ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ دے ہی دیتی ہیں اور مرد تو جیب میں روپیہ پیسہ لانا کبھی بھول بھی جاتے ہیں۔ اور ایسے حضرات واعظین کو حدیث[۱] بھی ایک ہی یاد ہے۔

یَا مَعشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقنَ وَلَو مِن حُلِیِّکُنَّ الخ

---

[۱] سنن الترمذی: ۶۳۵، مشکوٰۃ المصابیح: ۱۸۰۸، کنز العمال: ۴۵۰۷۷

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے عورتو! خیرات کرو اگرچہ اپنے زیور ہی میں سے ہو کیونکہ مجھ کو دکھلایا گیا ہے کہ زیادہ تر اہل دوزخ عورتیں ہیں۔ یہ حدیث اپنے موقع پر صحیح ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ عورتوں میں بوجہ کثرۃ جہل کے کوتاہیاں بہت ہیں اس لئے وہ ذوزخ میں زیادہ جائیں گی مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ عورتیں اپنی نجات سے مایوس ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کوتاہیوں کا علاج کرنا چاہئے وہ یہ کہ ان کوتاہیوں کو دور کیا جائے اور اعمال صالحہ زیادہ کئے جاویں ان ہی اعمال صالحہ میں سے ایک خیرات بھی ہے یہ مطلب نہیں کہ بس خیرات ہی علاج ہے تمام کوتاہیوں کا (مثلاً نماز نہ پڑھے اور خیرات کر دے یا حج نہ کرے اور خیرات کر دے یا روزہ باوجود قدرت کے نہ رکھے اور خیرات کر دے وغیرہ وغیرہ۔ یہ کسی کے نزدیک بھی درست نہیں کاتب ۱۲) ان پیشہ ور واعظوں نے حدیث بھی اختیار کی تو وہ جس میں ان کا فائدہ ہو یعنی چندہ ملے۔

مسئلہ ملکیت

حدیث مذکور میں یہ بات بھی تو قابل غور ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مِن حلیکن فرمایا ہے۔ من حلی الزوج نہیں فرمایا جس کا مطلب یہ ہوا کہ خیرات کرنے کی ترغیب اپنے مملوک زیور میں ہے نہ کہ خاوند کے مملوک[۱] میں عرب کی عادت تھی کہ اثاث البیت میں سے ہر چیز شوہر اور بیوی کے درمیان بٹی ہوئی ہوتی تھی عورت کی الگ مرد کی الگ جیسے آج کل یورپ میں ہے کہ صاحب کی چیزیں الگ ہوتی ہیں میم صاحب کی الگ۔ تو من حلیکن کے معنی یہی ہوں گے کہ اس زیور میں سے خیرات کرو جو تمہاری مِلک ہو نہ اس زیور میں جو تم پہنے ہوئے ہو اور خاوند کی مِلک ہو آج کل ہم لوگوں کی معاشرت اس قدر گندی ہو گئی ہے کہ کسی کے حق کی بھی پرواہ نہیں رہی اور جہالت کی یہ حد ہے کہ ہم کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ صفائی معاملات اور تمایز حقوق کا طریقہ ہمارے یہاں کا تھا جو اب یورپ میں ہے۔ معاملہ کی صفائی اسی کو مقتضی ہے کہ میاں بیوی کے املاک ممتاز ہوں۔ ہندوستان میں بھی یہی رواج ہو جاوے تو اچھا ہے مگر ہمارے یہاں تو حالت یہ ہے کہ گھروں میں یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ چیز کس کی ہے اور وہ چیز کس کی۔ اسکی چیز پر وہ قابض ہے

---

[۱] حدیث میں بروایت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ آیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورت کو جائز نہیں ہے کہ کچھ دینا بلا اجازت خاوند کے اور بروایت ابوامامہ آیا ہے کہ نہ خرچ کرے عورت خاوند کے گھر میں سے کچھ بلا اذن خاوند کے عرض کیا گیا کہ کھانا بھی کسی کو نہ دے۔ فرمایا کھانا تو سب سے بہتر مال ہے ۱۲ کاتب از جمع الفوائد باب فضل الصدقہ۔

اور اسکی چیز پر یہ......... عورت کے پاس زیور ہوتا ہے تو اس میں امتیاز نہیں کہ کونسا باپ کے گھر کا ہے اور کونسا خاوند کے گھر کا پھر وہ عورت کی مِلک کر دیا گیا ہے یا عاریت ہے اگر کوئی مرد اپنے گھر میں اسکی تنقیح کرنا چاہے کہ میری مِلک کونسی اور دوسرے کی کونسی تو اس پر بڑی انگشت نمائی ہوتی ہے اور سارے کنبہ میں بدنام کیا جاتا ہے کہ لو صاحب اپنی ذرا ذرا سی چیز فلاں شخص الگ کرتا ہے۔ اور اس قدر کنجوس ہے اس قدر بخیل ہے کہ اپنی چیز کو کسی کا ہاتھ لگنا گوارا نہیں کرتا۔ مطلب یہ کہ سخی وہ ہے جو بالکل بدانتظام مغفل اور مجہول ہو جس کو نہ اپنی مِلک کی خبر ہو نہ دوسرے کی پھر اس سخاوت کا لطف جب آتا ہے جب ان میں سے کوئی کھسک جاوے اور ترکہ تقسیم کیا جاوے۔ اس وقت ایک کہتا ہے یہ چیز مرنے والے نے مجھ کو دے دی تھی۔ ایک کہتا ہے یہ چیز میت کی نہیں تھی۔ میری تھی۔ ایک عورت کہتی ہے یہ سامان میرے باپ کے گھر کا ہے۔ دوسری کہتی ہے میرے باپ کے گھر کا ہے اب کوئی سبیل نہیں کہ اس جھگڑے کو کس طرح طے کیا جائے پھر وہ جوتی پیزار ہوتی ہے کہ دیکھنے والے ہنستے ہیں اور جو کوئی خاندان بڑا مہذب ہوا تو وہاں یہ جوتی پیزار تو نہیں ہوتی کیونکہ یہ باتیں تہذیب اور شرافت کے خلاف ہیں مگر دلوں میں رنجشیں اور عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں شکایتوں کی نوبت آتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر جیل خانہ بن جاتا ہے۔

دین و معاشرت

یہ تو اس معاشرت میں دنیا کی خرابی ہے اور دین کی خرابی یہ ہے کہ دوسرے کی مِلک میں بلا اجازت تصرف کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے اور وہ چیز ضائع ہو جاوے تو ضامن ہوتا ہے قیامت کا معاملہ بہت نازک ہے تین پیسے جس کے ذمہ رہ جاویں گے اس کی سات سو مقبول نمازیں چھین کر صاحب حق کو دلوادی جاویں گی یہ کس قدر خوف کی بات ہے ساری عمر نماز پڑھی اور قیامت میں سب چھین لی گئی۔ یہ نتیجہ ہے گول مول باتوں کا دنیا بھی برباد کیونکہ رنجشیں پیدا ہوتی ہیں جس سے سارے گھر کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور آخرت بھی برباد کہ کی کرائی عبادت اپنے پاس نہ رہی۔ ہمارے یہاں ایک شخص آئے کہ میری بی بی مر گئی ہے اس کا ترکہ موافق قواعد شریعت کے تقسیم کر دو میں نے کہا کہ بی بی کی مملوک چیزوں کی فہرست بنا کر میرے پاس لاؤ اس سوال کے جواب میں ان کو اس قدر مصیبت ہوئی کہ پریشان ہو گئے کیونکہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کون چیز ان کی ملک تھی اور کون چیز بیوی کی۔ میں

نے کہا اس مصیبت کے ساتھ یہ جرمانہ الگ ہے کہ جس چیز میں شبہ رہے وہ سب بی بی کی ملک سمجھی جائے سب وارثوں کو جمع کرو سب اپنی اپنی چیزیں الگ کرلیں جس میں شک ہو وہ سب میت کی ملک سمجھو اس میں میراث جاری ہوگی چنانچہ یہی کیا اور بڑی مشکل سے ترکہ تقسیم ہوسکا یہ بھی اسی شخص کی دینداری تھی کہ مصیبت اٹھائی اور کام کر کے چھوڑا غرض جیتے جی تو سب کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ سب سامان گڑبڑ رہے اور کسی چیز میں کسی کا نام لگنا ناگوار معلوم ہوتا ہے مگر ایک کے مرنے کے بعد بڑی مصیبت پیش آتی ہے اس خرابی کی وجہ یہ ہے کہ ہماری معاشرت گندی ہے اور بات گول مول رہتی ہے ہم کو ابتداء ہی میں لازم ہے کہ جب کوئی زیور یا کوئی چارپائی بنے یا کوئی چیز خریدی جائے تو اسی وقت زبان سے کہہ دیں کہ یہ سامان تمہارا ہے یا ہمارا ہے بس معاملہ صاف ہو جائے۔

مسئلہ تصریح

یہ تو اثاث البیت کے متعلق ہوا گھر کا خرچ دینے میں بھی یہی گڑبڑ ہے میاں جو کچھ کماتے ہیں بی بی کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں بی بی سمجھتی ہے کہ یہ سب مجھے دیدیا یعنی میری ملک کردیا اور جس طرح چاہتی ہیں کھاتی اُڑاتی ہیں اسی میں سے خیرات کرتی ہیں اسی میں سے اپنے میکہ والوں کو خوب دل کھول کر دیتی ہیں کیونکہ اطمینان ہے کہ میری ملک ہے بعض وقت جب میاں دیکھتے ہیں کہ اس بے دردی کے ساتھ میری کمائی اُڑائی جارہی ہے اور باز پرس کرتے ہیں تو بی بی صاحبہ کہتی ہیں کہ یہ رقم تم نے مجھے دیدی تھی لہٰذا مجھے اختیار ہے جہاں چاہوں خرچ کروں میاں کہتے ہیں میں تجھے کیوں دیتا میں نے تو بطور امانت دیا تھا غرض خوب تکرار ہوتی ہے یہ خرابی اسی گول مول بات کی ہے۔ معاملہ صاف رکھو جو کچھ دو اس کے متعلق تصریح کردو کہ یہ کس مد میں دیا ہے میری رائے یہ ہے کہ بیوی کو جو کچھ گھر کے خرچ کے لئے بھی دو اس کے متعلق بھی تصریح کردو کہ یہ رقم امانت ہے گھر کے خرچ میں ہی صرف کرسکتی ہو لیکن بی بی کا یہ بھی حق ہے کہ اس کو کچھ رقم ایسی بھی دو جس کو وہ اپنے جی آئی خرچ کرسکے جس کو جیب خرچ کہتے ہیں۔ اس کی تعداد اپنی اور بیوی کے حیثیت کے موافق ہوسکتی ہے مثلاً روپیہ دو روپیہ دس بیس پچاس روپیہ جیسی گنجائش ہو یہ رقم خرچ سے علیحدہ دو لیکن صاف کہہ دو کہ وہ رقم تو صرف گھر کے خرچ کی ہے اور یہ رقم تمہارا جیب خرچ ہے یہ تمہاری ملک ہے اس کو

جہاں چاہو خرچ کرو جب تم جیب خرچ الگ دو گے تو تمہارا یہ کہنے کو منہ ہوگا کہ یہ رقم جو گھر کے خرچ کے لئے دی ہے امانت ہے کیونکہ آدمی کے پیچھے بہت سے خرچ ایسے بھی لگے ہوئے ہیں جو اپنی ذات خاص کے ساتھ ہیں، اگر بیوی کو کوئی رقم ذات خاص کے خرچ کے لئے نہ دی گئی کہ جس کو جیب خرچ کہتے ہیں تو وہ امانت میں خیانت کرنے پر مجبور ہوگی اس صورت میں اس پر تشدد کرنا ایک گونہ ظلم اور بے حمیتی ہے یہ طریقہ ہے صحیح معاشرت کا اس میں جانبین کا دین محفوظ رہ سکتا ہے مگر ہم لوگوں کے رسم و رواج کچھ ایسے خراب ہو گئے ہیں کہ اگر اب ایسا کیا جاوے کہ گھر کی چیزوں کو الگ الگ میاں بیوی کے نامزد کیا جاوے تو ایک اچنبھے کی بات معلوم ہوگی اور سب ناک بھوں چڑھانے لگیں گے تمام کنبہ اور برادری میں چرچا ہونے لگے گا۔ چنانچہ ہمارے یہاں ایک بی بی نے ایک کٹورا ہدیۃً دیا تو میں نے پوچھا یہ تم نے کس کو دیا ہے مجھ کو یا گھر کے لوگوں کو تو اب سوچنے لگیں کہ کیا جواب دوں کیونکہ وہ تم رسم و رواج کے موافق اس واسطے لائی تھیں کہ گھر میں کام آوے گا اس سے کیا بحث کہ کس کی ملک ہوگا جب وہ پہلے سے نیت کر کے لائی ہی نہ تھیں تو میرے سوال کے جواب میں کیا کہتیں؟ آخر بہت سوچنے کے بعد یوں کہا اجی میں نے تو دونوں کو دیا ہے میں نے کہا خیر یہی معلوم ہو گیا کہ یہ کٹورا مشترک ہے'' اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے یہاں ایک چیز بھی گول مول نہیں مثلاً چارپائیاں گھر میں ہیں ان میں ایک چارپائی میری ہے ایک دوست نے ایک اچھی سی چارپائی دی تھی اس کو میں نے اپنے نام کر لیا ہے باقی چارپائیاں گھر کے لوگوں کی ہیں اسی طرح ہر چیز بٹی ہوئی ہے یوں برتنے میں سب کے آتی ہیں مگر یہ تو معلوم ہے کہ یہ ملک کس کی ہے موت حیات سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اگر کوئی آدمی گھر میں سے کم ہو جائے تو صاف معاملہ کی صورت میں گڑبڑ تو نہ ہوگی کہ یہ چیز کس کی ہے اور یہ کس کی وہ کہے فلانے کی ہے وہ کہے فلانے کی۔ سارے گھروں میں یہ انتظام ہونا چاہئے اور اس سے جو لوگوں کو وحشت ہوتی ہے اور برا مانتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ رسم عام نہیں ہے اگر ایک دو آدمی ایسا کرتے ہیں تو نئی سی بات معلوم ہوتی ہے اگر یہی رسم عام ہو جاوے تو نہ کوئی برا مانے گا نہ اس سے وحشت ہوگی اور اسکے فوائد دیکھ کر سب قائل ہو جاویں گے اور تحسین کرنے لگیں گے زیور

میں بھی یہی چاہئے کہ جب بنوایا جاوے تو تصریح کردی جاوے صاف کہہ دیا جاوے کہ بیوی تمہاری مِلک ہے اور اگر انکی مِلک کرنا نہیں ہے تو صاف کہہ دیا جاوے کہ مِلک میری ہے اور تمہارے واسطے عاریت ہے صرف پہننے کی اجازت ہے اب جو ایسا نہیں کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زیور کے متعلق جو حقوق شرعی ہیں ان میں یہی کوتاہی ہوتی ہے مثلاً زکوٰۃ کہ میاں بے فکر ہیں کہ میرے کام میں تھوڑا ہی آرہا ہے میرے اوپر زکوٰۃ کیوں ہو اور بیوی بے فکر ہیں کہ میری ملک تھوڑا ہی ہے نتیجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کوئی بھی نہیں دیتا، جب خاوند کھسک گئے تو اب بیوی صاحب کہتی ہیں کہ یہ میری مِلک ہے انہوں نے مجھے دیدیا تھا عجیب بات ہے کہ یہ زیور تمام عمر تو پہننے کے لئے تھا اس لئے زکوٰۃ شوہر کے ذمہ واجب کی جاتی تھی اور بعد مرنے کے مالک بننے کے لئے بیوی صاحب موجود ہیں غرض خرچ کے لئے تو خاوند مالک اور آمدنی کے لئے بیوی یہ خرابی کاہے سے پیدا ہوئی۔ صرف اس وجہ سے کہ مِلک علیحدٰہ نہیں کی گئی اور اگر بنوانے کے بعد ہی تصریح کردی جاتی کہ یہ کس کی مِلک ہے تو یہ کوتاہی نہ ہوتی اور زکوٰۃ دینے کے وقت یہ حیلہ بھی ذہن میں نہ آتا کہ ہر چیز میری تھوڑا ہی ہے بس معاملہ صاف ہونا چاہئے۔ اگر زیور بیوی کی مِلک کردیا گیا ہے تو زکوٰۃ اسی کے ذمہ ہوگی اور اگر عاریۃً دیا گیا ہے تو زکوٰۃ خاوند کے ذمہ ہوگی (یہ اور بات ہے کہ بیوی کی طرف سے بھی اس کی اجازت سے خاوند ادا کردے زکوٰۃ اس طرح بھی ادا ہوجاتی ہے۔ کاتب)

مسئلہ حق العبد

ایک خرابی اور لیجئے کہ زیور ہزاروں روپے کا بی بی صاحب کو دیتے جاتے ہیں مگر یہ تصریح نہیں کرتے ہیں یہ زیور مہر بھی محسوب ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی کو سب کچھ دیدیا مگر مہر کا ایک پیسہ بھی ادا نہیں ہوا، لاکھ روپے خرچ ہوگئے مگر قرض دار کے قرض دار ہی رہے جو حق العبد ہے اور حق العبد کا جو نتیجہ ہے وہ آپ سن چکے ہیں کہ تین پیسہ کے بدلہ سات سو مقبول نمازیں چھین لی جائیں گی۔ پھر یہ کیا عقلمندی ہوئی کہ خرچ تو دیں مہر سے زیادہ ہوگیا مگر قرضہ بدستور ذمہ باقی رہا۔ ہاں جب دنیا میں مہر کا مطالبہ ہوتا ہے کہ بیوی مر گئیں اور وارثوں نے مہر کا دعویٰ کیا یا طلاق کا اتفاق ہوا اور بیوی نے مہر کا دعویٰ کیا تو اب شوہر صاحب

کہتے ہیں کہ یہ سب زیور میں نے مہر میں تو دیا تھا کوئی اس سے پوچھے کہ خدا کے بندے خدا تو نیت کو جانتا ہے بندوں کی نیت کی کیا خبر؟ تو نے کب کہا تھا کہ یہ زیور مہر میں ہے یوں تم کسی کو لاکھ روپے بخش دو۔ اگر اس کا ایک پیسہ آپ کے ذمہ قرض ہے تو وہ تمہارے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ قرض جب ادا ہوتا ہے جب یہ کہہ کر دو کہ یہ قرض کی رقم ہے تو اگر زیور مہر میں دینا ہے تو دیتے وقت تصریح کر دینا چاہئے کہ یہ مہر میں ہے اور اس کا حساب لکھو یا ذہن میں رکھو۔ غرض گول مول بات کیوں رکھتے ہو یہ حقوق کا معاملہ ہے ایک پیسہ بھی رہ جائے گا تو قرض ہی رہے گا غرض جو کام ہو باضابطہ ہو گول مول نہ ہو۔

فضائلِ نسواں

بیان یہ ہو رہا تھا کہ عرب میں یہی دستور تھا کہ میاں کے املاک علیحدہ بیوی کے املاک علیحدہ ہوتے تھے تو جب حدیث میں لفظ من حلیکن ہے تو اس کے معنی یہی ہونگے کہ اس زیور میں سے خیرات کرو جو تمہاری مِلک ہے نہ کہ اس میں سے جو خاوند کی مِلک ہے مگر پیشہ ور واعظ اس کا کچھ خیال نہیں کرتے وہ عورتوں کو ڈرانا ہی جانتے ہیں کہ تم دوزخی ہو خیرات کرو اور جو کچھ ہے سب دے ڈالو خواہ کسی کا ہو تمہاری مِلک ہو یا خاوند کی ایسی گڑبڑ جیسی ہندوستان میں ہے کہیں بھی نہیں ہے عرب میں مہر کے متعلق اب تک یہ رسم ہے کہ عورتیں مردوں کی چھاتی پر چڑھ کر مہر وصول کرتی ہیں اور ہندوستان میں اس کو بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کی عورتیں مہر کو زبان پر بھی نہیں لاتیں اور خاوند کے مرتے وقت اکثر بخش ہی دیتی ہیں میں کہا کرتا ہوں کہ ہندوستان کی عورتیں حُوریں ہیں حسن و جمال میں نہیں بلکہ اخلاق میں یہاں کی عورتیں حور مقصورات فی الخیام کی مصداق ہیں ایک بڑی صفت عفت کی تو ان میں ایسی ہے کہ اسکو دیکھتے ہوئے ان پر یہ آیت صادق آتی ہے فیهن قاصرات الطرف لم يطمثهن انس قبلهم ولا جان۔ گھروں میں بیٹھنے والیاں تو ہیں ہی یہاں کی باہر پھرنے والیاں بھی اکثر پاک صاف ہیں جب گھر سے نکلتی ہیں تو نگاہیں نیچی کئے ہوئے گھونگھٹ نکالے ہوئے راستہ میں کسی کو سلام تک نہیں کرتیں سلام کرنا فی نفسہ ہنر سمجھا جاتا ہے اور ہے بھی مگر عورتیں نہایت حیاء سے آپس میں بھی سلام نہیں کرتیں انکو مردوں سے تو شرم ہے ہی غیر عورتوں سے اور

بڑی عمر والی عورتوں سے بھی شرم آتی ہے غالباً اس شرم ہی کی وجہ سے زبانی سلام متروک ہوا گو ایسی شرم قابلِ ترک ہے جس سے سنت متروک ہو جاوے۔ عورتیں مردوں کو گو سلام نہ کریں مگر آپس میں تو سلام کر لیا کریں اور مردوں میں بھی جو محرم ہوں ان کو سلام کر لیا کریں۔ تو مطلقاً سلام ترک کرنا خوبی کی بات نہیں مگر منشاء اس کا وہی فرطِ حیا تھی اس حیال کی ایک فرع یہ ہے کہ اگر کوئی مرد ان سے کوئی بات پوچھے تو اکثر جواب نہیں دیتیں یا دیتی ہیں تو صرف اشارہ سے حتیٰ کہ باہر پھرنے والیوں کی عفت کا بھی یہی حال ہے کہ اپنے مرد کے سوا دوسری طرف کبھی تمام عمر بھی ان کا خیال نہ گیا ہو گا۔ یوں سو پچاس میں کوئی ایک بدذات ہو جاوے تو قابل شمار نہیں اور اگر عورتوں کو کسی میں یہ عیب معلوم ہو جاوے تو اس کو برادری سے خارج کر دیتی ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ مرد فیصدی ایک نکلے گا جو نظر یا خیال سے محفوظ ہو اور عورتوں میں فیصدی شاید ایک نکلے جو ناپاک ہو۔ غرض عورتوں میں خصوص ہندوستان کی عورتوں میں عیب ہی عیب نہیں بہت سے فضائل بھی ہیں۔ مردوں کی جاں نثار اس قدر ہیں کہ خاوند سے لڑیں گی روئیں گی جھکیں گی مگر کب تک جب تک بے فکری اور فرصت ہو اور جہاں خاوند کا ذرا کان گرم ہوا اسی وقت لڑائی جھگڑا سب بھول گئیں اب یہ حالت ہے کہ نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پہننے کا ہوش ہے رات رات بھر کھڑے گزر گئی۔ کسی وقت پنکھا ہاتھ سے نہ گرتا کوئی دیکھنے والا نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی ہیں جو ایک وقت میں لڑ رہی تھیں۔ بس اس وقت اپنے آپ کو فنا کر دیتی ہیں۔ اسی طرح ہیں عورتوں میں ایثار اس قدر ہے کہ روزمرہ کھانا اس وقت کھاتی ہیں جب مردوں کو پہلے کھلا لیتی ہیں اور اچھے سے اچھا کھانا اوپر کا تار مردوں کے لئے نکالتی ہیں نیچے کا تلچھٹ اور بچا کھچا اپنے واسطے اگر کسی وقت کوئی مہمان بے وقت آ گیا تو خاوند کی بات کو عزت کا ہرگز نیچا نہ کریں گی بلکہ جو کچھ گھر میں ہے فوراً مہمان کو کھلا دیں گی۔ خود فاقہ کر دیں گی۔ یہ اخلاق ایسے پاکیزہ ہیں کہ ان سے بڑے بڑے درجے حاصل ہو سکتے ہیں اکثر مردوں کو یہ اخلاق حاصل ہی نہیں۔

زبانِ نسواں

البتہ ہماری عورتوں میں ایک تھوڑی سی کسر ہے اگر وہ مٹ جائے تو یہ سچ مچ کی حوریں بن جائیں گی۔ وہ کسر کیا ہے؟ کہ ان کی زبان نہایت خراب ہے ان کی زبان وہ اثر

رکھتی ہے جیسے بچھو کا ڈنک کہ ایک ذراسی حرکت میں آدمی بلبلا جاتا ہے۔

اکبر نہ دَب سکے کبھی برٹش کی فوج سے   لیکن شہید ہو گئے بیوی کی نوج سے ۱۲

ایک بزرگ نے اس کا خوب علاج کیا تھا۔ ان سے ایک عورت نے شکایت کی کہ خاوند سے روز لڑائی رہتی ہے کوئی تعویذ ایسا دیجئے کہ لڑائی نہ ہو، انہوں نے کہا کہ بوتل میں پانی لے آؤ میں پڑھ دونگا۔ اس سے لڑائی نہ ہوگی۔ وہ بوتل میں پانی لائی انہوں نے اس پر کچھ جھوٹ موٹ پڑھ دیا اور فرمایا کہ جب خاوند گھر میں آیا کرے تو اس پانی کا ایک گھونٹ منہ میں لے کر بیٹھ جایا کر، پھر لڑائی نہ ہوگی۔ اس نے ایسا ہی کیا واقعی لڑائی ختم ہوگئی، پانی کا دم کرنا تو برائے نام تھا۔ اصل تدبیر یہ تھی کہ جب پانی منہ میں لے کر بیٹھ جائے گی تو زبان قینچی کی طرح نہ چلے گی اور لڑائی ہوتی تھی اس کی بدزبانی سے اس لئے ان بزرگ نے اس کے بند کرنے کی یہ حکیمانہ تدبیر کی اب بھی عورتیں اگر کسی طرح زبان بند کرلیں تو واقعی کبھی لڑائی نہ ہو۔ لوگ آج کل اس کے لئے تعویذ وغیرہ مانگتے پھرتے ہیں سب واہیات ہے ہاں یہ عمل اگر کوئی کرادے جو ان بزرگ نے کیا تھا، تو اسکو تو میں بھی کردوں گا کہ بوتل میں پانی لاوے میں جھوٹ موٹ پڑھ دوں گا اور جب میاں بیوی کی لڑائی شروع ہو بیوی ایک گھونٹ پانی کا منہ میں لے کر بیٹھ جائے اور ان بزرگ کی تو چھو میں بھی کچھ اثر ہوگا۔ یہاں چھو میں تو کچھ اثر ہے نہیں مگر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالےٰ لڑائی بند ہو جائے گی۔ خدا جانتا ہے بے مثل علاج ہے یہ تو حکمت عملی تھی اصل بات یہی ہے کہ عورتوں کی بدزبانی جڑ ہے بگاڑ کی۔ یہ عیب عورتوں میں سے نکل جاوے تو یہ سچ مچ کی حوریں بن جاویں اور عورتوں کے یہ فضائل جو میں نے بیان کئے ہندوستان میں بھی یہ زیادہ تر ہمارے نواح کے ساتھ خاص ہیں بڑے شہروں میں عورتوں میں یہ فضائل کم پائے جاتے ہیں۔ بھوپال میں سنا ہے کہ آئے دن عورتیں قاضی کے یہاں کھڑی رہتی ہیں ذرا ان کے کسی آرام میں کمی ہوئی اور عدالت میں پہنچیں، یہاں کی طرح نہیں کہ عورتیں عدالت کے نام سے بھی کانپتی ہیں۔ چاہے مرجائیں مگر عدالت میں نہیں جاسکتیں یوں آپس میں عزیزوں میں ہزار باتیں ہزار شکائتیں کرلیں گی۔ یہ تو ان کا مشغلہ ہی ہے مگر جب کچہری کا نام آوے گا تو کانوں پر ہاتھ رکھ لیں گی کہ خدا نہ کرے جو حاکم کے یہاں ہم جاویں یہ میں نہیں کہتا کہ ہمارے اطراف میں کوئی عورت بھی ایسی نہیں جو عدالت میں جاتی ہو۔ ہزاروں میں ایک دو ایسی بھی نکلیں گی مگر غالب حالت عورتوں کی اس نواح میں یہی ہے کہ عدالت میں جانے سے گھبراتی

ہیں۔ یہاں ایک بزرگ حافظ صاحب تھے ان کے صاحبزادے بیوی کی رعایت بہت کرتے تھے اور واقعی بیوی کی یہ رعایت کرنا بھی چاہیے خواہ وہ پھوہڑ ہو یا بدتمیز ہو کیونکہ اس نے تمہارے واسطے اپنی ماں کو چھوڑا، باپ کو چھوڑا، سارے کنبہ کو چھوڑا اب اس کی نظر صرف تمہارے ہی اوپر ہے جو کچھ ہے اس کے لئے ایک شوہر کا دم ہے بس انسانیت کی بات یہی ہے کہ ایسے وفادار کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے اور جو کچھ ان سے بے تمیزی یا بے ادبی ہو جائے اس کو ناز سمجھا جائے کیونکہ ان کو عقل کم ہے تمیز نہیں ہے ان کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں اس لئے گفتگو کا پیرایہ ایسا ہو جاتا ہے جس سے مردوں کو تکلیف پہنچتی ہے مگر اس بدتمیزی کی حقیقت ناز ہے آخر وہ تمہارے سوا اور کس پر ناز کرنے جائیں۔ دنیا میں ایک تمہیں ان کے خریدار ہو۔ مصرعہ "ناز براں کن کہ خریدار تست۔" (اس پر ناز کرو کہ تمہارے خریدار ہیں) صاحبو! سوچنے کی بات ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے محکوم ہیں وہ ہماری کیا کیا رعایتیں کرتے ہیں وہ کون سی بدتمیزی ہے جو بندے خدا تعالیٰ کے ساتھ نہیں کرتے۔ مگر دیکھئے اس کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کا معاملہ بندوں کے ساتھ کیسا ہے۔ کہ رزق برابر دیتے ہیں کوئی عذاب نازل نہیں فرماتے اور وجہ یہی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب میرے محکوم ہیں میرے سوا ان کا کون ہوسکتا ہے اور جو کچھ بدتمیزیاں کرتے ہیں اپنی حماقت سے کرتے ہیں اس واسطے بندوں کی ہر طرح رعایت فرماتے ہیں یہی معاملہ ہم کو اپنے محکومین کے ساتھ کرنا چاہئے۔ چنانچہ جن بزرگ کے صاحبزادہ کا ذکر کر رہا ہوں وہ اپنی بیوی کی بہت رعایت کرتے تھے۔ حالانکہ وہ فضول خرچ تھی لیکن یہ اس کو نباہتے تھے اور انہوں نے اپنی اس فضول خرچ بیوی کا نام باولی رکھا تھا جب اس کی کوئی بات کرتے تو یوں کہا کرتے تھے کہ میری باولی ایسی ہے اور میری باولی ویسی ہے وہ اللہ والے تھے ان کی نظر عیبوں پر نہ پڑتی تھی بلکہ ایک خوبی پر پڑتی تھی جس کے سامنے سب عیوب مٹ جاتے تھے وہ ایک بہت بڑی صفت تھی خدا کے فضل سے ہمارے یہاں کی شریف بیبیوں میں سب ہی میں وہ صفت موجود ہے جو بہت ہی زیادہ قابل قدر ہے اور جب کبھی کوئی اس بی بی کی مذمت کرتا تو وہ اسی خوبی کا ذکر فرما کر جواب دیتے وہ یہ کہ اگر خاوند بے توجہی سے یا اور کسی وجہ سے لڑ بھڑ کر یا ناداری کی وجہ سے یا قید ہو کر گھر سے چلا جائے اور پچاس برس تک باہر رہے اپنی خبر تک بھی نہ دے کہ مر گیا ہوں، یا زندہ ہوں اور بیوی کی کوئی معاش بھی نہ ہو اس پر بھی وہ جس وقت آئے گا بیوی کو اسی کونے میں بیٹھا دیکھ لے گا جس میں چھوڑ گیا تھا آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ نامرادمر

رہی ہے سڑ رہی ہے مردوں سے بدتر حالت ہے مگر یہ نہیں ہوا ہوگا کہ امانت میں خیانت کی ہو یا کسی اور پر نگاہ ڈالی ہو یہ صفت ایسی ہے کہ اس کے واسطے سب ناز گوار کیئے جا سکتے ہیں اس صفت کے سامنے کسی عیب پر بھی نظر نہیں پڑنا چاہئے۔

حقیقت اہل اللہ

اللہ والوں نے جو اپنی بیبیوں کی بہت رعایتیں کی ہیں جنکو سن سن کر تعجب ہوتا ہے ان کا منشاء ایسے ہی صفات تو ہیں وہ زن مرید نہ تھے بلکہ قدر شناس تھے انہوں نے اچھی اچھی نیتوں سے تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ ایک بزرگ تھے جنکی بیوی ان کو بہت ستاتی تھی یہاں تک کہ لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ بیوی ان کو بہت دق کرتی ہے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ایسی بیوی کو طلاق دیدینا چاہئے۔ فرمایا کہ طلاق تو میرے اختیار میں ہے مگر یہ تو سوچو کہ اگر اس نے کسی اور سے نکاح نہ کیا تب تو یہ تکلیف اٹھائے گی اور اگر کسی اور سے نکاح کیا تو اس مسلمان کو تکلیف پہنچے گی اس سے اچھا یہ ہے کہ میں یہ تکلیف اٹھالوں اور مسلمانوں کا وقایہ بن جاؤں کہ جب تک میں موجود ہوں کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف کیوں پہنچے غرض عورتوں میں بدزبانی کا تو بڑا عیب ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ صفت بھی ہے کہ ان کم بختی ماریوں کے دل میں خاوند کی محبت بیحد ہوتی ہے جو موقع پر ظاہر ہوتی ہے چنانچہ لکھنو کا ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ کی بیوی بہت ہی بدزبان تھی انہوں نے اسکی اصلاح کی بہت تدبیریں کیں کچھ نفع نہ ہوا۔ ایک دن انہوں نے کہا کم بخت تو بہت ہی بدقسمت ہے کتنی کتنی دور سے میرے یہاں لوگ آتے ہیں اور ان کو نفع ہوتا ہے تو میرے یہاں کتنی مدت سے ہے مگر تجھے کچھ نفع نہیں ہوتا بولی میں بدقسمت کیوں ہوتی میں تو بڑی خوش قسمت ہوں کہ ایسے بزرگ ولی اللہ کے پلے سے بندھی ہوں میری برابر کوئی ہو تو لے بدقسمت تم ہو کہ تمہیں مجھ جیسی بُری عورت ملی اللہ کی بندی یہاں بھی زبان درازی سے نہ چوکی خاوند کو بدقسمت بنا کر چھوڑا مگر اس بدتمیزی میں بھی اعتقاد ٹپکتا ہے کہ ان کو بزرگ اور ولی اللہ کہتی جاتی ہے اس کا منشاء وہی محبت ہے میں تجربہ سے بقسم کہتا ہوں کہ یہاں کی عورتیں کے رگ رگ میں خاوند کی محبت گھسی ہوتی ہے مگر ان میں تھوڑا سا پھوہڑ پنا ہے کہ زبان کو قابو میں نہیں رکھ سکتیں اور اس میں قصور اللہ رحم کرے ماں باپ کا ہے کہ وہ لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام واہتمام بالکل نہیں کرتے۔

تعلیمِ نسواں

اور تعلیم سے میری مراد ایم اے، بی اے نہیں ہے۔ یہ ایم اے بن کر کیا کریں گی یہ تو میمیں ہیں اور بی اے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ بی تو خود ہیں اے بڑھانے کی کیا ضرورت ہے آج کل یہ بھی ایک رواج چلا ہے کہ عورتوں کو بھی ایم اے۔ بی اے بناتے ہیں۔ کیا ان کو نوکری کرنا ہے جو اتنی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کی جائیں۔ انگریزی نے مردوں ہی کو کیا فلاح دی ہے جو عورتوں کو دے گی۔ آج کل نوجوانوں میں عورتوں کی تعلیم کے متعلق رواج بھی نکلا ہے۔ چنانچہ ایک شخص کانپور میں اپنی بیوی کو جغرافیہ پڑھاتے تھے میں نے ایک وعظ میں کہا عورتوں کو جغرافیہ کی کیا ضرورت ہے کہنے لگے اور اگر یہ ضرورت بتلائی جاوے کہ ان میں روشن دماغی پیدا ہوگی۔ میں جواب میں عرض کرتا ہوں کہ جی ہاں بجا ہے اور یہی مصلحت ہے کہ اگر بھاگنے کا ارادہ کریں تو کوئی دقت بھی نہ ہو کیونکہ جغرافیہ سے ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ ادھر جنکشن غازی آباد میں ہے ادھر لکھنؤ میں ہے۔ اس طرح جہاں چاہیں پہنچ سکتی ہیں۔ اس شخص پر اس بات کا اس قدر اثر ہوا کہ وعظ کے بعد ملے اور اسی وقت توبہ کی کہ اب لڑکیوں کو جغرافیہ نہیں پڑھاؤں گا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کو مذہبی تعلیم دیجئے، فقہ پڑھایئے تصوف پڑھایئے۔ قرآن کا ترجمہ تفسیر پڑھایئے۔ جس سے ان کی ظاہری و باطنی اصلاح ہو یہ کیا واہیات ہے کہ جغرافیہ پڑھا رہے ہیں۔ اصل میں جغرافیہ کی ضرورت بادشاہوں کو ہے کہ ان کو کہیں چڑھائی کرنا ہو تو سہولت ہو یا تاجروں کو مال منگانے بھیجنے میں آسانی ہو عام لوگوں کو اس سے کیا فائدہ؟ خصوصاً عورتوں کو اور اگر جغرافیہ محض اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ علم شئی بہتر از جہل شئی تو میں کہوں گا کہ دنیا میں سینکڑوں علوم وفنون ہیں آخر کس کس کو حاصل کیا جاوے گا سب کا حاصل کرنا تو محال ہے لامحالہ ترجیح پر عمل کیا جاوے گا اور کسی علم کو دوسرے پر ترجیح محض ضرورت کی وجہ سے ہو سکتی ہے یعنی جو فن جس کے لئے کارآمد اور ضروری ہو اس کو حاصل کرنا چاہئے کیونکہ غیر ضروری کے پیچھے پڑنے سے آدمی ضروری سے رہ جاتا ہے اور اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے مگر آج کل یہ خبط عام ہو رہا ہے کہ ضروری اور غیر ضروری سے بحث نہیں کرتے بس جو فن سامنے آ گیا اسی کے پیچھے پڑ گئے۔ غرض سلاطین کو چاہئے کہ وہ جغرافیہ

پڑھیں اصل ضرورت تو ان کو ہے مگر خیر ہندوستان میں مرد بھی اس واسطے پڑھ سکتے ہیں کہ نوکری کی مصیبت ان کے سر ہے جو بدوں ڈگری حاصل کئے نہیں مل سکتی اور ڈگری بدوں جغرافیہ کے نہ ملے گی۔ مگر عورتیں کیا نوکری کرنے جائیں گی۔ ان کو جغرافیہ کی کیا ضرورت ہے ان کو صرف مذہبی تعلیم دینا چاہئے تا کہ اخلاق درست ہوں اور تہذیب و آداب اور سلیقہ پیدا ہو۔ مگر اس وقت عورتوں میں یہ تعلیم بھی نہیں اسی وجہ سے ساری خرابیاں ہیں اور اگر کسی کو تعلیم نسواں پر توجہ ہوئی بھی تو اس نے تعلیم سے مراد انگریزی تعلیم لے لی۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

یہ تعلیم تو جہل سے بھی بدتر ہے جہل میں اتنی خرابیاں نہیں جتنی اس تعلیم میں ہیں۔ حضرت ہم نے پرانی تعلیم یافتہ عورتیں بھی دیکھی ہیں کہ سبحان اللہ نہایت مہذب بڑی باحیا بہت ہی شائستہ اور سلیقہ شعار ہوتی تھیں۔ اور نئی تعلیم یافتہ عورتوں کو بھی دیکھا ہے یعنی ان کے مضامین اخبارات و رسائل میں نظر سے گزرے ہیں خدا کی پناہ یہ اس قدر بے شرم اور آزاد اور بدسلیقہ و بیباک ہوتی ہیں کہ مضمون دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کسی پردہ نشین حیادار عورت کا لکھا ہوا ہے۔ یاد رکھو! ہر علم مفید نہیں بلکہ بعضے علوم مضر بھی ہوتے ہیں خواہ ان علوم ہی کی خاصیت ایسی ہو یا سیکھنے والے کے لحاظ سے مضر ہوں اس کی نسبت مولاناؒ فرماتے ہیں۔

بد گہر را علم و فن اموختن دادن تیغ است دست راہزن

(بے تمیز کو علم و فن سکھانا راہزن کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے)

دیکھئے تلوار مفید اور ضروری چیز ہے مگر نہ ہر شخص کے لئے بلکہ صرف اس شخص کے لئے جس میں قوت ہو اور اس کا چلانا جانتا ہو ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے ہی ہاتھ پیر کاٹ لے گا۔ اگر کوئی یہ سمجھ کر تلوار مفید چیز ہے ذرا سے بچے کے سامنے رکھ دے تو عجب نہیں کہ اس کا گلا ہی کٹ جائے۔ اسی طرح یہ قاعدہ کلیہ صحیح نہیں کہ ہر علم مفید ہے۔ نہ ہر علم مفید ہے اور نہ ہر شخص میں ہر علم کے حاصل کرنے کا حوصلہ ہے جامعیت علوم مردوں کا حوصلہ ہے عورتوں کو انکی ریس کرنا حوصلہ سے باہر بات کرنا ہے اس جامعیت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو صفات عورتوں میں ہونی چاہئیں وہ بھی باقی نہیں رہیں گی۔ چنانچہ رات دن اس کا تجربہ ہوتا جاتا ہے مجھ سے ریل میں ایک جنٹ صاحب نے اپنے تجربہ کی بناء پر کہا تھا کہ میں نے یہ تجویز پاس کی ہے

کہ عورتوں کو جامع معقولات ومنقولات نہیں بنانا چاہئے معقولات تو صرف مردوں ہی کو پڑھانا چاہئے۔ عورتوں کو صرف منقولات پڑھانا چاہئے دیکھئے تعلیم جدید کی خرابیاں اب ان لوگوں کو بھی محسوس ہو چلی ہیں جو اس کے حامی بلکہ موجد تھے وہ جنٹ صاحب کہتے تھے کہ تاریخ اور جغرافیہ سے عورتوں کو کچھ نفع نہیں۔ آج کل کے نوجوانوں پر علماء کا قول تو حجت نہیں۔ مگر ایسے لوگوں کا قول ضرور حجت ہے جو ان ہی کے ہم خیال تھے اور تجربہ کے بعد دوسری رائے قائم کرنے پر مجبور ہوئے اور درحقیقت بات یہی ہے کہ مرد تو تمام علوم کے جامع ہو سکتے ہیں عورتیں نہیں ہو سکتیں جامعیت کے لئے بڑے حوصلہ کی ضرورت ہے جو عورتوں میں نہیں ہے مگر آج کل سب کو عقل کا ہیضہ ہو رہا ہے آزادی کا زمانہ ہے ہر ایک خود مختار ہے۔ چنانچہ عورتیں بھی کسی بات میں مردوں سے پیچھے رہنا نہیں چاہتیں ہر علم وفن کی تکمیل کرنا چاہتی ہیں تصنیفیں کرتی ہیں اخبارات میں مضامین بھیجتی ہیں۔ چنانچہ ان ہی دنوں ایک کتاب میرے پاس بھی رائے لینے کے لئے آئی تھی۔ اس میں اس قسم کے مضامین تھے کہ اول تو مسلمانوں کی شکایت تھی کہ یہ کسی قسم کی ترقی نہیں کرتے نہ دین کی نہ دنیا کی (دین کا نام تو برائے نام لیا جاتا ہے مقصود یہ ہے کہ دنیا کی ترقی نہیں کرتے) قوم کی قوم پستی میں جا پڑی ہے۔ مسلم جماعت دوسری قوموں کی نظر میں سخت حقیر ہو رہی ہے اور حقیر بن کر رہنا اسلامی حمیت کے خلاف ہے اس کے بعد اس کتاب میں لکھا ہے کہ آج کل کے مسلمان ہاتھ پیر تو بالکل نہیں ہلاتے نہ لکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں نہ کماتے ہیں جب ان سے کسی کام کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ بلا تقدیر کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور جب پریشان ہوتے ہیں تو وظیفے پڑھتے ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں۔ پھر اس دعا کے مضمون کے بعد لکھا ہے کہ اللہ میاں کہتے ہیں کہ بھائی مجھے اور بھی کچھ کام ہے یا تمہاری ہی سنتا رہوں تم تو ہر وقت دعا ہی مانگتے رہتے ہو میں تے جو تم کو ہاتھ پاؤں دیدیئے ہیں ان کو ہلاؤ انہی سے اپنا کام نکالو مجھے کیوں ستائے جاتے ہو نعوذ باللہ! گویا یہ بی بی اللہ میاں کے یہاں کی پیشکار ہیں کہ اللہ میاں نے ان سے ہی یہ خاص خاص باتیں کہہ دی ہیں پھر ان کے ذریعے سے دوسروں کو پہنچائی جاتی ہیں۔ کیا کوئی مسلمان ایسی کتاب میں موافقت رائے کر سکتا ہے اور آج کل یہ بھی پیسے کمانے کی ایک آسان ترکیب ہے کہ علماء کے پاس ایسی کتابیں بھیجی جاتی ہیں۔ اور ظاہر میں یہ کہا جاتا ہے کہ

اگران میں کوئی نقص ہوتو اسکی اصلاح کردی جائے اصلاح تو جیسی مقصود ہوتی ہے معلوم ہے اصلی غرض یہ ہے کہ ان پر تقریظ لکھ دی جائے تا کہ زیادہ اشاعت ہو سکے۔ چنانچہ بعض با اخلاق علماء تقریظ لکھ بھی دیتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سخت غلطی ہے کیونکہ اس سے انکو اس سے اس بیہودہ تعلیم کی اور تائید مل جاتی ہے مجھ سے کوئی پوچھے تو ان کتابوں کی اصلاح یہ ہے کہ سب کو جمع کر کے ایک دم جلا دیا جائے کیونکہ ہر چیز میں اعتبار غالب کا ہوا کرتا ہے اور ایسی کتابوں میں غالب شر ہی ہے اور شر کا علاج یہی ہے کہ سب کو جلا دو۔

خواتین و اخبار

ایک اور آفت نازل ہوئی ہے کہ تعلیم یافتہ عورتیں اخباروں میں مضامین دیتی ہیں اور ان میں اپنا نام اور میاں کا نام اور پورا پتہ حتےٰ کہ محلّہ کا نام اور گلی اور مکان نمبر بھی ہوتا ہے یہ شاید اس واسطے کہ لوگوں کو ان سے خط و کتابت میں میل ملاقات میں دقت نہ ہو نہ معلوم انکی غیرت کہاں اڑ گئی۔ ان بیبیوں نے تو حیاء کو بالکل ہی بالائے طاق رکھدیا اور خدا جانے ان کے مردوں کی غیرت کہاں گئی۔ انہوں نے اس کو کیونکر گوارا کیا یوں کہئے کہ بس طبیعتیں ہی مسخ ہو گئی ہیں۔ میرے پاس ایک ماہواری پرچہ آیا تھا جس میں ایک بی بی کو اپنے پیر کی شان میں غزل تھی جس میں پیر کو اس طرح خطاب تھا جس طرح عاشق و معشوق میں ہوا کرتا ہے۔ تمنائے وصال کا اظہار خط وخال کی تعریف اس کو پڑھ پڑھ کر غیرت آتی تھی۔ میں نے لکھ دیا کہ آج سے یہ رسالہ میرے پاس ہرگز نہ آوے مجھے اس قدر جوش غیرت ہوتا تھا کہ پھاڑ کر پھینک دوں تعجب کی بات ہے کہ پڑھنے والے کو غیرت آوے اور جس کے گھر کا قصہ ہے اس کو غیرت نہ آوے ایک اور لڑکی کی تصنیف کردہ کتاب میرے پاس آئی جس کو میں نے پڑھا تو وہ بہت نافع معلوم ہوئی۔ اس میں کوئی نقصان کی بات نہ تھی مگر اخیر میں مصنفہ کا پورا نام اور پتہ لکھا ہوا تھا کہ فلانی فلاں محلّہ کی رہنے والی۔ میں حیران ہوا کہ اگر تصدیق کرتا ہوں تو پورا پتہ لکھنے کے واسطے بھی سند ہو جائے گی کیونکہ نام اور پتہ وغیرہ سب لکھا ہوا ہے اور تصدیق کرتا ہوں تو سوال ہو سکتا ہے کہ اس میں کونسی بات مضر تھی جو تصدیق نہ کی اسی تردد میں تھا کہ ایک ترکیب سمجھ میں آ گئی وہ یہ کہ میں نے مصنفہ کا نام کاٹ دیا اور بجائے اس کے لکھ دیا راقمہ اللہ کی ایک بندی اور تقریظ میں لکھ دیا کہ یہ کتاب نہایت عمدہ ہے اور سب سے زیادہ خوبی اس

میں یہ ہے کہ یہ ایک ایسی بی بی کی تصنیف کردہ ہے جو بڑی حیادار ہیں کہ انہوں نے اپنا نام بھی اس پر نہیں لکھا یہ ترکیب نہایت اچھی رہی اس واسطے کہ اگر وہ میری تصدیق اپنی کتاب پر چھاپیں گی تو اپنا نام نہیں لکھ سکتیں اور اگر اپنا نام لکھیں گی تو میری تصدیق نہیں چھاپ سکتیں۔ چلو میرا پیچھا چھوٹا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کو اپنی تصنیف پر اپنا نام لکھنے سے کیا مقصود ہوتا ہے؟ اگر ایک مفید مضمون دوسری عورتوں کے کان تک پہنچانا ہے تو اس کے لئے نام کی کیا ضرورت ہے مضمون تو بغیر نام کے بھی پہنچ سکتا ہے پھر نام کیوں لکھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سوا اس کے کیا ہوسکتی ہے کہ وہ دوسروں سے تعلقات پیدا کرنے ہیں۔ سو بیبیو! یاد رکھو کہ تم کو تو تعلق ایک ہی شخص سے رکھنا ہے یعنی شوہر سے تمہارا ساتھ تو تمام عمر کے لئے اسی کے ساتھ ہے۔ اول تو مردوں کے واسطے بھی میں کہتا ہوں کہ کتاب پر نام لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مقصود خدمت خلق ہے خدمت نام سے نہیں ہوتی تو نام لکھنے میں سوائے شہرت اور نفس پرستی کے کیا ہے مگر خیر مردوں کے لئے چنداں حرج بھی نہیں بلکہ اس میں ایک یہ مصلحت بھی ہوسکتی ہے کہ مصنف کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے سے کتاب کا درجہ اور اسکی روایات کا درجہ بھی متعین ہو جاتا ہے۔ مگر عورت کے لئے تو کسی طرح بھی نام لکھنا مناسب نہیں ہے عورت کو تو کوئی تعلق سوائے خاوند کے کسی سے بھی نہ رکھنا چاہئے اس کا مذہب تو یہ ہونا چاہئے ؎

دلا رامے کہ داری دل دروبند ۔۔۔ دگر چشم از ہمہ عالم فروبند

(جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہے تو پھر تمام دنیا سے آنکھیں بند کرلو)

بلکہ قرآن مجید کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اجنبی مردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جس سے نفرت پائی جاوے نہ کہ محبت والفت استغفر اللہ! اس کو لوگوں نے تہذیب سمجھ لیا ہے۔

عورت کی تہذیب

حالانکہ عورت کے لئے تہذیب یہی ہے کہ غیر آدمی سے روکھا برتاؤ کرے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا حق تعالیٰ تو یوں فرماتے ہیں:

فَلا تَخضَعنَ بِا لقَولِ فَیَطمَعَ الَّذی فِي قَلبِہٖ مَرَضٌ وَقُلنَ قَولاً

مَعرُوفاً (تو تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگتا ہے جس کے دل میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کرو)

یعنی کسی سے نرم لہجہ سے بات نہ کرو دیکھئے اس آیت کے مخاطب وہ عورتیں ہیں جو مسلمانوں کی مائیں تھیں یعنی ازواج مطہرات انکی طرف کسی کی بُری نیت جا ہی نہیں سکتی تھی مگر ان کے لئے بھی یہ سخت انتظام کیا گیا تو دوسری عورتیں تو کس شمار میں ہیں۔ چنانچہ اس کے شروع میں ہی یہ لفظ موجود ہے لستن کاحد من النساء یعنی تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو بلکہ اوروں سے افضل ہو۔ پھر بھی فرماتے ہیں کہ مردوں کے ساتھ نرم لہجے سے بات مت کرو۔ جب بات کرنا ہو تو خشک لہجہ سے کرو۔ جس سے مخاطب یہ سمجھے کہ بڑی کھری اور کڑی اور تلخ مزاج ہیں۔ تا کہ لاحول ہی پڑھ کر چلا جائے نہ یہ کہ نرمی سے گفتگو کرو کہ میں آپکی محبت کا شکریہ ادا کرتی ہوں مجھے جناب کے الطاف کریمانہ کا خاص احساس ہے۔ جیسا کہ آج کل کے رسالوں میں عورتوں کے مضامین نکلتے ہیں۔ یہ مضامین زہرِ قاتل ہیں، آفت ہیں طرح طرح کے مفاسد اس پر مرتب ہوتے ہیں بعض لوگ اس پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب بتلایئے کیا فساد ہو رہا ہے ہم کو تو نظر نہیں آتا۔ میں کہتا ہوں کہ اول تو فساد موجود ہے اور اگر تم کو نظر نہیں آتا تو ممکن ہے کہ بہت قریب آگے چل کر یہ لہجہ کچھ رنگ لاوے گا اسوقت سب کو معلوم ہوگا اور مجھ کو اس وقت معلوم ہو رہا ہے جیسے کہا گیا ہے۔

من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخا را

(یوسف علیہ السلام کے اس روز افزوں سے میں نے یہ جانا ہے کہ عشق زلیخا کو پردہ عصمت سے باہر کھینچ لایا ہے)

اہل نظر شروع ہی میں کھٹک جاتے ہیں کہ یہ چیز کسی وقت میں رنگ لائے گی اور اسکی دلیل بھی خود اس آیت ہی میں موجود ہے کہ فَلَا تَخضَعنَ بِالقَولِ کے بعد ہی بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں: فیطمع الذی فی قلبه مرض ۔ (پس جس کے دل میں خرابی ہے) کہ اگر خضوع فی القول یعنی نرم لہجہ سے بات کی گئی تو جس کے دل میں روگ ہے اس کے

دل میں لالچ پیدا ہوگا اور وہ لہجہ کی نرمی سے سمجھ لے گا کہ یہاں قابو چل سکتا ہے پھر وہ اسکی تدبیریں اختیار کریگا دیکھئے خود حق تعالیٰ لہجہ کی نرمی کا یہ اثر بتا رہے ہیں پھر کسی کی کیا مجال ہے کہ اس اثر کا انکار کرے میں اپنی طرف سے تو نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ الفاظ قرآنی صاف بتاتے ہیں عورتوں کا مردوں سے نرم گفتگو کرنا یہ اثر رکھتا ہے کہ ان کے دلوں میں طمع پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد یہ حکم بھی ہے وَقُلْنَ قَولاً مَعرُوفاً جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب بات کرو بھی تو ایسی بات کرو جس کو شریعت میں اچھا مانا گیا ہو۔ ایک تو یہ کہ بے ضرورت الفاظ مت بڑھاؤ کیونکہ شریعت اس کو کسی کے لئے پسند نہیں کرتی۔ شریعت نے کم بولنے ہی کو پسند کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر بات کو سوچ کر کہو کوئی بات گناہ کی منہ سے نہ نکل جاوے مختصر ترجمہ معروف کا معقول ہے تو یہ معنی ہوئے کہ معقول بات کہو، معقول بات وہی ہوتی ہے جس سے کوئی بُرا نتیجہ پیدا نہ ہو جب ثابت ہو چکا کہ لہجہ کی نرمی سے بھی عورتوں کے لئے بُرا نتیجہ پیدا ہوتا ہے تو محبت پیار کی باتوں سے کیوں بُرا نتیجہ پیدا نہ ہوگا جس کو آج کل تہذیب میں داخل سمجھا گیا ہے تو اس قسم کی باتیں عورتوں کے لئے معقول نہیں بلکہ نامعقول ہیں اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک بات ایک کے لئے معقول ہو اور دوسرے کے لئے نامعقول ایک کے لئے سختی سے بات کرنا اور بے رخی سے جواب دینا معقول ہو سکتا ہے اور دوسرے کے لئے نامعقول تمہارے لئے یعنی مردوں کے واسطے باہمی کلام کا معقول طریقہ یہ ہے کہ نرمی سے بات کرو کسی کو سخت جواب نہ دو، روکھا پن نہ برتو۔ اور عورتوں کے لئے معقول طریقہ یہ ہے کہ اجنبی کے ساتھ نرمی سے بات نہ کریں اور سختی سے جواب دیں اور روکھا برتاؤ کریں ۔

در حق او مدح در حق تو ذم　　　　در حق او شہد در حق تو سم

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی بات کسی کے لئے داخل مدح ہوتی ہے اور دوسرے کے لئے داخل ذم ہوتی ہے جیسے اس شبان کی گفتگو جو حق تعالیٰ کی شان میں کہہ رہا تھا کہ آپ کہاں ہیں۔ میں آپ کو دودھ پلاؤں اور کپڑوں کی جوئیں دیکھوں وغیرہ وغیرہ۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو یہ گفتگو سن کر غصہ آ گیا اور اس کو ڈانٹا مگر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ فرمایا کہ

ہمارے ساتھ ہر شخص کا تعلق جداگانہ ہے اس حکایت کا حاصل یہی ہے کہ یہ باتیں تمہارے حق میں بُری ہیں مگر اس کے حق میں بُری نہیں۔ اسی اعتبار سے اس وقت میں نے یہ شعر پڑھا ہے مطلب یہ ہے کہ ایک ہی بات مردوں کے لئے بُری اور عورتوں کے لئے اچھی ہو سکتی ہے عورتوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب غیر مردوں سے بات کریں تو خوب روکھے اور سخت لہجہ میں اور ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کریں۔ اول تو عورتوں کو غیروں سے بولنا ہی نہیں چاہئے، مگر بضرورت بولنا جائز ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سختی سے گفتگو ہو تاکہ دوسرے کے دل میں کشش اور میلان پیدا نہ ہو اور یہ طریقہ عورتوں کے لئے علاوہ شرعی حکم ہونے کے طبعی بھی ہے افسوس ہے کہ ایک فطری اچھی خصلت کو قصداً بگاڑا جا رہا ہے۔ دیہات میں دیکھئے کہ بھنگن و چماری سے بھی خطاب کیجئے تو وہ منہ پھیر کر اول تو اشارے سے جواب دے گی مثلاً راستہ پوچھئے تو انگلی اٹھا کر بتا دے گی کہ ادھر ہے اور اگر بولنا ہی پڑے تو بہت تھوڑے سے الفاظ میں مطلب کو ادا کر دے گی نہ اس میں القاب ہوں نہ آداب نہ ضرورت سے زیادہ الفاظ، نہ آواز نرم ہوگی بلکہ اس طرح بولے گی جیسے کوئی زبردستی بات کرتا ہے چونکہ دیہات والوں میں یہ اخلاق طبعی موجود ہوتے ہیں اور ان سے انحراف کے اسباب وہاں نہیں پائے جاتے اس واسطے دیہاتیوں کے اخلاق و عادات اپنی جبلی حالت پر ہوتے ہیں۔

حقیقت معیار

حیا عورت کے لئے طبعی امر ہے اور اس کے آثار ان دیہاتی عورتوں میں جن پر زوال حیا کے اسباب نے اثر نہیں کیا ہے موجود ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ طبعی بات عورت کے لئے یہی ہے کہ غیر مردوں سے میل جول نہ کرے اور کوئی ایسی بات قول میں یا فعل میں اختیار نہ کرے جس سے میل جول یا کشش پیدا ہو یہی شریعت کی تعلیم ہے تو شریعت فطرت کے بالکل موافق ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل طبعی اخلاق سے بعد ہو گیا ہے اور جو باتیں بُری سمجھی جاتی تھیں وہ اچھی سمجھی جانے لگیں حتیٰ کہ اس قسم کے مضامین اور ایسے خیالات اور ایسے جذبات جن سے خواہ مخواہ میلان ہو آج کل ہنر سمجھے جانے لگے۔ اس سے بہت ہی پرہیز کرنا چاہئے اللہ محفوظ رکھے۔ یہ اثر اس نئی تعلیم کا ہے اس لئے یہ تعلیم تعلیم نہیں بلکہ تجہیل

ہے اور عورتوں کے لئے تو نہایت ہی مضر ہے۔ عورتوں کے لئے تعلیم کا وقت بچپن کا وقت ہے مگر آج کل شہروں میں بچپن ہی سے لڑکیوں کو نئی تعلیم دی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس تعلیم کے آثار و نتائج ان کی رگ و پے میں سرایت کر جاتے ہیں پھر دوسری کوئی تعلیم ان پر اثر کرتی ہی نہیں لڑکیوں کی مثال بالکل کچی نرم لکڑی کی سی ہے اس کو جس صورت قائم کر کے خشک کر دو گے تمام عمر ویسی ہی رہے گی۔ جب بچپن ہی سے نئی تعلیم دی گئی نئے اخلاق سکھائے گئے نئی وضع نئی قطع نیا طرز معاشرت ان کی نظروں میں رہا تو وہ اسی میں پختہ ہو گئیں بڑی ہو کر انکی اصلاح کسی طرح نہیں ہو سکتی لہٰذا ضرورت ہے کہ بچیوں کو بجائے نئی تعلیم کے پرانی تعلیم دیجئے تا کہ وہی تعلیم انکی رگ و پے میں رچ جائے پھر آپ دیکھیں گے کہ بڑی ہو کر وہ کیسی باحیا، سلیقہ شعار دیندار سمجھدار ہوں گی۔ بعض جگہ ہم نے دیکھا ہے کہ لڑکیوں کو اشعار یاد کرائے جاتے ہیں وہ ان کو گاتی ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو تصوف کے اشعار ہیں جن سے اخلاق کی درستی ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تصوف بیشک ایسی ہی چیز ہے تصوف ہر خوبی کی جان ہے مگر اشعار کا نام تصوف نہیں ہے نظم کے ساتھ اس کو کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تصوف نام ہے درستی ظاہر و باطن کا تو کیا ظاہر و باطن کی درستی نظم ہی سے ہو سکتی ہے؟ نثر سے نہیں ہو سکتی بلکہ میں کہتا ہوں کہ درستی اخلاق نثر ہی سے ہو سکتی ہے نظم سے نہیں ہو سکتی کیونکہ اصلاح اخلاق مجاہدہ اور مشقت سے ہوتی ہے جس میں ترکِ لذات کرنا پڑتا ہے اور شعر شاعری اور نظم اور غزل خوانی تو لذات میں داخل ہے۔ اس سے اصلاح کیا ہوتی۔ غرض تصوف نام شعر شاعری اور دیوان حافظ پڑھنے کا نہیں ہے صرف یہ دیکھ کر یہ شعر دیوان حافظ کا ہے۔ یہ سمجھ لینا کہ اس کا پڑھنا داخل تصوف ہے اور یہ کسی حال میں مضر نہیں ہو سکتا محض غلطی ہے کیونکہ ان حضرات کے اشعار سب کو مفید نہیں ہوتے بلکہ بہت سے لوگوں کو مضر ہوتے ہیں یہ لوگ اہل حال تھے ان کے حال کا اثر ان کے کلام میں بھی موجود ہے، اور ہر شخص اس حالت کا تحمل نہیں کر سکتا خاص کر عورتیں کیونکہ یہ ضعیف القلب ہوتی ہیں ان پر تو اندیشہ ہے کہ اگر کوئی اچھی حالت غالب ہو گئی تو بیمار ہو جائیں گی۔ تصوف تو عورتوں کو ان اشعار سے کیا حاصل ہوتا۔ صحت جسمانی بھی جاتی رہے گی۔ غرض شعر اشعار کا پڑھنا پڑھانا، عورتوں کے لئے ٹھیک نہیں بلکہ فتنہ ہے عورتوں کے لئے تو بس ایسی کتابیں مناسب ہیں۔ جن سے خدا کا خوف جنت کا طمع .... دوزخ سے ڈر پیدا ہو اس کا اثر عورتوں پر

بہت اچھا ہوتا ہے اب اس تعلیم کو تو لوگوں نے چھوڑ دیا اور وہ تعلیم اختیار کر لی جو مضر ہے جو تعلیم مفید اور ضروری تھی اس میں تو کمی ہوتی جاتی ہے بلکہ ناپید ہوتی جاتی ہے۔ اسی تعلیم کے نہ ہونے کے یہ نتائج ہیں کہ عورتوں کے اخلاق درست نہیں ہوتے اور باوجودیکہ ان میں محبت اور جاں نثاری اور ایثار کا مادہ بہت زیادہ ہے پھر بھی خاوند سے انکی نہیں بنتی کیونکہ مذہبی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ان میں پھوہڑ پنا اور بے باکی موجود ہے کہ جو کچھ زبان پر آ جائے بے دھڑک بک ڈالتی ہیں جس سے خاوند کو تکلیف پہنچتی ہے اور خانہ جنگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ زندگی تلخ ہو جاتی ہے اس لئے میں پھر کہتا ہوں کہ عورتوں کو وہ تعلیم جس کو پرانی تعلیم کہا جاتا ہے اور وہی تعلیم مصلح اخلاق ہے بقدر کفایت ضرور دینا چاہئے جس سے انکی آخرت اور دنیا سب درست ہو جائیں عقائد صحیح ہوں عادات درست ہوں معاملات صاف ہوں اخلاق پاکیزہ ہوں پھر ہم دیکھیں معاشرت کیسے اچھی نہیں ہوتی معاملات کی صفائی ہی کا بیان ہو رہا تھا جس پر اتنا مضمون بڑھ گیا۔ بیان یہ تھا کہ گھروں کے اندر بہت گھال میل ہے جس سے معاشرت خراب اور زندگی وبال جان ہوتی ہے آپس میں رنجشیں ہوتی ہیں اور آخرت بھی برباد ہوتی ہے کیونکہ اہل حقوق کے حقوق تلف ہوتے ہیں جس پر آخرت میں سخت مواخذہ ہوگا۔

فرضِ واعظ

عورتوں میں جو واعظ وعظ کہنے کے لئے پہنچتے وہ بھی ضروریات کی مثلاً معاملات کی صفائی اور گھر کے سامان میں گھال میل نہ ہونے کی تعلیم نہیں کرتے۔ پس واعظوں کو تو وہی حدیث یاد ہے يَا مَعَاشِرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَو مِن حُلِيِّكُنَّ [1] (اے عورتوں کے گروہ صدقہ کرو اور اپنے مملوک زیور سے دو) بس ان کو چندہ دے دو چاہے کسی کا مال ہو اور اس حدیث میں سے بھی صرف تَصَدَّقْنَ کا لفظ ان کا مطمح نظر ہوتا ہے حالانکہ آگے مِن حُلِيِّكُنَّ بھی موجود ہے جس کا مطلب میں نے ابھی بیان کیا کہ اپنے مملوک زیور میں سے دو اور اسی پر یہ مضمون چلا تھا کہ عرب میں مرد و عورت کے مملوکات متمیز ہوتے تھے مگر ہمارے یہاں اس میں گڑبڑ ہے خود ان کے زیور میں بھی شبہ ہے کہ انکا ہے یا شوہر کی شرکت کا۔ سو واعظوں کا یہ طرز عمل ایسا ہی ہے۔ جیسا کسی نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہیں قرآن شریف کی کون سی

---

[1] سنن الترمذی: ٦٣٥، مشکوٰۃ المصابیح: ١٨٠٨، کنز العمال: ٤٥٠٤٤

آیت سب سے زیادہ پسند ہے کہا کُلُوا وَاشرَبُوا کہا دعا کون سی پسند ہے کہا رَبَّنَا اَنزِل عَلَینا مَائِدَۃً مِنَ السَّمَآءِ ...... (اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما)

یعنی اے اللہ لگا لگایا خوان کھانے کا اتار دیجئے کہ سوا کھا لینے کے کچھ نہ کرنا پڑے۔ اس شخص کو اپنے مطلب ہی کی آیت اور مطلب ہی کی دعا یاد تھی ایسے ہی ہمارے واعظ صاحبان کو بھی اپنے مطلب کی ایک ہی حدیث یاد ہے یَا مَعَاشِرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقنَ کہ بس خیرات کردو اور زیوران کو دیدو جگنو اتار دو چمپا کلی اتار دو کانوں کی سب بالیاں اتار دو یہ بھی مت دیکھو کہ اپنی ہیں یا دوسرے کی اور ان کا دینا بھی جائز ہے یا ناجائز اور داخل خیرات ہے یا داخل سیئات بس یہ حدیث پڑھ کر بچاریوں سے چندہ وصول کر لیتے ہیں اور اس کے لئے طرح طرح کی ترکیبوں سے کام لیتے ہیں واعظوں کا بیان بڑا لچھے دار ہوتا ہے جس سے عورتیں بہت جلدی پگھل جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ مسجد زیر تعمیر تھی سارا کام ہو گیا تھا صرف فرش باقی تھا تو ایک بزرگ واعظ نے عورتوں میں وعظ کہنا شروع کیا اول تو مسجد بنانے کے فضائل بیان کئے پھر کہا اس وقت ایک مسجد زیر تعمیر تھی مگر وہ پوری ہو چکی جس کی قسمت میں جتنا ثواب تھا اتنا حصہ اس نے لے لیا مگر افسوس ہے کہ بیچاری عورتیں محروم رہ گئیں یہ ان کی قسمت ہے یہ غریب گھروں میں بیٹھنے والی ہیں ان کو کیا خبر کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے کیا کیا دولتیں لٹ رہی ہیں واقعی بہت افسوس ہوا کہ عورتیں اس ثواب میں شامل نہ ہو سکیں جب واعظ صاحب نے دیکھا کہ عورتوں پر رنج وحسرت کا کافی اثر ہو چکا تو آپ فرماتے ہیں کہ اخاہ خوب یاد آیا میاں ابھی فرش تو باقی ہی ہے اور مسجد میں اصل چیز فرش ہی تو ہے، فرش ہی پر نماز ہوتی ہے در و دیوار پر تھوڑا ہی پڑھی جاتی ہے واقعی عورتیں بڑی خوش قسمت ہیں کہ اصل چیز انہیں کے واسطے رہ گئی۔ اب بیبیوں کو حصہ لینے کا خوب موقع ہے اور اے بیبیو اگر فرش تم نے بنوایا تو کیسا لطف کا واقعہ ہوگا کہ مرد اس پر نماز پڑھیں گے اور فرشتے ان کی نمازیں لیکر دربار الٰہی ہی میں جائیں گے۔ تو یوں ہیں گے کہ لیجئے حضور بندوں کی نمازیں اور بندیوں کی جانمازیں بس یہ کہنا تھا کہ پردہ کے پیچھے سے چھنا چھن کی آواز آنے لگی کسی نے پازیب اُتار کر پھینکی کسی نے جھانور اور کسی نے پہنچی کسی نے ہار بندۂ خدا نے ایک شاعرانہ جملہ میں ہزاروں روپیہ کا زیور لے لیا مجھے تو یہ ترکیبیں پسند نہیں یہ تو پالیسی ہے۔ شریعت نے ہم کو

پالیسی کی تعلیم نہیں کی بلکہ حدود کے اندر رہنے کا حکم دیا ہے خواہ چندہ آئے یا نہ آئے اسی طرح ایک واعظ صاحب کا قصہ ہے کہ ان کے وعظ میں ایک عورت نے اپنی ایک پازیب دی تو فرمانے لگے کہ ایک پاؤں تو جنت میں گیا ایک پاؤں دوزخ ہی میں رہا۔ خیال تو کیجئے یہ کیسی ترکیبیں کرتے ہیں۔ اس بیچاری نے دوسری بھی دیدی۔ واعظ کو آگے نہیں سوجھی ورنہ یوں کہنے لگتے کہ ہائے افسوس ٹانگیں تو جنت میں گئیں مگر اوپر کا جسم جنت کے باہر ہی رہا نتیجہ یہ ہوتا کہ عورتیں سر سے پیر تک کا زیور سب اتار کر ان کے حوالہ کر دیتیں عورتیں اکثر بھولی بھالی اور اَن پڑھ ہوتی ہیں واعظ صاحب جو کچھ کہیں وہ اس کو اللہ میاں کا حکم سمجھتی ہیں اور اس کی تعمیل کرنے کو تیار ہو جاتی ہیں ہم تو ان ترکیبوں کو بالکل ناجائز سمجھتے ہیں اگر خدا کا کام کرنے کو کھڑے ہوئے ہو اسی طرح کام کرو جس طرح خدا نے بتایا ہے کہ نہ کسی پر بار ڈالو، نہ پالیسی سے کام لو بس سیدھے سیدھے الفاظ میں ضرورت کو بیان کر دو پھر اگر وہ کام واقعی خدا کا کام ہے تو نہ مسجد رکے گی نہ مدرسہ رکے گا اور اگر خدا کا کام نہیں یا خدا کے واسطے نہیں بلکہ محض تمہارے نفس کی خواہش اور غرض ہے تو اس کا پورا نہ ہونا ہی اچھا ہے اور اگر کسی کو ترکیب ہی کرنا ہو تو اس کے لئے حدیث وقرآن کو کیوں آڑ بنایا جائے یہ تو بہت سخت بات ہے ترکیبوں کے لئے قرآن وحدیث سے کام لیا جائے۔

حافظا مے خور رندی کن وخوش باش ولے　　دام تزویر مکن چوں دگراں قرآن را

(حافظ اپنی رندی میں خوش وخرم رہو لیکن اس کے لئے قرآن کو کیوں آڑ بناتے ہو)

اگر ناجائز کام کرنا ہی ہے تو ناجائز طریقے سے کرو، دین کو اس کے لئے ذریعہ کیوں بناتے ہو؟

بیانِ ترہیب

غرض واعظوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اگر ان کو اپنا کوئی مطلب نکالنا ہوتا ہے تو عورتوں کو عذاب سے ڈراتے دھمکاتے ہیں اور ترکیبوں چالاکیوں سے جو کچھ ہو سکتا ہے ان سے وصول کر لیتے ہیں اور اگر فی الوقت کوئی مطلب نکالنا نہیں ہوتا تو پھر ایسے مضامین بیان کریں گے جن سے وہ غریب مایوس ہو جائیں ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ عورتوں کو وعظ سن کر خدا تعالیٰ کی رحمت کی کچھ امید ہوئی ہو ہاں مایوسی ضرور ہو جاتی ہے اسی لئے عورتیں بھی ایسی بہادر ہیں کہ ادھر وعظ سنا ادھر دو تین منٹ ہی کے بعد اس کے خلاف عمل شروع ہو گیا کہ

اسے کاٹا اسے کوسا۔ ابھی وعظ میں تو رو رہی تھیں اور ابھی چیخ و پکار کر رہی ہیں دوسروں سے لڑ رہی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ وعظ میں خوف اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ ان کو نجات سے مایوسی ہو جاتی ہے وہ بھی سمجھ لیتی ہیں کہ ہم دوزخی تو ہیں ہی پھر نفس کو مارنے میں کیا فائدہ نیک و بد سے کیا واسطہ؟ جس حال میں ہیں اسی حال میں کیوں نہ رہیں آپ نے دیکھا ہوگا جس شریر بچے کو بار بار پیٹا جائے اٹھتے جوتی بیٹھتے لات کا معاملہ رکھا جائے وہ بے حیا ہو جاتا ہے پھر وہ کسی سے بھی نہیں دبتا اسی طرح واعظ صاحبان نے ترہیب کے مضامین بیان کر کے عورتوں کو نڈر کر دیا ہے۔ مطلب میرا یہ ہے کہ جہاں ترہیب کی ضرورت ہے وہاں ترغیب کی بھی ضرورت ہے اسی لئے قرآن مجید میں ترغیب و ترہیب دوش بدوش ہیں۔ میں نے یہ آیت اسوقت اسی لئے اختیار کی ہے کہ اس میں عورتوں کے لئے ترغیب کا مضمون ہے۔

ضرورتِ عمل

چنانچہ اللہ تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

فَاستَجَابَ لَهُم رَبُّهُم اَنِّی لَا اُضِیعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِن ذَكَرٍ اَو اُنثٰی:

(سو منظور کر لیا ان کے رب نے ان کی درخواست کو اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو تم کرنے والے ہو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت)

میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ اسوقت مقصود بیان صرف تعمیم رحمت حق کا ظاہر کرنا ہے جس میں مِن ذَكَرٍ اَو اُنثٰی کا لفظ دال ہے اور اسی جزو کا مجھے بیان کرنا مقصود ہے۔ فرماتے ہیں میں کسی کام کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت یعنی ہمارے یہاں نیک عمل ہر مومن کا مقبول ہے یہ نہیں کہ عورت کے عورت ہونے کی وجہ سے کوئی عمل مردود ہو جائے یا مرد کے مرد ہونے کی وجہ سے کوئی عمل مقبول ہو جائے۔ دوسری آیت میں فرماتے ہیں۔

مَن عَمِلَ صَالِحاً مِن ذَكَرٍ اَو اُنثٰی وَهُوَ مُؤمِنٌ فَلَنُحیِیَنَّهٗ حیٰوةً طَیِّبَةً وَلَنجزِیَنَّهُم اَجرَهُم بِاَحسَنِ مَا كَانُوا یَعمَلُونَ:

یعنی جو کوئی نیک عمل کریگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو حیات طیبہ نصیب کریں گے اور اس کو جزا دیں گے اچھے عمل کی آپ کو معلوم ہوگا کہ اصول کا قاعدہ ہے کہ جن آیات میں کوئی تصریح عورت یا مرد کی نہیں ہوتی ان کا مضمون مردوں اور

عورتوں سب کو عام ہوتا ہے اس بناء پر اس تصریح کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ عمل کرنیوالا مرد ہو یا عورت پھر ان آیتوں میں لفظ مِن ذَکَرٍ اَو اُنثیٰ کے لانے کا کیا سبب ہے؟ اس کا پتہ شانِ نزول سے چلتا ہے۔ شان نزول حسب روایت ترمذی یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے ایک دفعہ بطورِ حسرت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قرآن شریف میں عورتوں کا ذکر کہیں نہیں آتا ان کی خاطر سے حق تعالیٰ نے بعض آیات میں صراحۃً عورتوں کا ذکر فرما دیا تا کہ یہ حسرت نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یاد نہیں فرماتے۔ دیکھو عورتوں کی خاطر اللہ میاں کو کس قدر منظور ہے کہ باوجود ضرورت نہ ہونے کے تصریح کے ساتھ عورتوں کا ذکر بھی کر دیا اس کی قدر ہم کو اس وجہ سے نہیں کہ جب سے ہوش سنبھالا قرآن سنا تو اس میں بہت جگہ ایسے الفاظ سنے جو عورتوں کی شان میں ہیں بس سنتے سنتے مساوات ہوگئی اب جب ایسی آیتیں پڑھتے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی اس کی قدر ان عورتوں کے دل سے پوچھو جن کو یہ حسرت ہو چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمارا ذکر نہیں فرماتے پھر ان کی حسرت کو حق تعالیٰ نے پورا کیا یہ بیچاری قرآن میں ہر جگہ مردوں ہی کا ذکر پاتی تھیں اس سے ان کا دل مرجاتا ہوگا اور یہ خیال ہوتا ہوگا کہ کیا ہم عورتیں حق تعالیٰ کے نزدیک کسی شمار میں بھی نہیں جو کہیں ہمارا ذکر نہیں فرماتے اب سوچئے کہ جس وقت ان کی تمنا کے موافق قرآن میں الفاظ اترے ہوں گے تو ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ اس کا لطف دوسرا کوئی کب سمجھ سکتا ہے......؟

جوشِ محبت

ایک صحابی میں حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ شیخین کی روایت میں ہے کہ ان سے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اُبی خداوند تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تم کو سورہ لم یکن پڑھ کر سناؤں۔ یہ سن کر ان کو وجد سا آ گیا اور عرض کیا اللہ سمانی یعنی کیا اللہ میاں نے میرا نام لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لیا واقعی اسوقت جو حالت بھی ان کی ہوئی ہو کم ہے سوچئے تو کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام ان کو سنایا ہوگا۔ اگر ان کو شادی مرگ ہو جاتی تو تو بجا تھا پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا، نَعَم اَ اللّٰہُ سَمّاکَ یعنی ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لے کر فرمایا بس یہ سن کر وہ

پھوٹ کر رو پڑے اس حالت کا اندازہ کوئی کیا کر سکتا ہے رہا یہ کہ پھر رونا کس لئے تھا تو حضرت یہ رونا نہ شادی کا تھا نہ رنج کا تھا بلکہ گرمی عشق کا تھا اسکی تحقیق مشکل ہے۔ بعضے سمجھتے ہیں کہ خوشی کا رونا تھا مگر یہ بات نہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی تحقیق ہے کہ یہ رونا محبت کے جوش کا تھا کہ ان کو یہ خیال ہوا کہ اے اللہ! میں اس قابل کہاں تھا کہ آپ میرا نام لیں۔ اس خیال سے محبت کا جوش اٹھا اور گریہ طاری ہوا۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک مثالی قصہ کے پیرایہ میں اس حقیقت کو ذکر کیا ہے فرماتے ہیں ؎

بلبلے برگ گلے خوشرنگ درمنقار داشت واندراں برگ ونوا خوش نالہائے زار داشت

یعنی ایک بلبل پھول کی پنکھڑی چونچ میں لئے ہوئے بہت کچھ آہ و نالہ کر رہا تھا ؎

گفتمش درعین وصل ایں نالہ وفریاد چیست گفت ماراجلوہ معشوق درایں کار داشت

یعنی میں نے اس سے کہا کہ تجھے تو اس وقت وصلِ گل حاصل ہے چونچ میں پنکھڑی لئے ہوئے ہے یہ تو خوشی کا وقت ہے اس وقت نالہ وفریاد کیسے اس نے جواب دیا کہ جلوہ معشوق کا اثر یہی ہے کہ نالہ وفریاد کیا جائے اس کی تجلی کے ظہور کا اثر یہی ہے کہتے ہیں نا ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

کیوں صاحب ایسے وقت میں کہ محبوب گھر میں آجائے گھر کا کیا دیکھنا، بات یہ ہے کہ غایت قرب سے تحیر پیدا ہو جاتا ہے اور بار بار یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم اور ہمارا گھر اس قابل کہاں تھا کہ وہ تشریف لائیں اس واسطے حیران ہو کر کبھی اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور کبھی گھر کو اور سمجھتا ہے کہ میں اور میرا گھر تو اس قابل تھا نہیں کہ یہ دولت نصیب ہو اسی کا نام تحیر ہے اسی طرح وہ بلبل عین وصال کے وقت تحیر میں تھا یہی حالت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر طاری ہوئی یہ جوش محبت تھا انکی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اس قابل ہوں کہ خدا تعالیٰ میرا نام لیں واقعی وجد کی بات ہے۔ چنانچہ ان پر وجد طاری ہوا اور رونے لگے۔ محبوب کی مجلس میں عاشق کا ذکر ہی آجاوے تو وجد کے لئے کافی ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں ؎

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

غرض اس وقت اس لفظ او انثی کی اس لئے قدر نہیں محسوس ہوتی کہ تمام عمر سے

ہمیں قرآن میں یہ لفظ موجود ملا ہے اس کی قدر ان سے پوچھی جائے جن کی حسرت وتمنا کے بعد یہ لفظ نازل ہوا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک عاشق کو محبوب کے دربار کے قریب تک پہنچنے کا موقع تو ملتا ہے مگر محبوب کبھی اس کی طرف توجہ نہیں کرتا دوسروں سے ہی بات چیت کرتا رہتا ہے اور یہ اس حسرت میں گھلا جاتا ہے کہ افسوس میرا نام بھی تو کبھی اس کی زبان پر نہیں آتا اس نے کسی خاص مقرب بارگاہ سے اپنی حسرت کو ظاہر کیا اس نے محبوب کے کان تک یہ بات پہنچادی دوسرے وقت محبوب نے مجلس میں کوئی چیز مثلاً پان تقسیم کئے اور خادم سے کہا کہ سب صاحبوں کو پان دیدو اور فلاں صاحب کو ضرور دینا عاشق کا نام لے کر کہا تو آپ اندازہ کیجئے کہ اس وقت اس عاشق کی کیا حالت ہوگی یقیناً اس کو وجد آجاوے گا اور ناچتا پھرے گا مگر دوسرے حضار مجلس کے نزدیک یہ بات بھی کچھ نہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ اس کو بڑی تمنا کے بعد یہ دولت نصیب ہوئی ہے اور دوسروں کو بلا تمنا کے نصیب تھی۔

خواتین اور قرآنِ حکیم

صاحبو! ہم لوگوں کو قرآن پورا مکمل جمع شدہ مل گیا ہے۔ ہم اس قسم کی آیتیں ہر دور میں پڑھتے ہیں اور کبھی اس طرف خیال بھی نہیں جاتا کہ ان میں کیا دولت بھری ہوئی ہے اس کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یا اس وقت کی دوسری بیبیوں سے پوچھنا چاہئے کہ ان آیتوں کو سن کر ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اے بیبیو! کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو خاص طور سے یاد فرمایا اور یاد بھی کس طرح فرمایا کہ مردوں کی برابر بٹھا دیا کیونکہ اس آیت میں جن باتوں کا وعدہ کیا ہے ان میں مردوں اور عورتوں میں کچھ فرق نہیں کیا تو یہ کہنا صحیح ہے کہ عورتوں کو مردوں کی برابر بٹھا دیا گیا گو بائیں طرف بٹھایا کیونکہ آیت میں پہلے لفظ من ذکر ہے اس کے او اُنثٰی ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ قرآن عربی زبان ہے اور عربی زبان کا خط دائیں سے بائیں طرف کو ہوتا ہے تو دائیں طرف والے کو اول اور بائیں طرف والے کو دوم کہہ سکتے ہیں۔ قرآن کی تحریر انگریزی نہیں ہے کہ بائیں طرف سے دائیں طرف کو ہو اور بائیں طرف والے کو اول اور دائیں طرف والے کو دوم کہہ سکیں۔ یہ اس واسطے کہہ دیا کہ آج کل انگریزیت کا غلبہ ہے کوئی ذہین بی بی یہ استدلال نہ کر بیٹھیں کہ بائیں طرف والا اول اور دائیں طرف والا دوم ہوتا ہے

خیر یہ ایک لطیفہ سا ہے مگر یہ بات شریعت میں ثابت ہے کہ عورت کسی قدر مرد سے درجہ میں گھٹی ہوئی ہے) بدلیل وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَمثلها من الآيات جامع)
اور گو اس آیت میں کسی بات میں مرد و عورت میں فرق نہیں کیا گیا لیکن چونکہ ترتیب عبارت میں عورتیں مؤخر ہیں مردوں سے اس واسطے میں نے یہ کہا کہ ان کو بائیں طرف بٹھایا یا یوں سمجھ لو کہ عورتیں جسم میں بائیں آنکھ ہیں اور مرد دائیں آنکھ ہیں اور بائیں آنکھ کسی بات میں داہنی سے کم نہیں نہ ضروری ہونے میں نہ کام دینے میں باقی یہ بات ضرور ہے کہ شریعت نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ من کل الوجوہ مساوات نہیں دی جیسا کہ اس زمانہ کے نئے تعلیم یافتہ طبقہ کا خیال ہے۔

مسئلہ مساوات مَرد وزن

وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ناانصافی ہے کہ ایک صنف کو دوسری عنف سے گھٹا دیا جائے۔ بیبیو! تمہارا بائیں طرف رہنا ہی سلامتی کی بات ہے ہر چیز اپنے موقع پر اچھی ہوتی ہے۔ سَر کی چیز سر ہی پر اچھی ہوتی ہے اور پاؤں کی چیز پاؤں میں اور اس میں سلامتی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت میں عقل کم[1] ہوتی ہے اور جس میں عقل کم ہو اس سے ہر کام میں غلطی کرنے کا احتمال ہے لہٰذا اس کے واسطے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ زیادہ عقل والے کا تابع ہو، اسی واسطے حق تعالیٰ نے مردوں کو ان پر حاکم بنایا چنانچہ فرماتے ہیں:

الرجال قوامون علی النساء (مرد عورتوں پر حاکم ہیں)

تاکہ ان کے کام سب انکی نگرانی میں ہوں اور غلطی سے حفاظت رہے اس کا نام سختی نہیں

---

[1] راقم کہتا ہے کہ یہ غلطی ہے کہ ہر جگہ ایک صنف کو دوسری صنف کے برابر رکھا جاوے ملک کے لئے دو صنف کی ضرورت ہے بادشاہ کی اور رعایا کی کیا بادشاہ اور رعایا کو برابر کیا جا سکتا ہے گاڑی کے لئے ضرورت ہے مالک اور سائیس کی۔ کیا دونوں کو برابر کیا جا سکتا ہے بلکہ قاعدہ فطری یہ ہے کہ اگر دو چیزیں ایک چیز کا جزو ہوں اور دونوں میں کوئی وجہ ترجیح نہ ہو تو ان کو باہم مرتبط رکھنے کے لئے ایک تیسری چیز کے ماتحت کر دیا جاتا ہے جیسے جگر و دماغ بدن کے اجزاء ہیں دونوں کو مرتبط رکھنے کے لئے دل کا ماتحت کر دیا گیا اسی واسطے دل ایک ہی ہوتا ہے ورنہ دو دل ہوں گے تو ان کو مرتبط رکھنے کے لئے تیسرے دل کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر وہ دونوں چیزیں برابر کی نہ ہوں بلکہ ایک میں کوئی وجہ ترجیح کی ہو تو اس کو ایک دوسرے پر حاکم اور دوسرے کو محکوم بنایا جاتا ہے جیسے رعایا اور بادشاہ اور گاڑی کے مالک اور سائیس کی مثال گزری بنابریں جب کہ عورت و مرد دو صنف ہیں انسان کی اور ایک میں وجہ ترجیح کی موجود ہے اور وہ قوت عقلیہ و جسمانیہ کا زیادہ ہونا ہے تو عورت کو مرد میں برابر کرنا خلاف فطرت ہوگا۔ ۱۲ جامع وعظ

ہے بلکہ یہ تو عین عدل وحکمت وشفقت ہے دیکھو بچے ناقص العقل ہوتے ہیں اب اگر ان کوخودسر بنا دیا جاوے اور وہ کسی کے تابع ہوکر نہ رہیں تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ پس یہ حق تعالیٰ کی نہایت رحمت ہے کہ عورتوں کو خودسر نہیں بنایا ورنہ ان کا کوئی کام بھی درست نہ ہوتا دین اور دنیا سب کاموں میں ان سے غلطیاں ہوا کرتیں خودسری میں بڑی مصیبت ہے حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔

واعلموا ان فیکم رسول اللّٰہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم.

یعنی خوب سمجھ لو اے مسلمانو کہ تمہارے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اگر بہت سی باتوں میں یہ تمہارا کہنا مانتے تو تم بڑی مصیبت میں پڑ جاتے مطلب یہ ہے کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہوکر رہنا چاہئے نہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے تابع ہوں اگر ایسا ہوتا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے تابع ہوتے تو تم مصیبت میں پڑ جاتے معلوم ہوا کہ عافیت اور سلامتی اسی میں ہے کہ چھوٹا بڑے کا اور ناقص العقل کامل کا تابع ہوکر رہے غور کرنے کی بات ہے کہ آیۃ میں یہ نہیں فرمایا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے تابع ہوکر رہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے گی بلکہ یہ فرمایا کہ خود تم مصیبت میں پڑ جاتے معلوم ہوا......... کہ چھوٹے کو بڑے کا تابع ہوکر رہنے میں خود چھوٹے کا نفع ہے اسی طرح اگر تم مردوں کے تابع رہو تو یہ تمہارے ہی واسطے سلامتی اور عافیت ہے۔ غرض اس کو بڑی رحمت سمجھو کہ حق تعالیٰ نے تم کو خودسر نہیں بنایا ورنہ تمہارے لئے بڑی مصیبت ہوتی۔ کیونکہ اول تو عورتوں میں سمجھ کم ہوتی ہے۔ دوسرے ان میں ضد کا مادہ بھی ہے کہ جس کام پر اڑ جائیں گی اس کو کر کے ہی چھوڑیں گی تو ان کو دو وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے ایک تو عقل کم ہونے سے کہ جو کام کرتیں بے سوچے سمجھے اور بلا غور وفکر کے کرتیں۔ پھر ضد کا مادہ ان میں اسقدر ہے کہ جو چڑھ گئی سو چڑھ گئی گو معلوم بھی ہو جاوے کہ یہ کام مضر ہے مگر اس کو چھوڑ نہیں سکتیں (چنانچہ دیکھا ہوگا کہ ذرا ذرا سی بات پر عورتیں کنویں میں کود پڑتی ہیں اس حماقت کا منشاء کم عقلی اور ضد ہی تو ہے) پس عورتوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ ان کو تابع بنایا جاوے انکے اوپر کوئی ایسا حاکم مسلط رہے جو ان کو ہر وقت سنبھالتا رہے۔ جیسے پیر مرید کی اصلاح کیا کرتا ہے مگر ان کے لئے بیعت کا پیر کافی نہیں کیونکہ وہ ہر وقت ان کے پاس کیسے رہ سکتا ہے مگران

کے لئے بَیت کا پیر چاہیے یعنی گھر کا پیر جو گھر میں ہر وقت موجود رہے وہ کون ہے؟ وہی گھر والا یعنی خاوند۔ یہ پیر اور قسم کے پیروں سے بہتر اور افضل اور انکے لئے انفع ہے اور اسی کا رتبہ سب سے زیادہ ہے اور بعض عورتوں کے لئے بجائے بیعۃ کا بیت کا پیر بہت نافع ہے یعنی جو عورتیں مہذب اور شائستہ سمجھدار ہیں ان کے لئے تو بیت کا پیر کافی ہے یعنی خاوند اور جو عورتیں غیر مہذب اور کم سمجھ اور بدتمیز ہیں ان کے واسطے بَید کا پیر ہونا چاہیے جو آلہ ضرب ہے۔ رتبہ کے لفظ پر ایک کام کی بات یاد آ گئی عورتوں میں مشہور یہ ہے کہ پیر کا رتبہ خاوند اور باپ سب سے زیادہ ہے۔ یہ محض غلط ہے اس میں بہت سی غلطیاں ہیں۔

حقوق والد و پیر

اسی طرح مردوں میں مشہور ہے کہ باپ کا رتبہ اتنا نہیں جتنا پیر کا رتبہ ہے اس پر ان کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں محض قیاس ہے جس کے مقدمات یہ ہیں لغوی باپ سے تو جسمانی فیض ہوا ہے اور پیر سے روحانی فیض ہوا ہو اس کا رتبہ اس باپ سے زیادہ ہونا چاہیے جس سے جسمانی فیض ہوا ہو۔ ان میں سے یہ مقدمہ تو مسلم ہے کہ پیر روحانی باپ ہے مگر یہ مقدمہ مسلم نہیں کہ روحانی باپ کا رتبہ جسمانی باپ سے زیادہ ہے اس واسطے کہ شریعت میں باپ کے حقوق جو کچھ آئے ہیں۔ ان کو سب جانتے ہیں اور یہ حقوق اسی کے ہیں جس کو عرفاً باپ کہا جاتا ہے۔ پس بدوں حکم شرعی محض تخمینی مقدمات سے فضیلت کا حکم کرنا کیسے صحیح ہے۔ اصل بات صرف اتنی ہے جو باپ حقیقۃً باپ ہے وہ باعتبار دنیا کے باپ ہے۔ اور پیر باعتبار دین کے باپ کہا جاتا ہے پس حقیقی باپ کی طرف دنیا کے حقوق راجع ہوتے ہیں اور پیر کی طرف دین کے حقوق راجع ہوتے ہیں۔ ان میں خلط ملط کر دینے سے غلطی پیدا ہوتی ہے۔

اب فیصلہ یہ ہے کہ دنیاوی باتوں میں باپ کا حکم مقدم ہے اور دین کی باتوں میں پیر کا۔ اگر پیر دین کی کسی بات کا حکم کرے اور باپ اس سے منع کرے تو ترجیح پیر کے حکم کو ہوگی مثلاً پیر کہتا ہے کہ اس وقت نماز فرض پڑھو اور باپ کہتا ہے کہ یہ وقت دنیا کے فلاں کام کا ہے اس میں حرج ہوگا اس وقت نماز مت پڑھو تو پیر کا حکم مقدم ہوگا اور درحقیقت اس کو پیر کا حکم کیوں کہا جاوے یہ تو خدا کا حکم ہے پیر تو صرف بتانیوالا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ خدا کا حکم

سب کے حکموں سے مقدم ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ تقدم ان ہی احکام میں ہوگی جو خدا تعالیٰ کا حکم ہے یعنی مامور بہ ہے اور نوافل وغیرہ میں نہیں ہوگی اس میں باپ کی اطاعت پیر سے مقدم ہے کیونکہ نوافل من جانب اللہ مامور بہ نہیں محض مرغوب فیہ نہیں اور اگر یہ پیر یہ کہتا ہے کہ فلاں جگہ شادی کرلو اور باپ کہتا ہے کہ وہاں شادی مت کرو تو اس صورت میں باپ کا حکم مقدم ہوگا۔ خوب سمجھ لو گڑ بڑ مت کرو ہر چیز کو اس کے درجہ میں رکھو افراط تفریط نہ کرو پیر کا رتبہ ہر بات میں باپ[1] سے زیادہ نہیں بہت سے مرد بھی اسی غلطی میں مبتلا ہیں کہ پیر کا رتبہ مطلقاً باپ سے زیادہ سمجھتے ہیں حالانکہ اس میں وہی تفصیل ہے جو میں نے عرض کی اور عورتیں تو اس غلطی میں مبتلا ہیں ہی کہ پیر کا رتبہ خاوند اور باپ دونوں سے زیادہ سمجھتی ہیں اور اسمیں عورتوں کا تو قصور ہے ہی کہ وہ جاہل ہیں مگر زیادہ قصور آج کل کے پیروں کا ہے کہ ان کی تعلیم ہی یہ ہے کہ پیر کا حق مطلقاً سب سے مقدم ہے۔

حقیقت پیری مریدی

آج کل کے پیروں نے دین کا ناس کر دیا ہے پیر ہو ایسا ہو جیسا ہمارے حضرت حاجی صاحب تھے۔ حضرتؒ نے میرے واسطے میری حاضری مکہ کے وقت یہ تجویز فرمایا تھا کہ ہمارے پاس چھ مہینے رہو اس وقت والد صاحب بھی حج کو تشریف لے گئے تھے میں نے ان سے اجازت چاہی تو والد صاحب نے فرمایا، میرا جی گوارا نہیں کرتا مجھے مفارقت سے رنج ہوتا ہے............ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ والد صاحب یوں فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ باپ کا حکم مقدم ہے باپ کی اطاعت فرض ہے تم اب تو جاؤ انشاء اللہ تعالیٰ پھر کبھی آ ؤ گے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے زندگی بھی اتنی دی کہ دوبارہ جانے کی توفیق ہوئی اور روپیہ بھی دیا کہ چھ مہینے کامل حضرت کی خدمت میں رہنا نصیب ہو گیا واقعی شیخ ہو تو ایسا ہو کوئی دوسرا شیخ ہوتا تو اسی وقت خفا ہو جاتا اور کہتا بس میاں جاؤ گھر بیٹھو جب باپ تمہیں نہیں چھوڑتا اور تم باپ کو نہیں چھوڑتے تو پیری مریدی کا نام کیوں لیتے ہو۔ جاؤ باپ ہی کے پاس رہو مگر

---

[1] راقم کہتا ہے کہ موٹی بات ہے کہ پیر کا رتبہ باپ سے کتنا ہی زیادہ سمجھا جاوے مگر وہ لوگ بھی جو اس غلطی میں مبتلا ہیں اس کے قائل نہیں کہ میراث میں بھی باپ سے پیر مقدم ہے کہ اگر کوئی مر جاوے اور باپ و پیر کو چھوڑ جاوے تو ترکہ بجائے باپ کے پیر کو دے دیں یا کچھ بھی اس کا حصہ قرار دیں۔ ۱۲ جامع وعظ:

ہمارے حضرت شریعت کے پابند تھے، سنت کے پابند تھے آپ نے شریعت کا لحاظ مقدم رکھا اطاعت والدین کو ضروری سمجھا اس اتباع سنت کی یہ برکت ہوئی کہ دونوں دولتیں نصیب ہوئیں یعنی والد صاحب کی اطاعت بھی نصیب ہوئی اور حضرت کی خدمت میں رہنا بھی ہو گیا اسی طرح خوب سمجھ لو کہ خاوند کی برابر پیر کا حق نہیں ہے۔ اب عورتوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ خاوند سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتیں، جب جی چاہا پیر صاحب کے یہاں چلدیں اور بعضی تو یہ غضب کرتی ہیں کہ پیر سے پردہ بھی نہیں کرتیں اور خاوند کو چھوڑ کر پیر صاحب کے یہاں پڑی رہتی ہیں وہیں رہنا اختیار کر لیا ہے اور پیر صاحب اس پر فخر کرتے ہیں کہ اتنی عورتیں ہماری مسخر ہیں بے شک وہ تو مسخر ہو گئی ہیں مگر تم ممسوخ ہو گئے ہو۔ افسوس ایک طوفان بے تمیزی پھیلا ہوا ہے آج کل کے پیروں کو خاوند کے حقوق کی پرواہ ہے نہ بال بچوں کی نہ اعزا کی بس اس کا نام فقیری رکھ لیا ہے کہ تمام اہل حقوق کے حقوق ضائع کر کے پیر صاحب کے حقوق ادا کئے جائیں یہ سب باتیں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں یاد رکھو جو شریعت کے خلاف کرے گا وہ پیر نہیں ہو سکتا پیر تو رسول کا نائب ہوتا ہے کہ جو تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اسکو بصیرت اور تجربہ کے ساتھ مریدوں تک پہنچاتا ہے تو جو شخص منیب کے خلاف عمل تو تعلیم کرتا ہے تو اس کو منیب کا نائب کہنا کہاں درست و جائز ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہیں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بمبئی میں سنا ہے کہ ایک پیر ایسے تھے جو عورتوں کو زبردستی اپنے سامنے بلاتے تھے اور کہتے تھے دیکھو جی تم ہم سے اس لئے مرید ہوئی ہو تا کہ قیامت میں تم کو بخشوائیں گے سو جب ہم تمہیں دیکھیں گے نہیں تو ہم قیامۃ میں کیسے پہچانیں گے اور کیسے بخشوائیں گے۔ ایک شخص نے اس کے جواب میں خوب کہا کہ قیامت میں تو ننگے اٹھیں گے اور تم نے یہاں اپنی مریدنیوں کو کپڑا پہنے دیکھا ہے تو وہاں ننگیوں کو کیسے پہچانو گے لہٰذا ان کو بالکل ننگا کر کے دیکھنا چاہیے۔ بس پیر صاحب سے اس کا جواب کچھ نہ آیا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے ایک پیر صاحب کی حکایت سنی ہے کہ انہوں نے اپنے ایک مرید سے رخصت کے وقت کہا کہ چند روز کو اپنی بیوی کو یہاں چھوڑ جاؤ وہ غیرت مند آدمی تھا اس نے کہا کہ حضرت یہ تو نہیں ہو سکتا بس پیر صاحب ناراض ہو گئے۔ کانپور میں ایک پیر اپنے مرید کے یہاں آئے اس نے ان کو باہر مردانہ مکان میں ٹھہرا دیا تو وہ خفا ہو گئے کہ ہم کو زنانہ مکان میں کیوں نہ ٹھہرایا

آج کل پیروں کے یہاں یہ آفت ہے کہ خود عورتوں کو پردہ نہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

صاحبو! یہ پیری مریدی ہے یا رہزنی اور ڈاکہ ہے پیر تو خدا کا مقرب بنانے کے لئے ہوتا ہے مگر ان کی حرکتیں خدا سے دور کرنیوالی ہیں۔ یہ پیر خود خدا سے دور ہیں دوسرے کو کیا مقرب بنائیں گے۔

حقوق خاوند و پیر

بیبیو! خوب سمجھ لو کہ دین کے کاموں اور احکام شرعیہ کے سوا باقی سب کاموں میں خاوند کا حق پیر سے زیادہ ہے یعنی خاوند اگر ایک کام کا حکم کرے اور پیر اس کو اس لئے منع کرے کہ وہ شریعت کے خلاف ہے تو اس صورت میں خاوند کا حکم نہ مانا جاوے گا بلکہ پیر کے حکم کو مانا جاوے گا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ شریعت کے حکم کو مانا جاوے گا اور شریعت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو کہتے ہیں تو یوں کہو کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خاوند کو حکم نہ مانا جاوے گا اور اس میں پیر والی عورت اور بے پیری سب برابر ہیں اگر کوئی عورت بے پیری بھی ہو تب بھی اس کو وہی کرنا چاہیے جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو خلاصہ یہ کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تو بیشک خاوند کے حق سے زیادہ ہے باقی اور کسی کا حق خاوند سے زیادہ نہیں مگر چونکہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم عوام کو خود نہیں معلوم ہو سکتا بلکہ علماء یا مشائخ کے واسطہ سے معلوم ہوتا ہے تو مجازاً کہہ سکتے ہیں کہ احکام شرعیہ اور دین کی باتوں میں پیر کا حق خاوند سے زیادہ ہے اور اگر خاوند کا حکم دین کے خلاف نہ ہو تو اب اس کے مقابلہ میں کسی کے حکم کو بھی ترجیح نہ ہوگی تو خاوند کا حکم سب سے زیادہ ہوا اس لئے میں نے کہہ دیا تھا کہ ان کے لئے بجائے بیعت کے پیر کی بیت کا پیر سب سے افضل ہے اور یہ بیت کا پیر کیسا اچھا پیر ہے کہ دین کی درستی بھی کرتا ہے اور کھانے پہننے کو بھی دیتا ہے دین کا بھی متکفل ہے دنیا کا بھی بیعت کے پیر میں یہ بات کہاں دنیا کا نفع تو ان سے کچھ ہے ہی نہیں بلکہ ان کو اور گھر سے نذرانے دینا پڑتے ہیں اور دین کا نفع بھی اتنا نہیں ہو سکتا جتنا خاوند سے ہو سکتا ہے کیونکہ پیر صاحب سے اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ جب کبھی ان سے کچھ پوچھا جاوے تو بتا دیں گے یا کبھی ان کے پاس جانا ہو تو کچھ اصلاح ہو جاوے سو اسکی

نوبت کہیں برسوں میں آتی ہے خصوص عورتوں کے لئے اور خاوند تو ہر وقت پاس موجود ہے وہ بات بات کی نگرانی کرسکتا ہے پس عورتوں کا یہ خیال غلط ہے کہ پیر کا حق خاوند سے زیادہ ہے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ پیر سے ماں باپ کا حق بھی زیادہ ہے کیونکہ انہوں نے تم کو بڑی محنت مشقت سے پالا اور محض محبت سے پالا ہے............. کسی عوض کی امید پر نہیں پالا اپنی جان کی پرواہ نہیں کی اپنے آرام پر بچہ کے آرام کو ترجیح دی۔ یہ بات پیر صاحب میں کہاں ہے وہ تو ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے ہیں پھر نذرانہ بغیر مانتے ہی نہیں ہاں وہ قید دین کی ضرور یاد رکھئے کہ ماں باپ کا حق دین کی باتوں میں پیر سے زیادہ نہیں یعنی اگر ماں باپ کسی دین کی بات کے خلاف حکم کریں۔ اور پیر کا حکم شریعت کے موافق ہو اس صورت میں ترجیح پیر کے حکم کو ہوگی اور اسکی حقیقت وہی ہے کہ پیر کا یہ حکم دراصل خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو خاوند اور ماں باپ سب کے حکم پر ترجیح ہے۔ ہاں دین کی باتوں کے علاوہ دیگر امور میں پیر کے حکم پر ماں باپ کے حکم اور خاوند کے حکم کو ترجیح ہے۔ دیکھو! میری اس تقریر کو خوب سمجھ لینا اس میں غلطی نہ کرنا بہت لوگ یہ احکام عورتوں کے کانوں تک اس لئے نہیں جانے دیتے کہ اس سے پیروں کی وقعت ان کے ذہن سے کم ہو جاوے گی مگر مجھے اسکی پرواہ نہیں مسلمانوں کا دین درست ہونا چاہئے ان کے دل میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت و عظمت ہونا چاہئے خواہ کسی اور کی ہو یا نہ ہو اس تقریر کو سن کر پیر صاحبان ضرور خفا ہوں گے۔ اور دل میں کہیں گے کہ لو ہمارا زور گھٹا دیا ہم تو پیر تھے ہی اس نے خاوند کو پیر بنا دیا بلکہ ہم سے بھی بڑا پیر بنا دیا اور ماں باپ کو بھی ہم سے بڑھا دیا میں کہتا ہوں کہ جب خدا نے ہی ان کو بڑھایا ہے تو کسی کا کیا اختیار ہے کہ ان کو گھٹا دے۔

دَرجاتِ مَرد و زَن

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے جو عورتوں کو محکوم اور خاوند کو حاکم بنایا ہے اس کو سختی اور ظلم نہ سمجھنا چاہئے بلکہ عورتوں کے حق میں یہ عین رحمت و حکمت ہے کیونکہ تابع ہونے میں بڑی راحت ہے اور مساوات میں کبھی نظام اور تمدن قائم نہیں ہوسکتا ہمیشہ جھگڑا اور فساد ہی ہوتا ہے خوب یاد رکھو کہ دنیا اور دین دونوں کا نظام اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ ایک تابع ہو ایک متبوع ہو۔ لوگ آج کل اتفاق و اتحاد کے لئے بڑی لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں اور تجویزیں

پاس کرتے ہیں مگر جڑ کو نہیں دیکھتے یاد رکھو اتفاق واتحاد کی جڑ یہ ہے کہ ایک کو بڑا مان لیا جاوے اور سب اس کے تابع ہوں جس جماعت میں متبوع اور تابع کوئی نہ ہو سب مساوات ہی کے مدعی ہوں ان میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو مساوات کا خیال تو عورتوں کو اپنے دل سے نکال دینا چاہیے کیونکہ یہی فساد کی جڑ ہے۔ اب دو ہی صورتیں رہیں یا تو عورتیں متبوع ہوں اور مرد تابع یا مرد متبوع اور عورتیں تابع اس کا فیصلہ انصاف کے ساتھ خود عورتوں کو ہی اپنے دل سے کر لینا چاہیے کہ متبوع بننے کے قابل وہ ہیں یا مرد ہیں سلیم الفطرت عورتیں کبھی اس کا انکار نہیں کرسکتیں کہ عقل میں اور طاقت میں مرد ہی بڑھے ہوئے ہیں وہیں عورتوں کی حفاظت وحمایت کر سکتے ہیں۔ عورتیں مردوں کی ہرگز حفاظت نہیں کرسکتیں۔ پس مردوں کو ہی متبوع اور عورتوں کو تابع ہونا چاہیے یہی شریعت کا فیصلہ ہے اور اسی لئے اس جگہ بھی مردوں کا ذکر عورتوں سے مقدم کیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں مِن ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى اور یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ ہی عورتوں کا ذکر فرمایا آگے پیچھے کا فرق تو بہت تھوڑا فرق ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عورتوں کی اس قدر ہمت بڑھائی ہے کہ سرسری نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مردوں کی برابر ہی ہیں گو میں نے دوسری آیتوں کی وجہ سے اصل مسئلہ کی تحقیق بیان کردی کہ فی الجملہ دونوں کے رتبہ میں فرق ہے ورنہ اس آیت سے تو مساوات کا بھی شبہ ہوسکتا ہے گو تقدیم وتاخیر پر نظر کر کے مساوات کے استدلال کو روکا جا سکتا ہے بہرحال اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں مرد وعورت دونوں اس قانون میں برابر ہیں کہ ہم کسی کا عمل ضائع نہ کریں گے پھر آگے بَعْضُكُم مِن بَعْضٍ میں اسکی اور بھی تائید فرمادی یعنی تم سب ایک دوسرے کے جزو ہو یہ جملہ بمنزلہ تعلیل کے ہے ماقبل کے لئے کہ مرد وعورت اس قانون میں برابر کیوں نہ ہوں یہ تو آپس میں سب ایک ہی ہیں ایک ہی نوع کے دونوں افراد ہیں خلقت میں بھی برابر ہیں کیونکہ مردوں کی خلقت عورتوں پر موقوف ہے اور عورتوں کی خلقت مردوں پر وہ انکے لئے سبب ہیں اور یہ ان کے لئے۔

مساوات حقوق مرد وزن

اس مقام پر میں ایک علمی اشکال کو رفع کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ قرآن مجید میں بعض آیتیں اس قسم کی ہیں جن سے سرسری نظر میں مردوں اور عورتوں کی مساوات ثابت ہوتی

ہے مثلاً وَمَن لَم يَستَطِع مِنكُم طَولاً اَن يَنكِحَ المُحصَنَاتِ المُؤمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَت اَيمَانُكُم مِن فَتَيَاتِكُمُ المُؤمِنَاتِ وَاللّٰهُ اَعلَمُ بِاِيمَانِكُم بَعضُكُم مِن بَعضٍ جس کا حاصل یہ ہے کہ اوپر محرمات کا بیان تھا اس کے بعد بیان فرمایا کہ ان کے سوا جن عورتوں سے چاہو نکاح کر سکتے ہو ہاں مہر دینا ہوگا اور جن کو آزاد عورتیں میسر نہ ہوں بوجہ ان کے اخراجات زیادہ ہونے کے تو ان کو چاہیے کہ مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لیں۔ وَاللّٰهُ اَعلَمُ بِاِيمَانِكُم بَعضُكُم مِن بَعضٍ۔

اور تمہارے ایمان کا پورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ (لیکن ظاہری ایمان کے اعتبار سے) تم سب ایک دوسرے سے بنے ہو غرض یہاں بھی وہی لفظ ہے بَعضُكُم مِن بَعضٍ (تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو) یعنی تم سب ایک ہی ہو مگر یہ آیت اپنے سیاق سے مساوات میں بظاہر اس سے زیادہ صاف ہے پہلی آیت میں تو (جس کا بیان ہو رہا ہے یعنی فَاستَجَابَ لَهُم رَبُّهُم (سو ان کے رب نے ان کی درخواست منظور کر لیا الخ) بَعضُكُم مِن بَعضٍ کے ساتھ اس کا بھی بیان ہے کہ مساوات اس بات میں ہے............ کہ کسی کا عمل ضائع نہ کیا جاوے گا چاہے مرد ہو یا عورت عدم اضاعتِ عمل میں سب مساوی ہیں مگر اس آیت میں بظاہر کوئی بھی قید نہیں کہ کس بات میں مساوات ہے بس مطلقاً فرما دیا بَعضُكُم مِن بَعضٍ۔

پھر مساوات بھی ایسی عام کہ لونڈی باندی کو آزاد مسلمانوں کے ساتھ غرض اس آیت سے بھی بظاہر عدم تفاوت ثابت ہوتا ہے گو جواز نکاح میں بعض ائمہ نے قول پر من کل الوجوہ مساواۃ نہ ہو کیونکہ آیۃ میں یہ قید لگی ہوئی ہے کہ جس کو آزاد عورتوں کی مقدرت نہ ہو وہ باندیوں سے نکاح کرے معلوم ہوا کہ آزاد عورت اور باندی برابر نہیں سو یہ تفاوت ایک امر خاص میں ہے یہ اس مساوات میں حارج نہیں جس کو میں ثابت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ خاص خاص صفات میں تو مردوں میں بھی تفاوت ہو سکتا ہے مثلاً بڑے چھوٹے میں یا امیر غریب میں باپ بیٹے میں عالم جاہل میں وغیرہ وغیرہ سو اس قسم کا تفاوت قابل اعتبار نہیں آخر بَعضُكُم مِن بَعضٍ کے کچھ تو معنی ہیں۔ ایک آیت اور یاد آئی یہ وَلَهُنَّ مِثلُ الَّذِی عَلَيهِنَّ بِالمَعرُوفِ۔

یعنی عورتوں کے حقوق بھی ویسے ہی ہیں جیسے ان کے ذمہ مردوں کے حقوق ہیں۔ یہ وہ

آیات ہیں جن سے عورتوں کی مساوات مردوں سے مفہوم ہوسکتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ دوسری آیتوں کو بھی ملانا چاہئے جن میں مردوں کی فوقیت عورتوں پر ثابت ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعضَهُم عَلٰى بَعضٍ. (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے)

نیز ارشاد ہے:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيهِنَّ دَرَجَةٌ. (اور مردوں کو ان پر فوقیت حاصل ہے)

اور یہ آیات مردوں کی فوقیت اور فضیلت ثابت کرنے میں بالکل صریح ہیں اور جن آیات سے مساوات ثابت ہوتی ہے وہ اس مدلول میں صریح نہیں بلکہ قرائن مقامیہ سے خاص امور میں مساوات بتلاتی ہیں چنانچہ اَنِّی لَا اُضِیعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنکُم مِن ذَکَرٍ اَو اُنثٰی بَعضُکُم مِن بَعضٍ۔ (میں تم میں سے کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہوا کارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو)

میں عدم اضاعت عمل میں مساوات بتلائی گئی اور وَاللّٰهُ اَعلَمُ بِاِیمَانِکُم بَعضُکُم مِن بَعضٍ. میں انسانیت اور آدمیت یا ایمان میں مساوات بتلائی گئی ہے کہ باندی کو حقیر نہ سمجھو تم سب آدم وحوا کی اولاد ہو یا سب اہل ایمان ہو اور وَلَهُنَّ مِثلُ الَّذِی عَلَیهِنَّ بِالمَعرُوفِ کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق بھی لزوم و وجوب میں مردوں کے حقوق کے برابر ہیں گو باعتبار نوعیت کے دونوں کے حقوق میں تفاوت ہو ورنہ مساوات کلی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عورتوں پر بھی مردوں کے لئے مہر اور نان نفقہ لازم ہو حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں باقی اس سے انکار نہیں کہ بعض حقوق اور بعض امور میں یعنی حقوق مشترکہ میں عورتیں مردوں کی برابر ہیں وہ ایسی گھٹیا نہیں ہیں، جیسا مردوں نے انہیں سمجھ رکھا ہے مگر افسوس آج کل ہم عام طور سے یہ شکایت سنتے ہیں کہ غریب عورتیں کہتی ہیں کہ مردوں کے تو کیا کچھ حقوق ہمارے اوپر ہیں اور ہم بالکل جانوروں کی طرح ان کے ہاتھ میں ہیں کہ وہ ماریں پیٹیں یا ذبح کریں ہم کچھ نہیں بول سکتے پس سن لو کہ اللہ سبحانہٗ کیا فرما رہے ہیں اور مرد بھی سن لیں ذرا کان کھول لیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسے ان کے اوپر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان کے بھی مردوں پر ہیں پھر یہ کہنے کی

گنجائش کہاں رہی کہ ہم جانوروں کی طرح ہیں اس شکایت کی اصل وجہ یہ ہے کہ مردوں نے ان کے کان میں اتنا ہی ڈالا ہے کہ ہمارے حقوق تمہارے اوپر اس قدر ہیں اور یہ بات بالکل ان کے کان تک نہیں پہنچائی کہ تمہارے بھی کچھ حقوق ہمارے اوپر ہیں اور عام مرد تو ایسی بات ان کے کان تک کیوں ہی پہنچنے دیتے کیونکہ اپنے خلاف ہے۔

حقیقت حقوق العباد

مگر غضب تو یہ ہے کہ واعظ صاحبان نے بھی کبھی اس مضمون کو بیان نہیں کیا جب بیان کیا تو یہی کہ عورتیں ایسی بُری ہیں ان میں یہ عیب ہے اور وہ عیب ہے عورتیں تو سرتاپا عیب ہی عیب ہیں گویا دوزخ ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں اس سے بے چاری عورتیں یہ سمجھ گئیں کہ ہم ایسی بُری ہیں اور سرتاپا عیب ہیں تو ہمارے حقوق مردوں کے ذمہ کیا ہوتے بس یہی بہت ہے کہ ہم کو نان ونفقہ دیدیا جاوے۔ صاحبو! جب اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق مقرر فرمائے ہیں تو ان کو کون بدل سکتا ہے مرد اگر ان کا حق نہ دیں گے تو حق العبد کے گنہگار ہوں گے جو آیتیں میں نے پڑھی ہیں دیکھ لیجئے کس قدر صاف ہیں اس باب میں اور ان سے کس قدر حقوق عورتوں کے ثابت ہوتے ہیں صرف نان نفقہ ہی عورت کا حق نہیں ہے بلکہ یہ بھی حق ہے کہ اسکی دلجوئی کی جائے حدیث میں اِستَوصُوا[1] بِالنِّسَاءِ خَیراً فَاِنَّمَا ھُنَ عَوانٌ عِندَکُم یعنی عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس مثل قیدی کے ہیں اور جو شخص کسی کے ہاتھ میں قید ہو ہر طرح اس کے بس میں ہو اس پر سختی کرنا جوانمردی کے خلاف

---

[1] پوری حدیث یہ ہے الاواستوصوا بالنساء خیر افانما ھن عوان عندکم لیس تملکون منھن شیئاً غیر ذالک الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ فان فعلن فاھجروھن فی المضاجع واضربوھن ضربا غیر مبرح فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا الا ان لکم علی نساء کم حقا والنساء کم علیکم حقا فحقکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم من تکرھون الا وحقھن علیکم ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن وطعامھن۔
ترجمہ: سن لو میری نصیحت عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے متعلق قبول کرو کیونکہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ وہ تمہارے پاس قید ہیں اس سے زیادہ کچھ اختیار تم کو ان پر نہیں ہے لیکن وہ اگر کوئی نامناسب کام کریں تو ان کو الگ سلاؤ اور (اگر یہ کافی نہ ہو تو) ان کو مارو مگر سخت مار نہ ہو پھر اگر وہ مطیع ہو جاویں تو ان کو پھر نہ کہو سن لو کہ کچھ تمہارے حق عورتوں پر ہیں اور کچھ حقوق عورتوں کے تمہارے اوپر ہیں تمہارے حق عورتوں پر ہیں کہ تمہارے فرش پر ایسے شخص کو نہ بٹھلاویں جس کو تم ناگوار سمجھتے ہو یعنی گھر میں بلا اجازت کسی کو آنے نہ دیں۔ سن لو ان کا حق تمہارے اوپر یہ (بھی) ہے کہ ان کو اچھی طرح کھانے پہننے کو دو۔۱۲۔ کاتب۔ سنن ابن ماجۃ: ۱۸۵۱

ہے۔ دلجوئی کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بات ایسی نہ کرو جس سے اس کا دل دکھے، دل کو تکلیف ہو بیبیو! اس سے زیادہ اور وسعت کیا چاہتی ہو۔ نان نفقہ وغیرہ ضابطہ کے حقوق کو تو سب جانتے ہیں اور وہ محدود حقوق ہیں لیکن دلجوئی ایسا مفہوم ہے جس کی تحدید نہیں ہوسکتی کہ جس بات سے عورتوں کو اذیت ہو وہ مت کرو بھلا اسکی تحدید کیسے ہوسکتی ہے۔ اب کہا جاسکتا ہے کہ عورت کے حقوق غیر محدود ہیں اس حدیث میں ایک اور نکتہ پر متنبہ کرتا ہوں کہ لفظ عوانٍ سے پردہ بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ مقید ہی ہوکر رہنے کا نام تو پردہ ہے نیز پردہ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کا منشاء حیا ہے اور حیا عورت کے لئے امر طبعی ہے اور امر طبعی کے خلاف پر کسی کو مجبور کرنا باعث اذیت ہے اور اذیت پہنچانا دلجوئی کے خلاف ہے۔ پس عورتوں کو پردہ میں رکھنا ان پر ظلم نہیں ہے بلکہ حقیقت میں دلجوئی ہے اگر کوئی عورت اس کو بجائے دلجوئی کے ظلم سمجھے تو وہ عورت نہیں اس سے اس وقت کلام نہیں یہاں ان عورتوں سے بحث ہے جن میں عورتوں کی فطری حیاء موجود ہو، بے حیاؤں کا ذکر نہیں افسوس ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس میں فطری امور کو بھی دلائل سے ثابت کرنا پڑتا ہے۔

ترغیب پردۂ نسواں

صاحبو! پردہ اول تو عورت کے لئے فطری امر ہے دوسرے مصالح عقلیہ بھی اسی کے مقتضی ہیں کہ عورتوں کو پردہ میں رکھا جائے مگر آج کل بعض ناعاقبت اندیش پردے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں میں بقسم کہتا ہوں کہ پردہ کے توڑنے میں قطع نظر خلاف شرع اور گناہ ہونے کے اتنی خرابیاں ہیں کہ آج جو عقلاء پردہ کی مخالفت کرتے اور پردہ اٹھا دینے کی کوششیں کرتے ہیں ان خرابیوں کو دیکھ کر بعد میں خود ہی یہ تجویز کریں گے کہ پردہ ضرور ہونا چاہیے مگر اسوقت بات قابو سے نکل چکی ہوگی اب تو بنی بنائی بات ہے اس کو نہیں بگاڑنا چاہیے پھر پچھتائیں گے اور کچھ بھی نہ ہوسکے گا آج کل ایسا مزاق بگڑ گیا ہے کہ کوئی پردہ کو خلاف فطرت کہتا ہے کوئی قید اور حبس بیجا کہتا ہے۔ ایک مسلمان انجینئر تھے ان سے ایک پادری انجینئر نے کہا کہ مسلمان مذہب بہت اچھا ہے اس میں سب خوبیاں ہیں سوا اس کے عورتوں کو قید میں رکھا جاتا ہے۔ مسلمان انجینئر نے کہا کہاں؟ ہم نے تو کسی مسلمان عورت کو قید میں نہیں دیکھا۔ کیا وہی قید جس

کا نام تم نے پردہ رکھا ہے قید کے لفظ پر یاد آیا کہ ایک انگریز نے بہاولپور میں شاہی محلات کی سیر کی تو یہ داد دی کہ ہاں مکانات تو بہت اچھے ہیں مگر مہذب جیل خانے ہیں (خیر مہذب جیل خانے تو نہیں ہیں) تو ان مسلمان انجینئر صاحب نے پادری سے کہا کہ پہلے آپ یہ بتلایئے کہ قید کس کو کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قید حبس خلافِ طبع کو کہتے ہیں اور جو حبس خلاف طبع نہ ہو اس کو قید ہرگز نہ کہیں گے ورنہ پاخانہ میں جو آدمی پردہ کر کے بیٹھتا ہے اس کو بھی قید کہنا چاہیے کیونکہ پاخانہ میں آدمی تمام آدمیوں کی نگاہوں سے چھپ جاتا ہے سب سے الگ ہو جاتا ہے مگر اس کو کوئی قید نہیں کہتا کیونکہ یہ حبس خلاف طبع نہیں بلکہ موافق طبع ہے اس لئے کوئی یہ نہیں کہتا کہ آج ہم اتنی دیر قید میں رہے اور فرض کرو اگر اسی پاخانہ میں کسی کو بلا ضرورت بند کر دیا جاوے کہ باہر سے زنجیر لگا دیں اور ایک پہرہ دار کھڑا کر دیا جاوے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ خبردار یہ آدمی یہاں سے نکلنے نہ پاوے تو اس صورت میں بے شک یہ حبس خلاف طبع ہوگا اور اس کو ضرور قید کہیں گے اور اس صورت میں بند کرنیوالے پر حبس بیجا کا مقدمہ قائم ہو سکتا ہے بتلایئے ان دونوں صورتوں میں فرق کیا ہے؟ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صورت میں حبس خلاف طبع نہیں اور دوسری میں خلاف طبع ہے پس ثابت ہوا کہ مطلق حبس کو قید نہیں کہہ سکتے بلکہ حبس خلاف طبع کو کہتے ہیں پس آپ کو پہلے یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلمان عورتیں جو پردہ میں رہتی ہیں وہ انکی طبیعت کے موافق ہے یا خلاف اس کے بعد یہ کہنے کا حق تھا کہ پردہ قید ہے یا نہیں میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ پردہ مسلمان عورتوں کے خلاف طبع نہیں ہے کیونکہ مسلمان عورت کے لئے حیاء امر طبعی ہے لہٰذا پردہ حبس موافق طبع ہوا اور اس کو قید کہنا غلط ہے ان کی حیاء کا مقتضا یہی ہے کہ پردہ میں مستور رہیں بلکہ اگر انکو باہر پھرنے پر مجبور کیا جاوے یہ خلاف طبع ہوگا اور اس کو قید کہنا چاہیے۔

غرض عوان کے لفظ سے پردہ ثابت ہوتا ہے مگر نہ ایسا پردہ جو قید کا مصداق ہو یعنی پردہ تو ضرور ہو مگر پردہ میں اسکی دلجوئی کے سامان بھی مہیا ہوں یہ نہیں کہ میاں صاحب نماز کو جاویں تو باہر سے تالا لگا کر جائیں کسی سے اس کو ملنے نہ دیں نہ اس کی دُسراہت کا سامان کریں بلکہ مردوں کو لازم ہے کہ پردہ میں عورتوں کی دلچسپی کا ایسا سامان مہیا کریں کہ ان کو باہر نکلنے کی ہوس ہی نہ ہو

سمجھنے کی بات ہے کہ اگر مردوں کو کسی وقت وحشت ہوتی ہے تو باہر جا کر ہم جنسوں میں دل بہلا سکتے ہیں بے چاری عورتیں پردہ میں اکیلی کس طرح دل بہلائیں تم کو چاہیے کہ یا خود اسکے پاس بیٹھو یا تم کو فرصت نہیں ہے، تو کسی اسکی ہم جنس عورت کو اس کے پاس رکھو اگر کسی وقت کسی بات پر شکوہ شکایت بھی کرے تو معمولی بات پر بُرا مت مانو تمہارے سوا اس کا کون ہے جس سے وہ شکایت کرنے جائے اس کی شکایت کو نازِ محبت پر محمول کرو۔

عشقِ خاوند

کیونکہ ہماری عورتوں میں محبت کا مادہ اس قدر ہے کہ سچ مچ عشق کا مرتبہ ہے۔ کانپور میں دیکھا گیا ہے کہ بعضی عورتوں نے خاوند کے ظلم اور مار پٹائی سے تنگ آ کر قاضی جی کے یہاں جا کر طلاق لینے کی درخواست کی قاضی جی نے کوشش کر کے طلاق دلوا دی ساری عمر کی مصیبتوں اور مار پٹائی کی وجہ سے طلاق لے تو لی مگر طلاق کے وقت زار زار روتی تھیں اور یہ حالت تھی کہ ابھی مر جائیں گی یا زمین پھٹ جائے تو اس میں سما جائیں گی۔ عورتوں کی یہ بات بہت قابل قدر ہے کہ ان کو خاوند سے عشق ہوتا ہے پھر کیا اس کی یہی قدر ہے کہ ان کو تکلیف دی جائے یا ذرا ذرا سی ناگواری پر ان کو الگ کر دیا جائے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

آنرا کہ بجائے تست ہر دم کرمے — عذرش بنہ از کند زبعمرے ستمے

کہ جس سے ہر وقت راحت پہنچے اس سے کسی وقت اذیت بھی پہنچے تو چشم پوشی کرنا اہیے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے جو حکیم تو سب کے نزدیک ہیں اور بعض کے نزدیک پیغمبر بھی ہیں ایک باغ میں نوکری کر لی (اس سے سبق لینا چاہیے کہ حلال پیشہ کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے) مالک باغ ایک روز باغ میں آیا اور ان سے ککڑیاں منگائیں اور اس کو تراش کر ایک ٹکڑا ان کو دیا یہ بے تکلف بکر بکر کھاتے رہے اس نے یہ دیکھ کر یہ بڑے مزے سے کھا رہے ہیں یہ سمجھا کہ یہ ککڑی نہایت لذیذ ہے ایک قاش اپنے منہ میں بھی رکھ لی تو وہ کڑوی زہر تھی فوراً تھوک دی اور بہت منہ بنایا پھر کہا اے لقمان تم تو اس ککڑی کو بڑے مزے سے کھا رہے ہو یہ تو کڑوی زہر ہے۔ کہا جی ہاں کڑوی تو ہے کہا پھر تم نے کیوں نہیں کہا کہ یہ کڑوی ہے۔ کہا میں کیا کہتا مجھے یہ خیال ہوا کہ جس ہاتھ سے ہزاروں دفعہ مٹھائی کھائی ہے اگر اس ہاتھ

سے ساری عمر میں ایک دفعہ کڑوی چیز ملی تو اس کو کیا منہ پر لاؤں۔ یہ ایسا اصول ہے کہ اگر اس کو میاں بیوی دونوں یاد رکھیں تو کبھی لڑائی جھگڑا نہ ہو اور کوئی بدمزگی پیش نہ آوے بیوی یاد کرے کہ میاں نے ہزاروں طرح کے ناز میرے اٹھائے ہیں ایک دفعہ سختی کی تو کچھ بات نہیں اور خاوند خیال کرے کہ بیوی ہزاروں قسم کی خدمتیں میری کرتی ہے ایک بات خلاف طبع بھی سہی حق تعالیٰ نے بھی یہ مضمون قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔

سفارش قرآن

مردوں کو غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کس عمدہ پیرایہ میں عورتوں کی سفارش کی ہے فرماتے ہیں:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيراً كَثِيراً.

یہ ہے کتاب اللہ کہ اس کی ایک اسی تعلیم کو دیکھ کر عقل سلیم والا کہہ اٹھے گا کہ بے شک قرآن کتاب اللہ ہے فرماتے ہیں عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور اگر کسی وجہ سے وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کو کوئی چیز ناپسند ہو اور اگر اللہ تعالیٰ اس میں بہت بھلائیاں رکھدیں۔ ظاہر ہے کہ ناپسند ہونا کسی وجہ ہی سے ہوگا اور زیادہ تر عورتوں کے ناپسند ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے اور یہ بات مرد کے لئے باعث اذیت ہے مگر اللہ تعالیٰ کا گویا وعدہ ہے کہ عورتوں کی بداخلاقی وغیرہ کو بھی خیر کثیر کا سبب بنادیں گے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں وہ سب کچھ کر سکتے ہیں مثلاً اس سے اولاد ہی ہو جائے گی جو قیامت میں اس شخص کی دستگیری کرے گی۔ (کیونکہ قیامت میں ایسا بھی ہوگا کہ کسی شخص کے گناہ اس قدر ہوں گے جس کی وجہ سے اس کو دوزخ میں ڈال دینے کا حکم ہوگا مگر اس کا کوئی بچہ صغیر سن مر گیا ہوگا وہ کہے گا کہ میں اس وقت تک جنت میں نہ جاؤنگا جب تک میرا باپ نہ جائے گا۔ چنانچہ اسکی خاطر سے باپ کو جنت مل جائے گی حدیث میں اس قسم کی خبریں بکثرت آئی ہیں۔ کاتب) نیز عورتوں کی زباں درازی کی صورت میں خیر کثیر اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ مرد اسکی ایذ رسانی پر صبر کرے اور صبر کی جزا جنت ہے ہی اور جنت کا خیر کثیر ہونا ظاہر ہے کیونکہ دنیا میں جو عورت سے تکلیف پہنچی وہ تھوڑی تھی چندروزہ تھی اور اس کے عوض جو راحت آخرت میں

حاصل ہوگی وہ یقیناً زیادہ ہوگی کیونکہ وہ باقی اور دائمی ہوگی تو عورتوں کا سبب خیر کثیر ہونا صحیح ہو گیا ان صورتوں میں مرد کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کے اس وعدہ پر نظر رکھے اور بیوی کی بداخلاقی پر نظر نہ کرے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیوی کو روک ٹوک بھی نہ کرے اصلاح ضرور کرے مگر نرمی کے ساتھ اور کبھی دھمکانا بھی بُرا نہیں مگر ستاوے نہیں اور زیادہ دھمکانا بھی اچھا نہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیبیوں کے ساتھ ایسے عجیب تھے کہ آج کل کے مدعیان تہذیب سنیں تو شاید حیرت کریں گے مگر ہمیں انکی حیرت واستعجاب کی پرواہ نہیں ہم انکی بیوقوفی پر ہنسیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات واقعات کو کسی کی نکتہ چینی کے خوف سے مخفی نہ رکھیں گے۔ ہمارا مذہب ایسا نہیں جس کی باتوں کو چھپا چھپا کر رکھا جاوے ہم علی رؤس الاشہاد انکو پیش کرنا چاہتے ہیں کیونکہ دنیا میں سب لوگ بیوقوف ہی نہیں بستے بہت سے اہل عقل بھی دنیا میں موجود ہیں جو ان باتوں کی قدر کریں گے۔

اِخلاق رسول مقبول

کیونکہ ان واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بناوٹ اور تصنع نام کو بھی نہ تھا اور یہ خاص دلیل ہے آپکے سچا ہونے کی بناوٹ اور تصنع سے جھوٹا آدمی خالی نہیں ہوسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اخلاق تھے اپنی بیبیوں کے ساتھ حضرت عائشہؓ چونکہ سب بیبیوں سے کم عمر تھیں تو آپ انکی عمر کے موافق انکی دلجوئی فرمایا کرتے تھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ان کے ساتھ دوڑے بھی ہیں چونکہ حضرت عائشہؓ بچی اور چھریرے بدن کی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی عمر کے تھے آپ کا جسم مبارک بھاری ہو چکا تھا اس دوڑ میں حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نکل گئیں کچھ عرصہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ایک مرتبہ دوڑے اس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے کیونکہ اب حضرت عائشہؓ کا ذرا بدن بھاری ہو گیا تھا عورتیں بہت جلد بھاری ہو جاتی ہیں ان کا نشو ونما جلدی ہوتا ہے اس وقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ نکل سکیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اس کا بدلہ ہے کہ تم پہلے آگے نکل گئی تھیں۔ سبحان اللہ کیا ٹھکانا آپ کے اخلاق کا۔ میرے متعلقین میں ایک شخص ہیں جو مجھ سے بیعت بھی ہیں

ان میں متانت اور سنجیدگی زیادہ ہے جہاں بیٹھتے ہیں بڑے وقار کے ساتھ بیٹھتے ہیں کیا مجال جو ہنسی آ جاوے یا کسی سے کھل کر بات بھی کرلیں ایک دفعہ اس کے متعلق میں نے یہ تقریر کی کہ یہ سنجیدگی ہمیں پسند نہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ ہنستا بولتا رہے یہ کیا کہ ہر وقت منہ چڑھا ہوا ہے ایسے آدمی سے کسی کو انس نہیں ہوتا آپ نے اس کا نام وقار رکھا ہے مگر دراصل یہ کبر ہے۔ بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون باوقار ہوگا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خندہ پیشانی تھے۔ صحابہؓ کے ساتھ بولتے تھے لوگ جس قسم کی بات چیت کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شریک رہتے۔ ہمارا وقار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ میری عادت ہے کہ میں مدرسہ میں بیٹھ کر دوستوں کے سامنے اپنے گھر کے واقعات و حالات بھی کہہ ڈالتا ہوں (یعنی مخالفوں کے سامنے نہیں) اس سے بھی ان صاحب کو اختلاف تھا وہ کہتے تھے کہ گھر کی باتیں مجمع میں بیان کرنا خلاف متانت ہے۔ انہوں نے تو یہ بات خیر خواہی سے کہی ہوگی لیکن میں اس کو غلط سمجھتا ہوں میں نے کہا مولانا متانت اسکو نہیں کہتے متانت بھی وہی ہے جو سنت سے ثابت ہو آپ اس متانت کی بدولت بعض سنتوں سے محروم ہیں اچھا سچ سچ بتاؤ کبھی تم نے اس سنت پر بھی عمل کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یعنی بی بی کے ساتھ دوڑنا اور بحمد اللہ مجھے یہ دولت نصیب ہوئی ہے ہم نے اس سنت پر عمل کیا ہے تم اس متانت ہی میں رہو گی جس کی بدولت سنت معاشرت مع الازواج پر کبھی عمل نصیب نہ ہوگا۔ یہ متانت نہیں بلکہ تکبر ہے یہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ بکری کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوہ لیتے ترکاری کاٹ لیتے اور گھر کے کاموں میں گھر والوں کی مدد فرماتے الحمدللہ اس پر بھی ہمیں عمل کی توفیق ہوئی ہے۔ حضرت یاد رکھئے طریق سنت یہ ہے کہ مسلمان سیدھا سادہ ہے بڑا بن کر نہ رہے یہ کیا کہ جہاں بیٹھیں ایسے بیٹھیں جیسے مجمع کے سردار ہیں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس طرح مل جل کر رہتے تھے کہ مجمع میں کوئی یہ بھی تمیز نہیں کرسکتا تھا کہ سردار کون ہے۔ گھر کے اندر یہ حالت تھی کہ بعض دفعہ بیبیاں روٹھ جاتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹالدیتے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیبیوں سے روٹھ گئے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئے تو دروازہ

میں سے حضرت عائشہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا چلا کر بات کرتے ہوئے سنا غصہ آیا جب اندر پہنچے تو صاحبزادی (عائشہؓ) سے کہتے ہیں میں بھی سن رہا ہوں کہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور سے بول رہی ہے۔ یہ کہہ کر طمانچہ مارنے کو ہاتھ اٹھایا فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روک لیا جب حضرت صدیقؓ چلے گئے۔ تو حضور حضرت عائشہؓ سے فرماتے ہیں دیکھا میں نے تم کو کیسا بچالیا ورنہ پٹ گئی ہوتیں۔

حقیقت ناز

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ بعض ازواج مطہرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور سے بولتیں اور ضد کے ساتھ فرمائشیں کرتی ہیں وہ آئے تو اس وقت حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ (حضرت عمر کی بیٹی) موجود تھیں ان کو ڈانٹا کہ تم ڈرتی نہیں ہو۔ دوسری عورتوں کی ریس میں تم نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور زور سے بولنا شروع کیا ہے یاد رکھو! ہلاک ہو جاؤ گی (ازواج کا یہ زور زور سے بولنا اس وجہ سے تھا کہ وہ جانتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ناراض نہ ہوں گے ورنہ رفع صوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سخت معصیت[1] تھا)

قصہ افک میں جب حضرت عائشہؓ کی برأت میں وحی نازل ہوئی تو ان کے والدین نے ان سے کہا قُومِی اِلَیہِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپ کا شکریہ ادا کرو تو آپ فرماتی ہیں: لَا وَاللّٰہِ لَا اَقُومَ اِلَیہِ وَلَا اَحمَدُ اِلَّا اللّٰہَ ھُوَ الَّذِی اَنزَلَ بَرَاءَ تِی او کما قال۔

یعنی نہیں واللہ میں تو نہیں اٹھتی نہ میں کسی کا شکریہ ادا کروں سوا اللہ کے اسی نے میری براءت نازل فرمائی۔ ظاہر میں یہ کتنا سخت لفظ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ ہی پر کہتی ہیں کہ میں تو نہیں اٹھتی نہ میں کسی کا شکریہ ادا کروں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاً ملال نہ ہوا کیونکہ ناز محبوبانہ تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں پہچان جاتا ہوں جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح پہچان لیتے ہیں۔ فرمایا جب تم راضی ہوتی ہو تو اپنی بول چال میں یوں کہتی ہو لا ورب محمد۔ اور جب

---

[1] سورہ حجرات میں یہ تصریح یہ مسئلہ موجود ہے اور رفع صوت پر حبط اعمال کی وعید ہے ۱۲ کاتب

ناراض ہوتی ہوتو یوں کہتی ہو لا و رب ابراھیم۔ (اسوقت رب محمد نہیں کہتی) کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقعی آپ کا خیال ٹھیک ہے مگر میں غصہ کی حالت میں بھی صرف آپ کا نام ہی چھوڑ دیتی ہوں یعنی دل سے آپ کو نہیں بھولتی۔ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کے ساتھ بہت تعلق تھا۔ حضرت عائشہ بھی سب سے زیادہ آپ کی عاشق تھیں ان ہی کا یہ شعر ہے ۔

لواحی زلیخا لو رائین جبینہ لآثرن بالقطع القلوب علی الید

(زلیخا کی ہمجولیاں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کو دیکھ لیتیں تو اپنے ہاتھوں کی بجائے اپنے دلوں کو کاٹ لیتیں)

حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عاشق زار تھیں مگر پھر بھی کبھی اینٹھ جاتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہ کہتے کیونکہ درحقیقت یہ ناراضی نہیں تھی بلکہ ناز تھا یہ ایسا ہے جیسے کبھی رعایا بادشاہ سے خفا ہو جاتی ہے اور وہ ان کو سزا نہیں دیتا بلکہ ان کے کہنے کے موافق کر دیتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ انتقام سے عاجز ہے بلکہ نہایت درجہ شفیق ہے اور رعایا کی ناز برداری کرتا ہے یہ ہے طرز معاشرت سنت کے موافق اب جو لوگ متانت و وقار کو لئے پھرتے ہیں وہ اسی میں رہیں۔ ہم نے ایک والی ملک کی زیارت کی ہے (ان کا نام نہیں لیتا ہوں) وہ اس قدر خلیق اور نرم تھے کہ ان کی بیوی کبھی کبھی ان کو پیٹ بھی لیتی تھیں۔ خیر یہ تو واہیات ہے کہ میاں بیوی کے ہاتھ سے پٹا کرے مگر اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ وہ کس قدر خلیق تھے؟ ورنہ ایک دو لگاتے یہ بی بی صاحب کی بدتمیزی تھی کہ وہ میاں پر ہاتھ اٹھاتی تھیں اور میاں کا ڈھیلا پن تھا کہ بی بی کو اتنا گستاخ کر دیا تھا صرف نواب صاحب کی وسعت اخلاق دکھلانے کے لئے یہ حکایت زبان پر آ گئی باقی بیوی کے ہاتھوں سے پٹنا پٹانا تو بڑا واہیات ہے میرا مطلب یہ ہے کہ بیوی پر اپنا رعب اتنا نہ بڑھانا چاہیے کہ میاں بالکل ہوا ہی ہو جاوے کہ ادھر میاں نے گھر میں قدم رکھا اور بی بی کا دم فنا ہوا ہوش و حواس بھی جاتے رہے بے چاری کے منہ سے کوئی بات نکلی یا کوئی چیز مانگی اور ڈانٹ ڈپٹ شروع ہو گئی کہ تم بہت فضول خرچ ہو اس چیز کی کیا ضرورت تھی، اس چیز کی کیا ضرورت ہے......؟

خرچ زوجہ

بعض لوگ ضرورت کھانے پینے میں بھی عورت پر تنگی کرتے ہیں اور اسی کے لئے اصول مقرر کرتے ہیں مثلاً چار آنے روز سے زیادہ نہ دیں گے چاہے کوئی مہمان آوے یا کوئی بیمار ہو جاوے بات بات پر کہتے ہیں کہ بس اس سے زیادہ نہ ملے گا بھلے مانس عورت تو اہل وصول ہے اہل اصول نہیں ہے۔ تم بڑے اہل اصول ہو تو ذرا اپنی ذات کے لئے پابندی کر کے دکھلاؤ اپنے واسطے تو کوئی رقم دو آنہ چار آنہ یا روپیہ کی مقرر کرو کہ اس سے زیادہ کسی حال میں خرچ نہ کرو گے خواہ بیماری ہو یا شادی یا غمی ہو یا کوئی آفت ناگہانی مثلاً کوئی مقدمہ آپ کے سر پڑ جاوے پھر دیکھیں کہ آپ اصول کی پابندی کہاں تک کرتے ہیں سب اصول رکھے رہ جائیں گے ذرا اسی دیر میں سینکڑوں روپیہ پر پانی پھر جاوے گا پھر غریب بیوی کے ساتھ ہی کیوں اصول بگھارتے ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ عورتوں کو فضول خرچی کی اجازت دیدی جاوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے جتنی وسعت تم کو دی ہے جیسا تم اپنی ذات کے لئے خرچ کرتے ہو ویسا ہی اس کو بھی خرچ کرنے دو شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو راحت دو اس کو پریشان اور تنگ مت کرو نان نفقہ فراغت کے ساتھ اس کی دلجوئی کرو اس کی بہت سی ایذاؤں پر صبر کرو اور حق تعالیٰ کے اس وعدہ پر نظر رکھو۔ فَإِن كَرِهتُمُوهُنَّ فَعَسٰى اَن تَكرَهُوا شَيئاً وَيَجعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيراً كَثِيراً۔

مسلمانوں کو بیبیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل و معاشرت کی موافق عمل کرنا چاہیے متانت وغیرہ کو بالائے طاق رکھنا چاہیے۔ متانت وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال میں ہے خوب سمجھ لو۔

مسئلہ تساوی

بیان یہ ہو رہا تھا کہ قرآن میں عورتوں اور مردوں کے متعلق آیتیں مختلف مضامین کی آئی ہیں ایک وہ آیت ہے جس کا بیان ہو رہا ہے جس سے مردوں عورتوں کی تساوی معلوم ہوتی ہے اور بعض آیتوں سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے مثلاً وَلِلرِّجَالِ عَلَيهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ کہ مردوں کا درجہ عورتوں سے زیادہ ہے اس کے آگے ہے۔

یہ جملہ تعلیلیہ ہے جس کا حاصل یہ ہوا اس فضیلت میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ اللہ کی دی ہوئی ہے جو غالب ہیں ان کے حکم کو کوئی روکنے والا نہیں اور یہ حکم نرا حاکمانہ بھی نہیں کیونکہ وہ حکیم بھی ہیں انہوں نے جو کچھ بھی حکم دیا ہے حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا لہٰذا کچھ چوں و چراں کی گنجائش نہیں ایک آیت اور یاد آئی وہ یہ ہے: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ:
(اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے)

جس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ام سلمہ نے حسرت کے ساتھ تمنا کی کہ کاش ہم بھی مرد ہوتے تو مردوں کی طرح جہاد کرتے۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں حق تعالیٰ نے ایسی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے اور ممانعت کا عنوان یہ ہے کہ ہم نے جو تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اسکی تمنا ایک دوسرے کو نہ کرنی چاہیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اسی لئے تو حضرت ام سلمہؓ نے مرد ہونے کی تمنا کی تھی۔ آگے اس آیت میں ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ
یعنی مردوں کو ان کے عمل کی جزا ملے گی اور عورتوں کو ان کے عمل کی اس جملہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدار عمل پر ہے اور جب مدار عمل پر ہے تو اگر عورت عمل زیادہ کرے تو مرد سے بھی بڑھ سکتی ہے۔ حاصل یہ کہ یہ تین آیتیں ہیں ایک سے تساوی ثابت ہوتی ہیں مرد و عورت میں اور ایک سے فضیلت مردوں کو عورتوں پر اور ایک سے یہ کہ عورت مرد سے بھی بڑھ سکتی ہے۔ ان آیتوں میں سے کسی ظاہر بین کو تعارض کا شبہ ہوسکتا ہے مگر حقیقت میں تعارض نہیں ہے اور اس کا فیصلہ خود قرآن کی آیتوں میں موجود ہے اور یہ خاص شان ہے قرآن کی کہ یُفَسِّرُ بعضهٗ بعضاً یعنی قرآن اپنی شرح خود کرتا ہے اسکو دیکھ کر بے اختیار زبان پر آتا ہے ۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب　　گر دلیلت باید از وے رُو متاب

سورج کے وجود کی دلیل یہی ہے کہ دیکھ لو سورج نکلا ہوا ہے اور دلیل کیا ہوتی ہے

یہی قرآن کی شان ہے کہ جہاں کوئی اشکال پیدا ہو غور کرو، وہیں اس کا حل بھی ہوگا اب آیتوں میں غور کیجئے پہلے میں ایک قاعدہ بیان کرتا ہوں اس کو سمجھ لیجئے پھر دیکھئے کہ آیتوں میں تعارض کہاں ہے......؟

اقسامِ فضائل

وہ قاعدہ یہ ہے کہ فضائل دو قسم کے ہیں ایک خلقی اور ایک مکتسب خلقی کہتے ہیں پیدائشی کو اور مکتسب کہتے ہیں ان صفات کو جو اختیار اور کسب سے حاصل ہوتی ہیں تو صفات خلقیہ میں تو مرد، عورتوں سے بڑھے ہوئے ہیں جیسے کمال عقل شجاعت قوت عمل، تدبیر ان ملکات میں حق تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے عورت چاہے کیسی امیر زادی ہو کتنی ہی حسین وجمیل ہو چونکہ ان صفات میں وہ مردوں سے گھٹی ہوئی ہے اس لئے فرمایا گیا وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ اور جو صفات مکتسب ہیں یعنی جو حاصل ہوتی ہیں اور عمل اور اختیار سے جیسے اصلاح اخلاق واعمال وغیرہ ان میں نہ مرد کو بڑھا ہوا کہہ سکتے ہیں نہ عورت کو بلکہ جو زیادہ کام کرے اور اخلاق فاضلہ اختیار کریگا وہی بڑھا ہوا ہوگا اگر مرد کوشش کریگا تو مرد بڑھ جاوے گا عورت کوشش کرے گی تو عورت بڑھ جاوے گی یہ حاصل ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ: (مردوں کو ان کے عمل کی جزا ملے گی اور عورتوں کو ان کے عمل کی) کا ان دونوں کے علاوہ ایک قسم فضیلت کی اور ہے جس کو اصطلاح میں فضیلت اضافی کہنا چاہیے کیونکہ اس فضیلت کا منشاء خالق وعید کا تعلق ہے یعنی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہ ہونا، سو یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے اس میں مرد وعورت دونوں مساوی ہیں عمل کسی کا ضائع نہ ہوگا۔

یہ اور بات ہے کہ ہر عامل کے عمل میں تفاوت ہو لیکن اس قانون میں مساوات رہے گی کہ کسی کا عمل ضائع نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ تین قسم کے فضائل ہوئے فضائل خلقیہ اور فضائل مکتسبہ اور فضائل اضافیہ۔ اول میں مرد بڑھے ہوئے ہیں۔ دوسرے میں کبھی مرد بڑھے ہوئے ہوں گے کبھی عورتیں، تیسرے میں دونوں برابر ہیں اب جو فضائل خلقیہ ہیں ان کی تمنا کرنا اور نہ حاصل ہونے پر دل شکستہ ہونا فضول بات ہے۔ جیسے عورتیں یوں کہیں کہ کاش

ہم بھی مرد ہوتے اوراس حسرت میں رات دن رویا کریں تو اللہ تعالےٰ اس سے منع فرماتے ہیں: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

کیونکہ جو چیز محض وہبی ہے اور ہمارے اختیار کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں نہ ہم اس کو اپنی سعی وکوشش سے حاصل کر سکتے ہیں تو اس کے لئے رونا رنج کرنا بیہودہ حرکت نہیں تو اور کیا ہے؟ سوائے تضیع وقت کے اس میں کچھ بھی نہیں پھر اس کی دھن میں آدمی دوسرے ضروری کاموں سے بھی رہ جاتا ہے جن کا حصول اختیاری ہے تو کون عقلمند اس صورت کو پسند کریگا کہ وہبی غیر اختیاری کے فکر میں رات دن مریں اور اس کے لئے رویا کریں اور تعطل سے مضرت میں پڑیں پس شریعت کی یہ تعلیم عین مطابق عقل اور بالکل صحیح تعلیم ہے کہ ایسی باتوں کی فکر میں مت پڑو جو تمہارے اختیار سے باہر ہیں مثلاً کوئی رات دن اس رنج میں رویا کرے کہ ہائے ہم نبی نہ ہوئے تو یقیناً احمق ہے، کیونکہ نبوت تو ایک وہبی چیز ہے کسب سے کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتی تو رونے سے کیا فائدہ؟ اور فضائل مکتسبہ میں تمنا کرنا جائز ہے مگر صرف تمنا کرنا کافی نہیں بلکہ عمل کسب اور ہمت کی ضرورت ہے اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ

(مردوں کو ان کے عمل کی جزا ملے گی اور عورتوں کے ان کے عمل کی)

کہ فضائل مکتسبہ اکتساب سے حاصل کرو کہ ان کا مدار صرف کسب پر ہے ہمت کرو نری تمنا سے کچھ نہیں ہوتا۔

امور اختیاری وغیر اختیاری

غرض خلاصہ تعلیم کا یہ ہوا کہ امور غیر اختیاریہ کی تو تمنا بھی نہ کرو اور امور اختیاریہ میں ہمت کرو اور یہ وعدہ یاد رکھو کہ کسی کا عمل ضائع نہ ہوگا۔ یہ کیسی پاکیزہ تعلیم ہے اور یہ تعلیم سالکین کے لئے نہایت کارآمد ہے۔ سالک کو چاہیے کہ اس کو ہر وقت پیش نظر رکھے یہ ایک بڑا بھاری دستور العمل ہے کہ جو بات اس کے اختیار میں نہ ہو اس کے در پے نہ ہو اور جو بات اختیار میں ہو اس میں ہمت کرے مثلاً ذکر و شغل ہے ذوق و وجد ہے ان میں ذکر شغل اختیاری چیزیں ہیں اور ذوق اور وجد اختیاری نہیں تو سالک کو چاہیے کہ ذکر شغل جس قدر ہو

سکے کرے یعنی جس قدر اس کا مربی تعلیم کرے اس کی پابندی رکھے اور ذوق ووجد کے پیچھے نہ پڑے۔ بعض لوگ جب ذکر شغل کرتے ہیں اور ذوق ووجد پیدا نہیں ہوتا تو دلگیر ہوتے اور شکایت کرتے ہیں کہ صاحب ہم کو ذکر شغل کرتے ہوئے اتنے دن ہوئے اب تک کوئی بات ہی نہیں پیدا ہوئی یعنی ذوق وجد کشف وغیرہ وغیرہ حاصل نہیں ہوا میں کہتا ہوں خدا کے بندے اگر یہ امور اختیاری ہیں (حالانکہ یہ غلط ہے) تو شکایت کیوں کرتے ہو کوشش کئے جاؤ پیدا ہو جاویں گے اور غیر اختیاری ہیں تو ان کے پیچھے کیوں پڑے اور کیوں رنج کیا۔ غرض رنج کرنا اور شکایت کرنا تو ہر حال میں بے سود ہے کام کرنا چاہئے جس کو یہ امور حاصل ہوتے ہیں ان کے اختیار اور کسب کو اس میں دخل نہیں ہوتا ایسی ہی امور کے بارہ میں ارشاد ہے۔

لَا تَتَمَنَّوا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعضَكُم عَلٰى بَعضٍ.

کہ ان باتوں کی تمنا مت کرو اپنا کام کئے جاؤ۔ غیر اختیاری امور تمنا سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ان کے درپے ہونے سے بیحد پریشانی اٹھانا پڑتی ہے کبھی اس پریشانی میں قبض ہو جاتا ہے پھر آدمی ذکر و شغل سب کچھ کرتا ہے مگر دل نہیں کھلتا کیونکہ یکسوئی نہیں ہوتی ہر وقت دل میں ایک بند لگا ہوا معلوم ہوتا ہے کبھی آدمی ان پریشانیوں سے گھبرا کر کام ہی کو چھوڑ بیٹھتا ہے حتیٰ کہ ضروری اعمال سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی وقت کے لئے عارف شیرازی فرماتے ہیں یہ بزرگ گو صاحب حال ہیں مگر حال کے اندر بھی مسائل کی تعلیم فرماتے ہیں ۔

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش　　　　بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال　　　　مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

(اے باغباں اگر پانچ روز بھی گل کی صحبت میسر آجائے تو جدائی کے کانٹوں کی تکالیف پر بلبل کو صبر آسکتا ہے) (اے دل تو اس کی زلفوں میں گرفتار ہو کر پریشان مت ہو کیونکہ عقلمند پرندہ جب جال میں پھنستا ہے تو اس کو تحمل اختیار کرنا چاہئے)

حاصل یہ ہے کہ قبض کی حالت میں گھبرانا نہیں چاہیے صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے اعمال کو چھوڑنا نہیں چاہیے سالک کو عجیب عجیب حالات پیش آتے ہیں کبھی قبض ہوتا ہے اور یہ تعلیم اسی کے متعلق ہے اور کبھی بسط ہوتا ہے اور اپنے عمل پر ناز ہو جاتا ہے اس کے واسطے بھی تعلیم فرماتے ہیں ۔

تکیہ برتقوی و دانش در طریقت کافری است   راہ روگر صد ہنر دارد توکل بایدش

(طریقت میں عقل وتقوی پر بھروسہ کرنا کفر ہے سالک اگر سو ہنر بھی جانتا ہو تو اس کو توکل اختیار کرنا چاہئے)

یعنی اپنے عمل اور ذکر شغل کو کچھ مت سمجھو۔ ان سے کچھ نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے حق تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔ یہ حضرت حافظؒ کی پوری غزل ہے اور اس میں سب مسائل ہی مسائل بیان فرمائے ہیں۔ میں نے ان اشعار کو تعلیم الدین میں تفصیل سے لکھ دیا ہے اس وقت سب اشعار کو نہیں پڑھتا ہوں کیونکہ یہ جلسہ مشاعرہ کا نہیں ہے نہ سب اشعار کی اس وقت ضرورت ہے۔

حقیقت فعل غیر اختیاری

میں بیان یہ کر رہا تھا کہ امور غیر اختیاریہ کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے اس سے سوائے پریشانی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور وہ حاصل نہ ہوں تو شکایت مت کرو۔ اور جو امور اختیاریہ ہیں ان کو اپنے ارادہ اور اختیار سے کرو جہاں تک اختیار کو دخل ہے۔ اور جس درجہ میں وہ بھی اختیار سے خارج ہوں اس کے بھی پیچھے مت پڑو یہ اصول سالکین کے لئے بہت ہی کار آمد ہیں اور بالکل صحیح ہیں ان کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب کوئی پریشان ہو چکا ہو اس کے بعد اس کے کان میں یہ علوم پڑیں تو اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ پہلے مردہ تھا اب زندہ ہو گیا۔ ایک اور مثال سنئے مثلاً کوئی تہجد کا شوقین ہے تو ظاہر ہے کہ تہجد کا قصد کرنا تو فعل اختیاری ہے لہٰذا اس کو چاہیے کہ ہمت کرے اور آنکھ کھلنے کا اہتمام کرے اس کی تدبیر بھی پوری طرح کرے۔ مثلاً کھانا ذرا سویرے کھاوے اور عشاء کی نماز پڑھ کر فوراً سو رہے اور کھانے میں دو چار لقمے کم کھاوے پانی کم پئے، یہاں تک تو اس کے اختیار میں ہے اب فرض کرو کہ کوئی شخص یہ سب تدبیریں کر کے سویا اور ارادہ تھا کہ تہجد پڑھیں گے مگر اس پر بھی آنکھ نہ کھلی آنکھ اس وقت کھلی جبکہ تہجد کا وقت ختم ہو چکا تھا تو اب یہ روتا اور پریشان ہوتا ہے اور کہتا ہے میں بڑا بدنصیب ہوں شاید مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے جو تہجد سے محروم رہا لیکن اگر یہ بات اس کے کان میں پڑی ہوئی ہے تو بہت کام دے گی کہ امر غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے اس کے فوت ہونے سے کچھ ضرر نہیں ہوتا اس بات کے بتلانے کے لئے اللہ

تعالیٰ نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فجر قضا کرادی تا کہ سالکین کو اس واقعہ سے تسلی ہو جائے حدیث میں لیلۃ التعریس کا قصہ مشہور ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ معہ لشکر کے سفر میں تھے رات کے آخری حصہ میں ایک میدان میں قیام کیا فجر کی نماز کے لئے جاگنے کا پورا اہتمام کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو اس وقت بیدار رہ کر پہرہ دے تا کہ صبح کے وقت ہم کو اٹھاوے حضرت بلال ؓ اس کے لئے تیار ہوئے اور کجاوہ سے پشت لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے کہ فجر ہو تو اذان دوں اور سب کو اٹھاؤں خدا کی قدرت کہ سب تو سو ہی رہے تھے انکی بھی آنکھ لگ گئی اور ایسے بے خبر سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی لوگ گھبرا گئے اور پریشان ہوئے اور ڈر گئے کہ آج نماز قضاء ہوگئی۔ خدا جانے کیا وبال آوے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی اور فرمایا گھبراؤ نہیں (سبحان اللہ کیسی عجیب تعلیم اور کیسا استقلال اور کیسا عرفان ہے) پھر فرمایا لَا تَفرِیطَ فِی النَّومِ [1] سونے میں کچھ تقصیر نہیں کیونکہ غیر اختیاری بات ہے اِنَّمَا التَّفرِیطُ فِی الیَقظَۃِ تقصیر تو بیداری کی حالت میں ہوتی ہے اس کے بعد وہاں سے تھوڑی دور چل کر قضا نماز پڑھی۔ کیا ٹھکانا ہے اس شفقت کا خدا کی حکمت ورحمت ہے کہ عمر بھر میں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی قضا ہوگئی اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل سلوک تو ایسا واقعہ پیش آنے سے مر ہی جاتے حق تعالیٰ نے ایک نظیر قائم کر دی جس سے اہل سلوک کو تسلی ہو سکتی ہے کہ امام العارفین اور سلطان العابدین (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ بات پیش آئی تو ہم کیا چیز ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو فرض نماز قضاء ہوگئی تھی تا بنفل چہ رسد۔ اس بات کے کہنے کو تو جی نہیں چاہتا تھا کیونکہ شاید کم ہمتوں کو اس سے سہارا مل جاوے مگر جب حدیث میں واقعہ منقول ہے تو یہ دین کی ایک بات ہے اور دین کی بات کو چھپانا دین کے خلاف ہے اس لئے ظاہر کر دیا نیز جیسے تھوڑے سے ضرر کا احتمال ہے اس سے زیادہ نفع کی امید ہے کیونکہ اہل ہمت کو بعض وقت معمولات کے فوت ہونے سے بہت پریشانی ہو جاتی ہے ان کے لئے اس واقعہ میں بہت کار آمد اور ضروری بات موجود ہے جس سے ان کی زندگی ہو سکتی ہے۔ اس واقعہ سے اس مسئلہ کی پوری تائید ہوگی کہ امر غیر اختیاری

---

[1] مسند أحمد ۵: ۲۹۸، البدایة والنهایة ۶: ۱۱۴

کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے آدمی کو چاہیے کہ جتنا ہو سکے کوشش کرے۔ اختیاری اعمال میں کوتاہی نہ کرے اگر اس پر بھی کامیابی نہ ہو تو اب معاملہ اختیار سے باہر ہے اس کے پیچھے نہ پڑے اور کامیابی نہ ہونے سے رنجیدہ نہ ہو دیکھو لیلۃ التعریس کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے لئے تدبیر پوری کی کہ حضرت بلالؓ کو پہرہ پر بٹھا دیا یہاں تک تو اختیاری فعل تھا اس کے آگے غیر اختیاری معاملہ تھا جب اختیاری فعل میں کوتاہی نہیں کی گئی اور پھر بھی کامیابی نہیں ہوئی تو آپ نے صحابہ کو رنج و غم کرنے سے منع کیا ان کو تسلی دی اور اطمینان دلایا کہ تم کو کچھ گناہ نہیں ہوا رنج نہ کرو مگر اب تو یہ حال ہے کہ بعض لوگ تہجد کا شوق ظاہر کرتے ہیں تو میں پہلے تو انکو آنکھ کھلنے کی تدبیریں بتلاتا ہوں۔ بعض اس پر بھی شکایت کرتے ہیں کہ ساری تدبیریں کیں مگر کامیابی نہیں ہوتی۔ تہجد اب بھی قضا ہو جاتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ عشاء کے بعد وتر سے پہلے تہجد پڑھ لیا کرو۔ اس پر ان کے دل کو قناعت نہیں ہوتی اور یوں کہتے ہیں کہ عشاء کے بعد تہجد پڑھنے سے تو جی بھلا نہیں ہوتا اس خود رائی پر مجھے غصہ آتا ہے آخر مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ بھائی مجھے چھوڑ دو اور اس کے پاس جاؤ جو تمہارا جی بھلا کرے خبردار جو پھر مجھ سے کوئی شکایت کی جب تم کو ایک بات بتائی جاتی ہے تو اس پر عمل کیوں نہیں کرتے اور اگر عمل کرنا نہیں ہے تو پوچھتے کیوں ہو؟

ضرورتِ عمل

صاحبو! یہ بھی نفس کا ایک حیلہ ہے کہ جی بھلا نہیں ہوتا اس حیلہ سے نفس تم کو اول شب کے صلوٰۃ اللیل سے بھی محروم کرنا چاہتا ہے اور آخر میں آنکھ نہیں کھلتی تو انجام یہ ہوتا ہے کہ تہجد بالکل نصیب نہیں ہوتا بتلاؤ یہ اچھا ہے یا یہ اچھا ہے کہ کچھ تو نصیب ہو جاوے، ہاں ایک صورت تمہارا جی بہلانے کی یہ ہے کہ مجھے ایسی کرامت دلوا دو کہ میں تمہارے پاس آ کر ڈنڈے مار کر اٹھا دیا کروں گویا میں انسپکٹر بن جاؤں۔ خوب یاد رکھو کہ کام اپنے ہی کرنے سے ہوتا ہے اگر اول شب میں تہجد پڑھنے سے جی بہلا نہیں ہوتا تو ہمت کر کے اخیر شب میں اٹھا کرو مشکل یہ ہے کہ بعض لوگ سہل تعلیم کی قدر نہیں کرتے اور دشوار تعلیم پر ان سے عمل نہیں ہو سکتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام ہی رہ جاتا ہے۔ جب آنکھ نہ کھلنا غیر اختیاری بات ہے تو جتنا اختیاری ہے یعنی اول شب میں پڑھ لینا اس پر عمل کیوں نہیں کرتے اخیر شب کا تہجد نہ

سہی اول شب کا تو ہو جاوے گا نہ ہونے سے تو اچھا ہوگا پھر جب تمہارا ارادہ اخیر شب میں پڑھنے کا ہے تو یہ ارادہ فعل اختیاری ہے آپ نے یہ کرلیا تو باوجود تہجد ناغہ ہو جانے کے بھی اس کا ثواب ملے گا اگر آنکھ کھل گئی تو خوش قسمتی ہے نہ کھلی تو پریشان نہ ہو جائے۔ حاصل یہ کہ آیت لَا تَتَمَنَّوا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعضَكُم عَلٰى بَعضٍ (اس بات کی تمنا مت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فوقیت عطا فرمائی ہے)............ میں یہ تعلیم ہے کہ امور اختیاریہ کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے یہ بات سالکین کے لئے بڑے ہی کام کی ہے اس کی قدر کرنی چاہیے۔ یہ بات درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر آ گئی۔

تمنا کی حقیقت

اصل بیان عورتوں کے متعلق ہو رہا تھا کیونکہ آیت لَا تَتَمَنَّوا الخ کی اصل مخاطب عورتیں ہی ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا حضرت ام سلمہؓ نے تمنا کی تھی کہ ہم مرد ہوتے تو اچھا تھا۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں بتا دیا گیا کہ ایسی تمنا فضول ہے۔ یہ تو قانونی جواب ہے کہ منع کر دیا گیا کہ ایسی تمنا مت کرو اور اس میں ایک راز بھی ہے وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے جس کو مرد بنایا اس کے لئے یہی مناسب تھا اور جس کو عورت بنایا اس کے لئے بھی یہی مناسب تھا ہر شخص کو خدا تعالیٰ نے وہی دیا ہے جو اس کے لئے مناسب تھا اسکی تفصیل کہاں تک کی جاوے اہل بصیرت خود سمجھ سکتے ہیں اور ذرا سے غور سے ہر موقع پر سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جس کو جیسا حق تعالیٰ نے بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا۔ گو ہر شخص دوسرے کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کر کے دیکھئے اور سوچئے تو اس کو معلوم ہوگا کہ میرے مناسب وہی حالت ہے جس میں خدا نے مجھ کو رکھا ہے آج کل بھی ایسے لوگ موجود ہیں کہ دوسروں کی حالتوں کو سن کر تمنا کرتے ہیں کہ ہم فلاں ہوتے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب تھے جو پڑھے لکھے ذی استعداد تھے حدیث میں حضرت عائشہؓ کے فضائل پڑھاتے ہوئے یہ تمنا کی تھی کہ ہائے میں عائشہ ہی ہو جاتا۔ میں نے کہا جا بندۂ خدا، تمنا ہی کرنا تھی تو یہ تمنا کی ہوتی کہ میں ابوبکر صدیق ہوتا آپ مرد سے عورت بننا چاہتے ہیں۔ وہی صاحب ایک دفعہ جنت کے فضائل دیکھتے ہوئے کہنے لگے

کاش میں جنت کا الو ہی ہو جاتا۔ میں نے کہا پھر آپ جنت کو بھی ویران کرتے (یہ ظریفانہ کلمہ بنا بر قول مشہور ہے کہ الو کے بیٹھنے سے ویرانہ ہو جاتا ہے ورنہ اس کی کچھ اصل نہیں) خیر وہ تو جنت ہی کا الو بننا چاہتے تھے مگر آج کل کا زمانہ عجیب طرح کا ہے کہ لوگ ہندوستان اور پنجاب کے جانور بننا چاہتے ہیں کوئی شیر پنجاب بنتا ہے، کوئی طوطی ہند، کوئی بلبل ہند لوگ انسان سے جانور بننا چاہتے ہیں۔ خدا خیر کرے آج تو شیر اور بلبل بنے ہیں کل کو گاؤ ہند اور خر ہند بھی بننے لگے گا۔ کیا واہیات ہے خدا نے تم کو انسان بنایا تم چرند پرند کیوں بنتے ہو۔ حق تعالیٰ نے تو تم کو مرد بنایا تم عورت کیوں بنتے ہو۔ خدا تعالیٰ کے فعل میں اصلاح کیوں دیتے ہو۔ دوسروں کو دیکھ کر ان کی برابر ہونے کی تمنا کرنا ٹھیک نہیں اسی کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ بعض لوگ جوش محبت میں کہا کرتے ہیں ہائے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیوں نہ ہوئے؟ ظاہر میں تو یہ لفظ اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی دلیل ہے .... مگر ذرا سوچو تو کہ اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے اور ہم ہم ہوتے یعنی ایسے ہی ہوتے جیسے اب ہیں (اور اگر ایسے نہ ہوتے بلکہ کچھ اور ہوتے تو اس سے بحث نہیں کیونکہ اس وقت ہم ہم نہ ہوتے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمارے ہونے کا نتیجہ کیا ہوتا کہ جب جہاد کی آیت نازل ہوتی تو ہم کیا کرتے ذرا دل کو ٹٹول کر دیکھئے کہ اس وقت ہماری کیا گت ہوتی۔ حالت تو یہ ہے کہ رات کو پیشاب کرنے کو بھی اٹھتے ہیں تو بی بی سے کہتے ہیں ذرا کھڑی ہو جانا میں پیشاب کر لوں اور آیت میں حکم ہوتا اہل فارس کے مقابلہ میں جانے کا جو بڑے ساز و سامان والے اور بڑے لڑنے والے تھے تو سوا اس کے کہ ادھر ادھر دیکھتے پھرتے ہم اور کیا کرتے پھر ہماری اس حرکت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج دینے کا وبال جتنا سخت ہے معلوم ہے تو بجائے اس کے کہ ہم کو اس زمانہ میں ہونے سے کچھ فائدہ پہنچتا سخت سے سخت نقصان پہنچتا ۔ خدا جانے ہمارا کیا حشر ہوتا پس بڑی خیر ہوئی کہ ہم اس زمانے میں نہ ہوئے اور اگر جہاد کی آیت بھی نہ اترتی تب بھی کبھی تو ایسی صورت پیش آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری کسی بے عنوانی پر خفا ہوتے۔

حقیقتِ رسول مقبول

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف حلیم ہی نہ تھے بلکہ حکیم بھی تھے کبھی خفا بھی ہوتے تھے نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی فرماتے تھے کیونکہ ہر جگہ نرمی کارآمد نہیں بلکہ ہر چیز اپنے موقع پر ہی کارآمد ہوتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فضول باتوں پر ناخوش بھی ہوتے تھے اس قسم کے بہت سے قصے حدیثوں میں موجود ہیں اب سوچئے کہ اس وقت ہم کیا کرتے؟ ہم لوگوں کی جو کچھ حالت ہے وہ معلوم ہے۔ تو حضرت جو کچھ محبت اور جوش ہم اس وقت ظاہر کر رہے ہیں جس کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہونے کی تمنا کی جاتی ہے اسکی پوری حقیقت کھل جاتی نیز اگر ہم سے کوئی بے عنوانی ہو جاتی اور فرض کیجئے بطور معالجہ کے کوئی ایسی صورت تجویز فرماتے جس سے مجمع عام میں ہماری ذلت ہوتی اس وقت ہم جیسوں کو کیسی مشکل پیش آتی کیونکہ دیکھتے ہیں اس وقت طالبین کی حالت یہ ہے کہ علماء اور بزرگوں اور استادوں کے سامنے منہ بنانے لگتے ہیں ذرا سی سختی کے متحمل نہیں ہوتے مگر یہ حضرات تو نبی نہیں ہیں ان کے سامنے منہ بنانے کا نتیجہ اتنا ہی ہے کہ ان کے فیوض و برکات اور تعلیم سے محروم رہے مگر نبی کے ساتھ قلب میں کدورت ہونا ان کے حکم سے ناگواری لینا تو کفر ہے سو ہمیں اس زمانے میں ہونے سے یہ حاصل ہوتا اچھے صحابی بنتے کہ اخیر میں کافر اور مرتد ہی بننا پڑتا تو میں تو یہی کہتا ہوں کہ خدا نے بڑی خیر کی کہ ہم اس زمانہ میں نہ ہوئے ورنہ ہلاک ہی ہو جاتے۔ بس ہماری تو دور ہی کی محبت ٹھیک ہے اس وقت دل میں کیا کیا ولولے اٹھتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق غالب ہے مسلمان کا بس نہیں کہ ایک نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیں ورنہ ہر مسلمان کی واللہ یہ حالت ہے کہ سارا مال اور ساری اولاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر نثار کرنے کو تیار ہے گو اس میں زیادہ حصہ زبانی ہی جمع خرچ ہو مگر خیر کچھ تو محبت بھی ہے مگر اس صورت میں قلعی کھل جاتی اور زبانی محبت بھی نہ رہتی۔ غرض ہمارے مناسب حال یہی ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ آئے .... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مناسب حضرات صحابہؓ ہی تھے جن کے صدق و محبت و عشق کے کارنامے دنیا کو معلوم ہیں۔

مرتبہ نسواں

غرض جس کو جس حال میں خدا تعالیٰ نے رکھا اس کے لئے وہی مناسب تھا اگر مرد عورتیں بن جائیں اور عورتیں مرد تو خدا جانے کیا کیا آفتیں کھڑی ہو جائیں خدا تعالیٰ نے مختلف قسم کی مخلوقات پیدا کی ہیں اور ہر نوع کو جدا جدا حالات دیئے ہیں سو ہر نوع اسی حالت کے قابل ہے جو اس کے لئے تجویز ہوئی اس مضمون کو کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

بگوش گل چہ سخت گفتہ کہ خندان ست　　　بعند لیب چہ فرمودہ کہ نالان ست

(پھول کے کان میں کیا کہہ دیا کہ خنداں ہے اور بلبل سے کیا فرما دیا کہ نالاں ہے)

اہل لطائف نے آیۃ وَاٰتٰكُم مِن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ (اور اس نے تم کو سب کچھ عطا کیا جو تم نے اس سے سوال کیا)............ کی تفسیر میں فرمایا ہے اے بلسان الاستعداد کہ جس میں جیسی استعداد تھی ویسا ہی اس کو دیا۔ جب ثابت ہو گیا کہ جس کو حق تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے اس کے مناسب وہی تھا تو اس کے خلاف کی تمنا کرنا فضول اور بیکار ہے بلکہ حق تعالیٰ کے فعل میں اصلاح دینا ہے لہٰذا عورتوں کو یہ تمنا کرنا کہ ہم مرد ہوتے بے جا ہے۔ اب میں بیان کو ختم کرتا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ عورتیں ہر طرح مردوں سے گھٹی ہوئی نہیں جیسا عام طور سے مشہور ہے بلکہ بعض باتوں میں مردوں کی برابر ہیں یعنی فضائل اضافیہ میں جس کے بارہ میں یہ آیت ہے

اَنِّی لَا اُضِیعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنكُم مِن ذَكَرٍ اَو اُنثٰی (میں تم میں سے کسی شخص کے عمل کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت)

اور بعض باتوں میں مردوں سے بڑھ بھی سکتی ہیں یعنی فضائل مکتسبہ میں جس کے متعلق یہ آیت ہے لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ مِّمَّا اكتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِیبٌ مِمَّا اكتَسَبنَ (مردوں کو ان کے عمل کی جزا ملے گی اور عورتوں کو ان کے عمل کی)................ ہاں بعض باتوں میں عورتیں مردوں سے گھٹی ہوئی ہیں اور وہ امور خلقیہ ہیں جیسے قوت شجاعت تدبیر وغیرہ تو جس بات میں وہ مردوں کے برابر ہیں یعنی عدم ضیاع عمل اور جس بات میں ان سے کم ہیں یعنی امور خلقیہ یہ دونوں انکے اختیار سے خارج ہیں کیونکہ امر اول یعنی عدم ضیاع عمل تو وعدہ ہے حق تعالیٰ کی طرف سے جس میں محض اپنے فضل سے حق تعالیٰ نے عورتوں کو

مردوں کی برابر رکھا ہے تو وہ حق تعالیٰ کا فعل ہے نہ ان کا اور چونکہ اس کا وعدہ ہے اس لئے اسکی تمنا کے کچھ معنی نہیں ہاں دعا اس کے لئے بھی مندوب ہے اور دعا کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم کو اس قابل بنا دیجئے کہ ہم محل وعدہ بن سکیں اور امور خلقیہ کا خارج عن الاختیار ہونا ظاہر ہے اور چونکہ ان میں حق تعالیٰ نے مردوں کو فضیلت دی ہے عورتوں پر لہٰذا اس کے خلاف کی تمنا کرنا یا دعا کرنا بھی جائز نہیں جیسے عورت تمنا کرے کہ مرد بن جائے۔ اب رہ گئے وہ امور جن میں عورتیں مردوں سے بڑھ بھی سکتی ہیں ان کا خلاصہ ہے اعمال شرعیہ اور اس سے بھی مختصر لفظ ہے دین سو وہ اختیاری ہے اس میں جتنی جس کی ہمت ہو ترقی کر سکتا ہے مرد ہمت کریں تو عورتوں سے بڑھ سکتے ہیں۔ عورتیں ہمت کریں مردوں سے بڑھ سکتی ہیں جس کو شوق ہو ہمت کرے میدان وسیع پڑا ہوا ہے پس عورتوں کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم لاشی محض ہیں یا دوزخ ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں یا کسی طرح مردوں کی برابر نہیں ہو سکتیں خدا کا فضل بہت وسیع ہے قدم بڑھاؤ اور ہاتھ پیر مارو۔

حقیقت مَردوزن

اب یہاں سے ایک مسئلہ فقہیہ اور نکلتا ہے وہ یہ کہ جن باتوں میں حق تعالیٰ نے مرد اور عورت میں فرق رکھا ہے ان میں عورت کو مردوں کی برابری ظاہر کرنا اور ان کے مشابہ بننا جائز نہیں اسی کو تشبہ بالرجال کہتے ہیں یعنی مردوں کی سی صورت شکل چال ڈھال اختیار کرنا حرام ہے مگر آج کل عورتوں میں یہ خبط بھی پایا جاتا ہے وضع قطع میں مرد بننا چاہتی ہیں ان کا سب چلے تو سچ مچ مرد ہی بن جائیں مگر کیا کریں یہ تو ان کے اختیار سے خارج ہے لہٰذا اتنا ہی کرتی ہیں کہ مردانہ کھڑا جوتا ہی پہن لیں۔ بیبیو! خدا سے ڈرو کہیں تمہارے ڈاڑھی نہ نکل آوے خدا تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں یاد رکھو! کہ جب حق تعالیٰ نے ان باتوں کی تمنا کرنے سے بھی منع کر دیا ہے جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں تو بتکلف ان کے اختیار کرنے کو کب جائز رکھیں گے۔ ایک شخص کا قصہ ہے کہ اس نے ایک دفعہ داڑھی منڈائی حق تعالیٰ کی طرف سے یہ اس کو سزا ملی کہ داڑھی میں بال خورہ لگ گیا پھر تمام عمر داڑھی نہ نکلی خدا تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے ان کو اس پر بھی قدرت ہے کہ عورت کے داڑھی نکال دیں یا مرد کی داڑھی ندارد کر دیں بلکہ عورت سے مرد یا مرد سے عورت بنا

دیں چنانچہ بہت عرصہ ہوا کہ ضلع اعظم گڑھ سے میرے پاس ایک سوال آیا تھا کہ ایک عورت مرد بن گئی ہے اب اس کا مہر خاوند کے ذمہ واجب رہے گا یا نہیں اور دیگر حقوق واجبہ کا کیا حکم ہے مجھے یہ سوال نہایت منکر معلوم ہوا کیونکہ یہ خیال ہوا کہ محض فرضی سوال ہے بھلا ایسا بھی کہیں ہوسکتا ہے کہ عورت مرد بن جاوے اس زمانہ میں جوانی کا جوش تھا میں نے ٹھان لی کہ جس طرح ہوگا اس سوال کو حل کر کے رہوں گا چنانچہ ساری فقہ کی کتابیں الٹ ڈالیں اور تمام شقوں کے جواب دلائل فقہیہ سے لکھے۔ اب جب عمر ڈھلی تو مجھے اپنے نکیر پر ہنسی آئی کہ اس میں تعجب کی کیا بات تھی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کیا بڑی بات ہے کہ عورت مرد بن جاوے چنانچہ بعد میں ایک شخص اسی موضع کے رہنے والے ملے انہوں نے کہا یہ تو ہمارے ہی گاؤں کا قصہ ہے اور واقعی وہ عورت مرد بن گئی تھی (بن گئی کہوں یا بن گیا) پھر وہ شخص (شخص کہوں یا شخصہ) حج کو گیا (یا گئی) غرض اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ عورت کو مرد اور مرد کو عورت کر دیں پس اے بیبیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو کہیں تشبہ بالرجال کرنے سے تمہارے منہ پر داڑھی نہ نکل آوے۔ ہم نے لکھنو میں ایک تمبا کو فروش عورت کو دیکھا ہے اس کے داڑھی نکل آئی تھی تو اس میں امکان عقلی اور امکان وقوعی دونوں موجود ہیں ممکن ہے کوئی بی بی ایسی بہادر ہوں کہ وہ اس کو بھی گوارا کر لیں اور کہہ دیں کہ اس میں ہرج کیا ہے میں کہتا ہوں کہ بہت اچھا تم نے اس کو تو گوارا کر لیا مگر اس کا کیا علاج ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ جو مردوں کی سی وضع بنائے اس لعنت کو مسلمان کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ لعنت کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر جو عورتوں جیسی وضع بنائے اور اس عورت پر جو مردوں جیسی وضع بنائے۔ علماء نے اسی حدیث سے عورتوں کے لئے کھڑے جوتے کو حرام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ عورتوں کو پھڈا جوتا پہننا چاہیے۔ ہمارے قصبات میں تو اس عورت کو بازاری عورت سمجھا جاتا ہے جس کے پیر میں کھڑا جوتا ہو، مگر شہروں میں ایسی آزادی پھیلی ہے کہ بعض شہروں میں عورتیں اچکن بھی پہنتی ہیں اور یہ رواج تو عام ہو چلا ہے کہ عورتیں گرگابی جوتا پہنتی ہیں اور اس میں قصور عورتوں کا تو ہے ہی، کچھ ڈھیلا پن مردوں کا بھی ہے کہ وہ ان باتوں کو معمولی سمجھ کو عورتوں پر روک ٹوک نہیں کرتے حالانکہ یہ باتیں خفیف نہیں ہیں لعنت سے زیادہ اور کیا سختی ہوگی جب ان باتوں پر لعنت آئی ہے تو خفیف کیسی مگر یوں کہئے کہ لوگوں کو دین کا اہتمام ہی نہیں سالن میں ذرا نمک تیز ہو جاوے تو مرد ایسے خفا ہو

جاتے ہیں کہ کھانا نہ کھاویں اور رکابی بی بی کے منہ پر دے ماریں اسے مارنے پیٹنے کو کھڑے ہو جاویں مگر لعنت کے کام پر ذرا حرکت نہیں ہوتی بلکہ بعضے مرد تو ایسے آوارہ مزاج ہیں کہ باہر والی عورتوں کو دیکھ کر ان کے دل میں خود ہی شوق اٹھتا ہے کہ گھر والیوں کو ان ہی جیسا بنائیں افسوس ......؟ کہاں گئی ان کی غیرت اور کہاں گئی شرافت؟ کیا شریف بیبیوں کو بازاری بنانا چاہتے ہیں؟ گھر میں رہنے والی عورتیں تو بس اول جلول ڈھیلی ڈھالی وضع ہی میں اچھی لگتی ہیں یہ کیا کہ کسی کسائی پھرتی ہیں یہ کوئی سپاہی ہیں جو ہر وقت کمر کسی ہوئی ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ میلی کچیلی نہ رہیں کیونکہ صفائی اور زینت یہ زوج کا حق ہے مگر یہ مناسب نہیں کہ آستینیں بھی کسی ہوئی ہیں پاجامے بھی ایسے چست ہیں کہ چٹکی لوتو کھال چٹکی میں آجاوے جوتا بھی جڑھا ہوا ہے یہ کیا لغو حرکتیں ہیں خدا تعالیٰ نے تو تم کو عورت بنایا ہے تم مرد کیسے بن سکتی ہو، یہ تو قلب موضوع ہے بیان بطور تفریع کے ہو گیا ورنہ اصلی بیان ختم کر چکا ہوں۔

فضائلِ نسواں

خلاصۃ الخلاصہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر علی الاطلاق فضیلت ہے اور عورت مرد کے مقابلے میں مطلقاً کوئی چیز نہیں، یہ غلط ہے بلکہ بعضی باتوں میں عورت مرد کے برابر ہے اور بعضی باتوں میں مرد سے بڑھ بھی سکتی ہے یعنی اعمال میں کہ نماز روزہ زیادہ کرے تو مرد سے زیادہ درجہ حاصل کر سکتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو عورت خاوند سے زیادہ دیندار ہو اس کو خاوند کی اطاعت اور تعظیم لازم نہ رہے گی بلکہ خاوند کو اسکی اطاعت و تعظیم کرنا پڑے گی یہ مطلب ہرگز نہیں کیونکہ فضیلت کی دو حیثیتیں ہیں ایک باعتبار زوجیت کے اس اعتبار سے عورت کو خاوند پر کسی طرح بھی فضیلت حاصل نہ ہوگی بلکہ اس حیثیت سے ہمیشہ خاوند ہی کو بی بی پر فضیلت ہے گو حقوق بی بی کے بھی ہیں خاوند پر لیکن خاوند کو بہر حال فضیلت ہے اور ایک فضیلت باعتبار دین اور اعمال کے ہے سو اس میں بی بی خاوند سے بڑھ سکتی ہے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کے یہاں اس کے احسانات اور درجات زیادہ ہوں کیونکہ اس کا مدار اعمال پر ہے مگر اس فضیلت سے بیوی خاوند کی مخدومہ نہیں بن سکتی بلکہ خادمہ ہی رہے گی مگر ہر صورت میں مردوں کو اپنی بیبیوں کی قدر کرنا چاہیے دو وجہ سے ایک تو

بی بی ہونے کی وجہ سے کہ وہ انکے ہاتھ میں قید ہیں اور یہ بات جوانمردی کے خلاف ہے کہ جو ہر طرح اپنے بس میں ہو اس کو تکلیف پہنچائی جائے۔ دوسرے دین کی وجہ سے کیونکہ تم مسلمان ہو وہ بھی مسلمان ہیں جیسے تم دین کے کام کرتے ہو وہ بھی کرتی ہیں اور یہ کسی کو معلوم نہیں کہ دین کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے یہ کوئی بات ضروری نہیں کہ عورت مرد سے ہمیشہ گھٹی ہوئی ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرد کی برابر بلکہ اس سے زیادہ ہو پس عورتوں کو حقیر و ذلیل نہ سمجھنا چاہیے اللہ تعالیٰ بے کس اور مجبور اور شکستہ دل کا تھوڑا سا عمل بھی مقبول فرما لیتے ہیں اور اسکے درجے بڑھا دیتے ہیں پس کیا عجب ہے کہ جن عورتوں کو تم نے بوجہ ان کی بے کسی اور بے بسی کے حقیر سمجھ رکھا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں تم سے زیادہ مقبول ہوں لہٰذا مردوں کو عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرنا چاہیے اور عورتوں کو اپنے مردوں کی اطاعت کرنا چاہیے زبان درازی سے پیش نہ آنا چاہیے۔

ضرورتِ اصلاح

بس یہ تھا وہ ضروری مضمون جو میں اس وقت بیان کرنا چاہتا تھا اور اس سے دو قسم کے لوگوں کی اصلاح مقصود ہے ایک تو عورتوں کی کہ وہ مایوس اور دل شکستہ نہ ہو یہ نہ سمجھیں کہ ہم تو دوزخ ہی کے واسطے ہیں۔ دوسرے مردوں کی کہ وہ بھی عورتوں کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھیں۔ اب ختم کرتا ہوں۔ اور نام اس بیان کا کساء النساء رکھتا ہوں۔ کساء چادر کو کہتے ہیں چونکہ لباس جسم کے لئے ساتر و محافظ ہوتا ہے اور اس میں ایسے علوم صحیحہ اور اعمال صحیحہ کی تعلیم ہے جو عورتوں کے لئے ہر قسم کی آفتوں سے محافظ اور ساتر ہیں اس لئے یہ بیان عورتوں کے لئے بمنزلہ چادر کے ہوا دوسرے اس نام میں قافیہ کی بھی رعایت ہے اس لئے یہ نام اچھا معلوم ہوا اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم سب کو بالخصوص عورتوں کو درستی اخلاق کی توفیق دیں اور سب مسلمانوں کو دین کی پابندی اور صراطِ مستقیم پر پختگی عطاء فرمائیں۔ آمین!

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا و مولانا محمّد وعلیٰ الہٖ و اصحابہٖ اجمعین.

التماسِ کاتب

احقر نے یہ وعظ اپنی والدہ مرحومہ کے ایصال ثواب کے لئے لکھا ہے۔ بتوفیق خداوندی ان کی دینداری کی یہ حالت تھی کہ والد ماجد تین سال علیل رہے ان کا اٹھنا بیٹھنا، کھلانا پلانا سب والدہ کو کرنا پڑتا تھا اور گھر میں اور مریض بھی تھے غرض ایک منٹ کی فرصت ان کو نہ تھی مگر اسی عدیم الفرصتی کی حالت میں کئی پارے قرآن کے حفظ کئے ایک آیت کو لے لیتیں اور چلتے پھرتے اسی کو رٹتی رہتیں۔ یہاں تک کہ کئی پارے ہوگئے اور ٹوٹکے ٹونے شرک وبدعت سے حد درجہ متنفر تھیں گھر میں متعدد موتیں ہوئیں مگر کسی نے آواز رونے کی نہ سنی حتیٰ کہ اہل محلہ کہتے تھے کہ یہ عجیب بے حس بی بی ہیں نہ ان پر خوشی کا کوئی اثر ہوتا ہے نہ غمی کا۔ ناظرینِ وعظ ان کے واسطے اور میرے والد مرحوم ومغفور کے واسطے دعا کریں۔ رب ارحمهما كما ربياني صغيرا ربنا اغفرلي ولوالدیّ وللمؤمنين يوم يقوم الحساب ، ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا انک رؤف رحیم۔

اور اس وعظ کے لکھنے میں میرے ایک مکرم عبدالحمید صاحب بنارسی نے بہت زیادہ اعانت کی بلکہ سچ یہ ہے کہ وہ ہمت نہ دلاتے تو احقر سے اس کا پورا ہونا ناممکن تھا ناظرین ان کے واسطے بھی دعا فرماویں اور زیادہ مدد خواجہ عزیز الحسن صاحب کے مسودہ سے ملی لہٰذا ان کے واسطے بھی دعاء فلاح دارین کریں اور سب سے زیادہ اس کی ضرورت ہے کہ حضرت حکیم الامۃ مولانا ومرشدنا مدظلہم العالی کے صحت وتندرستی اور عموم فیض اور زیادت برکات کے لئے خاص طور سے دعاء کرتے ہیں کہ ؎

شکرِ فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار | کہ اگر خار وگر گل ہمہ پروردہ تست

سبحان ربّک ربّ العزّة عما يصفون وسلامٌ على المرسلين والحمد لِلّٰهِ رب العالمين .... قد وقع الفراغ من التبييض ۹ / ربیع الاول ۱۳۵۱ ھ ۔

فی بلدۃ میرٹھ احقر محمد مصطفےٰ بجنوری مقیم میرٹھ

اشرف علی

۲۱ / صفر المظفر ۱۳۵۲ ء ہجری

العاقلات الغافلات

یہ وعظ گورکھ پور ڈپٹی صاحب کی کوٹھی پر مستورات میں جن میں کچھ مرد بھی شریک تھے۔ مورخہ سولہ ربیع الاوّل ۱۳۳۷ھ کو ساڑھے تین گھنٹے بیان فرمایا۔ مولانا محمد یوسف بجنوری نے قلمبند فرمایا۔

خطبہ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عَلَيه ونعوذُ بالله من شُرورِ اَنفُسنَا ومن سيئَاتِ اعمالِنا من يهدِهِ اللهُ فلا مُضلَّ لَه ومَن يُضلِلهُ فَلَا هَادِىَ لَه ونشهَدُ ان لا الٰه الاَّ الله وحده لا شَرِيك له ونشهد اَنَّ سيِّدنَا ومولانا مُحمّداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه وبارك وسلّم.

اما بعد: فَاَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيم. بِسمِ اللهِ الرَّحمنِ الرَّحِيم. اَنَّ الَّذِينَ يَرمُونَ المُحصَنٰتِ الغَافِلَاتِ المُؤمِنَاتِ لُعِنُوا فِى الدُّنيَا والاٰخِرَةِ وَلَهُم عَذَابٌ عظِيمٌ. (النور آيت نمبر ۲۳)

(ترجمہ: جولوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاک دامن ہیں ایسی باتوں سے بے خبر ہیں ایمان والیاں ہیں ان پر دنیا وآخرت میں لعنت کی جاتی ہے اوران کو بڑا عذاب ہوگا)

تمہید

قبل اس کے کہ میں اس آیت کے متعلق کچھ عرض کروں مستورات کی خدمات میں یہ التماس ہے کہ زیادہ تر یہ وعظ آپ ہی لوگوں کی ضرورت سے کیا گیا ہے خصوصیت کے ساتھ۔ اس لئے اہتمام کے ساتھ متوجہ ہو کر سنیں۔ کیونکہ آپ کو بہت کم موقع ملتا ہے ایسے مضامین سننے کا بوجہ اس کے کہ مستورات میں لکھی پڑھی بہت کم ہوتی ہیں کیونکہ ان کو وقت نہیں ملتا اپنی ضرورتوں کی وجہ سے خواہ واقعی ضرورتوں میں مشغول ہوں یا خیال ضرورت میں۔ بہر حال طرز ایسا ہی واقع ہو رہا ہے جس میں کسی قدر کسل کو دخل ہے اور دوسرے اسباب بھی ایسے مجتمع ہیں کہ ان کو بہت ہی کم وقت ملتا ہے مضامین سننے کا ایسے میں اگر کبھی موقع مل جائے تو اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور وعظ سے جو اصل مقصود ہے اس کو وعظ سننے کے وقت پیش نظر رکھنا چاہئے جس کی حقیقت میں بیان کرتا ہوں آپ کو اس کی نیت کر لینا چاہئے اور نیت فعل اختیاری ہے آپ اس کو درست کر سکتے ہیں اگر پہلے سے کوتاہی واقع ہوئی ہے تو اس وقت اس

کی اصلاح کر سکتے ہیں وہ حقیقت یہ ہے کہ وعظ ایک روحانی مطب ہے یعنی باطن اصلاح کی تدبیروں کا نام ہے جس سے باطنی امراض کا علاج ہوتا ہے بس یہ حاصل ہے وعظ کا۔

مقصدِ وعظ

سو جو صاحب وعظ سننے والے ہیں وہ وعظ سننے والے ہیں وہ وعظ سننے سے پہلے اپنی نسبت سمجھ رکھیں کہ وہ بیماریوں میں مبتلا ہیں وعظ سے ان کا علاج بتلایا جا رہا ہے۔ بس اس کی تدبیریں سن کر حالت درست کر لینے کا عزم کر لیا جائے۔ آج کل وعظ سننے سے لوگوں کی غرضیں مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض کی غرض تو محض ادائے رسم ہی ہوتی ہے جیسے بہت سے کام دن رات ہوتے ہیں ایسے ہی یہ بھی ایک کام کر لیا، بعض کی یہ نیت ہوتی ہے کہ وعظ ایک برکت کی چیز ہے اس کے ہونے سے گھر میں برکت ہو جائے گی، اللہ رسول کا نام لیا جائے گا۔ بعض کی نیت یہ ہوتی ہے کہ شریک ہو کر اتنی دیر گناہوں سے بچے رہیں گے۔ ثواب لکھا جاوے گا۔ بجز اول نیت کے پچھلی دو نیتیں دین کی ضروری ہیں اور لوگ ان کو کر بھی لیتے ہیں مگر اصلی غایت جو ہے وعظ کی وہاں تک لوگوں کی نظر ہی نہیں اور اس اصلی غرض کا حاصل امراض روحانی کا معالجہ ہے یعنی اپنے امراض کو غور کر کے دیکھنا اور اس کی تدبیر کرنا۔ اگر یہ نیت پہلے سے نہ کی ہو تو اب کر لینی چاہئے اور اس نیت سے ثواب بھی مل جاتا ہے۔ باقی محض تھوڑی دیر کے لئے ثواب ہونے کی غرض سے سنا تو یہ تھوڑی دیر تک تو نافع ہوگا پھر کچھ بھی نہیں حق تعالیٰ اپنے کلام میں تصریح فرماتے ہیں:

كِتَابٌ اَنزَلنَاهُ اِلَيکَ مُبَارَکٌ لِّيَدَّبَّرُوا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الاَلبَابِ.

کہ ہم نے اپنے کلام کو اس واسطے نازل کیا ہے کہ اس میں غور کیا کریں اور اس پر عمل کیا کریں گو اسکی تلاوت میں بھی ثواب ہے اور وہ خالی تلاوت بھی ثواب سے خالی نہیں مگر اس آیت نے یہ بات بتلا دی کہ اصلی غرض صرف یہ ہے کہ مضامین کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں مگر ہماری یہ حالت ہے کہ ہم تدبر نہیں کرتے، سوچتے نہیں ذہن میں مضامین کا تکرار نہیں کرتے حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کو خارش کا مرض ہو جاوے اور اس کو کوئی اس کا نسخہ مل جائے تو وہ بار بار اسکو ذہن میں رٹتا ہے تا کہ یاد رہے...... پھر اس کا استعمال کرتا ہے محض اس خیال سے کہ خارش بُرا مرض ہے۔ سو اگر اسی طرح سے وعظ گو تھوڑا ہی سنا جائے مگر

اس کو یاد کیا جائے اور اس کا ذہن میں تکرار و اعادہ کیا جائے تو جو سنا جائے گا ضرور یاد رہے گا۔ پھر عمل کا اہتمام کیا جاوے تو اس طریقہ سے دو چار وعظ میں پوری اصلاح ہو سکتی ہے اسی واسطے حق تعالیٰ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَن کَانَ لَهُ قَلْبٌ اَو اَلْقَی السَّمعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ.

یعنی جس کے قلب ہو یا کانوں کو متوجہ کرے۔ مراد یہ کہ قلب کو حاضر کرے اور کان لگائے اس کے واسطے اس میں نصیحت ہے اور ایسے ہی شخص کو نفع بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر فرماتے ہیں:

وَذَکِّر فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنفَعُ الْمُؤمِنِیْنَ.

کہ آپ نصیحت کیجئے کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے وجہ اس نفع کی وہی ہے کہ وہ قلب کو حاضر کر کے اور کان لگا کر سنتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ وعظ مسلمانوں کو نفع دیتا ہے اور جب وعظ کا نافع ہونا حق تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں تو نعوذ باللہ یہ تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا کہ حق تعالیٰ کا بیان فرمایا ہوا کوئی امر خلاف واقع ہو مگر ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ قرآن شریف سے تو اس کا نافع ہونا معلوم ہوا مگر باوجود اس کے بعض جگہ نفع نہیں ہوتا یہ کیا بات ہے تو جواب اس کا یہی ہے کہ نفع کی وہی شرط ہے۔

مَن کَانَ لَهُ قَلْبٌ اَو اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ.

سو واقع میں یہ شبہ قرآن شریف پر نہیں ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ طبیب کہتا ہے کہ دوا نافع ہے سو معنی اس قول کے یہ ہیں کہ اس کا نفع بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے سو اگر کہیں نفع ظاہر نہ ہو تو یہ نہیں کہ دوا نافع نہیں۔ نافع یقیناً ہے مگر بوجہ فقدان شرائط کے اس کا نفع ظاہر نہیں ہوتا۔ پس جس طرح اطباء دوا کی خاصیت بیان کرتے ہیں اسی طرح حضرۃ حق سبحانہ وتعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال کی خاصیت بیان فرماتے ہیں پس جیسے اس دواء کی غایت کا ظاہر ہونا مشروط ہے بشرائط۔

شرائط وعظ:

اسی طرح اعمال کے لئے بھی شرائط ہیں اور وہ شرائط حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَذِکرٰی لِمَن کَانَ لَہٗ قَلبٌ اَواَلقَی السَّمعَ وَھُوَ شَھِیدٌ.
(بے شک قرآن اس کے لئے نصیحت ہے جس کا دل ہو یا کانوں کو متوجہ کرے اور وہ حاضر ہو)

اور بھی جا بجا قرآن شریف میں ان شرائط کو بیان کیا ہے کہیں ہے یتدبرون کہیں ہے یَتَذَکَّرُون (وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں) کہیں ہے یَتَفَکَّرُونَ (وہ فکر کرتے ہیں) کہیں ہے یَتَدَبَّرُونَ آیَاتِہٖ۔ (وہ آیتوں میں غور کرتے ہیں)

کسی جگہ ہے وَمَایَتَذَکَّرُاُولُوا الاَلبَابِ(اور عقلمندوں کی نصیحت حاصل کرو) یہ آیتیں بتلا رہی ہیں کہ جو شخص سوچے یاد رکھے خیال کیا کرے قصد بھی کرے ہمت بھی کرے تو اس کو نفع ہوگا اگر کوتاہی ہو جاوے تو بہ کرے متوجہ ہو جاوے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ نہ سوچتے ہیں نہ یاد رکھتے ہیں نہ قصد نہ ہمت نہ عمل۔ تو نفع بھی نہیں ہوتا۔ سو نفع نہ ہونے پر تعجب کرنا ہی بے بنیاد ہے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ وعظ سے اگر توفیق ہو کر گناہ کم ہونے لگیں تو اتنا نفع کیا کم ہے بلکہ اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر گناہ ترک نہ ہوں محض توبہ کی توفیق ہو کر گذشتہ ہی گناہ معاف ہو جاویں تو خود یہ کتنا بڑا نفع ہے۔ خواہ پھر گناہ ہی کیوں نہ ہونے لگیں اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی بخار میں مبتلا ہوتا ہے یا اور کوئی شکایت ہو جاتی ہے موسم میں ہم نے نہیں دیکھا کہ اس نے علاج نہ کیا ہو محض اس خیال سے کہ اگر اچھا بھی ہو گیا تو اگلے سال پھر بیمار ہو جاؤں گا۔ وہاں تو علاج کو نافع سمجھ کر کر لیا جاتا ہے مگر یہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ ایسی توبہ سے کیا فائدہ کہ پھر گناہ ہو جاوے اس لئے جب ساری عمر گزر چکے گی اس وقت توبہ کر لیں گے۔ سچ یہ ہے کہ ہم یہی نہیں سمجھتے کہ ہمارے اندر امراض بھی ہیں ورنہ امراض جسمانی کا سا معاملہ یہاں بھی ہوتا اور اس وقت وعظ کو وعظ سمجھ کر سنتے اب یہ نہیں تو یہی وجہ ہے کہ وعظ کا نفع باقی نہیں رہتا دوسری بات یہ قابل عرض ہے کہ زیادہ مقصود چونکہ اس وقت سنانے سے مستورات ہیں اس لئے مستورات کو چاہئے کہ اس کا خیال رکھیں اور بہت متوجہ ہو کر سنیں۔ یہ مستورات کی خدمت میں عرض تھی مختصر۔ اب دوسرے حضرات کی خدمت میں یہ عرض ہے چونکہ خطاب سے زیادہ قصد مستورات کے لئے ہے اور بوجہ اس کے کہ مستورات کی تعلیم بھی کم ہوتی ہے ان کا فہم بھی سادہ ہوتا ہے انکے خطاب میں سلامت کی رعایۃ ضروری ہوتی ہے اس لئے اور صاحب یہ خیال نہ

کریں کہ مضامین علمی ہوں۔ایک بات مستورات کے متعلق یہ ہے کہ وعظ میں مستورات پردہ کا خاص اہتمام رکھیں کپڑا پردہ کا ہٹنے نہ پاوے اس واسطے کہ بہت جگہ ایسا دیکھا گیا ہے کہ مستورات مردوں کے سامنے ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ بعض جگہ ایسا ہوا تو میں متحیر رہ گیا۔اس وقت یہ خلاف تہذیب گفتگو اس لئے گوارا کی ہے کہ اگر مستورات مردوں کے سامنے ہوتی ہیں تو نظر اور ذہن اس طرف چلنے لگتا ہے اس لئے ان کو احتیاط رکھنا چاہئے کہ مردوں کے سامنے نہ ہوں۔ایک بات یہ ہے کہ مرد خیال نہ کریں کہ جب مستورات مخاطب ہیں اور ان کے متعلق بیان ہوگا تو پھر مردوں کو وعظ سے کیا فائدہ ہوا۔ بات یہ ہے کہ اول تو مضامین اکثر مشترک ہوتے ہیں اور اگر فرض بھی کرلیا جاوے کہ بعض مضامین خاص عورتوں کے ہی متعلق ہوں گے تو بھی آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ مستورات کی تعلیم کا طریقہ ہی معلوم ہوجائے گا۔

حقیقت حق:

اس واسطے کہ آپ حضرات کے ذمہ ان کی تعلیم بھی ہے، حدیث میں ہے:

كُلُّكُم رَاعٍ وَ كُلُّكُم مَسئُولٌ عَن رَعِيَّتِهِ۔[1] (تم میں سے ہرایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہرایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا)

مرد اپنے خاندان میں اپنے متعلقین میں حاکم ہے۔ قیامت میں پوچھا جائے گا کہ محکومین کا کیا حق ادا کیا اور محض نان ونفقہ ہی سے حق ادا نہیں ہوتا کیونکہ یہ کھانا پینا تو حیات دنیا تک ہے آگے کچھ بھی نہیں اس لئے صرف اس پر اکتفا کرنے سے حق ادا نہیں ہوتا چنانچہ حق تعالیٰ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا:

يَآ يُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا قُوا اَنفُسَكُم وَاَهلِيكُم نَاراً.

کہ اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اپنے اہل کو دوزخ سے بچاؤ یعنی انکی تعلیم کرو حقوق الٰہی سکھاؤ ان سے تعمیل بھی کراؤ۔ جب قدرت ہو اس میں آپ معذور نہ ہوں گے کہ ایک دفعہ کہہ دیا رسم کے طور پر پھر چھوڑ دیا۔ آپ ایک دفعہ کہنے میں سبکدوش نہ ہوں گے اگر یہی مزاق ہے تو کھانے میں اگر نمک تیز کردیں تو اس وقت بھی اسی مزاق پر عمل کیا جائے ایک بار کہہ دیا

---

[1] الصحيح للبخاري: ۲، سنن أبي داؤد كتاب الخراج باب: ۱، سنن الترمذي: ۱۷۰۵

کہ بی بی اتنا تیز نمک ہے کہ کھایا نہیں جاتا یہ کہہ کر فارغ ہو جائے۔ پھر اگر ایسا اتفاق ہو تو کچھ نہ کہیئے حالانکہ وہاں ایسا نہیں کرتے بلکہ اس پر ناراض ہوتے ہیں اگر پھر کرے تو مارنے کو تیار ہو جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ وہاں سکوت سے ضرر سمجھا جاتا ہے اور دین کے معاملہ میں یوں کہہ دیتے ہیں کہ جیسا کرے گی ویسا بھرے گی اور غور سے دیکھئے تو وہاں ضرر ہی کیا پہنچا صرف یہ کہ کھانا بگڑ گیا اور کیا زیادہ بات ہوئی............؟ یہاں تو دین کا ضرر ہے............بس اب سمجھ لیجئے! جیسے سکوت سے وہاں آپ کا ضرر ہے۔ سکوت سے یہاں بھی آپ کا ضرر ہے۔ کہ ان کے متعلق آپ سے باز پرس ہوگی یہ کیا تھوڑا ضرر ہے اب دوسرے مزاق کے اعتبار سے اور گفتگو کرتا ہوں کوئی آپ کا چاہتا بچہ ہو وہ دوا نہ پیئے تو آپ زبردستی دوا پلاتے ہیں بے مروتی گوارا کرتے ہیں اگر ویسے نہ پیئے تو چمچہ سے اس کے منہ میں ڈالتے ہیں اس خیال سے کہ یہ تو بیوقوف ہے، نادان ہے، انجام پر اس کی نظر نہیں مگر ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے وہاں اس کو آزاد نہیں چھوڑتے ہر طرح سے اس کی حفاظت رکھتے ہیں سو کیا وجہ ہے کہ وہاں تو اس مزاق سے کام لیا جاتا اور یہاں نہیں لیا جاتا۔ سچ یوں ہے کہ مردوں نے بھی دین کی ضرورت کو ضرورت نہیں سمجھا کھانا ضروری، فیشن ضروری، ناموری ضروری، مگر غیر ضروری ہے تو دین۔

دنیا کی ذرا ذرا سی مضرت کا خیال ہوتا ہے اور یہ نہیں سمجھتے اگر دین کی مضرت پہنچ گئی تو کیسا بڑا نقصان ہوگا۔ پھر وہ مضرت اگر ایمان کی حد میں ہے، تب تو چھٹکارا بھی ہو جاوے گا مگر نقصان جب بھی ہوگا گو دائمی نہ ہوا اور اگر ایمان کی حد سے بھی نکل گئی تو ہمیشہ کا مرنا ہو گیا اور تعجب ہے کہ دنیا کی باتوں سے تو بے فکری نہیں ہوتی مگر دین کی باتوں سے کس طرح بے فکری ہو جاتی ہے ایک بزرگ نے فرمایا ہے ؎

چوں چنیں کارے ست اندر رہ ترا خواب چوں می آید اے ابلہ ترا

(جب راہ میں ایسا کام ہے تو بے وقوف تجھ کو نیند کیونکر آتی ہے)

تعلیم نسواں:

اور اسی بے فکری کا ایک شعبہ ہے کہ مرد عورتوں کی تعلیم کو اپنے ذمہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ بعض کی رائے تو یہ ہے کہ تعلیم مضر ہے مگر اسکی ایسی مثال ہے کہ کسی نے اپنے گھر والوں کو کہا:

کھلایا۔ اتفاق سے بی بی بچہ سب کو ہیضہ ہوگیا۔ اب آپ نے رائے قائم کی کہ کھانے پینے سے تو ہیضہ ہوجاتا ہے اس لئے سب کا کھانا پینا بند اور دل میں جمالیا کہ کھانے کی برابر کوئی چیز بُری نہیں۔ سو تعلیم سے اگر کسی کو ضرر پہنچ گیا تو یہ تعلیم کی بدتدبیری سے ہے نہ کہ تعلیم سے، ہاں یہ امر زیر بحث ہے کہ کونسی تعلیم ہونی چاہئے مختصر یہ ہے کہ تعلیم دین کی ہو ہاں حساب کتاب کا گھر کا یا دھوبی کے کپڑے لکھنے اس کی ضرورت بھی ان کو واقع ہوتی ہے سو اتنا حساب کتاب بھی سہی اور فی نفسہ مردوں کو بھی دنیوی تعلیم کی ضرورت نہ تھی مگر معاش کی ضرورت نے مجبور کر دیا۔ اور اگر محض اس ضرورت سے آگے کمال حاصل کرنے کے لئے ان کو تعلیم دی جاتی ہے تو بھلا یہ بھی کوئی کمال ہے کہ فلاں راجہ مرگیا فلاں بادشاہ فلاں سنہ میں ہوا تھا۔ فلاں جگہ اتنے دریا ہیں فلاں موقعہ پر اتنے گاؤں ہیں کلکتہ ایسا شہر ہے بمبئی میں اتنی تجارت ہوتی ہے کہ اگر اس کو بھی کمال سمجھ لیا جاوے سو کمال بھی جب ہی معتبر ہوتا ہے جبکہ مضرت نہ ہو۔ ہم تو مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس نئی تعلیم سے مضرت پہنچتی ہے اور عورتوں کو بہت ہی زیادہ۔ اس وجہ سے ان کی تعلیم میں تو یہ امور ہرگز بھی نہ ہونے چاہئیں۔ اسی طرح ہر وہ تعلیم جس سے دینی ضرر پیش آئے رہا ضروری تعلیم کے بعد اگر آپ کی سوءِ تدبیر سے ضرر ہو گیا تو آپ کا یہ حکم لگانا کہ تعلیم مضر ہے غلط ہے۔ تعلیم دین تو مضر ہو ہی نہیں سکتی۔ جب اس کے ایسے ایسے فضائل ہیں اور ان کے منافع دیکھے بھی جاتے ہیں تو پھر وہ کیسے مضر ہوسکتی ہے غرض یہ کہ تعلیم عورتوں کی مردوں کے ذمہ ہے انکی ذمہ داری صرف کھانا کپڑا دینے سے پوری نہیں ہوتی۔ پس اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ تعلیم ضروری ہے۔

طریقِ تعلیم نسواں:

اب اس کا بیان ہونا چاہئے کہ اس کا طریقہ کیا ہے اس سے مردوں کو یہ نفع ہوجائے گا کہ نصاب تعلیم معلوم ہوجائے گا اس کا انتظام کرسکیں گے اور مرد اگر تدبر سے کام لیں تو یہ مضامین بچوں عورتوں مردوں سب کے لئے نافع ہوسکتے ہیں اگرچہ ظاہراً خاص ہیں مستورات کے ساتھ۔ پس میں نے جو آیت تلاوت کی تھی:

اِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا

وَالاٰخِرَةِ وَلَهُم عَذَابٌ عَظِيمٌ.

(ترجمہ: جولوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاک دامن ہیں ایسی باتوں سے بے خبر ہیں ایمان والیاں ہیں، ان پر دنیا وآخرت میں لعنت کی جاتی ہے اوران کو بڑا عذاب ہوگا)

اس میں یہی ضروری تعلیم مذکور ہے اور یہ آیت خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے اس واقعہ کے تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں حکایات بیان کرنے کے لئے نہیں بیٹھا ہوں بلکہ ان واقعات میں جو فیصلہ کیا گیا ہے اور وہ فیصلہ ہے ضرورت عامہ کا اس کے بیان کرنے کی ضرورت ہے، غرض آیت گو ایک واقعہ خاص میں نازل ہوئی ہے مگر مخصوص نہیں ہے اس واقعہ کے ساتھ۔ کیونکہ ہر واقعہ کے لئے ایک قانون ہوتا ہے۔ سو اگر قانون اس واقعہ کے قبل بنا ہوا ہے تب تو فبہا اور اگر بنا ہوا نہیں ہے تو اس کے لئے قانون بنایا جاتا ہے اور جب تک حکومت رہتی ہے وہ قانون جاری رہتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ واقعات کا انحصار ہو نہیں سکتا اس لئے قوانین کا کلیہ بنائے جاتے ہیں تا کہ ضرورت کے وقت واقعات کو ان قوانین میں داخل کر سکیں اس سے فقہاء کے اس کہنے کا راز معلوم ہوگیا کہ: لَا عِبرَةَ لِخُصُوصِ المَورِدِ بَل لِعُمُومِ الالفَاظِ۔

یعنی خصوص مور کا اعتبار نہیں بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے مثلاً کوئی آیت کسی خاص موقع پر نازل ہوئی تو وہ اسی موقع کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ جو واقعہ بھی اس کی مثل پیش آئے گا تو وہ اس کو بھی شامل ہوگی جیسے:

> وَيلٌ لِلمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ اِذَا كتَالُوا عَلَى النَّاسِ يُستَوفُونَ وَاِذَا كَالُوهُم اَووَّزَنُوهُم يُخسِرُونَ. (ترجمہ: بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پوری کرلیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں)

بعض اہل کیل دوزن کے بارہ میں نازل ہوئی ہے مگر ان ہی کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ جو بھی کم ناپے، تولے گا سب کو اس آیت کی وعید شامل ہوگی۔ اسی طرح بہت سی آیات ہیں کہ موارد ان کا خاص ہے مگر حکم عام ہے اور یہ عقلی مسئلہ ہے اس میں زیادہ تفصیل کرنے کی حاجت نہیں اسی طرح یہ آیت باوجود یکہ واقعہ خاص میں نازل ہوئی مگر حکم عام ہے اب سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کیا فرماتے ہیں حق تعالیٰ اس آیت کے اندر ایک مضمون خاص بیان

فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ جولوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو محفوظ ہیں اور جنہیں خبر نہیں اور ایمان والیاں ان پر دنیا میں بھی لعنت ہوگی اور آخرت میں بھی اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا (آخرت میں) یہ تو ترجمہ کا حاصل ہے کہ پاک عورت کو تہمت لگانے والے پر لعنت ہے۔ اب سمجھئے کہ کسی کلام سے جو مقصود ہوتا ہے اس کو اصطلاح میں عبارۃ النص کہتے ہیں اور وہ مقصود ہی ہے جو ترجمہ کے حاصل ہیں بیان کیا گیا، مگر مجھ کو اس وقت اس مقصود کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا ایک اور مدلول بھی ہے جو مقصود نہیں مگر آیت اس پر دلالت کرتی ہے جس کو اصطلاح میں اشارۃ النص کہتے ہیں۔

صفاتِ نسواں:

اس وقت اس کا بیان کرنا مقصود ہے اور وہ مضمون یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں عورتوں کی اچھی صفات بیان کی ہیں اور وہ صفات اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ مجھ کو ان صفات میں گفتگو کرنا مقصود ہے تا کہ عورتیں اپنے اندران صفات کے پیدا کرنے کی کوشش کریں، سو آیت میں غور کرنے سے اور لفظوں کے دیکھنے سے وہ تین صفات ہیں جن سے متصف ہونیوالیوں کو تہمت لگانے والے پر لُعِنُوا کو مرتب کیا ہے تو وہ صفات پیدا کرنی چاہئیں پس ایک صفت اَلْمُحصَنَات ہے۔ ایک صفت الغٰفِلٰتِ ہے ایک صفت المُؤمِنَاتِ ہے حاصل ترجمہ محصنات کا ہے پارسا عورتیں۔ اور لفظی ترجمہ ہے حفاظت کی گئیں یعنی ان کو پارسائی کے خلاف باتوں سے محفوظ رکھا گیا دوسری صفت یہ ہے غافِلَاتِ یعنی بے خبر بھولی بھالیاں تیسری صفت ہے۔ اَلْمُؤمِنَاتِ یعنی ایمان والی۔ سو آیت میں بظاہر یہ صفات منتشر یعنی غیر مربوط اور غیر مرتب معلوم ہوتی ہیں کیونکہ پہلے الْمُحصَنٰتِ ہے پھر الغٰفِلٰتِ پھر المُؤمِنَاتِ حالانکہ ظاہراً مقتضائے ترتیب یہ تھا کہ المؤمنات کو پہلے لاتے کیونکہ ایمان کا درجہ مقدم ہے سب چیزوں سے مگر ایسا نہیں کیا بلکہ محصنات کو مقدمہ کیا۔ مومنات پراس میں ضرور کوئی بڑا نکتہ ہے۔ بات یہ ہے کہ کلام حق تعالیٰ کا ضروری رعایتوں کا نہایت جامع ہے اور اس میں اسقدر تدقیق ہے کہ ضروریات اصلاح کے متعلق جتنے امور ہیں ان کا ضبط اس میں اسقدر کافی ہے کہ کسی کلام میں نہیں ہوسکتا پس نظر غائر کرنے سے یہ صفات آپس میں مربوط بھی ہیں یعنی ان میں باہم علاقہ بھی ہے اور مرتب بھی ہیں۔

کمالات دین دینا:

اس کے لئے پہلے ایک مقدمہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ انسان میں دو کمال پیدا کئے گئے ہیں اور ان ہی کمالات کو بڑھانا انسان کو ضروری ہے ایک کا نام قوت علمیہ اور دوسرے کا قوت عملیہ اور کوئی شخص ایسا نہیں جو اس میں اختلاف رکھتا ہو خواہ دنیا کا طالب ہو یا دین کا طالب ہو وہ دنیا دار ہو یا دیندار، وہ جاہل ہو یا عالم، وہ منطقی ہو یا فلسفی ہو۔ آخر کوئی نہ کوئی کام تو کرے ہی گا اور کرنے کا تعلق ہے قوت عملیہ ہے۔ اگر قوت عملیہ سے نہ ہو تو اس کام کو کر ہی نہ سکے گا اور قوت علمیہ سے اس کی حقیقت جانے گا، اور اگر اتفاقی طور پر اس طرح کرے کہ قصد کو اختیار کو اس میں دخل ہی نہ ہو تو وہ بحث سے خارج ہے مثلاً کوئی تجارت کرتا ہے تو اس کو ایک تو تجارت کے اصول جاننا چاہئے اور پھر وہ اصول برتنا چاہئے۔ کوئی شخص کھیتی کرتا ہے تو پہلے طریقہ کھیتی کا معلوم کرے پھر کھیتی کرنا چاہئے۔ اسی طرح نوکری ہے کہ پہلے اس کے اصول جاننا چاہئے اس کے بعد قوت عملیہ سے کام شروع ہوتا ہے میں کہاں تک مثالیں عرض کروں۔ یہ بات اس قدر ظاہر ہے کہ زیادہ مثالوں کی محتاج نہیں۔ غرض انسان میں ایک قوت علمیہ ہے جس سے نفع وضرر کو پہچانتا ہے دوسری قوت عملیہ ہے اور انسان میں اصل بھی دو کمال ہیں۔ باقی جتنے کمال ہیں وہ سب اسی کی فرع ہیں اور عورتیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں پس ان کے بھی کمالات یہی دو ہوں گے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں اور اسی طرح جتنی کتابیں دین کی ہیں ان میں ان ہی کمالات سے بحث ہوگی جو دین کے متعلق ہوں، گو دنیا کے کمالات کی تحصیل بھی ناجائز نہیں سو قرآن شریف کے دو کام ہوں گے ایک تو کمالات دینی کا بتلانا دوسری جس عمل میں مضرت آخرت کی ہو اس سے روکنا جیسے طبیب کا کام ایک پرہیز کا اور دوسرے دوا کا بتلانا ہے یہ اس کے ذمہ نہیں کہ لذیذ کھانوں کی ترکیب بتلایا کرے حکیم محمود خاں کے ذمہ یہ ہے کہ دوا اور پرہیز بتلا دیں گلگلہ پکانے کی ترکیب بتلانا یہ کام حکیم محمود خاں کا نہ ہو گا۔ اگر مریض نے اجازت چاہی کسی کھانے کی تو ترکیب اس کھانے کی خوان نعمت میں ملے گی۔ طبیب ہونے کی حیثیت سے ترکیب کھانے کی ان کے مطب میں نہ ملے گی۔ اگر کوئی ان سے کھانے کی ترکیب پوچھنے لگے تو ان کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہمارا کام یہ نہیں ہے جاؤ کسی باورچی سے سیکھو۔ اگر خوش ہو کر بتلا دیں تو یہ انکی عنایت ہوگی مگر ان کے ذمہ نہیں ہاں ان

کا یہ منصب ہے کہ جو چیز مریض کو مضر نہ ہو اسکی اجازت دے دیں اور اگر مضر دیکھیں تو روک دیں اسی طرح سے علماء کے ذمہ جو کہ قرآن شریف کے نقل کرنیوالے ہیں یا یوں کہیئے کہ قرآن شریف کے ذمہ دو چیزیں ہیں ایک امراض روحانی کی دوا بتلانا دوسرے پرہیز بتلانا۔ اور یہ اس کے ذمہ نہیں کہ وہ دنیا کے کمالات کے طریقے بتلایا کریں کہ ربیع میں فلاں چیز بوتے ہیں خریف میں یہ بوتے ہیں۔ مشین یوں چلتی ہے گھڑی یوں بنتی ہے تیلی گھریوں تیار ہوتا ہے کپڑا یوں بُنا جاتا ہے۔ یہ قرآن شریف کے ذمہ نہیں ہے ہاں اگر آپ ان چیزوں کو کمال سمجھیں تو قرآن شریف اجازت دیتا ہے کہ ان کے کرنے میں حرج نہیں مگر یہ اجازت ہی تک ہے کہ آخرت کی مضرت نہ ہو۔ جیسے طبیب جب کسی غذا میں مریض کے لئے مضرت دیکھتا ہے تو کو فوراً روک دیتا ہے اسی طرح شریعت جس وقت دیکھے گی کہ فلاں امر میں مضرت ہے آخرت کی اور یہ بات مریض روحانی کو مضر ہو گی تو فوراً روکے گی۔ سو قرآن شریف کی تعلیم کافی ضرور ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں زراعت بھی ہو تجارت بھی ہو۔ مشین چلانے کی ترکیب بھی ہو کپڑا بننے کا طریقہ بھی ہو بلکہ اس میں آخرت کی قوانین ہیں۔ بعض تو مفصل ہیں اور جہاں کلام اللہ مجمل ہے وہاں حدیث سے اس کی تفسیر ہو گئی ہے اور یہ سب قرآن شریف ہے جو مختلف رنگ میں ظاہر ہو رہا ہے باقی یہ کہ اس میں تجارت بھی ہو زراعت بھی ہو سو یہ عیب ہے کسی فن کی کتاب کے واسطے کہ اس میں مقصوداً دوسرے فن کے مسائل ہوں مثلاً طب اکبر میں امراض کا بیان ہے اس لئے کہ وہ طب کی کتاب ہے۔ ایک شخص نے خیال کیا کہ کبھی ضرورت جوتے سینے کی پڑ جاتی ہے کبھی ضرورت تجارت و زراعت کی بھی واقع ہو جاتی ہے اس لئے اس نے طب اکبر میں یہ تصرف کیا کہ شروع میں دو ورق تو امراض راس کے لکھے پھر جوتیاں سینے کا بیان لکھ دیا۔ پھر دو ورق امراض حلق کے لکھ دیئے اس کے بعد تجارت یا زراعت کے متعلق کچھ لکھ دیا یا پھر دو ورق امراض معدہ کے لکھے۔ پھر کچھ مضمون کپڑا سینے کا لکھ دیا بتلایئے انصاف سے کہ ایسی کتاب کو دیکھ کر عقلاء کیا کہیں گے۔ ظاہر ہے کہ اب مذاق اڑائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ طب اکبر کا کمال نہ ہوگا اس کا کمال تو یہی ہے کہ اس میں طب ہی کے مسائل ہوں اسی طرح قرآن شریف میں اگر ایسا ہوتا تو قرآن شریف کا کمال نہ ہوتا اس کا کمال تو یہی ہے کہ اس میں دین کے طریقے بتلائے جائیں ہاں معاش سے ممانعت نہ ہونی چاہئے جبکہ طریقہ مباحہ سے

ہو۔ مقصود میرا یہ ہے کہ میں اپنی اس وقت کی تقریر میں جب لفظ کمال کہوں گا تو اس سے کمال دینی مراد ہوگا۔ سو کمال دینی دو چیزیں ہیں ایک قوت علمیہ اور ایک قوت عملیہ۔ اور یہی دو کمال عورتوں کے لئے بھی ہیں پس حق تعالیٰ نے اس مقام پر تین کلمے ارشاد فرمائے ہیں ایک المحصنات یعنی حفاظت رکھی ہوئی بچائی ہوئی عورتیں دوسرا المؤمنات یعنی ایمان والی تصدیق کرنیوالی عورتیں۔ میں پہلے ان ہی دو کلموں کو لیتا ہوں (الغافلات کا بیان آئندہ ہے) سو سمجھئے کہ ایمان نام ہے خاص علوم کا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کی اطلاع رسولؐ کی معرفت دی ہے اور ان باتوں کو سچا جاننا۔ ان علوم کا نام درجہ یقین میں ایمان ہے پس اس ایک لفظ میں اشارہ ہے قوت علمیہ کی طرف یعنی المؤمنات میں اور دوسرے میں اشارہ ہے قوت عملیہ کی طرف یعنی المحصنات میں۔

کامل نسواں

اور یہ دونوں کمال جب عورتوں کی طرف منسوب ہیں، تو معلوم ہوا کہ جیسے مرد کامل ہو سکتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کامل ہو سکتی ہیں اور جیسے خود مردوں کی نوع میں تفاوت ہے ایسے ہی عورتوں کی نوع میں بھی تفاوت ہے۔

اور عورتوں کے کمال کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مرد جیسے کامل ہوتے ہیں یہ ویسی ہو جائیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنی استعداد کے موافق کامل ہو سکتی ہیں خواہ مردوں کی برابر نہ ہوں اور عورتوں کے کمال کے حکم پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہ تو بروئے نص ناقص ہیں پھر ان کو کامل کیسے کہا جا سکتا ہے بات یہ ہے کہ عورتوں میں دو قسم کے نقصان ہیں ایک تو مردوں کے نوع کے مقابلہ میں۔ سو اس کا تدارک تو غیر اختیاری ہے اور اکتساب کو اس میں دخل نہیں اور ایک اپنی نوع کے لحاظ سے اس کا تدارک ہو سکتا ہے اور وہ مکتسب اور اختیاری ہے اور یہ نقصان مبدل بکمال ہو سکتا ہے بہرحال عورتوں کو بھی ایک کمال علمی حاصل ہو سکتا ہے جس کو ایمان کہا گیا ہے دوسرا کمال عملی حاصل ہو سکتا ہے جس کو احصان فرمایا گیا ہے اور چونکہ ایمان نام ہے علوم خاصہ کا اور علم مقدم ہوتا ہے عمل پر اس لئے اس کا مقتضا یہ تھا کہ المومنات کو مقدم لایا جاتا، المحصنت پر المحصنت کو مقدم لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ علم مطلقاً فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ اس کا زیادہ حصہ ذریعہ ہے عمل کا اور مقصود علم سے عمل ہی ہے۔

علم و عمل

پس چونکہ اس اعتبار خاص سے عمل مقدم ہے علم پر اس لئے المحسنات کو پہلے لائے اور المومنات کو بعد میں یہاں یہ نکتہ ہے مقدم لانے میں اور اعتبار خاص سے میں نے اس لئے کہا کہ دوسرے اعتبار سے علم مقدم ہے عمل پر وہ یہ کہ بدوں علم کے عمل نہیں ہوسکتا۔ مگر ہیں دونوں ضروری علم بھی اور عمل بھی۔ یہ نہیں کہ جو شخص عمل نہ کرتا ہو وہ علم بھی حاصل نہ کرے جیسا بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ جب عمل ہی نہیں ہوسکتا تو احکام جاننے سے وعظ سننے سے کیا فائدہ۔ بات یہ ہے کہ جب دونوں فرض ہیں تو جس نے علم حاصل کیا گو عمل نہ کیا تو وہ ایک ہی جرم کا مجرم ہوا کیونکہ اس نے ایک ہی ضروری چیز کو چھوڑا اور جس نے علم بھی حاصل نہ کیا وہ دو جرم کا مجرم ہوا کیونکہ اس نے دو ضروری چیزوں کو ترک کیا اور اس کا یہ عذر مقبول نہ ہوگا کہ علم اس لئے حاصل نہیں کرتا کہ علم سے پھر عمل کرنا پڑے گا کیونکہ عمل تو پھر بھی فرض ہی رہے گا۔ اس جاہلانہ عقیدہ پر ایک حکایت یاد آئی ایک شخص نے مسئلہ سنا تھا کہ چاند دیکھ کر روزہ فرض ہوجاتا ہے۔ آپ گھر کے اندر گھس کر بیٹھ رہے کواڑ بند کر لئے کہ نہ چاند دیکھوں گا نہ روزہ فرض ہوگا۔ کئی روز وہیں گزر گئے وہاں ہی کھانا وہاں ہی ہگنا۔ بی بی پاخانہ اٹھاتے اٹھاتے تنگ ہوگئی۔ بس ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کیا جنگل میں آپ پہنچے قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی تالاب کے کنارہ پر پہنچے سر جھکائے ہوئے تھے کہ کہیں چاند نظر نہ پڑ جائے بیچارہ اتنا جانتا نہ تھا کہ پانی کے اندر عکس ہوتا ہے تالاب کے کنارہ بیٹھے تو پانی میں چاند نظر پڑا اور روزہ فرض ہوگیا آپ کہتے بھلے ہیں ہم تو تجھے دیکھتے نہیں تو زبردستی آنکھوں میں گھسا جاتا ہے۔ پس جیسے اس نے سمجھا تھا کہ جو چاند نہ دیکھے روزہ فرض نہیں ہوتا ایسے ہی بعضے لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر علم حاصل نہ کریں گے تو عمل ہی فرض نہ ہوگا۔ سو یاد رکھئے کہ فرض دونوں چیزیں ہیں علم بھی عمل بھی اور اس اعتبار سے علم کا حاصل کر لینے والا گو اس نے عمل نہ کیا ہو اس سے اچھا ہے جس نے علم و عمل دونوں حاصل نہ کئے ہوں ہاں زیادہ مقصود بے شک عمل ہے اور اسی وجہ سے المحسنات کو مقدم لائے المومنات پر گویا اس میں عمل کی مقصودیت کی طرف اشارہ کردیا کہ ہم یہاں اس کو اس لئے مقدم کرتے ہیں کہ عمل کو زیادہ مقصود سمجھو اور اس میں رد ہوگیا ان لوگوں کا جو محض تعلیم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور عمل کا اہتمام نہیں کرتے۔ چنانچہ بعض لوگ علم دین حاصل کر کے سمجھتے ہیں

کہ ہم نے بڑا کمال حاصل کرلیا میں نے اس مزاق کے علماء دیکھے ہیں کہ بس علم حاصل کر کے اپنے کوسب کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور سارے مسلمانوں کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں اور انکو ناز ہوتا ہے اپنے علم پر حق تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں فرماتے ہیں فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِنَ العِلمِ۔ کہ جو علم ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے۔

نِصابِ تعلیم نسواں

اور خاص کر عورتیں جو ذرا بھی تعلیم یافتہ ہو جاتی ہیں ان کے ناز کا تو انتہا ہی نہیں رہتا حالانکہ ان کا نصاب علمی بس یہ ہے کہ قرآن شریف پڑھ لیا اس کے بعد اگر بہت معراج ہوئی تو قرآن شریف کے ترجمہ کا شوق ہوا مگر نرے ترجمہ سے کیا ہوتا ہے تاوقتیکہ کوئی عالم تفسیر نہ بتلائے بس عورتیں اتنا پڑھ کر عالم فاضل ہو گئیں۔ سمجھنے لگیں کہ ہم بھی کچھ ہیں اس کے بعد وہ یہ کرتی ہیں کہ اردو کی کتابیں خرید لیں ناول خرید لئے۔ معجزہ آل نبی خرید لیا۔ خدا جانے یہ کس نے گھڑا ہے حضرت علی کی نسبت۔ اس میں تو اہانت ہے انکی۔ اسمیں لکھا ہے کہ آپ کے یہاں ایک فقیر آیا تھا آپ نے اپنے صاحبزادوں کو ہبہ کر دیا تھا محض مہمل قصہ ہے مگر چھپا ہوا موجود ہے عورتیں شوق سے منگاتی ہیں سمجھتی ہیں کہ اس میں بڑا ثواب ہے، ملتا ہے بزرگوں کے قصے ہیں مصنف بندہ خدا نے یہ نہ سوچا کہ آزاد شخص پر یہ تصرف کب صحیح ہے اور خود حضرت حسنینؓ کی بھی اہانت ہے کہ ان کو غلام بنایا گیا اور بہت سے اسی قسم کے قصے ہیں۔ سا پن نامہ۔ درخت کا معجزہ۔ ایک چہل رسالہ چھپا ہے اس میں ایسے ایسے بیہودہ قصے ہیں جن کا سر نہ پاؤں اور پھر تعریف یہ کہ بعضے قصوں کی نسبت لکھ دیا ہے کہ جو انکو پڑھے گا۔ اس پر دوزخ کی آنچ حرام ہو جاوے گی یا یہ عورتیں نعت کی کتابیں منگاتی ہیں اور ان میں کہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہوتی ہے کہیں حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہوتی ہے گویا ان مداحین کو ساری شریعت معاف ہو گئی جس کی شان میں چاہا گستاخی کر دی، رسول کی شان میں اللہ کی شان میں۔ غرض ان کتابوں میں بہت سے اشعار خلاف شریعت ہیں جن کا پڑھنا بھی جائز نہیں غرض یہ نصاب ہے عورتوں کی تعلیم کا اس نصاب پر ناز ہے اور اگر نصاب کامل بھی ہوتا تو بھی ناز کرنا کہاں زیبا تھا چہ جائیکہ نصاب بھی ایسا پاکیزہ اور علم پر ناز ہی کیا اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ ہر جاننے کا کوئی نتیجہ بھی تو ہوتا ہے ایک شخص کہتا ہے کہ میں تجارت کے طریقے جانتا ہوں مگر اس پر عمل نہیں کرتا تو ایسے شخص پر تو زیادہ حسرت ہوتی ہے۔

ضرورت عمل

خوب سمجھنا چاہئے کہ نرے علم پر ناز کرنا ہی نادانی ہے اور اگر اس پر عمل ہوا تو وہ عمل ہی ناز کے ترک کو مستلزم ہے خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے المحصنات کے تقدم سے بتلا دیا کہ نرا علم کچھ مفید نہیں اور علم کے ناکافی ہونے کی تقریر کی ایک فرع ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسے آج کل اس مزاق کے لوگ کہ نرے علم کو کافی سمجھتے ہیں اسی طرح بہت لوگ اس مزاق کے بھی ہیں کہ جو یوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے جو کہ ایک فرد ہے علم کی بس سارے اعمال سے سبکدوش ہو گئے اور اس مزاق پر استدلال کرتے ہیں کہ مَن قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الجَنَّةَ[1] (جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہوا) بس اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو سچا سمجھئے پھر جو چاہے کرے میں کہتا ہوں یہ بتلایئے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی رحیم ہے؟ جواب بھی یہی ہوگا کہ نہیں۔ رسول سے بڑھ کر کوئی شفیق ہے؟ جواب یہی ہوگا کہ نہیں۔ جب یہ ہے تو معاملہ رحمت وشفقت کا اثر تو یہ ہونا چاہئے کہ ایسے شفیق ورحیم کا بتلایا ہوا کام کوئی دشوار سے دشوار بھی نہ ٹالا جاوے نہ یہ کہ سارے احکام کو بالائے طاق رکھ دیا جاوے۔ اچھی قدر کی خدا کی رحمت اور رسول کی شفقت کی ایک مقدمہ اور سنئے طبیب کامل شفیق وہ ہے جس کو نسخہ سہل لکھنے میں مہارت ہو بلکہ جنگل کی دوا سے علاج کرتا ہو۔ جس قدر سہولت کی رعایت ہوگی وہ دلیل ہوگی کمال اور شفقت اور رحمت کی۔ جب یہ سمجھ گئے تو سنئے کہ آسان طریقہ تو یہ تھا کہ نہ نماز کی ضرورت ہوتی نہ زکوٰۃ کی نہ حلال وحرام کے اہتمام کی نہ رشوت چھوڑنے کی نہ تکبر چھوڑنے کی بس لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر نہایت آزادی کے ساتھ زندگی بسر کیا کرتے یہ نہایت سہل طریقہ تھا اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تجویز فرماتے تو لوگ نہایت آسانی سے اسلام قبول کر لیتے مگر باوجود اس کے آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اعمال کی بھی تاکید اور تعلیم فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ...... کافی نسخہ نہیں ہے دوسرے اجزاء کی بھی ضرورت ہے مگر آج کل اہل الرائے کی عجیب حالت ہے چنانچہ ایک شخص نے یہاں تک رائے دی کہ اگر سب علماء مل کر نماز کو اسلام سے خارج کر دیں تو اسلام کو بہت ترقی ہو اور اس کے باقی رکھنے سے اسلام کی ترقی رک رہی ہے کیونکہ جب کوئی شخص سنتا ہے

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی ۷:۵۵، مجمع الزوائد ۱:۱۸، الترغیب والترھیب للمنذری ۲:۴۲۲

کہ اسلام لاکر نماز گلے مڑھی جائے گی تو وہ اسلام لانے سے رک جاتا ہے. بہت سے لوگ اسلام لانے پر آمادہ ہیں مگر نماز کی وجہ سے ہمت نہیں ہوتی اس لئے اس کو حذف کر دینا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ واقعی ظاہر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز نہ ہوتی تو مسلمان ہونا کچھ بھی مشکل نہ تھا بہت سہل ہوتا، مگر باوجود اس کے پھر کیا وجہ ہے کہ نماز فرض فرمائی گئی اور اس کے تارک پر وعید ارشاد فرمائی اور وعید بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ یوں فرمایا: مَن تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّداً فَقَد کَفَرَ[1] کہ جس نے عمداً نماز کو چھوڑا تو وہ کافر ہوگیا۔ یہاں ایک بات سمجھئے کہ مولویوں کی عجیب کم بختی ہے کہ جب وہ اس قسم کا مضمون بیان کرتے ہیں تو لوگ ان کو یوں کہتے ہیں کہ بس جی ان کو تو کافر بنانا آتا ہے۔ بھائی یہ تو رسول کا فتویٰ ہے مولویوں کے گھر کی تو بات نہیں اور اگر کہو کہ حدیث کوئی چیز نہیں چنانچہ ایسے لوگوں میں سے بعض اسکے بھی قائل ہیں تو صاحبو! قرآن شریف کا سیاق وسباق بھی تو تارکِ نماز کو مشرک بتلا رہا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُونُوا مِنَ المُشرِکِینَ۔ (نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے مت ہو)

تو کیا قرآن شریف کو بھی حجت نہ کہا جاوے گا۔ حاصل یہ ہوا کہ اس درجہ جو نماز کی تاکید کی گئی یا حج وزکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اور ان کے بارے میں وعید سنائی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض ایمان لانا کامیابی کے لئے کافی نہیں بلکہ مَن قَالَ لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ. کے یہ معنی ہی نہیں کہ کوئی عمل نہ کرے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کا بھی اقرار کرے اور اس کے مقتضاء پر عمل بھی کرے کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ (جب کوئی شئی ثابت ہو جائے تو اس کے بعد لوازم ثابت ہوئے) اور اس قاعدے میں کسی عاقل کو کلام نہیں بالکل ظاہر بات ہے میں اس کے متعلق چند مرتبہ مثالیں پیش کر چکا ہوں، ایک بہت ظاہر مثال اس وقت بھی عرض کرتا ہوں مثلاً کسی شخص کا نکاح کیا جاتا ہے اور اس کہا جاتا ہے کہ تم نے فلاں لڑکی کو اتنے مہر پر قبول کیا؟ وہ کہتا ہے قبول کیا ظاہر ہے کہ اس کے معنی بلاشبہ یہی ہوتے ہیں کہ میں نے مکان دینا بھی قبول کیا کھانا کپڑا بھی قبول کیا اور بھی تمام اخراجات بی بی کے قبول کئے اور یہ معنی اس قاعدہ کی بناء پر ہیں کہ اَلشیء اِذَا ثَبتَ ثَبتَ بِلَوَازِمِہٖ

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین ۳: ۱۰، کنز العمال: ۸۰۰۵

اب فرض کیجئے کہ یہ شخص ناکح اس مزاق کا تھا کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے محض لفظی معنی کا قائل تھا نکاح کے چندروز بعد ماں باپ نے علیحدہ کردیا کہ کماؤ کھاؤ جب علیحدہ ہوئے تو بی بی نے کہا میاں گھی چاہئے آٹا چاہئے دسوں قسم کے جھگڑے بتلا دیئے اس نے سن کر کہا نکاح میں یہ کب ٹھہرایا تھا کہ یہ بھی لاؤں گا اور وہ بھی لاؤں گا اس کا تو ذکر تک بھی نہ ہوا تھا نہ اس کو میں نے قبول کیا تھا۔ غرض تکرار بڑھا سارا محلّہ جمع ہوگیا میں ان صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کے سامنے ایسے شخص کا مقدمہ پیش ہوا اور آپ جج ہوں تو آپ کیا فیصلہ کریں۔ ظاہر ہے کہ آپ یہی فیصلہ کریں کہ یہ جملہ ضروریات اس کے ذمہ ہیں اور کسی عورت کو نکاح میں قبول کرنے کے معنے یہی ہیں کہ میں نے آٹا لانا بھی قبول کیا کھانا کپڑا دینا بھی قبول کیا جملہ ضروریات قبول کیں نکاح کے قبول کرنے میں یہ سب چیزیں بھی آ گئیں بس اسی طرح لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی سمجھ لو کہ جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کیا تو اسی میں یہ سب اقرار بھی آ گئے کہ نماز بھی پڑھوں گا روزہ بھی رکھوں گا زکوٰۃ بھی دوں گا حج بھی کرونگا تمام احکام کا اقرار اسی میں آ گیا۔ اب حدیث میں جو ہے دخل الجنة کہ وہ شخص جنت میں داخل ہوگا تو یہ بالکل صحیح ہے اس پر اگر کوئی یوں شبہ کرے کہ اس حدیث میں یہ بھی تو ہے: وَاِن زَنٰی وَاِن سَرَقَ کہ جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ لیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا اگرچہ زناء اور چوری کرے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر چاہے جو کرے سمجھ لیجئے کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ان افعال پر اصرار نہ کرے یعنی اگر گناہ بھی ہو جاوے تو توبہ کرلے کیونکہ توبہ بھی تو، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی کے اقرار میں داخل ہے۔ بس توبہ کے بعد پھر پہلی حالت ہوجاوے گی اور یہ معنی نہیں کہ فقط لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر فارغ ہوگئے اور کچھ ذمہ ہی نہیں رہا۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایمان لاکر کسی چیز کو ضروری ہی سمجھتے بلکہ بعضے تو صرف مسلمان کے گھر پیدا ہونے کو ہی کافی سمجھتے ہیں اور بعض کو خود اس ایمان کی بھی خبر نہیں کہ کیا چیز ہے؟

اہمیت دین

صاحبو! اس بے خبری کا علاج سیکھنا ہے دین سیکھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے مگر افسوس آج کل ادنیٰ درجہ کی چیزیں تو سیکھی جاتی ہیں مگر دین نہیں سیکھا جاتا۔ اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حتی

الامکان دین کے سکھانے والے ایسے تجویز کئے جائیں جو خود بھی دین رکھتے ہوں اپنے کو ان کے سپرد کرنا چاہئے۔ دیکھئے مدارس دنیوی میں لوگ تعلیم کے متعلق سب باتیں استاد کے سپرد کرتے ہیں اور جس چیز کا جو کورس ہے اس میں اسی کو وکیل بناتے ہیں مگر اس قاعدہ پر عمل نہیں کرتے تو دین کے باب میں نہیں کرتے اور پورا دین سیکھنے ہی سے ایمان بھی پورا ہوتا ہے تھوڑے دین کے سیکھنے سے ایمان بھی پورا نہیں ہوتا کہ وہ محض لفظی ایمان ہوگا اور ایمان لفظی کیا کام دے سکتا ہے مگر حضرت اس وقت وہ حالت ہے کہ: لَا يَبْقٰى مِنَ الدِّيْنِ اِلَّا اِسْمُهٗ سو حق تعالیٰ نے اس آیت میں المحصنات کو مقدم کر کے اشارہ اس طرف کیا ہے کہ فقط ایمان پر قناعت کرنا بدوں عمل کے کافی نہیں ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص بغاوت کرتا ہو بم کے گولے چھوڑتا ہو مگر گورنمنٹ کو بھی مانتا ہو کیا خوشنودی سلطنت وامن وعافیت کے لئے محض یہ مان لینا بدوں اطاعت کے کافی ہو جاوے گا۔ سب جانتے ہیں کہ کافی نہیں ہو سکتا تو حق تعالیٰ کی جناب میں بھی یہ مان لینا کیسے کافی ہوگا جب تک عمل نہ ہو۔ یہ نکتہ تھا المحصنات کے مقدم کرنے میں المؤمنات پر غرض حق تعالیٰ ان دونوں کلموں میں قوت علمیہ و عملیہ دونوں کو بیان کر رہے ہیں یہ حاصل ہوا اس بیان کا۔ اب صرف اس کی ضرورت رہ گئی کہ اس علم اور عمل کی فہرست بیان کر دی جائے پس سنئے کہ علم سے مراد علم دین ہے علم دنیا نہیں اور اس کے یہ معنی نہیں کہ علم دنیا کی ممانعت ہے جس چیز کی ضرورت واقعی ہو اس کو کتاب وسنت منع نہیں کرتی بلکہ اگر دین کی نیت سے سیکھے تو وہ دنیا بھی دین ہی ہو جاتی ہے البتہ وہ دین لغیرہ ہے اپنی ذات میں دین نہیں ہے یہ اس وجہ سے عرض کر دیا کہ بعضی ذہین بیبیاں سن کر بہت خوش ہوں گی کہ یہ تو بڑی اچھی بات بتلائی کہ دنیا میں بھی دین ہو جاتا ہے نیت سے۔ بس وہ کفایت کر لیں گی کھانے پکانے پر اور خانہ داری کے کام پر اور سمجھ لیں گی کہ بس دین کا کام تو کر ہی لیا۔ اب آگے کیا ضرورت رہی نماز وغیرہ کی۔ اس لئے میں نے کہا ہے کہ یہ چیزیں اپنی ذات میں دین نہیں ہیں یہ اعمال نماز روزہ کے قائم مقام نہ ہوں گے بعض اسی کو بڑی عبادت سمجھتی ہیں کہ گھر کا کام کر لیا شوہر کو آرام پہنچا دیا خانہ داری کا بندوبست کر لیا بس آگے اور کچھ نہیں۔ بہت سی ایسے مزاق کی بھی ہیں خوب سمجھ لیجئے کہ نماز روزہ تو اپنی ذات میں دین ہے اور یہ چیزیں اپنی ذات میں دین نہیں بلکہ یہ ملحق بہ عبادت ہو

جاتی ہیں قائمقام نہیں ہوسکتیں کجا وہ (نماز روزہ) کجا یہ (خانہ داری کا کاروبار) مگر ہاں دین ہے ایک خاص اعتبار سے اب رہی یہ بات کہ وہ نیت کیا ہوگی جس سے یہ چیزیں عبادت ہو سکیں تو نیت یہ ہوگی کہ ہم شوہر کی خدمت کریں گے اس کو آرام پہنچائیں گے تو اس کا حق ادا ہوگا بس اس نیت سے دنیا دین ہو جاوے گی۔ اسی طرح تعلیم دنیا بھی اگر دین کی نیت سے ہو تو وہ بھی دین ہو جاتا ہے مگر محض اس تعلیم پر کفایت نہ کرنا چاہئے۔

ضرورت علم دین

تم کو اصل ضرورت علم دین کی ہے اب میں اس کی فہرست بتلاتا ہوں سب سے پہلے بچہ کو کلمہ شریف سکھادو خواہ ایک ہی کلمہ ہو۔ جس کو عورتیں بہت آسانی سے سکھا سکتی ہیں نیز بچہ کو زبانی تعلیم احکام کی بھی دیتی رہو مثلاً اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اور یہ بتلانا کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی جو صفات ہیں وہ بتلاؤ مثلاً سب چیزوں کو انہوں نے پیدا کیا ہے وہی مارتے ہیں وہی جلاتے ہیں ان کو خبر ہے تمام چیزوں کی اگر بچہ شرارت کرے تو کہو کہ اللہ میاں خفا ہوں گے جو جو علوم ان کے مناسب ہیں عورتیں ان کے ذہن میں خوب ڈال سکتی ہیں۔ بار بار کہتے رہنے سے بچہ کو یقین ہو جاوے گا کہ خدا تعالیٰ کو سب چیز کی خبر ہے عورتوں کو چاہئے کہ ان کے خیالات درست کریں اس کے بعد جب ان کو اور ہوش ہو تو چھوٹی چھوٹی سورتیں قرآن شریف کی یاد کرا دیں جب سات برس کے ہوں تو نماز پڑھنے کا طریقہ بتلا دیں۔ دس برس کی عمر میں مار کر پڑھوائیں۔ اب تو نماز کے بارہ میں کوئی بھی کچھ نہیں کہتا اگر کوئی بچہ امتحان میں فیل ہو جاوے تو اس پر تو افسوس ہوتا ہے لیکن نماز اگر برس روز تک بھی نہ پڑھے تو ذرا بھی افسوس نہیں ہوتا۔ زبان حال سے اسلام شکایت کر رہا ہے کہ افسوس میری طرف بالکل توجہ نہیں رہی میں تم کو غیرت دلاتا ہوں یہ بتلایئے کہ اسکی حفاظت آپ کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں نہیں کی جاتی کیا نصاریٰ ویہود اسکی حفاظت کریں گی یا مجوس وہنود اس کی حمایت کریں گے جب اپنے اسباب کی مالک ہی حفاظت نہ کرے تو اور کون کریگا۔ شاید یوں خیال ہوگا کہ مولوی تو اسکی حفاظت کر رہے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ دین کیا صرف مولویوں کا ہے تمہارا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ سب ہی کا ہے جب سب کا ہے تو وہ ایک جائداد مشترک ہوا اور ظاہر ہے کہ جو جائداد مشترک ہوتی ہے اس کی حفاظت جملہ شرکاء کے ذمہ ہوتی ہے تو پھر اس مشترک جائداد کی سب کیوں نہیں حفاظت کرتے خاص کر جبکہ

حفاظت آسان بھی ہو اور حفاظت یہ ہے کہ اس کی ضروریات کی پابندی کرو سو یہ کیا مشکل ہے اور اگر مشکل ہے تو ایسی مشکل ہے جیسے ایک معمولی کام کا اگر ارادہ نہ کرو تو وہ مشکل نظر آتا ہے۔ سو ارادہ نہ کرنے سے ہر کام مشکل معلوم ہونے لگتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص کو آدھی رات پیاس لگے اور اس وقت ہمت نہ ہو اٹھ کر پانی پینے کی کہ اس وقت کہاں جائے اور اس لئے پیاسا پڑا رہے فرض کیجئے اگر اسی وقت اتفاق سے کلکٹر کا اردلی آیا اور کہا کہ صاحب کلکٹر کو آپ سے خاص بات کہنی ہے اور اسی وقت بلایا ہے اور وقت بھی ایسا کہ بارش ہو رہی ہے اور بجلی چمک رہی ہے یہ صاحب وہی ہیں کہ چار قدم بھی پانی پینے کو نہیں جا سکتے تھے مگر یہی وہ ہیں کہ باران کوٹ پہن سوار ہو کر چلدیئے اور ایک میل پہنچے اور جب وہاں سے آئے تو خوش بہ خوش فخر کرتے ہوئے آئے کہ ہم سے صاحب کلکٹر نے مشورہ لیا اسی کا تذکرہ ہے اسی کا چرچا ہے ان ہی کو پہلے چار قدم جانا مشکل تھا اور اب آٹھ فرلانگ چلے گئے آخر اس میں تفاوت کیا ہے بس بات یہی ہے کہ چار قدم جانے کا تو ارادہ نہ تھا اور ایک میل جانے کا ارادہ ہو گیا۔ ارادہ نہ کرنے سے وہ مشکل ہو گیا اور ارادہ کرنے سے یہ آسان ہو گیا کبھی سردی میں سفر کا ارادہ ہوتا ہے تو حالت یہ ہوتی ہے کہ ہاتھ پاؤں ٹھٹھرے ہوئے ہیں گلے جاتے ہیں مگر سفر کر رہے ہیں بات یہ ہے کہ ارادہ نہیں کرتے دین کا اس لئے دین مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بس چونکہ ہم میں ارادہ نہیں اس لئے نماز جیسی آسان چیز بھی مشکل معلوم ہوتی ہے حاصل یہ کہ بچوں کی تعلیم کی ابتداء نماز سے کی جائے اور اس کو عادت ثانیہ بنایا جائے جب بچہ دس برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو مارو پیٹو۔ غرض بچپن ہی میں نماز کا طریقہ تعلیم کر دو۔ جب سیانا ہو جاوے لڑکی ہو یا لڑکا اس کو علم دین پڑھائیں۔ قرآن شریف بڑی چیز ہے کسی حالت میں ترک نہ کرنا چاہئے۔ یہ خیال نہ کرے کہ وقت ضائع ہو گا۔

حقیقت قرآن حکیم

اگر قرآن شریف سارا نہ ہو آدھا ہی ہو یہ بھی نہ ہو ایک ہی منزل پڑھا دی جاوے اخیر کی طرف سے اس میں چھوٹی چھوٹی سورتیں نماز میں کام آئیں گی اور قرآن شریف کی یہ بھی برکت ہے کہ قرآن کے حافظ کا دماغ ایسا مناسب ہو جاتا ہے دوسرے علوم کے لئے کہ دوسروں کا نہیں ہوتا۔ یہ تجربہ ہے رات دن کا۔ صاحبو! بھلا ایک منزل پڑھانے میں کیا وقت صَرف ہوتا ہے آج کل قرآن شریف کے پڑھانے میں ایک اور بہانہ کیا جاتا ہے کہ

اس طرح پڑھانے سے یعنی بے معنی طوطے کی طرح پڑھانے سے کیا فائدہ میں کہتا ہوں کہ اگر اسی طرح پڑھانے سے کسی بڑے عہدہ کا وعدہ ہو جائے تو انعام کی توقع کے بعد بھی کیا کوئی صاحب یوں کہیں گے کہ کیا فائدہ اور پھر معنی ہی میں فائدہ کو منحصر سمجھنا خود یہی غلط ہے کیا ثواب فائدہ نہیں ہے سو اسکی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کے پڑھنے میں ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں تو کیا نیکی روپیہ سے بھی گئی گزری ہے مگر نیکی وہ سکہ ہے جس کی قیمت دنیا میں معلوم نہیں ہوتی کیونکہ یہ سکہ دوسرے ملک میں چلتا ہے۔ سعدیؒ اسی کو کہتے ہیں ؎

قیامت کہ بازار مینو نہند مراتب باعمال نیکو دہند
کہ بازار چند انکہ آگندہ تر تہی دست را دل پراگندہ تر

(قیامت کے دن کہ بازار لگائیں گے نیک اعمال کے مطابق مراتب عطا کریں گے، بازار جس قدر بھرتا اور پر رونق ہوگا تہی دست کا دل زیادہ پراگندہ ہوگا)

غرض آخرت میں ایک بازار لگایا جائے گا اور وہ سکہ وہاں چلے گا۔ پھر تو جس کے پاس یہ سکہ نہ ہوگا اس کی یہ حالت ہوگی تہی دست را دل پراگندہ تر، پاس کچھ نہیں مارے مارے پھر رہے ہیں کوئی پوچھتا ہی نہیں اس وقت قدر ہوگی اس سکہ کی۔ سو دیکھئے کتنا بڑا انعام ہے کہ ایک حرف پر دس نیکی اسی کو تو کہتے ہیں ؎

خود کہ یابد این چنیں بازار را کہ بیک گل می خری گلزار را

(ایسا بازار کہاں مل سکتا ہے کہ ایک پھول کے بدلہ میں چمن کو خریدے)

ہاں اگر مسلمان ہو کر یہ کہہ دیں کہ آخرت میں بھی ضرورت نہ پڑے گی تو بس صبر آجاوے پھر ان کو خطاب ہی نہ کیا جاوے لیکن ضرورت بھی مانتے ہیں اور پھر محض لفظ ہی لفظ ہیں اس سے جی کڑھتا ہے صبر نہیں آتا۔ غرض قرآن شریف ضرور پڑھنا چاہئے۔

اہمیت صحبت

اس کے بعد ضرورت اس کی ہے کہ اگر کوئی شخص فارغ صاحب ثروت نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور چاہئے کہ مکمل نصاب اردو کا پڑھ لے اور اس نصاب کے لئے اس وقت اردو میں

کافی ذخیرہ موجود ہے علماء سے اس کو منتخب کرا کر آدھا دن دین کی تعلیم کے لئے اور آدھا دنیا کی تعلیم کے لئے مقرر کر لیں مگر یہ ضرور ہے کہ تعلیم ایسے شخص سے ہو جو مذہبی آدمی ہو اور یہ خیال نہ کیجئے کہ ایسی معمولی استعداد سے جو اردو پڑھنے سے حاصل ہو گی کیا فائدہ......؟ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ قلب میں دین کی عظمت پیدا ہو جاوے گی اور رگ و ریشہ میں دین رچ جاوے گا خصوص بچوں کو ایسے لوگوں کے سپرد کیجئے جو بے طمع خوش اخلاق لوگ ہوں۔ چنانچہ پہلے زمانہ میں جو کتبی تعلیم کا طریقہ تھا بہت ہی اچھا طریقہ تھا ان کی صحبت کا یہ اثر دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ پرانے مکتب میں پڑھے ہوئے ہیں ان کے قلب میں بزرگوں کی دین کی عزت اور عظمت ہے جس کا نئی تعلیم میں نام و نشاں بھی نہیں وجہ یہ کہ نری زبان سے کچھ نہیں ہوتا جب تک قلب کے اندر کوئی بات پیدا نہ ہو اور دل میں پیدا نہیں ہوتی جب تک صحبت نہ ہو اس لئے صحبت کی بڑی ضرورت ہے خواہ کتابیں تھوڑی ہی پڑھائی جاویں مگر صحبت زیادہ ہو۔ رہی لڑکیوں کی تعلیم سو اگر گھر کے مرد ذی علم ہوں تو وہ پڑھاویں ورنہ اگر مستورات پڑھی ہوئی ہوں تو خود پڑھائیں ورنہ دوسری نیک بیبیوں سے پڑھوائیں اور نصاب وہی ہوں جو میں نے ذکر کیا ہے اور یہ میری سمجھ میں کسی طرح نہیں آتا کہ زنانہ مکتب قائم کیا جائے جیسے مردانے مکتب باقاعدہ ہوتے ہیں اس باب میں واقعات اس کثرت سے ہیں کہ ان واقعات نے یقین دلا دیا ہے کہ ایسے مکتبوں کا اثر اچھا نہیں ہوتا اور امتحان ہو جانے کے بعد ہمیں وجہ بیان کرنے کی حاجت نہیں جیسا مقناطیس کی کشش کی بیان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ خاص تعلق کے موقع پر تعلیم ہونا چاہیے لڑکیوں کی تجربہ سے معلوم ہوا کہ خاص تعلق کے گھر میں جتنی حفاظت ہوتی ہے وہ عام جگہ نہیں ہو سکتی لیکن یہ میری رائے ہے میں فتویٰ نہیں دیتا ہوں۔ اگر تجربہ سے دوسری تجویز مفاسد سے خالی ہو تو اس پر عمل کیا جاوے مگر عورتوں کو تعلیم ضرور دینا چاہئے لیکن مذہبی تعلیم نہ کہ تعلیم جدید اور تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک اور کام بھی کرنا چاہئے وہ یہ کہ لڑکیاں کسی تعلیم کے خلاف عمل کریں تو ان کو روکو۔ بلکہ ان کے خلاف عمل کرنے پر یوں کرو کہ جب کبھی غیبت کریں کتاب منگا کر اور وہ مضمون دکھلا کر تنبیہ کرو۔ اگر اس طرح سے عمل رہا تو انشاء اللہ ایسا پاکیزہ نشو و نما ہوگا جس کا کچھ کہنا ہی نہیں۔

دوسرے گھر یعنی سسرال میں جا کر نیک نامی ہو گی اور یہ بھی مشاہدہ سے سب کو معلوم ہو جاوے گا دیندار ایسی چیز ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اخلاق درست ہوں گے اعمال درست ہوں

گے اس سے زیادہ کیا راحت ہوگی کہ اخلاق بھی درست ہوں اعمال بھی درست ہوں غرض کافی تعلیم سے دونوں باتیں نصیب ہوں گی۔ آسائش دین اور آسائش دنیا بلکہ ایسوں سے دوسروں کو راحت ہی پہنچتی ہے کیونکہ ایسے لوگ دشمنوں تک سے بھی مخالفت نہیں کرتے اسی کو کہتے ہیں ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خُدا　　دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام　　کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

(میں نے سنا ہے کہ اہل اللہ نے دشمنوں کے دل کو بھی رنجیدہ نہیں کیا ہے تجھ کو یہ مرتبہ کب حاصل ہوسکتا ہے کہ تو اپنے دوستوں سے بھی اختلاف اور لڑائی رکھتا ہے)

طریق تعلیم ناخواندہ نسواں

بس ان کی تعلیم کا یہ طریقہ ہے اور یہ طریقہ وہاں تو آسان ہے جہاں عورتیں پڑھی ہوئی ہوں اور جہاں پڑھی ہوئی نہ ہوں تو عورتوں پر لازم ہے کہ وہ مردوں سے پڑھانے کی التجا کریں پھر عورتوں کے پڑھانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مردان کو کتابیں سنا دیا کریں اس کے متعلق میں ایک کام کی بات بتلاتا ہوں مردوں کو بھی عورتوں کو بھی اور وہ بڑے کام کی بات ہے وہ یہ ہے کہ یہ جو عادت ہے کہ جس کسی کتاب کے ساتھ مولوی کا نام لکھا ہوا پایا اس کتاب کو لے لیا یہ نہ چاہئے دیکھئے دنیا میں اطباء بہت سے ہیں مگر آپ سب کو برابر نہیں سمجھتے ہر کسی کا علاج نہیں کرتے حکیم وہ تجویز کیا جاتا ہے جو باقاعدہ طب پڑھا ہوا ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کے ہاتھ میں شفا بھی دی ہو اس کو مریضوں پر شفقت بھی ہو حریص وطماع بھی نہ ہو اے اللہ حکیم کے واسطے تو آپ نے اتنی صفتیں لگا دیں اور دین میں یہ حالت کہ ایک کتاب دیکھی کہ فلاں مولوی صاحب کی ہے بس اسے خرید لیا یہ بحث ہی نہیں کہ انہوں نے باقاعدہ کہیں پڑھا بھی ہے وہ اہل فن کے نزدیک معتبر بھی ہیں باقی محض مولوی نام ہونے سے کیا ہوتا ہے۔

حقیقت خطاب

آج کل خطابات بہت سستے ہو رہے ہیں یہ حالت ہے کہ جو قدوری بھی نہیں پڑھا سکتے ان کو مولوی کا خطاب مل جاتا ہے بہت سے شمس العلماء ایسے ہیں کہ اگر ان کے سامنے کوئی چھوٹی سی کتاب بھی پڑھانے کے لئے رکھ دو تو پڑھا نہ سکیں۔ میں تو ایسے لوگوں کو شمس مکسوف کہا

کرتا ہوں تعجب ہے کہ لوگ یہ بھی تو نہیں دیکھتے کہ حکام کا کسی کو کوئی خطاب دیدینا کہاں تک حجت کمال کی ہے اس پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔ ایک نائی کسی بادشاہ کی حجامت بنایا کرتا تھا، ایک دفعہ وہ اپنے وقت پر حجامت کے لئے نہ پہنچا۔ بادشاہ انتظار کر کے سو رہے نائی گیا تو خبر ملی کہ بادشاہ سو رہے ہیں وہ یہ سن کر فکر میں پڑ گیا کہ نہیں معلوم بیدار ہونے کے بعد کیا حکم دیں اس نے دربان سے سازش کر کے سوتے ہی میں حجامت بنادی کہ بادشاہ کو خبر بھی نہ ہوئی بادشاہ نے اٹھ کر آئینہ میں جو خط بنا ہوا پایا پوچھا تو معلوم ہوا کہ سوتے میں بنا گیا ہے اس پر بادشاہ نے خوش ہو کر نائی کو استاد کا خطاب عطا کیا یہ خبر جب پھیلی تو اس نائی کے یہاں برادری کی عورتیں جمع ہوئیں اور اس کی نائن سے کہا کہ بہن تجھے مبارک ہو بادشاہ نے تیرے میاں کو استاد کا خطاب دیا ہے۔ نائن نے سن کر کہا کہ یہ تو کوئی خوشی کی بات نہیں بادشاہ نائی تھوڑا ہی ہے جو فن کو جانتا ہو خوشی کی بات تو جب تھی کہ اپنے چار بھائی مل کر خطاب دیدیتے۔ بادشاہ کا خطاب دینا معتبر تھوڑا ہی ہے جبکہ وہ اس پیشہ ہی کو نہیں جانتا۔ واقعی یہ ہے کہ اس نائن کی عقل ہم سے زیادہ تھی۔ تو گورنمنٹ کے خطاب دینے سے کسی کو شمس العلماء سمجھ لینا محض حماقت ہے گورنمنٹ خود ہی شمس العلماء نہیں ہاں شمس السلاطین کہہ دو تو خیر، کھلم کھلا دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ صرف ونحو بھی پوری نہیں جانتے خدا کے واسطے ذرا حس درست کیجئے اور جس طرح بعضوں نے تو غیر واقعی مولویوں کو مولوی سمجھ لیا بعضوں نے واقعی مولویوں کو بھی مولوی نہ سمجھا انہوں نے یہاں تک حد سے تجاوز کیا ہے کہ سارے ہی مولویوں کو بے ایمان سمجھ لیا کیا سارے مولوی تمہارے نزدیک بے ایمان ہیں بات ہے کہ آپ نے ان مولویوں کو دیکھا ہے جو آپ کے دروازوں پر آتے ہیں کبھی آپ نے ان کی بھی تلاش کی ہے جو کسی کے دروازوں پر نہیں جاتے اگر آپ ان کو تلاش کرتے تب آپ کو ان کا حال معلوم ہوتا آپ کو خبر ہی نہیں کہ مولوی کیسے ہوتے ہیں کیونکہ آپ گئے ہی نہیں سو ذرا ان کو تلاش کرلو۔ جیسا مولانا کہتے ہیں ؎

خواب را بگذار مشب اے پدر — یک شبے در کوئے بے خواہاں گزر

(آج رات خواب (نیند) چھوڑ کر بے خوابوں میں بسر کر)

یعنی تلاش کرنے سے معلوم ہوگا کہ نہ سونے والوں میں کیسے کیسے ہیں مگر کبر ونخوت تلاش سے مانع ہے اس کو چھوڑ دو تو وہ ملیں اور اس وقت یہ مضامین سمجھ میں آویں جو عارف

شیرازی فرماتے ہیں ؎

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم　　　　شہان بے کمر وخسروان بے کاراند

(گدایان عشق کو حقیر نہ سمجھو کہ یہ لوگ بے تاج وتخت اور بے پٹکے کے بادشاہ ہیں)

اور فرماتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی ہیں　　　　کہ ناز برفلک وحکم برستارہ کنم

(میں گدائے میکدہ ہوں لیکن مستی کے وقت فلک پر ناز اور ستارے پر حکم کرتا ہوں)

مگر ان کے پاس قیمتی کپڑے نہ ہوں گے نہ انگریزی لباس ہوگا ان دونوں سے عریاں ہوں گے ان میں بناوٹ نہ ہوگی اور ان کو جب اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں تو کپڑے وغیرہ کی تو کیا ہوگی ان کی تو یہ حالت ہے ؎

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند　　　　فرزند وعزیز خاں ومال راچہ کند

(جس کو آپ کی معرفت حاصل ہوگئی اس کو جان اور فرزند اور مال واسباب کی پرواہ نہیں)

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ پھٹے ہوئے کپڑوں میں مستغنی ہیں بس ایسے لوگوں سے رجوع کیجئے اس کے ساتھ میں ایک اور کام کی بات بتلاتا ہوں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے ایمان کی حفاظت کرنا چاہتا ہے اور اس کے ذمہ بھی ہے ایمان کی حفاظت۔ سو ایمان کی حفاظت تجربہ سے آج کل اسی میں ہے کہ کسی ایک عالم متبع سنت کو اپنا مقتدا اور ہادی بنالے یہ نہیں کہ جس کو مولوی دیکھا بس اسی کو قبلہ وکعبہ بنالیا دیکھ بھال کر خوب سمجھ بوجھ کر ایک معین کرلیا جاوے پھر جب معین ہوجاوے تو ہر بات کو اسی سے پوچھو اسی سے پوچھ کر کتابیں سنانے اور پڑھانے اور دیکھنے کے لئے منتخب کرو خیال کیجئے کہ دنیاوی معاملات میں ہر شخص ایک معتمد کو تجویز کرلیتا ہے اور اس میں حکمت یہی ہے کہ ایک کے معین کرلینے میں انتخاب بھی اچھا ہوتا ہے اور اس معتمد کو بھی تعلق وتوجہ زیادہ ہوجاتی ہے۔ دیکھئے جس وکیل کے یہاں ہمیشہ مقدمات لے کر جاتے آتے ہیں جیسی وہ عنایت کریگا دوسرا نیا آدمی نہیں کرسکتا سو آپ نے دین کے معاملہ میں ایسا کیوں نہیں کیا یعنی آپ نے اپنی اصلاح کے لئے کوئی مولوی درویش کیوں نہیں تجویز کیا .... بس بات یہ ہے کہ دین کو ایسا ضروری نہیں سمجھا

ورنہ جس طرح دنیوی معاملات میں مصلحت کے لئے تعین کیا جاتا ہے دینی معاملات میں بھی ایسا ہی ہوتا لیکن اگر تعین کے لئے انتخاب کرو تو یہ دیکھ لینا کہ وہ مولوی ایسا ہو کہ جس نے با قاعدہ پڑھا بھی ہو شفیق بھی ہو حریص وطماع بھی نہ ہو۔ متبع سنت بھی ہو۔

حقیقت عالم

پس ایسے شخص کو عالم سمجھیں اس منتخب کرنے ہی میں بڑے سلیقہ کی ضرورت ہے پھر جب منتخب ہو جائے تو ہر بات میں اسی کی طرف رجوع کریں اور انتخاب میں اس احتیاط کی اس لئے ضرورت ہے کہ اس وقت دین کے پردہ میں ایسے لوگ گھس رہے ہیں کہ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہر دستے نباید داد دست

(اے طالب آدمی کی صورت میں بہت سے شیطان بھی ہیں پس ہر ایک کی طرف بیعت اور رجوع نہ کرنا چاہئے)

اور ایسے لوگ ہیں ؎

کارِ شیطاں میکنی نامت ولی　　　گر ولی اینست لعنت بر ولی

(کام تو شیطان کے کرتا ہے اور نام ولی ہے اگر یہی ولی ہے تو ایسے ولی پر لعنت)

اور ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں فرماتے ہیں ؎

ظالم آں قومی کہ چشماں دوختند　　　از سخنہا عالمے را سو ختند

(بڑے ظالم تھے وہ لوگ جنہوں نے آنکھیں بند کر کے ایسی باتوں سے ایک عالم کو ویران کر دیا)

اور اچھے لوگوں کی علامت جو کہ معیار انتخاب ہو سکتا ہے فرماتے ہیں ؎

کار مرداں روشنی و گرمی ست　　　کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست

(مردان حق کا کام روشنی اور گرمی ہے، کمینوں کا کام حیلہ اور بے شرمی ہے)

یہ دو علامتیں ہیں گرمی اور روشنی حاصل یہ کہ ان میں متعدد صفات ہیں ایک صفت ان میں سے گرمی ہے اور ایک صفت روشنی ہے۔ روشنی تو مراد علم اور گرمی سے مراد عشق یعنی حق تعالیٰ کی محبت اور یہ گرمی ایسی ہے جیسے انجن میں گرمی ہوتی ہے۔ ان گاڑیوں کو مبارک ہو جو

ایسے انجن سے وابستہ ہوں اور علامت اس گرمی کی یہ ہے کہ ان کی صحبت سے خدا کی محبت بڑھتی جاوے اور دنیا سے دل سرد ہوتا جاوے مگر یہ مطلب نہیں کہ تعلقات دنیویہ بالکل ترک ہو جاویں بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا سے دلچسپی نہ رہے اور دنیا کو قبلہ وکعبہ نہ بناوے۔

انتخابِ کتب

بس ایسے شخص سے رجوع کریں اور جو بات پوچھو اسی سے پوچھو، کتابیں بھی اسی سے انتخاب کراؤ۔ جو کتابیں دیکھنا چاہو پہلے اس کو دکھلالو۔ ہر کتاب کو مت دیکھنے لگو۔ ورنہ یہ ہوگا۔

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ہا

(کثرت تعبیر سے میری خواب پریشان ہوگئی)

آج اس کی کتاب دیکھ لی کل اس کی دیکھ لی یہ نہیں چاہئے اس سے بڑی خرابی پیدا ہوتی ہے پہلے اس شخص کو جس کو تجویز کیا ہے دکھلا لو اگر وہ اجازت دے تو دیکھو ورنہ مت دیکھو محتاط امراء کی عادت ہوتی ہے کہ کھانا کھاتے ہیں تو اول حکیم سے پوچھ لیتے ہیں اگر وہ اجازت دیتا ہے تو کھاتے ہیں ورنہ نہیں۔ یا بعض محتاط مریضوں کی عادت ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو کوئی دوا کھلانا چاہے تو کہتے ہیں کہ بجائے ہمارے فلاں طبیب سے اس دواء کی بابت کہو اگر وہ کہے گا تو استعمال کرلوں گا ورنہ نہیں۔ ایسا ہی یہاں کرو۔ پھر ایک ادب اس شخص کا یہ ہے کہ ایسے شخص سے کسی رائے میں مناقشہ نہ کرنا چاہئے۔ دیکھو طبیب سے علاج میں کوئی مناقشہ نہیں کرتا کیونکہ اگر جھگڑیں تو وہ علاج نہ کرے نسخہ پھاڑ کر پھینک دے۔ تو دیکھئے یہ لوگ دنیوی امور میں کیسے بھولے بن گئے کہ طبیب ووکیل سے مناقشہ ہی نہیں کرتے مگر جب دین کا وقت آیا تو سارے زمانہ کے ہوشیار وزیرک بن گئے کہ مناقشہ کے لئے تیار ہیں ایک صاحب کہنے لگے کہ کیوں صاحب نماز پانچ وقت کیوں فرض ہوئی زیادہ کم کیوں نہ ہوئی۔ میں نے کہا کہ آپ کی ناک یہاں کیوں لگی گدی پر کیوں نہ لگی اور میں نے کہا کہ اپنے افعال تکلیفیہ کی حکمت سے پہلے تو اپنے اجزاء کی حکمت دریافت کیجئے کیونکہ یہ تو آپ کے جسم ہی میں ہیں اور افعال تو پھر بھی خارج ہیں پس عجیب بات ہے کہ ان لوگوں کا مزاق دنیوی معاملات میں اور ہے اور دینی امور میں اور۔ ایک مزاق رکھئے اور ایک اصل صحیح قائم کر کے اس پر عمل کیجئے یہ نہیں کہ دنیا میں تو اور اصل اور دین میں اور اصل۔ یہ بحث تھی انتخاب اور اس کے آداب کی پس ایسا شخص (جس کی صفات پہلے گزر

چکیں) جب کتب دینیہ انتخاب کر دے تو وہ کتابیں اپنے گھر والوں کو سناؤ، زیادہ نہ ہو تو پندرہ بیس منٹ ہی سہی مگر سناتے وقت یہ بھی نہ دیکھو کہ کون سنتا ہے کون نہیں۔ بشنو دیا نشنود پر عمل ہو یعنی کوئی سنے یا نہ سنے مگر تم اپنا کام اپنا کئے جاؤ۔ گھر میں پڑھنا شروع کر دو۔ اور روز سنایا کرو۔ اٹھ کر نہ آؤ خواہ بگڑ بگڑ پڑیں بہت شخصوں نے بیان کیا کہ کتابیں سناتے سناتے اصلاح ہو گئی کیا اللہ و رسول کا نام کھٹائی سے بھی کم ہے کھٹائی کا تو منہ میں اثر ہو جو ایک حقیر چیز ہے کہ منہ میں پانی بھر آوے اور اللہ و رسول کے نام کا اثر نہ ہو۔ مگر بات یہ ہے کہ کرے کون کون وقت اٹھائے اور جو نصاب تجویز کیا جائے اس میں ایک بات کی اور ضرورت ہے عورتوں کو بھی اور مردوں کو بھی وہ یہ کہ اس نصاب کو ایک دفعہ ختم کر کے اس کو کافی نہ سمجھیں جیسے کسی نے عید کے چاند کی شہادت دی تھی اس سے پوچھا گیا کہ نماز بھی پڑھتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ نماز کی یوں سنو ایک مولوی صاحب ہمارے گاؤں میں آئے تھے جب تو ہم نے نماز پڑھ لی تھی پھر تو ہماری توبہ ہے سو جیسے اس نے ایک دفعہ پڑھ کر توبہ کر لی تھی ایسے ہی آج کل بھی کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کتاب سنائی اور الگ پھر سروکار ہی نہیں مگر اس اصل پر کھانے میں عمل نہیں کیا جاتا۔ کھانا تو دونوں وقت کھاؤ بلکہ کھانے پر تو ایسا عمل کہ بھوک بھی نہ ہو تو کہتے ہیں رات کیسے گزرے گی کچھ نہ سہی تو کباب ہی لے آؤ۔ کھانا تو بے بھوک بھی کھاتے ہیں۔ مکرر سہ کرر چوکرر دونوں وقت کھانا کھایا جاتا ہے لیکن اگر اس پر عمل نہیں تو دین کے بارہ میں خوب اچھی طرح جان لیجئے کہ جو نصاب تجویز کیا جائے گا۔ اس کو روزمرہ کا وظیفہ سمجھئے اور کچھ نہیں چار ہی ورق سہی دو ہی سہی جیسے قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے ہیں اسی طرح دو ورق اس کے بھی پڑھ لئے یا سن لئے اگر تمام عمر بھی اس میں لگا رہنا پڑے تب بھی ہمت کرنا چاہئے وجہ یہ کہ دنیا کی ضرورت محدود ہے اور دین کی غیر محدود چنانچہ دین کی ضرورت مرنے کے بعد تک بھی رہے گی پس تعجب ہے کہ محدود ضرورت میں اتنا وقت صَرف کریں اور غیر محدود میں کچھ بھی نہیں۔ بڑا تعجب ہے۔ جب دنیا کی دھن ہے تو دین کی کیوں نہ ہو۔ صاحبو یہ (دین) فراغت کی چیز نہیں۔ مولاناؒ فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش وی خراش　　　تادم آخر دمے فارغ مباش

(تم کو چاہیے کہ اس طریق وصول الی اللہ میں ہمیشہ خراش تراش کرتے رہو اور آخر وقت تک ایک لحہ بھی فارغ مت رہو)

اور گو ہے تو عمر بھر کا دھندا مگر دشوار نہیں آسانی سے عمر بھر اس میں مشغول رہ سکتا ہے۔

حقیقت مشقت دین

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ تو کہتے ہیں کہ دشوار نہیں مگر ہم نے تو دو چار دن کر کے دیکھا تھا بڑی مشقت ہوئی عقلی جواب تو اس کا یہ ہے کہ اس مشقت کو تو بڑا سمجھتے ہیں مگر اس میں کوتاہی کرنے سے جو مشقت پیش آئے گی وہ اس سے بھی بڑی ہے یعنی آخرت کی خرابی جس کا مال عذاب جہنم ہے تو اس کے اعتبار سے پھر یہ آسان ہی ہوا عقلی جواب تو ہے اور یہی کافی ہونا چاہئے مگر میں وجدانی جواب بھی دیتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو یہ کیسے خبر ہوئی کہ یہ مشقت تمام عمر رہے گی کسی تمبا کو کھانے والے سے پوچھ کر دیکھو کہ تمبا کو جب پہلے پہلے کھایا تھا کسی طبیب نے بتلایا تھا کہ تمبا کو کھایا کرو تو اس کو کھا کر کیسی پریشانی ہوتی تھی کہ ذرا سا کھا کر جی بھی میلا ہوتا تھا۔ سر بھی چکر کھاتا تھا مگر اب یہ حال ہے کہ حقہ مل جائے تو جان مل جائے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ دین کی مشقت تمبا کو کی مشقت کی برابر بھی نہیں؟ جب مزہ آ جاوے گا تو یہ حالت ہوگی کہ ذراسی کمی ہونے سے غم سوار ہو جاوے گا۔ اسی کو تو کہتے ہیں ۔

بردل سالک ہزاراں غم بود   گر زباغِ دل خلالے کم بود

(عارف کے دل پر ہزاروں غم چھا جاتے ہیں اگر اس کے باغ دل سے ایک تنکا بھی کم ہو جاتا)

ذراسی کمی پر پہاڑ سا بوجھ ہوگا۔ غور کر لیں وہ لوگ جو نماز کے پابند ہیں جس روز تمنا قضا ہو جاتی ہے یا دیر ہو جاتی ہے تو انکی کیا حالت ہو جاتی ہے کس قدر انقباض ہوتا ہے دوسرا شخص اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ یہ حالت تو وسواس وخطرات والی نماز کی ہے اور اگر خالص ہو جاوے تو کیا کیفیت ہو۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنون کند   صاف گر باشد ندانم چوں کند

(ایک گھونٹ مٹی کا ملا ہوا جب مجنوں کر دیتا ہے اگر صاف ہو تو نہ معلوم کیا اثر کرے گا)

ایک شخص نے شراب پی جس میں مٹی ملی ہوئی تھی اس نے جب یہ حال کر دیا تو صاف اگر پی جاتی تو خدا جانے کیا حال بنا ڈالتی۔ ہماری نماز خاک آمیز ہے جب اس کی یہ کیفیت ہے تو اگر صفائی وخلوص آ جاوے تو کیا کچھ حالت ہو۔ بس وہ شبہ رفع ہو گیا کہ دین تو ساری عمر کا جنجال ہو گیا۔ صاحبو! بس سال بھر ایسا کر لیجئے اور برس روز کر لینا کچھ مشکل بھی نہیں پھر دیکھ لینا

کیا ہوگا اور خواہ اعتقاد سے نہ کرو بلکہ امتحان ہی کے طور پر کر کے دیکھ لو مولانا اسی کو فرماتے ہیں ۔

سالہا تو سنگ بودی دلخراش   آزموں رایک زمانے خاک باش

(برسوں تم دلخراش پتھر کی طرح رہے ہو آزمائش کے طور پر کچھ زمانہ خاک بن جاؤ خاک...... بھی کر کے دیکھ لو)

آگے فرماتے ہیں ۔

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ   خاک شوتا گل بروید رنگ رنگ

(بہار کے موسم میں پتھر سرسبز نہیں ہوتے تم خاک بن جاؤ تا کہ رنگ برنگ کے پھول اُگیں)

مگر کرنا شرط ہے کیونکہ کرنے کا کام کرنے ہی سے ہوتا ہے صرف باتوں ہی سے کام نہیں چلتا اور اگر کوئی کہے کہ ہم نے تو کیا تھا مگر کچھ نفع نہ ہوا بات یہ ہے کہ نرے کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا طریقہ یہ کرو تو سب کچھ ہو لوگ بے طریقہ کام کرتے ہیں اس لئے کچھ نہیں ہوتا۔

حقیقت پستی

اور طریقہ اس کا رائے اور ذہانت سے کام لینا نہیں ہے بلکہ پستی اور شکستگی اختیار کرنا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ   جز شکستہ می نگیر د فضل شاہ

(فہم وخاطر کا تیز کرنا راہ سلوک نہیں ہے فضل الٰہی سوائے شکستہ دل کے اور کسی پر متوجہ نہیں ہوتا)

بس آپ نے پستی اختیار نہیں کی جس کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ کسی کو اپنا مقتدا نہیں بنایا اس کی رائے پر عمل نہیں کیا یاد رکھئے کہ بلا پستی اختیار کیے اور دوسرے کی جوتیاں اٹھائے کچھ نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود   ہر کجا مشکل جوآب آنجا رود

ہر کجا دردے دوا آنجا رود   ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

(جس جگہ نیچان ہوتا ہے پانی اسی طرف رواں ہوتا ہے، جہاں مشکل پیش آتی ہے جواب وہیں دیا جاتا ہے جہاں مرض ہوتا ہے اسی جگہ دوا کی جاتی ہے، جہاں مرض ہوتا ہے وہیں شفا آتی ہے)

اپنے کو پست بناؤ تکبر چھوڑ و نیاز مند ہو جاؤ کسی کے سامنے خاک بن جاؤ سچے طالب ہو جاؤ دیکھئے اگر طالب کیمیا کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کیمیا گر ہے اور وہ اس سے یوں کہے کہ کیمیا اس وقت بتلاؤں گا جبکہ پھٹے کپڑے پہنو تو وہاں کچھ بھی پرواہ نہ کرو گے نہ منصب کی نہ جاہ کی کیمیاء کی امید میں سب کچھ گوارا کرو گے تو دین کے باب میں یہ انقیاد کیوں نہیں گوارا ہوتا طالب کی شان تو یہی ہے کہ جس طرح چلائے چلے۔ طبیب مسہل دیتا ہے تو کہتا ہے سنامت دستوں کے دھیان میں رہنا حکیم صاحب کا کہنا سر اور آنکھوں پر قبول مگر اللہ والے بتلائیں تو یوں کہیں گے کہ یہ تو ترک دنیا بتلاتے ہیں وہ واصل سب جگہ جاری کیوں نہیں کی جاتی یہ کیا معنی کہ کہیں تیتر اور کہیں بٹیر۔ اگر وہاں خیال ہے کہ طبیب کے کہنے پر عمل نہ کرنے سے صحت نہ ہو گی۔ یہاں بھی یہی سمجھ لو کہ اس کہنے پر عمل نہ کرو گے تو صحت نہ ہو گی کیونکہ طبیب ظاہری امراض ظاہری کا معالج ہے اہل اللہ امراض باطنی کے معالج ہیں اسی کو کہتے ہیں۔

چند خوانی حکمتِ یونانیاں ۔۔۔ حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

صحت ایں حسن بجوئید از طبیب ۔۔۔ صحت آں حسن بجوائید از حبیب

صحت ایں حس ز معموری تن ۔۔۔ صحت آں حسن زتخریب بدن

(یونانی حکمت کی کتابیں کب تک پڑھتے رہو گے کچھ حکمت ایمانی یعنی معرفت کی تو پڑھو، اس حس جسمانی کی صحت چاہتے ہو تو طبیب سے رجوع کرو اور اگر حس روحانی کی صحت منظور ہو تو کسی مرشد کامل سے رجوع کرو، حس جسمانی کی صحت بدن کی درستی سے ہوتی ہے اور حس روحانی کی صحت بدن کی تخریب سے ہوتی ہے)

تقلید اہل اللہ

اور یاد رکھو میں بشارت دیتا ہوں کہ اللہ والے جو بتلائیں گے وہ بہت آسان اور تھوڑے دنوں کا کام ہے مگر اس کے نافع ہونے کی یہ ضرور شرط ہے کہ اپنے کو آپ اللہ والوں کے بالکل تابع بنا دیں اپنے نفس کی خواہش اور رعونت کو بالائے طاق رکھ دیں اپنے کو ان کے سامنے فنا کر دیں جیسے وہ کہیں ویسے عمل کریں اگر چاہو کہ یہی تنعم رہے اور اللہ والے ہمارے نوکر بن کر رہیں تو یہ ہونے سے رہا۔ تنعم سے کام نہیں چلتا مگر ترک تنعم کے یہ معنی مت سمجھنا کہ وہ کھانا پینا چھڑائیں گے کھانا پینا ہرگز نہ چھڑائیں گے ہاں نفس کی تھوڑی سی

مخالفت کرائیں گے مثلاً کسی میں کبر ہے جو ایک مرض ہے اور اس مرض کے مریضوں کی حالت مختلف ہوتی ہے بعض کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اچھا کپڑا پہنیں تو کبر ہو اور گھٹیا پہنیں تو کبر نہ ہو اور بعض کی حالت یہ ہوتی ہے کہ گھٹیا کپڑا پہنیں تو کبر ہو اور بڑھیا کپڑا پہنیں تو کبر نہ ہو سو اہل اللہ ہر شخص کا علاج اس کے حسب حال کریں گے پس بعض کو ترک تنعم کرائیں گے اور بعض کو تنعم کا امر فرما دیں گے اور اس میں خود صاحب مرض کی رائے قابل اعتبار نہیں کیونکہ علاج تجویز کرنا طبیب کا کام ہے مریض کا کام نہیں اس لئے ضرور ہے کہ اس کے تابع ہو جاؤ اور کَالقَلَمِ فِي يَدِ الكَاتِبِ بن جاؤ۔ وہ آپ کو طریقہ بتلائیں گے۔ یہ انہیں (اہل اللہ کو) ضرور کرنا پڑے گا اور دنیا داریوں نہ سمجھیں کہ وہ حضرات ان ہی کے افعال پر دارو گیر اور اس میں تبدیل کرتے ہیں وہ تو ظاہری دین داروں کی بھی ایسی ہی گت بناتے ہیں جو جبے قبے ڈانٹے ہوئے صدری پہنے گھڑی لگائے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب صدری پہنے گھڑی لگائے اپنی شان بنائے ہوئے طلب طریق کے لئے آئے ہیں میں نے کہا کہ یہ کیسی شکل طاؤسی بنائی ہے وہ بولے کہ صدری اس لئے پہنی ہے کہ گھڑی رکھی جا سکے میں نے کہا کیا صدری کرتہ کے نیچے نہیں پہن سکتے تھے گھڑی تو وہاں بھی رکھی جا سکتی تھی کیا شان دکھانے ہی کی شکل گھڑی رکھنے کی موقوف علیہ ہے چنانچہ ان کو وہ صدری نیچے پہنائی گئی غرض ان دینداروں کی بھی بے ڈھب گت بنتی ہے اگر اتنا بھی نہیں ہو سکتا (یعنی شیخ کا اتنا اتباع بھی نہیں ہو سکتا کہ جو بات نفس کے خلاف بتلائے اس پر آمادہ ہو جاویں) تو پھر کچھ بھی نہیں۔ مولانا نے ایک قصہ لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی گودانے والے کے پاس اپنی کمر پر شیر کی تصویر بنوانے گیا تا کہ کمر میں قوت رہے۔ چنانچہ وہ بدن ننگا کر کے تصویر بنوانے بیٹھا گودنے والے نے تصویر بنانا شروع کی دم سے ابتداء کی۔ کچ سے سوئی چبھوئی تو آپ کہتے ہیں آہ، پھر پوچھتے ہیں کہ کیا بنا رہے ہو اس نے کہا دم بنا رہا ہوں آپ نے کہا یہ شیر کھیا تھوڑا ہی جھلے گا ضرورت ہی کیا ہے دم کی۔ اس نے دُم چھوڑ کر پیٹ بنانا شروع کیا۔ دوسری جگہ کچ سے سوئی چبھوئی پھر کہا آہ اور پوچھا اب کیا بناتے ہو اس نے کہا پیٹ بناتا ہوں آپ بولے کہ یہ کوئی کھائے گا تھوڑا ہی پیٹ بھی جانے دو اس نے تیسری جگہ سوئی چبھوئی۔ پوچھا اب کیا بناتے ہو اس نے کہا سر بناتا ہوں۔ آپ بولے کہ یہ دیکھے یا

سے گا تھوڑا ہی اس کو بھی رہنے دو اس پر گودنے والے نے جھلا کر سوئی پھینک دی اور کہنے لگا ؎

شیر بے گوش و سر و شکم کہ دید　　　　اینچیں شیرے خدا خود نافرید

(شیر بغیر کان، سر اور پیٹ کا کس نے دیکھا ہے ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا)

کہ ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا کہ جس کے نہ کان ہوں نہ سر نہ پیٹ۔ پھر میں کیا بتاؤں تمہارا سر تو جیسے اس تصویر بنوانے والے نے چاہا تھا کہ تکلیف تو ہو نہیں اور شیر کی تصویر بن جائے ایسے ہی ہم لوگوں کی حالت ہے کہ کچھ تکلیف تو ہو نہیں اور کام ہو جاوے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں نداری طاقت سوزن زدن　　　　پس تو ار شیر ژیاں ہاں دم مزن

(جب تم کو سوئی چبھنے کی برداشت نہیں ہے تو پھر ایسے شیر کا نام مت لینا یعنی اگر مشقت و ریاضت کا تحمل نہیں ہے تو طلب حق کا دعویٰ مت کرنا)

ہماری تو یہ حالت ہے کہ ذرا شیخ نے تنبیہ کی اور شکایتیں پیدا ہونے لگیں۔ لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ یہ کیا لغو بات ہے کیا اتنا بھی تحمل نہیں اس کو فرماتے ہیں ؎

تو بیک زخمے گریزانی زعشق　　　　تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

(جب تم عشق کے ایک ہی زخم سے بھاگتے ہو تو تم بجز عشق کے نام کے کچھ نہیں جانتا)

تربیت مشائخ

اے صاحبو! ہر طالب کو مشائخ کی طرف سے تنبیہات ہوتی ہیں اور نفس کی مخالفت کرائی جاتی ہے۔ مشائخ کی تربیت اور اصلاح بالکل ایسی ہی ہے جیسے اپریشن میں پہلے چیرتے پھاڑتے ہیں پھر اس کی درستی کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی پہلے نفس کی تھوڑی سی مخالفت کراتے ہیں پھر نرمی اور توسع کرتے ہیں تعجب ہے کہ اپریشن سے کوئی برا نہیں مانتا اور یہاں لوگ ذرا ذرا سی بات پر بگڑتے ہیں اپریشن کرنیوالے کو تو فیس بھی دیتے ہیں اور اس کی شکر گزاری بھی کرتے ہیں یہاں شکر گزاری نہ کرو تو برا بھی مت کہو بس تھوڑے دنوں نفس کی مخالفت ضرور کرنا پڑے گی۔ بعضوں کو تنبیہ سے عزت کم ہو جانے کا خیال ہوتا ہے۔ سو صاحبو! ہماری عزت ہی کیا ہے جس کے جانے کا خیال ہو۔ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا۔

عزت تو صفت حقیقیہ اللہ ہی کی ہے اور یہ مشقت چند روزہ ہے پھر اس کے بعد وہ راحت ہوگی کہ دنیا کے اسباب میں کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے آرام میں ہیں مگر واقعی یہ ہے کہ یہ حب مال اور حب جاہ والے بڑی بلاؤں میں مبتلا ہیں اگر اہل اللہ کی صحبت میں رہ گئے اور ان کے کہنے پر عمل کر لیا اس وقت محبوب حقیقی کے ساتھ وہ تعلق ہو جاوے گا کہ دوسرے پر نظر ہی نہ رہے گی اور یہ حال ہو جاوے گا ۔

یکے خوان و یکے دان و یکے گو

(ایک ہی کو پڑھ ایک ہی کو جان اور ایک ہی کہہ)

یعنی اسی کا خیال رہ جائے گا پھر ایسے شخص کو کسی چیز سے بھی پریشانی نہیں ہوگی اور حقیقی راحت اس وقت دیکھو گے بس یہ ثمرہ ہوگا جو طریقہ سے کام کرو گے خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کا اتباع کرنے سے یہ دولت حاصل ہوگی او پر ذکر اس پر تھا کہ کتابیں دیکھئے اور اسی کے ضمن میں یہ مضمون مربی کے اتباع کا آ گیا تھا کہ کتابیں بھی اسی سے منتخب کرائے۔ اب میں اسی کی طرف عود کرتا ہوں کہ وہی کتابیں عورتوں کو بھی سنایا کیجئے اور خود بھی پڑھئے تعلیم عام ہو جاوے گی۔ یہاں تک قوت علمیہ کی تکمیل کا بیان تھا۔ اب ایک دوسری چیز بھی ہے کہ قوت عملیہ درست ہو۔

حقیقت قوتِ عملیہ

قوت عملیہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ احکام معلوم ہوں ان پر عمل کیا جائے اور اس قوت عملیہ کے واسطے ایک چیز کی اور ضرورت ہوگی جس کا نام ہے ہمت اور میں ہمت بڑا سا بوجھ اٹھانے کو نہیں کہتا ہوں جس کا اٹھانا بھی مشکل ہو بلکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ قصد مصمم کر لیجئے اس امر کا جس وقت جس چیز کا ضروری ہونا آپ کو معلوم ہوا اسی کو کرنا شروع کر دیا دل میں وسوسہ بھی نہ لائے کہ معلوم نہیں یہ کام ہم سے ہوگا بھی یا نہیں بس شروع کر دیجئے مثلاً نماز ہے اس کو شروع کر دیجئے روزہ ہے پس شروع کر دیجئے۔ سوچئے ہی نہیں کہ معلوم ہی نہیں ہم سے رکھا بھی جائے گا یا نہیں۔ کانپور میں ایک صاحب تھے جنہوں نے رمضان شریف کے روزے کبھی رکھے ہی نہ تھے میں نے کہا کہ آج کا روزہ رکھ لو گناہ ہوگا خواہ رکھ کر اگر پورا نہ ہو سکے تو توڑ ہی دینا مگر شرارت نہ کرنا۔ چنانچہ وہ روزہ پورا ہو گیا کہنے لگے کہ آج کا تو روزہ ہو گیا۔ میں نے کہا کہ ایک اور رکھ لو دوسرے روز بھی ہو گیا پھر کہنے لگے کہ یہ تو بہت ہی آسان ہیں اب تو سارے مہینہ

رکھیں گے چنانچہ سب رکھ لئے تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب عزم مصمم ہوتا ہے، تو حق تعالیٰ تائید فرماتے ہیں اگر پہلے سے وسوسہ شروع کر دیئے کہ معلوم نہیں یہ کام ہوگا یا نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں ہوتا اور اگر ایسے ہی وسوسہ لانا ہے تو کھانے میں کیوں نہیں کہتے کہ میں کھانا کھاؤں یا نہیں ممکن ہے کہ کھانا کھا کر ہیضہ ہو جاوے ممکن ہے کہ میں مر جاؤں، دونوں وقت یوں ہی کیا کیجئے بس خاتمہ ہو جاوے گا وہاں تو شبہ بھی نہیں ہوتا اور یہاں یہ خیالات ہوتے ہیں کہ شاید یہ نہ ہو شاید ہو نہ ہو میں کہتا ہوں کہ اگر نہ ہوگا تو پورا مت کیجئو شروع تو کر دو۔ لوگ کہتے ہیں کہ رشوت سے توبہ نہیں ہوتی توبہ کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں نبھنے کی تو ہے نہیں۔ میں کہتا ہوں ایک دفعہ توبہ تو کرلو۔ اگر ٹوٹ جائے پھر کر لیجئو خدا تعالیٰ آپ کے قصد مصمم کر لینے پر آپ کو نہیں چھوڑیں گے غیب سے ایسے اسباب پیدا ہو جاویں گے کہ سب سامان ہو جاوے گا اگر کوئی کہے کہ یہ تو دل لگی ہوئی کہ توبہ کی اور توڑ دی میں کہتا ہوں کیا آپ صاحب قانون ہیں جن کا قانون ہے وہ تو یوں کہتے ہیں کہ اگر کوئی دن میں ستر مرتبہ خطا کرے اور پھر توبہ کرے تو قبول ہے جن کا قانون ہے وہ یوں کہتے ہیں اور آپ یوں کہتے ہیں مدعی سست گواہ چست، آپ کا مذہب تو یہ ہونا چاہئے ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں　　　خاک برفرق قناعت بعد ازیں

(جب دین کا بادشاہ مجھ سے طمع کا اظہار کرے تو پھر ایسی قناعت پر خاک)

جب وہ لنگڑی لنجی توبہ کو قبول کرتے ہیں تو آپ کون ہیں قانون چھانٹنے والے وہ یوں کہتے ہیں کہ اگر نہ نبھے تو بھی قبول کرلوں گا تو اس میں آپ کا کیا بگڑتا ہے کیا اس کا جواب ہے کسی کے پاس اصل یہ ہے کہ یہ شریر نفس کچھ نہیں کرنے دیتا۔

خوئے　　بدرا　　بہانہ　　بسیار

(بری عادت والے کو بہانے بہت)

اس طریقہ سے کر کے تو دیکھو اول تو گناہ چھوٹ ہی جائیگا۔

دلائل اور حکم قرآن

اور میں اخیر درجہ میں کہتا ہوں کہ اگر گناہ کسی طرح نہیں چھوٹتا تو خیر دو باتیں تو کرلو۔ دیکھو گناہ کو گناہ سمجھو۔ اب تو یہ حالت ہے کہ گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھتے۔ یہ زیادتی ہے۔ لوگ داڑھی منڈاتے ہیں اور اس کو گناہ نہیں سمجھتے اور اس کو گناہ بتلانے والے سے مہمل مہمل سوال

کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کہنے لگے کہ ڈاڑھی رکھنے کا وجوب قرآن میں کہاں ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی تو ایسی مثال ہے کوئی شخص آپ پر دعویٰ کرے اور ثبوت میں پورے گواہ پیش کر دے کوئی کسر باقی نہ رہے اور حاکم آپ پر ڈگری کر دے۔ اس پر آپ حاکم سے کہیں کہ ثبوت سب پورا ہے گواہ سب ٹھیک ہیں مگر میں تو جب مانوں گا کہ صاحب کلکٹر گواہی دیں۔ تو حاکم یوں کہے گا کہ ثبوت خاص مدعی کے ذمہ نہیں مطلق ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ اسی طرح یہ ضرور نہیں کہ معاملہ میں قرآن ہی کی شہادت ہو ہمارے لئے احکام کے ثابت کرنے کو چار دلائل ہیں۔ ہمیں اختیار ہے کہ ہم جس ایک سے بھی چاہیں ثابت کر دیں۔ صحیح جواب تو یہ ہے مگر آج کل لوگوں کا عجیب مزاق بگڑا ہے۔ اگر کوئی قرآن شریف سے ثابت کرنے کا دعویٰ کرے گا ثابت نہ کر سکے تو بڑے خوش ہوتے ہیں۔ ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ میں نے ایک شخص کے مقابلے میں داڑھی کو قرآن شریف سے ثابت کر دیا اس طرح سے کہ دیکھو قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑ لی تھی معلوم ہوا کہ ہارون علیہ السلام کے ڈاڑھی تھی۔ تو دیکھو قرآن سے ڈاڑھی کا ہونا ثابت ہو گیا۔ میں نے مستدل صاحب سے کہا کہ اگر وہ معترض یوں کہتا کہ اس سے تو ڈاڑھی کا وجود ثابت ہوا وجوب ثابت کرو تو آپ کیا کہتے۔ کہنے لگے کہ اتنی عقل معترض کو تھوڑا ہی تھی اس وقت جتنے لکچرار ہیں ان کے دلائل کی یہی کیفیت ہے کہ ادنیٰ طالب علم ان میں شبہ کر سکتا ہے مگر وہ خوش ہیں غرض قرآن سے ثبوت چاہتے ہیں اصل مقصود یہ ہے کہ حرام ہونا ثابت نہ ہو۔ اس زمانہ میں یہ مزاق بہت ہی غالب ہو گیا ہے کہ حرام کو حرام نہیں سمجھتے۔ لاہور میں بعض لوگوں کا خیال معلوم ہوا کہ سود کو حلال کرنے کی فکر میں ہیں تا کہ مسلمانوں کو ترقی ہو۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ آپ کے زعم کو اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ سود ترقی کا ذریعہ ہے تو یہ سوچئے کہ ترقی کا مدار سود لینے پر ہے یا اس کو حلال سمجھنے پر۔ کیا آپ کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے کہ ترقی حلال سمجھنے پر موقوف ہے تو اس کے ذریعہ ترقی بنانی اس کی اعتقاد حلت میں کیوں کوشش کی جاتی ہے اگر سود لیتے ہو تو گناہ تو سمجھو یوں سمجھو کہ گوہ کھا رہے ہیں۔ بُرا کر رہے ہیں ایک بات تو یہ تھی کہ گناہ کو گناہ سمجھیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک پندرہ منٹ کیلئے روزمرہ خدائے تعالیٰ سے اس طرح عرض کر لیا کریں کہ اللہ میں نہایت خبیث ہوں۔ بڑا گنہگار ہوں، سرتاپا معاصی میں بھرا

ہوا ہوں میری قوت نہیں کہ معاصی کو چھوڑ سکوں۔ آپ میری مدد فرمائیں، میں شرمندہ ہوں۔ آپ کے سامنے بس اس طرح روزمرہ خدا سے عرض کرلیا کرو۔

اعمال نسواں

خلاصہ یہ ہے کہ کرنیوالے کے لئے سو راستے ہیں اور نہ کرنیوالے کے لئے ایک بھی نہیں۔ آپ نے کسی سے یہ سنا ہوگا جو میں نے کہا کہ سب کچھ کرتے رہو مگر یہ بھی کرلیا کرو۔ سو یہ تو مشکل بات نہیں۔ اب آپ کو کونسا عذر ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے راستہ پر نہیں چل سکتے یہ طریقہ ہے قوت عملیہ سے کام لینے کا۔ اب بعض اعمال خاص عورتوں کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ ایک تو عورتوں میں نماز کی پابندی نہیں اور اگر یہی ترک ہے تو کھانا بھی ترک کردو۔ مگر حالت یہ کہ نماز تو پانچ وقت کی قضا ہو جاوے اسکی ذرا پرواہ نہیں مگر کھانا ایک وقت کا بھی ناغہ نہ ہو ایک یہ کہ زکوٰۃ کی عادت نہیں زیور کی عورتیں یوں سمجھتی ہیں کہ یہ تو برتنے کی چیز ہے اس میں زکوٰۃ کیا ہوتی خوب سمجھ لو کہ ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک زیور میں زکوٰۃ واجب ہے۔ ایک یہ کہ عورتیں حج بھی کیا کرتی ہیں ان کو حج کا اہتمام کرنا چاہئے اور اب تو حج کے ذرائع بھی بہت آسان ہو گئے ہیں حج نہ کرنے پر سخت وعید آئی ہے۔ ایک خاص مرض عورتوں میں یہ ہے کہ خاوند کی نافرمانی کرتی ہیں۔ گو بعض مرد بھی ظلم کرتے ہیں۔ مگر بعض عورتیں ایسی ہیں کہ باوجود مدارات کے پھر خاوندوں کو تنگ کرتی ہیں اور ہندوستان کی عورتوں کی خدمت کا انکار نہیں مگر اس کا حاصل یہ ہے کہ جسم کو راحت پہنچاتی ہیں اور روح کو تکلیف دیتی ہیں۔ صرف جسمانی خدمت بہت کم کرتی ہیں اس میں بے نظیر ہیں۔ اسی طرح عفیفہ بھی بہت ہیں عفت کے خلاف تو شاید ان کو کبھی وسوسہ بھی نہ آتا ہوگا۔ مگر زبان انکی ایسی ہے کہ جو جی میں آیا کہہ دیا کچھ روک ہی نہیں اس سے خاوند کی روح کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اس کی اصلاح کا آسان طریقہ یہ ہے کہ زبان کو بند رکھیں اس میں پہلے پہلے بیشک دشواری ہوگی مگر پھر عادت ہو کر اس مرض سے نجات ہو جاوے گی۔ اصل علاج یہ ہے نہ وہ جو بعض عورتیں نمک پڑھواتی ہیں خاوند کے تابع بنانے کو آپ تو جو چاہیں کھالیں مگر وہ چپکا سنا کرے۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ کسی بزرگ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ ایسا تعویذ کر دیجئے کہ میرا خاوند مجھے کچھ کہا نہ کرے انہوں نے پانی پر

جھوٹ موٹ چھو کر کے دے دیا اور کہا کہ یہ پانی بوتل میں رکھ لینا جس وقت خاوند آیا کرے اس میں سے تھوڑا پانی اپنے منہ میں لے کر بیٹھ جایا کرو اور وہ جب تک چلا نہ جائے منہ میں لئے رہا کرو۔ بس وہ پانی پانی ہو جاوے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا کہ جہاں خاوند آیا ڈاٹ کھولی پانی منہ میں لے بیٹھ گئی کچھ عرصہ کے بعد شوہر مہربان ہو گیا وہ عورت ان بزرگ کے پاس نذرانہ لائی اور کہا کہ حضرت اب تو وہ مجھے کچھ نہیں کہتا ان بزرگ نے مسکرا کر فرمایا وہ تو ایک ترکیب تھی کوئی جھاڑ پھونک نہ تھی مجھ کو قرائن سے معلوم ہو گیا تھا کہ تو زبان دراز ہے اس وجہ سے خاوند سختی کرتا ہے میں نے زبان روکنے کے لئے یہ ترکیب کی تھی بس اب زبان درازی مت کرنا باقی یہ روپیہ اور مٹھائی میں نہیں لیتا۔ واقعی زبان بڑی آفت کی چیز ہے ایک یہ کہ عورتوں کو پردہ کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اکثر گھروں میں دور دور کے رشتہ داروں کے سامنے آئیں گی اور پھر تعریف یہ ہے کہ یہی عورتیں اپنے کو پردہ دار اور باہر پھرنے والی عورتوں کو بے پردہ کہتی ہیں حالانکہ پردہ دار وہ ہے کہ جس جس سے شرع میں پردہ ہے ان سے پردہ کرے پردہ کے ساتھ قرآن کی تعلیم ہے عورتوں کو کہ مرد کے ساتھ نرم لہجہ سے گفتگو بھی مت کرو۔ واقعی قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جذبات کی پوری رعایت ہے نرم لہجہ سے اجنبی شخص کو ضرور میلان ہوتا ہے کیسی عجیب سچی بات ہے اور سخت لہجہ سے اجنبی مرد کو نفرت ہوتی ہے اس طرح سے آواز کا بھی پردہ ہے عورتوں کو ایک اس امر کا بھی لحاظ چاہئے کہ کپڑا شریعت کے موافق ہو بڑا چھوٹا نہ ہو اس میں بدن نہ جھلکتا ہو یہ ضروری اعمال تھے جو میں نے بیان کئے یہ تعلیمات تو سب کے لئے ہیں اور بعض خاص عورتوں کے لئے کہ وہ گھر کا کام نہیں کرتیں، گھر کی نگرانی نہیں کرتیں۔ حدیث میں ہے کہ عورتیں حاکم ہیں گھر میں۔ گھر کے انتظام کے متعلق ان سے پوچھا جاوے گا۔ نگرانی نہ کرنے سے گھر میں چوری ہوتی ہے اس کا بہت خیال چاہئے گھر کا کام کرنا چاہئے۔ دوسروں پر نہ چھوڑنا چاہئے۔ ایک امر اعمال میں سے اور یاد آ گیا وہ یہ کہ عورتیں غیبت بہت کرتی ہیں خود بھی حکایت شکایت کرتی ہیں اور اوروں سے بھی سنتی ہیں اور اس کی جستجو میں رہتی ہیں۔ کوئی باہر سے آئی اور پوچھنا شروع کیا کہ فلانی مجھ کو کیا کہتی تھی گویا منتظر ہی تھیں آنیوالی نے کچھ کہہ دیا کہ یوں یوں کہتی تھی بس پھر تو پل باندھ لیا۔ خوب سمجھ لو کہ اس غیبت سے نا اتفاقی ہو جاتی ہے آپس

میں عداوت قائم ہو جاتی ہے علاوہ اس کے غیبت کرنا اور اس کا سننا خود بڑا گناہ بھی ہے کلام اللہ میں اس کی بڑی مذمت آئی ہے عورتوں میں ایک اور بھی مرض ہے مجھ کو یہاں کی خبر نہیں مگر اپنے قصبہ کی حالت عرض کرتا ہوں بعضی عورتیں کھڑے جوتے پہنتی ہیں۔ حدیث میں اس امر پر لعنت آئی ہے کہ عورتیں مردوں کی وضع اختیار کریں۔

فیشن پرستی

آج کل بہت جگہ عورتوں کو فیشن کا بہت اہتمام ہو گیا ہے۔ دوسری قوموں کی وضع بناتی ہیں۔ سایا پہننے لگی ہیں کانپور میں دیکھا بعض عورتیں اچکن پہنتی ہیں یہ آفت اب نازل ہوئی ہے اور بعض جگہ عورتیں خود ایسا نہیں کرتیں۔ مگر بعض مردان عورتوں کو اس پر مجبور کرتے ہیں۔ مگر یہ سمجھ لیجئے کہ لَا طَاعَةَ لِمَخلُوقٍ فِي مَعصِيَةِ الخَالِقِ[1] کہ اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔ پس عورتوں کو چاہئے کہ مردوں کے کہنے سے ایسا لباس ہرگز نہ پہنیں کہ اس میں تشبہ ہے مردوں کے ساتھ۔

آج کل لوگوں کو اس مسئلہ میں بھی شبہ ہے .... غیر قوم کی وضع اختیار کرنے کے متعلق کہتے ہیں کیا اس سے ایمان جاتا رہتا ہے اس باب میں دو مثالیں عرض کرتا ہوں اس وقت سلاطین میں جنگ ہو رہی ہے اگر کوئی شخص جو برطانیہ کی فوج میں ہو وہ جرمنی سپاہی کی وردی پہن لے اور منصبی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کرے تو کیا اس کا یہ فعل موجب ناخوشی افسران نہ ہوگا۔

دوسری مثال لیجئے کیا کوئی مرد زنانہ کپڑے پہننا اپنے لئے تجویز کر سکتا ہے ذرا زنانہ کپڑے اور پازیب و جوشن وغیرہ پہن کر جلسہ عام میں بیٹھ تو جاویں۔ زنانی وضع میں سوائے تشبہ کے اور کیا عیب ہے افسوس ایک مسلمان تو دوسرے مسلمان کی وضع اختیار نہ کرے۔ کیونکہ اس مثال میں فرق اگر ہے تو صرف مرد اور عورت کا ہے۔ اسلام تو مشترک ہے اور مسلمان ہو کر غیر مسلمان کی وضع اختیار کرے بعضے لوگ کہتے ہیں کہ بضرورت پہنتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ اگر اس کی ضرورت تسلیم بھی کر لی جاوے تو کیا ہر وقت ہی ضرورت رہتی ہے یہ سب حیلے ہیں۔ میں اس کا اصلی گر بتلا دوں صرف بات یہ ہے یہ ایسی قوم کی وضع ہے جو رعب و ادب والی قوم ہے

---

[1] المصنف لابن أبی شیبة ۱۲: ۵۴۶، الدر المنثور ۲: ۱۷۷

اس کو محض اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ ہمارا بھی رعب پڑے اہل ہیبت کی وضع بناتے ہیں میں کہتا ہوں کہ کونسا کام اٹکا ہوا ہے اس ہیبت پر اس کا منشاء محض کبر ہے بس اپنے بڑے بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ بڑا بننا قانون الٰہی میں بڑا جرم ہے گو تعزیرات ہند میں نہ ملے گا مگر تعزیرات شرع میں ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کے قلب میں رائی کے دانہ برابر بھی کبر ہوگا۔ جنت میں نہیں جا سکتا جو جنت کو نہ مانے وہ تو مخاطب ہی نہیں مگر جو جنت کو مانتا ہے وہ سمجھ لے کہ اس پر کیسی وعید ہے۔ جنت جیسی چیز کا ہاتھ سے جاتا رہنا کیا چھوٹی بات ہے حدیث کے علاوہ قرآن شریف میں لیجئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ. (بلاشبہ وہ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتے)

اور لیجئے شیطان محض سجدہ نہ کرنے سے اس درجہ کا راندۂ درگاہ نہیں ہوا بلکہ سبب اس کا یہی کبر تھا چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔ وَاستکبَرَ غرض اپنے کو بڑا سمجھنا یہ جرم ہے۔ اور یہ جو غلو پیدا ہو گیا ہے۔ فیشن وغیرہ میں منشاء اس کا یہی کبر ہے۔ یہ عورتوں کے اعمال کی ضروری فہرست تھی۔

فضول رُسوم

ایک مرض ان میں اور بھی ہے جو مفسدہ میں سب سے بڑھ کر وہ یہ کہ عورتیں رسوم کی سخت پابند ہیں اور تعجب یہ ہے کہ اکثر مرد بھی ان کے تابع ہو جاتے ہیں اور بعض مرد جو اس میں مخالفت کرتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک تو اہل دین۔ جو دین کی حیثیت سے انکا خلاف کرتے ہیں۔ دوسرے انگریزی تعلیم یافتہ جو کہ دینی حیثیت سے ان کی مخالفت نہیں کرتے ہاں عقل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ سو پہلے لوگ قابل قدر ہیں باقی دوسروں کی مخالفت ایسے ہیں کہ **فرمن المطر و وقف تحت المیزاب** یعنی بارش سے بھاگ کر پرنالہ کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ وجہ یہ کہ عورتیں تو رسوم میں دو تین ہی بار عمر بھر میں صرف کرتی ہوں گی اس پر ان کو ملامت کی جاتی ہے کہ ہائیں فضول خرچی کرتی ہو اور خود رات دن اس سے بڑھ کر فضول میں مبتلا ہوں۔ کہیں فوٹو گراف آ رہا ہے۔ کہیں ہارمونیم ہے کہیں ولایتی فضول چیزوں سے کمرہ سجایا جا رہا ہے۔ چھ چھ جوڑے جوتے رکھے ہیں۔ فیشن کے کپڑے قیمتی قیمتی سلوائے جا رہے ہیں۔ آٹھ روپیہ کا کپڑا اور سولہ روپیہ سلائی، بعض کے کپڑے لندن دھلنے اور سلنے جاتے ہیں۔ یہ لوگ رات دن اسی قصہ میں مشغول ہیں۔ خود کی تو یہ حالت، اور عورتوں کو فضول خرچ بتاتے ہیں پس یہ حضرات جو عورتوں

رسوم سے روکتے ہیں تو صرف اس لئے کہ دو طرفہ خرچ نہ ہو۔ یہ روکنا قابل قدر نہیں ہاں دین کے سبب سے ہو وہ البتہ مطلوب ہے۔ جس میں روکنے والا اپنے نفس کو بھی شریک رکھتا ہے یعنی وہ بھی اس اصل کا عامل ہے بعضے طعن و تشنیع کے خوف سے رسوم پر عمل کر لیتے ہیں مگر جس میں احکام کی تعمیل کا مادہ ہوگا وہ رسوم کے ترک کرنے میں کسی کے طعن و تشنیع کا خیال کبھی نہ کریگا اور گو یہ باہمت مسلمان سے کچھ بعید نہیں لیکن آج کل بوجہ مخالفت عامہ کے قابل تعریف ہے ایسا شخص آج کل ولی اور خدا کا مقبول ہے ایک زندہ نظیر اسکی آپ کے پیش نظر ہے میرے دوست تحصیلدار میاں عبدالحمید صاحب ہیں ان کو اپنی دختر کی تقریب کرنا تھی ماشاء اللہ انہوں نے نہایت دین و خلوص سے کام لیا کیونکہ بعض رسوم تو شرک و بدعت ہیں سو یہ تو اکثر لوگوں میں سے جاتی رہی ہیں انگریزی تعلیم بھی ان کی مانع ہے اور دینی تعلیم بھی مگر ایک دوسرے قسم کی رسوم ہیں جو تفاخر کے لئے جاتی ہیں یہ متروک نہیں ہوئیں ان کے کرنیوالے بعضے کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے ٹونے ٹوٹکے کچھ نہیں کئے پھر ہم نے تقریب میں کون سی رسم کی سو سمجھ لیجئے کہ جو رسوم تفاخر کے لئے کی جاتی ہیں وہ بھی گناہ ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے کھانے سے منع فرماتے ہیں جو تفاخر کے لئے کھلائے بس جو رسم تفاخر کے لئے کی جائے گی وہ منع کیوں نہ ہوگی۔ تو تحصیلدار صاحب نے یہ ہمت کی کہ ان رسموں کو بھی چھوڑا اور سب کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور کمال یہ کیا کہ اتفاق سے میرے پاس تشریف لائے اور مجھ کو نکاح پڑھنے کے لئے وطن لے جانا چاہا میں نے کچھ عذر کیا تو انہوں نے سفر ہی میں اس کام کو تجویز کر دیا اور یہ تجویز ہوگئی کہ اسی جلسہ میں عقد کر دیا جاوے۔ اس میں دو مصلحتیں ہوگئیں ایک تو اس سنت سے اس گھر میں بھی برکت ہو گی۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہو جاوے گا کہ نکاح یوں بھی ہو جاتا ہے اور احادیث سے تو یہی ثابت ہوتی ہے کہ نکاح نہایت سادی چیز ہے بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت فاطمہؓ کا نکاح ہوا تھا تو حضرت علیؓ مجلس میں موجود بھی نہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھ کر یوں فرمایا تھا ان رضی علی بذلک۔ یعنی اگر علی رضی اللہ عنہ اس نکاح کو منظور کریں۔ جب علیؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے قبول کیا۔ کیسا سادہ نکاح کہ جہاں دولہا بھی موجود نہ تھے بعضے اس سادگی کی وجہ میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ کے پاس تھا ہی کیا، فقر و فاقہ کی حالت تھی تو خوب سمجھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کمی کس بات کی تھی جہاں جبرئیلؑ دربانی کریں۔ اگر آپ چاہتے تو ملائکہ آتے جوڑے جنت سے جہیز میں لاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کیا پوچھتے ہو اولیاء

اللہ عجیب عجیب شان کے ہوئے ہیں کہ ان کی مرادیں مسترد نہیں ہوتیں۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواہش کرتے اور وہ مسترد ہوتی۔ حاشا وکلاء پھر رشتہ ہوا تو کس طرح کہ نہ نائی نہ ڈوم نہ رسم نہ نشانی صرف زبانی درخواست زبانی منظوری پہلے شیخینؓ نے اپنے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فاطمہؓ کے نکاح کی بابت عرض کیا تھا یہ شرف ہم کو حاصل ہو آپ نے فرمایا کہ فاطمہؓ کی عمر کم ہے تم سے مناسب نہیں ہے پھر شیخینؓ نے حضرت علیؓ کو رائے دی کہ تم اپنے لئے عرض کرو۔ حضرت علیؓ شرماتے تھے ہمت دلا کر بھیجا کہ جاؤ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت شیخین اور حضرت علیؓ میں کیا اتحاد تھا۔ حضور میں حاضر ہو کر شرم غالب آئی چپکے بیٹھ گئے۔ اسی وقت وحی آئی آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدا تعالیٰ نے حکم کیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح تم سے کردوں یہ تو رشتہ تھا پھر نکاح ہوا تو کس طرح کہ نکاح کے وقت آپ نے ایک صحابی سے فرما دیا کہ جو کوئی مل جاوے اسے بلا لو پہلے سے کوئی اہتمام نہ کیا۔ نکاح کے بعد ام ایمنؓ سے فرما دیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پہنچا دو۔ وہ برقعہ چادر پہنا کر ہاتھ پکڑ کر جا کر پہنچا آئیں اگلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے فاطمہ دلہن تھیں ان ہی سے کہا کہ برتن میں پانی لاؤ۔ یہ دلہن ہے کہ شوہر کے سامنے پھر رہی ہیں۔ آپ نے ان کے منہ اور ہاتھ پر اور پشت پر چھڑکا۔ پھر اسی طرح حضرت علیؓ کے ساتھ کیا۔ غرض آپ نے دکھا دیا نمونہ امت کو کہ کیا کیا کرو۔ اسی طرح غمی میں بھی کچھ نہیں کیا صرف ایصال ثواب کر دیتے تھے۔ سعدؓ کی ماں مر گئیں تھیں انہوں نے کنواں بنوا کر کہہ دیا ھٰذا لِاُمّ سَعد۔ کہ اس کا ثواب سعد کی ماں کے لئے ہے نہ فاتحہ دلائی نہ کچھ کیا۔ اب تو مٹھائی کے دونے لئے نیاز دلوانے کو پھرتے ہیں جب تک خاص سورتیں پڑھ کر فاتحہ نہ دی جاوے ثواب ہی نہیں ہوتا اور مصلح کو کہتے ہیں کہ منکر ہے ثواب کا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ایک شخص بے وضو اور قبلہ کو چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑا ہو اور کوئی اس کو منع کرے تو کیا وہ نماز کا منکر سمجھا جاوے گا اسی طرح اس شخص کو جو قیود مروجہ کے ساتھ فاتحہ مروجہ یا میلاد مروجہ کو روکے تو کہتے ہیں کہ یہ ذکر رسول کا منکر ہے ہم کہیں گے کہ جس طرح وہ نماز کا انکار نہیں یہ ذکر کا انکار نہیں ہاں تمہارے اس بے ڈھنگے پن سے دونوں جگہ رد کرتے ہیں لوگوں نے اپنی طرف سے اختراعات کر لئے ہیں ان لوگوں کی بالکل ایک نئی شریعت ہو گئی ہے ایک نیا مذہب ہو گیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر تعلیم کے مقابلہ میں لوگوں نے ایک ایک رائے تجویز کر رکھی ہے ہر امر میں مقابلہ کیا گیا ہے۔ شادی میں، غمی میں، بیع میں، شراء میں ہمارا یہ اسلام و ایمان داری شادی غمی

میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اتباع کرنا چاہئے اور عورتوں کو زیادہ خصوصیت کے ساتھ خطاب کرتا ہوں مقصود بیان تو سب ہو گیا اب یہاں دو باتیں بطور نکتہ کی بیان کرنا باقی رہ گئیں۔

صفات نسواں

ایک تو یہ کہ یہاں تین صفتیں بیان ہوئیں۔ المُحصَنٰت (پاک دامن)، الغٰفِلٰتِ (ایسی باتوں سے بے خبر)، المُؤمِنات (ایمان والیاں)۔ دوصفت میں تو صیغہ اسم فاعل کا لائے یعنی الغافلات المومنات مگر المحصنات صیغہ اسم مفعول کا لایا گیا محصنات صیغہ اسم فاعل کا ارشاد فرمایا گیا۔ بات یہ ہے کہ اس طرح لانے سے ہمیں ایک سبق بھی دیا گیا جسکی ضرورت چودھویں صدی میں آ کر واقع ہوئی وہ یہ کہ اس میں مردوں کو پردہ کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ المحصنات کے معنی ہیں پارسا رکھی ہوئی عورتیں مردان کو پارسا رکھیں ان کے ذمہ ہے پارسا رکھنا۔ معلوم ہوا کہ عورت اکیلی کافی نہیں جب تک مرد اس کو محفوظ نہ رکھے اسم فاعل کے صیغے سے یہ بات حاصل نہ ہوتی۔

اس لئے مفعول کا صیغہ لائے دوسری یہ بات کہ بیچ میں غافلات کا لفظ کیوں اس کی کیا ضرورت تھی؟ بات یہ ہے کہ اس کے بیچ میں ہونے سے دونوں صفتوں میں اتصال ہو گیا اشارہ اس طرف ہے کہ قوت علمیہ اور عملیہ کا کمال اس پر موقوف ہے کہ وہ غافلات بھی ہوں یعنی ان کے خیالات محدود ہوں عرفی تبادلہ خیالات نہ ہوں تب ان کا علم وعمل مقصود باقی رہ سکتا ہے۔ مردوں کے لئے تو وسیع خیالات کا ہونا کمال ہے اور عورتوں کے لئے یہ کمال ہے کہ غیر وسیع الخیال ہوں ان کا مکان بھی محدود آنا جانا بھی ہو علم بھی محدود یعنی صرف دین ہی کا علم ہو اس زمانہ دونوں نکتوں کے مقتضائے کے خلاف کیا جارہا ہے۔

ضرورت پردہ نسواں

چنانچہ بعض لوگ گھروں میں رکھنے کو قید کہتے ہیں یہ لوگ ان کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قید نہیں ہے بلکہ باہر نکلنا حقیقت میں قید ہے کیونکہ قید کی حقیقت ہے خلاف مرضی محبوس کرنا پس قید تو جب ہو کہ وہ باہر نکلنا چاہیں اور تم ہاتھ پکڑ کر اندر لیجاؤ۔ یہی قید ان کے لئے تو اگر طبع سلیم ہو بے پردہ ہو کر باہر نکلنا یہ موت ہے پس بے پردگی قید ہوئی۔ پردہ میں رہنا قید نہ ہوا بعضی عورتوں نے جانیں دیدی ہیں اور باہر نہیں نکلیں۔ ضلع اعظم گڑھ میں ایک

شخص کا زمانہ طاعون میں عارضی مکان چھپر کا تھا اس میں اتفاقاً آگ لگی اس کی بی بی جل کر مرگئی۔ باہر نکل کر دوسروں کو صورت نہیں دکھائی۔ میں یہ فتویٰ بیان نہیں کرتا کہ یہ اچھا کیا، مطلب ان کے جذبات فطریہ کا بیان کرنا ہے پھر لغت سے تائید لیجئے خود عورت کے معنی ہیں چھپانے کی چیز۔ پھر واقعات دیکھ لیجئے جہاں پردہ نہیں ہے ان کے واقعات دیکھ لیجئے اور ان واقعات کا اب انتظام آسان ہے کیونکہ پردہ عادت عامہ ہے اگر یہ اٹھ گیا پھر انتظام نہ ہوسکے گا پھر وہ واقعات دیکھ کر آپ خود کہیں گے کہ پردہ ہونا چاہئے مگر نہ ہوسکے گا۔ اس وقت علماء کو آپ وحشیانہ خیال والے کہتے ہیں مگر آئندہ چل کر معلوم ہوجاوے گا۔ ایک صاحب نے پردہ کی مذمت میں لکھ مارا تھا کہ دو شخصوں کی شادی ہوئی تھی دلہنیں رخصت ہوکر جارہی تھیں ایک جگہ ریل بدل گئی ڈولی میں دونوں اتاری گئیں اتفاق سے دونوں شخصوں کی بیبیاں بدل گئیں اسکی تو اس کے یہاں پہنچ گئی اور اسکی اُس کے یہاں آ کے کہا تھا کہ یہ ساری خرابی پردہ کی ہے خوب آپ نے اتفاقیات سے استدلال کیا۔ قصور لوگوں کا تھا کہ کیوں نہ خیال رکھا اور جس کثرت سے خرابیاں بے پردگی کے سبب پیش آتی ہیں ان کے سامنے ایسا ایک امر اتفاقی کس شمار میں ہے اور اگر یہ قیدی ہی ہے تو عفت کی قید ہے میرا ایک رسالہ پردہ کے بارہ میں بقیہ شبہات کے دفع کے لئے اُس کو دیکھ بھی لیجئے اور میں اخیر بات کہتا کہ اگر خدا اور رسول کا حکم بھی پردہ کا وجوب کے درجہ میں نہ ہوتا۔ اور واقعات بھی نہ ہوتے تب آخر تو غیرت بھی کوئی چیز ہے مرد کو تو طبعاً غیرت آنی چاہئے کہ اسکی عورت کو دوسرا دیکھے پھر واقعات مزید برآں خصوص میں اس زمانہ میں اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ جوان داماد یا دودھ شریک بھائی سے بھی احتیاط چاہئے بے محابا سامنے نہ آنا چاہئے۔ اس کے متعلق واقعات ہوئے ہیں اور بعضے لوگ ان کو جدید علوم وفنون سکھلا کر ان کو وسیع الخیال بنانا چاہتے ہیں مگر غافلات کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ عورتوں کو غیر ضروری علوم سے غافل ہی ہونا چاہئے خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کے واسطے قوت علمیہ وعملیہ کی تکمیل کی ضرورت اور اس کی طریقہ کا بیان بقدر ضرورت ہوگیا۔ الحمد للہ ...... اب تقریر ختم کرتا ہوں اور اس وعظ کا نام العاقلات الغافلات رکھتا ہوں یعنی وہ عورتیں جو ضروریات میں عاقل اور غیر ضروریات میں غافل ہوں .... فقط:

دعواتِ عبدیت کا تیسرا وعظ

ملقب بہ

عضل الجاہلیہ

عورتوں کے حقوق کے متعلق یہ وعظ ۸ جمادی الاول ۱۳۳۰ھ کو ارشاد فرمایا۔

خطبہ ماثورہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينه ونستغفرهٗ ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لا شريک له ونشهد ان سيّدنا ومولانا محمّداً عبدهٗ ورسولهٗ صلى اللّٰه تعالىٰ عليه واٰله واصحابه وبارک وسلّم.

يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُم اَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرهاً وَلَا تَعضُلُوهُنَّ لِتَذهَبُوا بِبَعضِ مَا آتَيتُمُوهُنَّ اِلَّا اَن يَّأتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالمَعرُوفِ فَاِن كَرِهتُمُوهُنَّ فَعَسٰى اَن تَكرَهُوا شَيئاً وَّيَجعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيراً كَثِيراً.(النساء آيت نمبر......)

(ترجمہ: اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک ہو جاؤ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا اس میں کوئی حصہ وصول کرلو مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے)

آج جس مضمون کو بیان کرنا ہے یہ آیت اسی کے متعلق ہے۔ اہل علم تو ان کو سن کر ہی سمجھ گئے ہوں گے اور غیر اہل ترجمہ سے سمجھ لیں گے۔

مقصدِ وعظ

آج کا مضمون بالکل پھیکا ہے مگر وعظ سے خود اصلی مقصود دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ اصلاح ظاہر و باطن مقصود ہوتی ہے اگر یہ بات حاصل ہو تو سننے کے قابل اور عمل کے قابل اور اگر یہ نہ ہو تو ناقابل سماعت اور فضول ہے اگر دونوں ہوں تو ہم خرما و ہم ثواب تو وعظ سننے سے مقصود محض اصلاح ہونی چاہئے۔ اس میں لذت کا منتظر ہونا فضول حرکت ہے۔ آپ نے

کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اس کو حکیم محمود خان کے نسخہ سننے سے وَجد ہوا ہو اور ذوق کے شعر پر وَجد ہوا ہوگا۔ لیکن اس تفاوت کی وجہ سے یہ اثر نہ ہوگا کہ وَجد ہونے کی وجہ سے ذوق کے شعر سے علاج کیا ہو کہ اس کو سنا کر و بیماری جاتی رہے گی ۔

کہ داروئے تلخ است ورفع مرض

(دوا بدمزہ ہوتی ہے مگر اس سے مرض دور ہوتا ہے)

ہاں اگر اتفاق سے کوئی مرکب لذیذ بھی ہو اور مزیل مرض (مرض کو دور کرنے والی) بھی ہو تو خوش قسمتی ہوگی مگر لذت مقصود نہیں ہوتی اور جہاں لذت رکھی جاتی ہے تو محض بہلانے کے لئے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذکر میں ابتداً لذت ہوتی ہے بعد میں فوائد صرف رہ جاتے ہیں۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کے ایک مرید نے کہا کہ حضرت اب تو ذکر میں لذت نہیں آتی فرمایا پرانی بیوی اماں ہو جاتی ہے اس طرح سے کہ اول اول تو اس میں لذت ہوتی ہے مگر فوائد اخیر میں بڑھتے ہیں کہ مونس ہوتی ہے۔ خدمت گزار ہوتی ہے۔ بہرحال عقلاء کے نزدیک زیادہ نظر کے قابل فوائد ہوتے ہیں۔ نہ کہ لذت، لہٰذا اگر مضمون بے نمک ہو تو پرواہ نہ کیجئے۔

نکاح میں تناسب عمر

اور سنئے آج کل عورتوں کے حقوق میں لوگوں نے بہت کوتاہی کر رکھی ہے مثلاً بچی کا نکاح بوڑھے سے کر دیتے ہیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر شوہر پہلے مرجاتا ہے پھر لڑکی کی مٹی خراب ہوتی ہے اور کہیں دوسری طرح ظلم ہوتا ہے کہ بچہ سے جوان عورت کا نکاح کر دیتے ہیں اور اس مرض کا مجھے اب تک گو اجمالاً علم تھا مگر تفصیلاً نہ تھا یعنی جس درجہ پر وہ پہنچا ہوا ہے اس کا علم نہ تھا ایک واقعہ جو یہاں ہوا اس سے اس مرض کا پتہ چلا اور ایک بزرگ کے آنے سے اس پر زیادہ توجہ ہوئی وہ یہ کہ ایک نکاح یہاں ہوا ہے لالہ چھوٹا بہو بڑی کہ دونوں کی عمر میں اتنا تفاوت تھا کہ اگر اس عورت کے پہلوٹا لڑکا ہوتا تو شاید وہ اس کے برابر ہوتا مجھے یہ ناگوار ہوا مگر وہ ناگواری اس وجہ سے نہ تھی کہ وجوب یا حرمت تک پہنچی ہوئی ہو بلکہ صرف کراہت طبعی اور عقلی تھی کہ تناسب بین العمرین اگر ہو تو اس سے موانست ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ اَتْرَاب (نیچی نگاہ والی ایک عورت)

کہ حوروں کی ہیئت ایسی ہوگی جیسے ہم عمر ہوتے ہیں۔ دوسری آیت میں ہے اِنَّآ اَنشَاْنَاھُنَّ اِنشَآءً فَجَعَلنٰھُنَّ اَبکَاراً عُرُباً اَترَاباً لِّاَ صحٰبِ الیَمِینِ۔

(ہم نے اٹھایاان عورتوں کواچھےاٹھان پر پھر کیاان کوکنواریاں پیاردلانے والی ہم عمر)

غرض تفاوت عمر کا اثر اجنبیت ہوتی ہے۔آپ دیکھئے بچہ سے بچہ کوجیسی محبت ہوتی ہے بڑے سے نہیں ہوتی۔ایک حکایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وقت کی لکھی دیکھی ہے کہ:

ایک لڑکا نالی میں گھس گیااور وہاں آپ ہنسنے لگےکوئی تدبیر نکالنے کی نہ تھی کیونکہ جتنا بلاتے اور نکالنا چاہتے وہ اوراندر گھسا جاتا تھا یہاں تک کہ نیچے گر پڑنے کا اندیشہ ہوا لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ نے فرمایا کہ اسے کچھ مت کہو۔ ایک دوسرے لڑکے کواس کے پاس بٹھلا کر کھیل میں مشغول کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، بچہ کو کھیلتا دیکھ کر یہ بھی بدرو سے نکل آیااوراس کے ساتھ کھیلنے لگا۔

ایک حکایت اور یاد آئی۔دیوبند کے ایک طبیب بادشاہ کے یہاں امیدوار بن کر بہت دنوں رہے مگر تقرر نہ ہوا،ایک شہزادہ کمسن نے روزہ رکھا تھا۔ذرا روزہ کا عوام میں زیادہ اہتمام ہے نماز کا اہتمام نہیں حالانکہ نماز کے متعلق حکم ہے کہ اول تو کھڑے ہوکر پڑھو کھڑے ہوکر نہ پڑھ سکوتو بیٹھ کر پڑھو، بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکوتو لیٹ کر اشارہ سے پڑھو، جب اشارہ بھی نہ ہوسکے تو نماز مؤخر کردو معاف نہیں ہوئی جب طاقت آجائے گی توان نمازوں کو قضا کرنا پڑے گا اور سات برس کے بچہ کونماز پڑھوانے کا اور دس برس کے بچہ کو مار کر پڑھوانے کا حکم ہے اور روزہ میں یہ خاص اہتمام نہیں بلکہ جب تحمل ہو رکھو اور اگر تحمل نہ ہوتو افطار کر لینا جائز ہے، اور پھر جب طاقت آوے گی تو قضا لازم ہوگی اور اگر طاقت نہ آوے تو فدیہ بھی دے سکتے ہیں مگر لوگوں کو روزہ کا ایسا شوق ہے کہ میں نے دیکھا ہے ایک چار برس کے بچہ کو روزہ رکھوادیا۔ایک جگہ میں نے دیکھا کہ لڑکیوں نے ایک ذراسی لڑکی کوروزہ رکھوادیا اور جب وہ پاخانہ گئی تو یہ ساتھ گئی۔غرض چاہے بچہ کی جان پر بن جائے مگر روزہ ضرور ہو۔مگر بعض دفعہ یہ روزہ روضہ میں بھی لے جاتا ہے۔ایک مرتبہ ایک رئیس زادہ سے روزہ رکھوایا گیا گرمی کے دن تھے دوپہر تک تو بیچارہ نے نباہ دیا مگر عصر کے وقت پیاس سے سخت پریشان ہوا۔رئیس نے روزہ کشائی کا

بہت اہتمام کیا تھا۔ تمام خاندان کی اور دوستوں کی دعوت کی تھی آخر بہلایا کہ تھوڑی دیر اور صبر کر مگر اس بیچارہ کو تاب کہاں تھی اول تو اس نے لوگوں کی منتیں خوشامدیں کیں مگر کسی ظالم نے اس کی جان پر رحم نہ کیا اور کسی نے اس کو ایک گھونٹ بھی پانی نہ دیا آخر وہ خود اٹھا رئیس نے اتنا سامان کیا تھا کہ مٹکوں میں برف بھری گئی تھی وہ مٹکے سے جا لپٹا کہ کچھ تو پانی سے قرب ہو اور لپٹتے ہی جان نکل گئی اس کا وبال ان بے رحم ماں باپ پر ہوا۔

صاحبو! شریعت کا تو یہ حکم ہے کہ اگر جوان کی بھی جان نکلنے لگے تو روزہ توڑ دینا واجب ہے، مگر اہل رسوم کے نزدیک معصوم بچہ کو بھی اجازت نہیں، افسوس خدا کو ایسے روزہ کی ضرورت نہیں۔ خدا کو تم سے زیادہ تم پر رحمت ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تم سے زیادہ تم پر شفقت ہے۔

النّبی اولٰی بالمؤمنین من انفسھم۔

(مسلمان کو جتنا اپنے نفس کا خیال ہوتا ہے نبی علیہ السلام کو اس سے زیادہ مسلمانوں کا لحاظ ہوتا ہے)

تو جب مکلّف کو یہ حکم ہے کہ ایسے وقت میں روزہ توڑ دے تو چار پانچ برس کا بچہ تو کس شمار میں ہے اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ شریعت میں اتنی شفقت و سہولت ہے کہ تم بھی اپنے ساتھ اتنی نہیں کر سکتے۔ غرض شاہزادہ بھی روزہ سے بہت پریشان تھا اطباء سے ترکیب پوچھی گئی انہوں نے روزہ توڑنے کو کہا یہ رائے بادشاہ کو پسند نہ آئی کیونکہ سارا سامان خاک میں ملتا تھا۔ افسوس دین میں بھی دنیا ہی مقصود ہے بچہ کی جان جاتی ہے اور بادشاہ کو اپنے سامان کی پڑی ہے غرض ان امیدوار طبیب نے کہا کہ میں ایک ترکیب بتاتا ہوں چند لڑکوں کو بلا کر حکم دیجئے کہ شاہزادہ کے سامنے لیموں تراش تراش کر کھاویں۔ چنانچہ بچے بلائے گئے ان کو اس حالت میں دیکھ کر بچہ کے منہ میں پانی بھر آیا طبیب نے کہا یہ پانی نگل جاؤ۔ پس اس تدبیر سے تمام حلق تر ہو گیا اور پیاس کم ہو گئی، بہت اطمینان ہوا۔ اسی روز افسر الاطباء مقرر ہو گئے اس حکایت سے میرا مقصود یہ ہے کہ ہم عمری کی رعایت بہت ضروری ہے۔ خاص کر زوجین میں یہ امر طبعی تو ہے ہی مگر کسی قدر شرعی بھی ہے اور شریعت میں بھی قابل التفات ہے چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا تاکہ جس طرح یہ شرف ان کو حاصل تھا کہ ان حضرات کی صاحبزادیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں داخل تھیں یہ شرف بھی ان کو حاصل ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بنیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:

انها لصغيرة[1] کہ وہ کمسن بہت ہے۔

ان حضرات کی عمر زیادہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تناسب بین العمرین کی رعایت فرما کر دونوں صاحبوں کی درخواست رَد فرما دی، اس کے بعد ان دونوں حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رائے دی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی تم درخواست کرو امید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منظور فرما لیں گے، افسوس ہے کہ اس کے بعد بھی لوگ یوں کہتے ہیں کہ صحابہؓ میں کشاکشی تھی۔

نَعُوذُ بِاللّٰهِ ذَالِکَ ظَنُّ الَّذِینَ کَفَرُوا فَوَیلٌ لِّلَّذِینَ کَفَرُوا مِنَ النَّارِ.

(ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں یہ کافر لوگوں کے خیالات ہیں پس بربادی ہے ان کافروں کے لئے کہ وہ دوزخ میں جانے والے ہیں)

صاحبو! شیخین نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیغام دینے کی رائے دی کیا اسی کو عداوت کہتے ہیں، عداوت تو جب ہوتی کہ یہ راہ مارتے نہ کہ خود رائے دیتے۔ چنانچہ یہ حاضر ہوئے، مگر چونکہ کم سن تھے اس لئے ذرا شرمندہ ہوئے اور زبان سے کچھ نہ کہہ سکے۔ مگر دیکھو خبردار شیخین پر اعتراض نہ کرنا کہ بے حیا تھے۔ یہاں تو بیٹی مانگنا ہی تھا صحابہؓ میں تو بعض دفعہ باپ نے خود اپنی بیٹی کے لئے پیام دیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پہلے شوہر سے بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حفصہؓ بنت عمرؓ بیوہ ہو گئی ہے اس سے تم نکاح کر لو۔ وہاں ہندوستان کی سی رسم نہ تھی کہ باپ کا خود بیٹی کے لئے کہنا حرام سمجھتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے عذر کر دیا اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حفصہؓ بنت عمرؓ بیوہ ہو گئی ہے اس سے آپ نکاح کر لیجئے، انہوں نے بھی وہی جواب دیا

---

[1] سنن النسائي ٦: ٦٢، المستدرک للحاکم ٢: ١٦٨، مشكوٰة المصابيح: ٦٠٩٥

کہ سوچوں گا، پھر کچھ جواب ہی نہ دیا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آیا اور نکاح کر دیا۔ پھر حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ملے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے کچھ جواب نہ دینے پر تم خفا ہو گئے ہو گے بھائی ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے سنا تھا اس لئے ہم نے جواب میں توقف کیا کہ نہ خود قبول کر سکتا تھا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر کر سکتا تھا اور صاف جواب دینے میں شبہ تھا کہ تم اور کہیں منظور نہ کر لو۔ غرض عرب میں ایسی بے تکلفی تھی کہ باپ اپنی بیٹی دیتے ہوئے نہیں شرماتا تھا بلکہ خود عورتیں آ کر عرض کرتیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے نکاح کر لیجئے۔ ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی لڑکی نے کہا کہ یہ عورت کیسی بے حیا تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تجھ سے اچھی تھی اس نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی غرض عرب میں یہ کوئی عیب نہ تھا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی ایسا ضرور کریں لیکن اگر کوئی کرے تو مضائقہ نہیں، باقی اگر کوئی شرم و حیا سے ایسا نہ کرے تو کسی فرض کا تارک نہیں اور شرم و حیا تو کم و بیش لڑکوں میں بھی ہونی ضروری ہے۔ خصوصاً ہندوستان کے لئے تو بہت ہی زیادہ ضروری ہے کیونکہ یہاں بہت فتن پھیل رہے ہیں اور ان سب کا انسداد حیا سے کیا جا سکتا ہے اور ان کی دن بدن کمی ہوتی جاتی ہے۔ جس قدر حیا ہم نے اپنی ابتدائی عمر میں لڑکوں میں دیکھی ہے۔ اب لڑکیوں میں بھی نہیں دیکھی جاتی اور اب بھی جس قدر بوڑھوں میں ہے وہ نوجوانوں میں نہیں۔ اس کمی کی وجہ سے خرابیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں اس لئے کم و بیش حیا کا ہونا ضروری ہے اور ماخذ اس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل ہے کہ چپ آ کر بیٹھ گئے اور شرم کی وجہ سے زبان نہ ہلا سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خبر ہو گئی ہے کہ تم فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پیغام نکاح لے کر آئے ہو سو مجھ سے حضرت جبریل علیہ السلام کہہ گئے ہیں کہ خدا کا حکم ہے کہ علیؓ سے فاطمہؓ کا نکاح کر دیا جائے۔ چنانچہ منگنا ہو گیا۔ مگر یہ نہیں ہوا کہ لال ڈوری ہو کوئی جوڑا ہو مٹھائی تقسیم ہو لوگ کہتے ہیں کہ منگنی میں یہ باتیں ہونے سے پختگی ہو جاتی ہے۔

صاحبو! میں نے غیر پختہ جوڑے ہوئے اور پختہ ٹوٹتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں اس لئے سب اوہام ہیں کہ پختگی ہوتی ہے اور اگر ہو تب بھی تو ہم کو وہ کرنا چاہئے جس طرح حضور

صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تو اتباع کا اتنا اہتمام تھا کہ انہوں نے آپؐ کے کھانے تک کی حدیثیں بھی ضبط کی ہیں مثلاً یہ کہ:

انّی آکلُ کما یاکلِ العبد.

کہ میں تو اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھایا کرتا ہے۔

سو تم بھی ایسے ہی کھاؤ جس طرح غلام کھاتا ہے۔ دیکھو تو ہم سب خدا کے غلام ہیں اور ہر وقت خدا کے سامنے ہیں تو اس طرح سے کھانا چاہئے، جیسے آقا کے سامنے غلام۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکڑو بیٹھ کر کھاتے تھے ایک اس میں بڑی مصلحت ہے کہ پیٹ رانوں سے مل کر دب جاتا ہے کھانا حد سے زیادہ نہیں کھا سکتا جس سے پیٹ بھی نہیں بڑھ سکتا جیسا بعض حریصان بندۂ شکم کا بڑھ جاتا ہے، چنانچہ ایک پیر جی تھے ان کا پیٹ بہت بڑھ گیا تھا ایک مرید نے کہا اس کا کیا سبب ہے فرمایا کہ کتا مر کر پھول جاتا تو میرا نفس بھی چونکہ مر چکا ہے اس لئے پھول گیا۔ غرض بعض لوگ بہت ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ شریعت کو توسط مطلوب ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اوکڑو بیٹھ کر کھاؤ۔ نیز اوکڑو بیٹھ کر تواضع اور انکسار بھی ہے۔ بعض لوگ فرعون کی طرح بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ ایک بزرگ سے میں نے حکایت سنی کہ انہوں نے ایک رئیس زادہ کو دیکھا کہ وہ گاؤ تکیہ لگائے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ سینہ پر ایک رومال پڑا ہوا تھا تاکہ شوربا وغیرہ گرے تو کپڑے خراب نہ ہوں کچھ تو وہ بہت موٹے تھے اور کچھ تکبر بھی کرتے تھے۔ خدا بچائے بعض تو اس قدر موٹے ہو جاتے ہیں کہ عظیم آباد میں ایک رئیس تھے ان کا استنجا نوکر کراتے تھے اس طرح کہ ایک تھان بیچ میں دے کر گھسیٹا جاتا تھا اور سقہ پانی ڈالتا تھا اس غریب کے لئے تو موٹاپا بھی ایک عذاب تھا۔

مکن رحم برمرد بسیار خوار   کہ بسیار خوار است بسیار خوار[1]

نہ چنداں بخور کز دہانت برآید   نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید[2]

غرض اس ہیئت میں ایک یہ مصلحت تھی کہ کھانا زیادہ نہ کھایا جاوے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جلدی جلدی کھانا کھاتے تھے۔ آج کل سمجھا جاتا ہے کہ جو

---

[1] زیادہ کھانے والے آدمی پر رحم نہ کرو کیونکہ زیادہ کھانے والا زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔
[2] نہ تو اتنا زیادہ کھا کہ تیرے منہ سے نکلنے لگے نہ اتنا کم کھا کہ کمزوری سے تیری جان نکلنے لگے۔

جلدی کھائے وہ حریص ہے۔ صاحبو کسی نوکر کو اس کا آقا کوئی چیز دے تو بتلاؤ اس کی قدر کرو گے یا بیقدری یقیناً قدر کرو گے اور ظاہر بھی کرنا چاہو گے کہ ہمیں اس کی قدر ہے تو خدا کی دی ہوئی چیز کیا قدر کے قابل نہیں اور کیا قدر کا یہ طریقہ ہے۔ کہ نزاکت کے ساتھ آہستہ آہستہ کھایا جائے جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس کو بھوک نہیں یا رغبت نہیں۔ یا یہ طریقہ ہے کہ خوب جلدی جلدی اس پر جھک کر کھایا جائے جس سے معلوم ہو کہ بڑا ہی شایق ہے اور اس کو اس کھانے سے بہت ہی رغبت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی قدر کی اور اس کی طرف اپنی احتیاج فعل سے بھی ظاہر کر دی اور قول سے بھی کہ دعا جو کھانے کے بعد کی ہے اس میں فرمایا: **غیر مستغنی عنه ربنا** کہ اے رب ہم اس کھانے سے مستغنی نہیں عمر بھر حاجت رہے گی اور یہاں سے ایک ادب کی بات بتلاتا ہوں کہ آج کل یہ عام محاورہ ہو گیا ہے کہ پیروں کے سامنے جب کچھ لا کر پیش کرتے ہیں کہ آپ کو تو اس کی کیا ضرورت ہے مگر جی چاہا اس لئے یہ ہدیہ لیتا آیا اور پیر اس سے خوش ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اس وقت اپنی حاجت ظاہر کرنا چاہئے۔

صاحبو! یہ استغناء محض پیٹ بھرائی ملنے کی بدولت ہے۔ ذرا ایک وقت کھانے کو نہ ملے پھر دیکھئے پیر صاحب کا سارا استغناء دھرا رہ جائے گا۔ انسان کو نہ تو ایسا استغناء چاہئے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے بھی استغناء کرنے لگے اور نہ ایسا حریص ہو کہ اشعب طماع بن جائے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ آج کل تو پیروں کی یہ حالت ہے کہ جہاں مرید نے سر کھجلایا سمجھے کہ پگڑی سے روپے نکال کر دے گا۔

اشعب طماع عرب میں بڑا حریص شخص تھا۔ اس کو ایک دفعہ لڑکوں نے چھیڑا تو ٹالنے کی غرض سے کہنے لگا کہ دیکھو فلاں جگہ کھانا پک رہا ہے وہاں جاؤ۔ لڑکے اس طرف کو ہو لئے تو خود بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا کہ شاید یہ بات سچ ہی ہو جو اتنے لڑکے اس طرف جا رہے ہیں تو واقعی آج کل بعض کی یہی حالت ہے اور بعض کو جو استغناء ہوا ہے تو ایسا کہ جہاں شریعت حکم بھی دے وہاں بھی استغناء ہی برتتے ہیں۔ تو ہماری وہ حالت ہے ؎

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی　　　چونکہ خوردی تندو بدرگ می شوی[1]

---

[1] جب تو بھوکا ہوتا ہے تو کتے کی طرح خوشامد کرتا اور دُم ہلاتا ہے۔ پیچھے پیچھے پھرتا ہے اور جب پیٹ بھر جاتا ہے تو سخت طبیعت اور شریر ہو جاتا ہے۔

بہر حال استغناء عن اللہ کوئی چیز نہیں خدا کا رزق قابل استغناء نہیں اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فعل وقول دونوں سے ظاہر فرما دیا ہے تو ان چیزوں کے متعلق جو صحابہؓ نے افعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کیا ہے وہ محض اسی لئے کہ ہم ان کا اتباع کریں بلکہ جو چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب تھیں وہ ہم کو بھی مرغوب ہونی چاہئیں یعنی وہ امور عقلاً تو مرغوب ہونے چاہئیں ہی طبعاً بھی مرغوب ہو جائیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کدو کا سالن پکایا تو میں نے دیکھا کہ آپ پیالے میں جا بجا سے کدو کو تلاش فرما کر نوش فرماتے تھے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ کونسا کدو تھا مگر محققین نے دونوں کو عام کہا ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فلم ازل احب الدباء من یومئذٍ یعنی اس دن سے مجھے کدو سے محبت ہوگئی نہیں کہا:

فلم ازل اکل الدباء

بلکہ میں اس دن سے کدو کھانے لگا تو صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ جس چیز کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت دیکھتے ان کا دل بھی اس کو چاہنے لگتا تھا۔

مسلمانو! اگر یہ بات نصیب نہ ہو تو عقلاً تو پسند کرنا چاہئے اور اس کا اتباع تو کرنا چاہئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا کہ کوئی رسم وغیرہ نہیں کی اور یہ رسمیں اس وقت موجود ہی نہ تھیں یہ تو بعد میں لوگوں نے نکالی ہیں اور خوشی میں تو رسمیں ہوا کرتی تھیں امراء کے یہاں غمی میں بھی رسمیں ہوتی ہیں۔

منگنی اور شادی میں رسوم کی تباہ کاریاں:

اور صاحبو! ان رسموں نے مسلمانوں کو تباہ کر ڈالا ہے اسی لئے میں نے منگنی کا نام قیامت صغریٰ اور شادی کا نام قیامت کبریٰ رکھا ہے۔ ان شادیوں کی بدولت گھروں کو گھن لگ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ سارے گھر کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ کیا اور رشتہ کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود بھی تھے اور نکاح کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خود موجود نہ تھے۔ بلکہ معلق نکاح ہوا تھا کہ اِن رَضِیَ عَلِیٌّ یعنی اگر علیؓ رضا مندی ظاہر کریں۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا

رَضِیتُ اب نکاح تام ہوا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ اس قصہ کوسن کر دولہا بھاگ جایا کرے شاید
بعضے لوگ ایسی سمجھ کے بھی ہوں مطلب یہ ہے کہ برات وغیرہ کے تکلف کی ضرورت نہیں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود نوشہ کی ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی پھر برات کا ہونا، کیوں ضروری
سمجھا جائے اصل میں یہ برات وغیرہ ہندوؤں کی ایجاد ہے کہ پہلے زمانہ میں امن نہ تھا دلہن کی
حفاظت کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی اور اسی وجہ سے فی گھر ایک آدمی لیا جاتا تھا کہ
اگر اتفاق سے کوئی بات پیش آوے تو ایک گھر میں ایک ہی بیوہ ہو۔ اور اب تو امن کا زمانہ ہے
اب اس جماعت کی کیا ضرورت ہے اگر خوف بھی ہو تو اس قدر پہنا کر کیوں لاؤ اور اگر کہئے کہ
اس میں بھی مصلحت ہے تو اس کا کیا جواب دو گے کہ بارات والے جاتے ہیں جمع ہو کر اور
لوٹتے ہیں متفرق اور اکثر دلہن اور کہارا کیلے رہ جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حفاظت وغیرہ
کچھ مقصود نہیں صرف رسم کا پورا کرنا اور نام آوری مدنظر ہوتی ہے اور شامت یہ کہ اکثر عصر کے
وقت برات چلتی ہے اور لڑکی کے ماں باپ بھی ایسا غضب کرتے ہیں کہ اسی وقت رخصت کر
دیتے ہیں شاید یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہماری چیز نہیں رہی ورنہ حفاظت کی اب پہلے سے زیادہ
ضرورت ہے کیونکہ زیب وزینت کی حالت میں ہے خدا جانے کیا بات پیش آوے صاحبو!
جب انسان دین چھوڑتا ہے تو عقل بھی رخصت ہو جاتی ہے۔ لوگوں کا یہ عام خیال ہے کہ
کنواری کی حفاظت زیادہ ضروری ہے بیاہی ہوئی کی نگہبانی کی ضرورت نہیں اور یہ خیال
ہندوؤں سے ماخوذ ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ اگر کنواری سے کوئی بات ہو جاتی ہے تو اس میں
بدنامی ہے اور رسوائی ہوتی ہے اور بیاہی سے کوئی بات سرزد ہو جاتی ہے تو بدنامی نہیں ہوتی
کیونکہ اس کے تو شوہر ہے اس کی طرف نسبت کی جائے گی۔ مگر یہ خیال محض جہالت پر مبنی
ہے۔ اگر عقل سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کنواری کی حفاظت کی اتنی ضرورت نہیں جتنی
بیاہی ہوئی کے لئے ضروری ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ قدرتی طور پر شرم وحجاب بہت ہوتا ہے
تو اس کے ساتھ ایک طبعی مانع موجود ہے اس کی طبیعت کھل جاتی ہے مانع طبعی کے ساتھ موجود
نہیں رہتا اس کی عفت وعصمت محفوظ رکھنے کے لئے بہت بڑی نگہبانی کی ضرورت ہے۔ نیز
کنواری کو علاوہ مانع طبعی کے خوف فضیحت بھی زیادہ ہوتا ہے اور بیاہی کو اتنا خوف نہیں ہوتا
کیونکہ کنواری میں تو کوئی آڑ نہیں اور اس میں شوہر کی آڑ ہے اس کا فعل اس کی طرف منسوب ہو

سکتا ہے اس لئے بیاہی ہوئی کی طبیعت بُرے کاموں پر کنواری سے زیادہ مائل ہوسکتی ہے اس کی حفاظت کنواری سے زیادہ ہونی چاہئے۔ مگر لوگوں نے اس کا الٹا کر رکھا ہے وجہ ہے کہ اس کی پرواہ آج کل نہیں کی جاتی کہ عصمت وعفت محفوظ رہے صرف اپنی بدنامی اور رسوائی کی پرواہ کی جاتی ہے سو چو کہ کنواری میں بوجہ کوئی آڑ نہ ہونے کے بدنامی کا قوی اندیشہ ہے اس کی نگہبانی تو کی جاتی ہے اسی خیال کی بناء پر رخصت کے وقت ماں باپ کچھ خیال نہیں کرتے کہ یہ وقت مناسب ہے یا نہیں جب چاہیں برات کے ساتھ کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تو حفاظت کا وقت کنوار پن تک تھا اب وہ ختم ہو چکا ہے چاہے راستہ میں ڈاکو ہی مل جائیں۔ بھلا لڑکے والوں کو تو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان باتوں پر خیال کریں مگر لڑکی والوں کو تو سمجھ کر رخصت کرنا چاہئے۔ یہ خرابیاں ہیں برات میں جن کی وجہ سے برات کو منع کیا جاتا ہے اور میں جو پہلے براتوں میں جاتا تھا جب تک میری سمجھ میں خرابیاں نہ آئی تھیں۔ اب میں اس رسموں کو بالکل حرام سمجھتا ہوں اور اگر تمہاری سمجھ میں نہ آویں تو اصلاح الرسوم دیکھ لو۔ ان ہی رسموں کے روکنے کی وجہ سے ایک گاؤں کا آدمی مجھ سے کہنے لگا۔ کہ یوں سنا ہے کہ تمہارے مسئلے کیڑے بہت ہیں۔ میں نے کہا کہ مسئلے تو ایسے ہونے چاہئیں جن میں احتیاط ہو تو حقیقت میں میرے مسئلے کیڑے نہیں، مگر خدا نے میرے قلم سے بعض باتوں کی خرابیاں ظاہر کرا دیں جو دوسروں نے ظاہر نہیں کیں۔ اس لئے لوگ مجھے سخت مشہور کرنے لگے۔ غرض اگر دلہن کی حفاظت کے لئے برات ہو تو متفرق ہو کر کیوں لوٹتے ہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ دلہن اور کہارا کیلے رہ جاتے ہیں، اگر کوئی کہے کہ دولہا تو دلہن کے ساتھ ہوتا ہے تو حضرت وہی کون سے بہادر ہوتے ہیں کیونکہ آج کل رائے یہ ہے کہ شادی جلدی ہونی چاہئے کیونکہ اب وہ عفت ودیانت طبائع میں نہیں رہی جو پہلے تھی اب زیادہ ضبط کی ہمت نہیں ہوتی مگر جلدی شادی ہونے میں جہاں یہ فائدہ ہے ۔ چند خرابیاں بھی ہیں اور ان خرابیوں کے انسداد کے لئے بعض عقلمند لوگ رخصت کے وقت شوہر سے کہتے ہیں کہ خبردار ابھی لڑکی سے کچھ کہنا نہیں۔ یہ بہت ہی واہیات ہے ۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ۔۔۔ بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

(ترجمہ: تو نے مجھے لکڑی کے تختے سے باندھ کر دریا کی گہرائی میں ڈال دیا ہے اور پھر کہتا ہے کہ دیکھ ہوشیار رہنا دامن تر نہ ہونے پائے)

ایک اور بیہودہ واقعہ ہوا کہ لڑکی تو بیس برس کی اور لڑکا نابالغ اور لڑکی والا تقاضہ کرتا تھا کہ جلدی کرو کیونکہ میری لڑکی بالغ ہوگئی ہے غرض کہ رخصت کے بعد علیحدہ رہنے کی فرمائش کرنا بہت ہی نازیبا ہے۔ غرض آج کل تو دولہا صاحب کو خود حفاظت کی ضرورت ہے اگر کہیں چور یا ڈاکو چلا آوے تو پہلے دولہا صاحب ڈولے میں گھسیں گے بعض دفعہ دولہا اور دلہن اور دو چار عزیزوں نے ایک گاؤں میں قیام کیا اور برات آگے چلی آئی یہ لوگ حفاظت کے لئے گئے تھے۔ لہٰذا اب برات کو چھوڑ دینا چاہئے یہ بات بطور تتمیم کے تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے قصہ کیلئے مقصود یہ تھا کہ حضرات شیخینؓ سے شادی کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عذر فرمایا تھا کہ وہ بچی ہے۔ ایک جزو تو اس قصہ سے ثابت ہوا کہ اگر لڑکی چھوٹی ہو تو شوہر کی عمر زیادہ نہ ہونا چاہئے اور بے جوڑ شادی مناسب نہیں۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی کہ ایک صاحب کی شادی ہوئی تو نوے برس عمر کی تھی اور لڑکی کی عمر بہت کم رات کو ماما آئی کہ لڑکے کو گھر میں بلایا ہے۔ وہ نوے برس کے بھی لڑکے ہی تھے۔ وہ اتنے بوڑھے تھے کہ ایک روز عصر کے بعد گھر میں آئے۔ ماما سے کہا کہ کھانا لاؤ اس نے کہا کہ تازی روٹی پکا کر لاتی ہوں وہ انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب ماما روٹی لائی تو دیکھا کہ ختم ہو چکے ہیں۔ بیمار کچھ نہ تھے مگر چراغ کی سی مثال ہے کہ جب تیل نہ ہوگا تو ختم ہی ہوگا۔ بعض لوگ غضب کرتے ہیں کہ مال کے لالچ میں بوڑھوں سے نکاح کر دیتے ہیں۔ گنگوہ میں ایک لڑکی اپنی ساتھنوں سے کہا کرتی تھی کہ جب میاں گھر میں آتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نانا جان آ گئے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر ہزاروں رحمتیں ہوں کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس پر کسی کا اختیار نہیں رہتا یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مگر اتفاق سے امام صاحبؒ کا فتویٰ بالکل مصلحت کے موافق آ کے پڑا آج کل اس کو بے شرمی سمجھتے ہیں۔ انکار بے شرمی نہیں بلکہ یہ تو عین حیاء ہے کہ بیاہ کے نام کو بھی پسند نہیں کرتی۔ دیکھ لو یہ عقل کی بات ہے یا نہیں تو ایسے مواقع میں لڑکیوں کو ضرور انکار کر دینا چاہئے۔ بعض لوگ اس خرابی کے جواب میں کہ اگر لڑکی کمسن اور مرد مسن (زیادہ عمر والا) ہو تو غالب یہ ہے کہ وہ بیچاری بہت جلد بیوہ ہوگی۔ یوں کہا کرتے ہیں کہ اجی یہ تو خبر نہیں کہ پہلے کون مرے گا۔ اس لئے کیا عجب ہے کہ لڑکی سے پہلے

بڑے میاں مریں گے اور پھر لڑکی کی مٹی خراب ہوگی۔ لوگ ہم عمری کا قطعی خیال نہیں کرتے ...... بالخصوص بعض قوموں میں اس کے برعکس کا بہت ہی رواج ہے جس کو میں بیان کرونگا۔ یعنی لڑکا چھوٹا ہوتا ہے اور لڑکی بڑی دلیل سے اس کے برعکس کی خرابی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔ بات یہ ہے کہ خود حکماء نے کہا ہے کہ اگر عورت کچھ چھوٹی ہوتو مضائقہ نہیں اور اس میں راز یہ ہے کہ عورت محکوم ہوتی ہے مرد حاکم۔ نیز عورت کے قویٰ ضعیف ہوتے ہیں بوجہ رطوبت کے اور اسی لئے جلدی بوڑھی ہوجاتی ہیں، کہتے ہیں بیسی کھیسی۔ ساٹھا پاٹھا۔ تو اگر لڑکی چھوٹی ہوئی تو وہ جب ضعیف ہونا شروع ہوگی تو چونکہ مرد کی عمر اس سے زیادہ وہ بھی ضعیف ہوگا تو دونوں ساتھ ساتھ بوڑھے ہوں گے تو باوجودیکہ عقل اس کو جائز رکھتی ہے مگر پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا تو لڑکے کی کم عمری اور لڑکی کی زیادہ عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پسند ہوگی جو بالکل عقل کے خلاف ہے خاص کر ان دو وجہ سے کہ شوہر حاکم ہوتا ہے اور عورت مرد سے پہلے بوڑھی ہوجاتی ہے، جب عورت کی عمر زیادہ ہے تو شوہر سے بہت پہلے بوڑھی ہوجائے گی تو اماجان پر حکومت کرتے ہوئے کیا اچھا لگے گا۔ لامحالہ وہ اس پر دوسری کو لاوے گا اور عیش تلخ ہوگا۔ بعض قوموں میں تو یہ آفت ہے کہ لڑکا نابالغ ہے اور لڑکی پوری جوان اور دونوں کا نکاح ہوجاتا ہے پھر اخیر میں فضیحتے ہوتے ہیں۔

صاحبو! میرے پاس اس قسم کے سوالات بکثرت آتے ہیں کہ لڑکا تو نابالغ ہے کوئی ایسی تدبیر بھی ہے کہ نکاح ٹوٹ سکے۔ باپ کے اختیار میں جوڑنا تو ہے مگر توڑنا نہیں کیونکہ ولی صبی (بچہ کا سرپرست) کو منافع کا اختیار ہے مضار کا نہیں بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر لڑکے سے طلاق دلوادیں تو ہوجائے گی یا نہیں تو نابالغ کی طلاق نہیں پڑتی۔ بعض دفعہ لڑکا نوجوان ہوتا ہے اور لڑکی بہت جوان مگر وہ بعض دفعہ سوال آتا ہے کہ بہو کا لڑکے کے باپ سے تعلق ہوگیا۔ اب نتیجہ یہ ہوا کہ خاوند پر بھی حرام ہوگئی اور وہ احتیاط بھی نہیں کرتا کہ وہ ماں بھی ہوتی ہے اور بیوی بھی تو شریعت اس کو کیسے پسند کرسکتی ہے۔ ہاں اگر دو چار برس کا تفاوت ہوتو کھپ سکتا ہے۔

کانپور میں ایک دیور سے زبردستی لڑکی کا نکاح کردیا گیا۔ عورت اس لئے مجبور ہوتی ہے کہ اگر سسرے کا کہنا نہ مانوں تو روٹی نہ ملے گی۔ غرض ان سب واقعات سے معلوم ہوگیا کہ

عورت کا زیادہ بڑا ہونا خلاف مصلحت ہے تو مجھے یہاں کا یہ واقعہ اس لئے طبعی درجہ میں تو ناگوار ہوا تھا ایک بزرگ نے مجھے اس کا راز یاد دلایا پہلے مجھ کو بتلایا گیا تھا مگر وہ میں بھول گیا تھا، لیکن انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ میں نے اس کے بارے میں کچھ لکھا ہے وہ تم کو دکھلاؤں گا۔ چنانچہ وہ مضمون کل آیا ہے۔ جس سے وہ پھر یاد آ گیا انہوں نے یہ لکھا ہے کہ بعض مسلمان قوموں میں یہ بات ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد عورت میں شوہر والے اپنا حق سمجھتے ہیں یعنی ماں باپ اس کے مالک نہیں رہتے بلکہ دیور، خسر مالک ہو جاتے ہیں بلکہ وہ عورت خود بھی اپنی مالک نہیں رہتی نہ وہ خود اپنا نکاح کر سکے نہ ماں باپ کر سکیں۔ بلکہ جہاں جیٹھ وغیرہ کرنا چاہیں وہاں ہوگا مثلاً خسر تو چاہے کہ اپنے چھوٹے بیٹے سے نکاح کر دوں۔ اور باپ چاہے کہ غیر جگہ کرے تو باپ کا کچھ زور نہ چلے گا۔ اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ بہو گھر سے باہر نہ جائے چنانچہ ایک اور عورت نے اپنی بہو کا نکاح ایک بچہ سے کر دیا۔ افسوس یہ ہے کہ عورت کی عقل پر تو پردہ پڑا ہی تھا۔ مردوں کی عقل بھی ماری گئی۔ ان کو بھی اس کا کچھ خیال نہیں ہوتا اور اس کو اپنے نزدیک ہلکی بات سمجھتے ہیں اس لئے میں نے اس وقت یہ آیت پڑھی جس میں ارشاد ہے کہ ایسا دستور کہ عورتوں کو اس طرح سے اپنی مِلک میں سمجھیں ناجائز ہے فرماتے ہیں:

یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا یَحِلُّ لَکُم اَن تَرِثُوا النِّسَاءَ کَرھًا وَّلَا تَعضُلُوھُنَّ لِتَذھَبُوا بِبَعضِ مَآ اٰتَیتُمُوھُنَّ اِلَّا اَن یَّاتِینَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ وَعَاشِرُوھُنَّ بِالمَعرُوفِ فَاِن کَرِھتُمُوھُنَّ فَعَسٰی اَن تَکرَھُوا شَیئاً وَّیَجعَلَ اللّٰہُ فِیہِ خَیراً کَثِیراً.

اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورت کے جبراً مالک ہو جاؤ اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کر لو مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں اور ان کے ساتھ خوبی گزران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شئے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بڑی منفعت رکھدے۔

یہ ہے اس کا ترجمہ اب دیکھئے کہ قرآن میں اس رسم کو مٹایا گیا ہے یا نہیں اور کرھاً کی قید واقعی ہے احترازی نہیں کیونکہ عورتیں اس وراثت سے راضی بھی نہیں ہوتی تھیں اور اگر وہ راضی بھی ہوں تب بھی حرہ کی مملوکیت جائز نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کی زبان سے اذن نکاح کہلوایا تھا تو یہ زبان سے کہلوانا بھی محض نام کرنے کو ہے تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ بے پوچھے نکاح کر دیا۔ کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ بیوہ کا نکاح بدوں زبان سے کہے جائز نہیں ہوتا طیب خاطر کا اس میں بالکل خیال نہیں کیا جاتا اور بعض مرتبہ تو بے پوچھے ہی نکاح کر دیتے ہیں۔

نانوتہ میں ایک بیوہ کا نکاح ہوا اور دیوبند رخصت ہوئی، وہ راضی نہ ہوتی تھی تو اس کو جبراً برات کے ساتھ کر دیا گیا اور یہ کہہ دیا گیا کہ وہاں لے جا کر اس کو راضی کر لینا اور یہاں ایک نکاح عدت میں ہوا جب میں نے پوچھا کہ یہ کیا واہیات کیا، تو کہنے لگے کہ نکاح کی نیت سے نہیں کیا۔ ذرا باڑھ لگا دی تا کہ اور کسی سے نکاح نہ کر سکے، مگر اس کمبخت نے بعد عدت کے پھر بھی نکاح نہ کیا۔ اس پر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ وباء آ گئی۔ طاعون آ گیا جب لوگ اس طرح حلال کے پردہ میں حرام کاری کریں تو طاعون کیوں نہ آوے۔ صاحبو!

از زنا افتد وبال اندر جہات (زنا کے باعث ہر سمت وبال پھیل گیا)

سو بعض لوگ تو زبان سے بھی نہیں کہلواتے اور بعض زبان سے گو کہلوا لیتے ہیں مگر پھر بھی تو اس پر ظلم ہوا کیونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو مالک سمجھ کر کہلواتے ہیں۔ دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ ماں باپ کو مالک نہیں سمجھتے، حالانکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ماں باپ کا حق ہے اطاعت کا مجھ سے یہ سوال کیا گیا کہ ماں باپ کا زیادہ حق ہے یا پیر کا.....؟ تو میں نے یہی جواب دیا کہ ماں باپ کا زیادہ حق ہے البتہ: **لا طاعة المخلوق فی معصیة الخالق**[1] (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں)

یعنی اگر پیر شریعت کے موافق حکم کرے اور ماں باپ اس کے خلاف کہیں تو اس وقت پیر کی اطاعت ہوگی والدین کی نہ ہوگی۔ یعنی پیر ہونے کی وجہ سے، سو پیر کی اس لئے وقعت ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر چلاتا ہے۔ حق کے اعتبار سے نہیں، حق کے اعتبار سے والدین کا مرتبہ خدا کے بعد ہے اور پیر بھی آج کل اپنے کو مالک سمجھتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نواح میں تو موروثی پیر بھی کچھ بہت زیادہ بُرے نہیں ہیں۔

پورب میں ایک پیر تھے وہ عورتوں کے پاس جا کر ٹھہر جاتے تھے خدا ایسے پیر کو

---

[1] سنن النسائی ۲: ۱۲، المستدرک للحاکم ۲: ۱۶۸، مشکوٰۃ المصابیح: ۳۶۹۵

غارت کرے اس کے ساتھ وہ بڑے بزرگ اور قطب اعظم مشہور تھے اور کئی لاکھ آدمی ان سے مرید ہیں ہندو بھی ان سے مرید ہیں۔ اسلام اور درویشی میں پہلے عموم وخصوص مطلق کی نسبت تھی مگر اب اس زمانہ میں من وجہ کی نسبت ہوگئی یعنی پہلے درویش کے لئے مسلمان ہونا ضروری تھا۔ اب کافر بھی صوفی اور درویش ہو سکتے ہیں یہ ان رہزنوں کی بدولت ہے ان کے نزدیک کافر بھی مرید ہوسکتا ہے۔

یہ لوگ دجال پر ضرور ایمان لے آویں گے کیونکہ وہ تو بڑا صاحب تصرف ہوگا اور چونکہ ان کے نزدیک صوفی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں اس لئے دجال کو تو بے تکلف پیشوا بنا لیں گے۔ اور جس کا یہ عقیدہ ہے کہ جہاں شریعت نہیں وہاں کچھ نہیں اس کے نزدیک کرامات وغیرہ کی کوئی وقعت نہیں وہ سب سے پہلے اتباع شریعت کو دیکھے گا۔ اور چونکہ دجال کافر ہوگا اس لئے یہ شخص اس کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

صاحبو! دجال قریب ہی نکلنے والا ہے اس لئے جلد اپنے عقیدہ کی درستی کرلو۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے الہام ہوا ہے بلکہ علامات وآثار بتلاتے ہیں کہ دجال کا زمانہ خروج قریب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود احتمال تھا کہ کہیں میرے ہی زمانہ میں نہ نکل آوے۔ اس لئے ممکن ہے کہ ہمارے زمانہ میں نکل آوے۔ اس لئے اپنے عقائد درست کر لو جس کو خلاف شریعت دیکھو اس کے ہرگز معتقد نہ بنو آگے آپ کو اختیار ہے۔

غرض آج کل پیر سمجھتے ہیں کہ مرید ہمارے مملوک ہیں ماں باپ اور بیوی سب سے چھڑا دیتے۔ یادرکھو اگر پیر کہے رات کو نفلیں پڑھو اور باپ کہے کہ سو رہو تو باپ کی اطاعت مقدم ہے۔ ہاں اگر باپ شریعت کے خلاف کوئی حکم کرے تو اس وقت باپ کی اطاعت جائز نہیں شریعت کا لحاظ مقدم ہے اور ماں باپ کا اتنا حق ہے کہ جریج ایک درویش تھے بنی اسرائیل میں وہ جنگل میں رہتے تھے پہلی شرائع میں رہبانیت کا حکم تھا۔ ہماری شریعت میں یہ مطلوب نہیں اس کے متعلق آج کل کے مزاق کے اعتبار سے ایک موٹی بات بتلاتا ہوں کہ تنہائی سے جو غرض ہوتی ہے جنگل میں رہنے سے آج کل وہ حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ایسے شخص کو لوگ بہت ستاتے ہیں برخلاف اس کے اگر کوئی مسجد کے حجرہ میں رہے اسے کوئی نہیں پوچھتا۔ دوسرے سب کو

چھوڑ کر تنہا عبادت کرنا کمزوری کی بات ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

زاہد[1] نداشت تابِ جمالِ پری رخاں ۔۔۔ کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت

ہمت کی بات یہ ہے کہ سب میں ملے جلے رہو اور پھر اپنے کام میں لگے رہو۔

حدیث میں ہے:

اور اگر جنگل میں کوئی نہیں مگر حدود شرعیہ سے تعدی کرنا حرام۔ خوب کہا ہے ؎

بزہد[1] و ورع کوش و صدق صفا ۔۔۔ ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

خلاف[2] پیمبر کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

مپندار[3] سعدی کہ راہ صفا ۔۔۔ تواں یافت جز بر پئے مصطفےٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر کے حاصل کرو جو حاصل کرنا ہوگا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر پوری نظر نہ ہو تو صحابہؓ کے حالات کو دیکھو وہ آئینہ رسول نماز ہیں۔

قصہ جریج:

غرض جریج ایک عابد تھے۔ ایک مرتبہ اپنی عبادت گاہ میں نماز نفل پڑھ رہے تھے کہ ان کی ماں نے آ کر پکارا، یہ سخت پریشان ہوئے کہ جواب دوں یا نہ دوں۔ جواب دوں تو نماز جاتی ہے، نہ دوں تو ماں کی خفگی کا اندیشہ، آخر انہوں نے جواب نہیں دیا، اس نے دو تین آوازیں دیں اور بد دعا دے کر چلی گئی کہ:

اللهم لا تمته حتى تريه وجوه المومسات

کہ اے اللہ جب تک یہ کسی زانیہ کا منہ نہ دیکھ لے اسکی موت نہ آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ **لو كان فقيها لاجاب امه**

اگر فقیہ ہوتا تو اپنی ماں کو ضرور جواب دیتا اور یہ قول اس کا قرینہ ہے کہ نماز نفل تھی کیونکہ فرض کو بالا جماع توڑنے کی اجازت نہیں، البتہ اگر کسی پر کوئی مصیبت آوے مثلاً جلنے لگے تو

---

[1] زاہد کو پری چہرہ محبوبوں کے دیکھنے کی تاب نہیں تھی لہٰذا اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور بہانہ یہ کیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں
[2] سچائی صفائی پرہیزگاری اور تقویٰ کی پوری کوشش کرو۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔
[3] جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے وہ کبھی بھی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔
[4] اے سعدی یہ گمان کبھی نہ کرنا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چھوڑ کر سیدھا راستہ پا سکتے ہو۔

اس وقت اس کے بچانے کے لئے نماز فرض بھی توڑ دینا واجب ہے۔ خواہ ماں ہو یا کوئی غیر ہو۔ صاحبو! آپ نے شریعت کی تعلیم کو دیکھا ہے۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت کا قانون ہے۔ آپ نے اس کے حسن و جمال کو دیکھا نہیں اس لئے کچھ قدر نہیں کرتے اس کی تو یہ حالت ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

(از سر تا پا جدھر بھی نگاہ ڈالتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے)

شریعت کی دِل آویزی:

شریعت تو ایسی حسین و خوبصورت ہے کہ اس کی جس چیز کو دیکھو دلربا ہے جس ادا کو دیکھو دلکش ہے آپ نے ملاحظہ کیا کہ کس قدر ضرورت کے قوانین ہیں کہ جب کسی کو گرفتار مصیبت دیکھو تو نماز فرض بھی توڑ دو اور ایسے موقع پر پہنچو اور نفل میں تو اگر بلا ضرورت بھی ماں باپ پکاریں تو نیت توڑ دینا چاہئے۔ بشرطیکہ ماں باپ کو اطلاع نہ ہو کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے۔ مگر جریج چونکہ فقیہ نہ تھے اس لئے جواب نہ دیا۔ اور ماں کی بددعا لگ گئی اور یہ واقعہ ہوا کہ قریب ایک آوارہ عورت تھی۔ اس کو کسی کا حمل رہ گیا تھا۔ کچھ لوگ جریج کے دشمن تھے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تو جریج کا نام لے دینا کہ اس کا بچہ ہے اس کمبخت نے ایسا ہی کیا لوگ اس کے عبادت خانہ پر چڑھ آئے اور اس کو توڑنے لگے اور جریج کو پیٹنا چاہا اس نے پوچھا کہ آخر اس حرکت کا کچھ سبب بھی ہے یا نہیں کہنے لگے کہ تو ریاکار ہے عبادت خانہ بنا کر زنا کرتا ہے فلاں عورت سے تو نے زنا کیا ہے اس کے بچہ ہوا ہے یہ عبادت خانہ سے نیچے اترے آخر اللہ کے مقبول بندے تھے۔ رحمت خدا کو جوش ہوا اور ان کی ایک کرامت ظاہر ہوئی۔ حضرت جریج نے اس لڑکے سے پوچھا کہ بتلا تو کس کا ہے۔ اس نے کہا کہ میں فلاں چرواہے کا ہوں یہ قصہ حدیث میں مذکور ہے اس سے ماں کا کتنا بڑا حق معلوم ہوا، مگر اس پر اجماع ہے کہ اگر پیر پکارے تو نماز نفل کا بھی توڑنا جائز نہیں تو پیر کا حق ماں سے زیادہ نہیں۔ اور یہ اچھے پیر صاحب ہیں کہ دوسرے کے پالے پلائے پر قبضہ کر لیا۔ کیا پیری مریدی کے یہی معنی ہیں۔ اور میانجی بھی یہی یہ سمجھتے ہیں کہ لڑکے ہماری ملک ہیں اس لئے مارنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اگر یوں کہو کہ خطا پر پیٹتے ہیں تو صاحبو! محض غلط ہے غصہ پر مارتے ہو۔ جب تک غصہ ختم نہ ہو اس وقت تک مار ختم نہیں ہوتی، خطاء پر مارنا یہ ہے کہ اس کے انداز سے سزا دو مگر ایسا کوئی نہیں کرتا۔

اسی لئے میانجیوں کا علاج یہ ہے کہ غصہ میں نہ مارا کریں، جب غصہ جاتا رہے تو سوچا کریں کہ کتنا قصور ہے، اتنی سزا دینی چاہئے یہ تو سلامتی کی بات ہے ورنہ لڑ کے قیامت میں بدلہ لیں گے۔ ناحق ستانے کا بڑا گناہ ہے۔ ایک عورت نے ایک بلی کو بہت ستایا تھا جب وہ مرگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ عورت جہنم میں ہے اور وہ بلی اس کو روکتی ہے۔ جب بلی کے ستانے سے وہ عورت دوزخ میں گئی تو لڑکے تو انسان ہیں۔

حقِ بہو

غرض پیروں کو الگ خبط ہے اور میانجیوں کو الگ اور ان جاہلوں کو الگ کہ بہو کو اپنی مِلک سمجھتے ہیں اسی کے ابطال کے لئے میں نے یہ آیت پڑھی ہے اور اسی پر میں نے ماں باپ کا حق بیان کیا ہے کہ سسرال والے ان کی بات چلنے نہیں دیتے ایک تو اپنا حق سمجھتے ہیں یہ پہلا گناہ، ماں باپ کے حق کو روکتے ہیں یہ دوسرا گناہ ہے۔

تیسرے جوان عورت کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے اپنا نکاح کرے بشرطیکہ غیر کفو میں نہ ہو اگر غیر کفو میں کرے تو الیاء کو حق فسخ حاصل ہے یعنی حاکم اسلام کے پاس جا کر نالش کریں وہ تحقیق کر کے کہہ دے کہ میں نے نکاح فسخ کیا تو نکاح ٹوٹ جائے گا آج کل اس کی صورت یہ ہے کہ اگر ایسا واقعہ پیش آوے تو کسی مسلمان حاکم کے یہاں جس کو یہ اختیار حاصل ہوں نالش کردو۔ اگرچہ وہ مقرر کیا ہوا کافر کا ہو۔ اگر اس کو ایسے اختیارات نہیں دیئے گئے تو حاکم بالا سے رجوع کرو کہ وہ اس کو اختیار دے دیں خواہ اسی ایک مقدمہ کے واسطے پھر اگر وہ نکاح فسخ کردے گا تو فسخ ہو جائے گا اور ریاستوں میں قاضی کا فسخ کر دینا کافی ہے۔ غرض حاکم مسلم کے فسخ کرنے سے نکاح فسخ ہوگا محض باپ کے کہہ دینے سے کہ میں راضی نہیں کچھ نہ ہوگا۔ تو شریعت نے جوان عورت کو اپنے نفس کا اختیار دیا ہے یہ لوگ اس کو باطل کرتے ہیں۔ تو شریعت کی کتنی مخالفت کی۔ عورت کی آزادی کھوئی، ماں باپ کا حق غارت کیا اور اپنا حق قائم کیا افسوس تو یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے کو اچھا بھی سمجھتے ہیں کہ ہم نے بیوہ کا نکاح کردیا، حالانکہ انہوں نے نکاح کی کوئی مصلحت ملحوظ نہیں رکھی۔

عورتوں پر اسلام کا احسان

عرب میں بھی عورتوں پر اس قسم کے ظلم ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر اس کو مٹایا آپؐ نے فرمایا کہ چھ شخصوں پر میں اور حق تعالٰی اور فرشتے لعنت کرتے ہیں

منجملہ ان کے ایک وہ شخص ہے کہ رسم جاہلیت کو تازہ کرتا ہے تو اس بارہ میں تم لوگ شریعت کا مقابلہ کررہے ہو، خداؑ کے لئے ان رسوم کفار کو چھوڑ دو اور پھر یہاں تک ظلم ہے کہ اس عورت کے عزیز واقارب بھی یہی سمجھتے ہیں۔ میرے پاس ایک شخص آیا کہ میرے بھاوج پر میرا حق ہے اور وہ اور جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے کوئی تعویز ایسا کردو کہ وہ مجھ سے نکاح کرلے۔ فقہاء نے ایسا تعویذ لکھنے کو ناجائز لکھا ہے جس سے عورت خاوند کو تابع کرلے۔ تو جب نکاح ہوتے ہوئے ایسا تعویذ دینا حرام ہے۔ تو اس صورت میں نکاح بھی نہ ہوا ایسا تعویذ دینا کب جائز ہو سکتا ہے جس سے ایک نامحرم کو اپنا تابع کیا جائے مگر بہت بزرگ ایسے تعویذ دیتے ہیں۔ آج کل بزرگی کے لئے اتباع شریعت شرط نہیں سمجھا جاتا۔ صاحبو! بزرگی اس کا نام ہے۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست　　　کراماً کاتبین راہم خبر نیست[۱]

یہ مضمون حدیث شریف میں ہے۔ یہ حدیث حرز ثمین کی ہے کہ ذکر خفی ذکر جلی سے ستر درجہ افضل ہے۔

وھو الذی لا یسمعه الحفظة[۱]

کہ وہ ایسا ذکر ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ ذرا خشک مزاق مولوی اس کو سن لیں جو تصوف کے اس جز پر یعنی ذکر خفی کا جس میں زبان کو حرکت نہ ہوا نکار کرتے ہیں تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر کا ایک درجہ ایسا بھی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اذکار کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی سو اگر بعض حالات کی بھی اطلاع ملائکہ کو نہ ہو تو کوئی مستبعد نہیں بلکہ بعض مرتبہ صاحب حلال کو بھی اس کی اطلاع نہیں ہوتی، قلندر فرماتے ہیں ؎

غیرت[۲] از چشم برم روئے تو دیدن ندہم　　　گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

کہ آنکھوں کو بھی دیکھنے نہیں دیتے وہ بھی اجنبی ہے اس سے غیرت آتی ہے۔ حضرت قلندرؒ تو مجذوب ہیں، شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

[۳]بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود　　　کہ نظر دریغ باشد بہ چنیں لطیف روئے

غرض جہاں صاحب حال خود بھی اجنبی ہو تو فرشتوں کا وہاں کہاں گزر ہوگا۔ یہ معنی ہیں"

---

۱ الحرز الثمین ۔ ۲ عاشق و معشوق کے بعض اشاروں اور بھیدوں کی کراماً کاتبین کو بھی خبر نہیں ہوتی۔
۳ خدا کی قسم مجھے اپنی دونوں روشن آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ وہ ایسے خوبصورت چہرے کو دیکھیں۔

میان عاشق و معشوق رمزیست" کے بزرگی یہ ہے نہ کہ تعویذ گنڈے۔ پس حسب نص فقہاء ایسا تعویذ دینا بھی اگر چہ کسی بزرگ کے ہاتھ سے ہو گناہ ہے اور اگر کہو کہ وہ تو اللہ کے نام سے مدد لیتا ہے تو کیا اگر کوئی قرآن سے مار ڈالے تو قصاص نہ ہوگا اس کے متعلق جو شبہات ہیں وہ پھر کبھی بیان کرونگا چونکہ وہ دین میں اس قدر مضر نہیں اس لئے اس وقت اس کو ضروری نہیں سمجھا۔

عورتوں پر ظلم ہو رہا ہے:

غرض عورتوں پر اس قدر ظلم ہو رہا ہے کہ ہر طرح ان پر اپنا حق سمجھتے ہیں اور اس کا اتنا عام اثر ہے کہ عورت بھی اپنے آپ کو ان کی مملوک سمجھتی ہے اور اس کو یہ بھی خبر نہیں کہ مجھ پر ظلم ہو رہا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہوتا ہے کہ کبھی یہ مظلومیت ظالمیت ہوتا ہے جیسے کسی نے کہا ہے ؎

اس قدر سمٹی پریشانی کی جمعیت ہوئی

مثلاً شوہر مر گیا اور کچھ ترکہ چھوڑا نہیں صرف بیوی چھوڑی اور ساس سسرے، بہو سے تنگ ہیں۔ مگر بہو ہے کہ جاتی نہیں کہ میرا تو یہی گھر ہے جہاں ڈولا آیا وہیں سے کھٹولا نکلے گا۔ چونکہ اس ظلم سے یہ اپنے کو مملوک سمجھنے لگی تو اس کے نزدیک بھی اپنے ماں باپ سے کوئی علاقہ نہیں رہا اب وہ ساس سسر پر اپنا حق سمجھنے لگی اور اس سے سسرال پر ظلم ہونے لگا بہت اچھا ہوا تمہاری سزا یہی ہے۔ غرض یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ مات کا مات ہی بگڑ گیا مالک تو مالک مملوک بھی ظلم کرنے لگا۔ ؎

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

اگر ایک جگہ زخم ہو تو پھاہا رکھدو اور اگر سر سے پیر تک زخم ہی زخم ہو تو کہاں تک اصلاح کرے۔ ایک صاحب پوچھنے لگے کہ شادی میں کونسی رسم ناجائز ہے میں نے کہا کہ یہ پوچھو جائز کونسی ہے کیونکہ ناجائز تو سب ہی ہیں ان کو کوئی کہاں تک بیان کرے مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے چھوٹا ہوتا ہے تو اگر زیادہ رسوم جائز ہوتیں تو ناجائز کو پوچھا جاتا۔ اب تو معاملہ برعکس ہے کہ زیادہ ناجائز ہیں اس لئے ناجائز کو پوچھا۔ اسی طرح ہماری حالت کو یوں پوچھنا چاہئے کہ کون کون سی حالت اچھی ہے۔ دیکھئے اگر کبھی امانت دار معلوم کرنے ہوں کہ کتنے ہیں تو خائنوں کو شمار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ امانت داروں کو شمار کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ خائن تو بہت ہیں ان کو کہاں تک شمار کریں۔ کبھی یہ حالت تھی کہ امانت داروں کو معلوم کرنے کو خائنوں کو شمار کر لیا

جاتا تھا۔ یعنی ان کے سوا سب امانت دار ہیں۔ افسوس ہماری حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

غرض ظالموں کی ایک حالت بُری ہے تو مظلوموں میں بھی ایک بُری حالت ہے۔ صاحبو! اسکی اصلاح کرنی ضروری ہے۔ خدا کے لئے اپنی حالت پر توجہ کرو۔ اور اس رسم جاہلیت کو مٹانے کی کوشش کرو جس کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے مجھے اس وقت یہی بیان کرنا تھا سو الحمدللہ اچھی طرح سے بیان ہو گیا۔ امید ہے کہ سننے والے اس کو سمجھیں گے اور جا کر اپنی برادری میں اس کے مٹانے کی کوشش کریں گے۔ بہتر یہ ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد بہو کا حصہ دے کر اس کے ماں باپ کے سپرد کر دو۔ مگر خبردار اس کا حق مت دبانا۔ آگے بھی سن لو حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **و لا تعضلوھن الخ**

عرب میں یہ بھی رسم تھی کہ جب کوئی شخص مال چھوڑ کر مر جاتا تو اس کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دیتے تاکہ اس کی ماں اسی کے پاس رہے۔ اور یہ رسم ہندوستان میں بھی ہے کہ بیوہ کا نکاح نہیں کرنے دیتے تو اکثر اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس کی جائداد علیحدہ کرنی پڑے گی۔ لوگ یوں کہتے ہیں کہ جائداد اچھی چیز ہے۔ مگر صاحبو! جو عورت کے لئے تو حقیقت میں سخت مصیبت ہے کیونکہ ان کی جائداد کی وجہ سے ہر شخص ان پر جال ڈالتا ہے۔ اور میں نے تو زمین کی وجہ سے عورتوں کو ہمیشہ مصیبت ہی میں دیکھا کہ ہر شخص ان کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ تو صاحبو ان کو حصہ دے کر ماں باپ کے سپرد کر دو اپنے گھر میں نہ رکھو کیونکہ جب تک اپنے گھر میں رکھو گے یہ خیال دل سے نہ نکلے گا۔ تو واجب ہے کہ حصہ دے کر ماں باپ کے سپرد کر دو خواہ وہ اس کو بٹھلا دیں یا کہیں نکاح کر دیں۔ اگر کوئی کہے کہ جہاں شوہر کچھ چھوڑ کر مرے یہ حکم اس کے لئے ہے اور جہاں کچھ چھوڑ کر ہی نہ مرے اس صورت میں اگر عورت کو روکا جائے تو قرآن سے ممانعت نہیں معلوم ہوئی۔ کیونکہ آیت میں نہی مقید ہے۔ **وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ**۔

تو جواب یہ ہے کہ جب مال کے ہوتے ہوئے روکنا جائز نہیں تو بغیر مال کے روکنا بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک تو کسی باعث سے ایک بغیر کسی باعث کے۔ پہلا کسی درجہ میں ہلاک ہے عقلاً بھی شرعاً بھی اور دوسرا گناہ بڑا گناہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کو خدا بہت ہی مبغوض رکھتا ہے۔ مَلِک کذاب شیخ زانی دعائل متکبر یعنی جھوٹا بادشاہ، زنا کار بڈھا، اور متکبر

فقیر۔اسکی وجہ یہی ہے کہ ان میں ان معاصی کا کوئی داعی نہیں ہے اور پھر لوگ گناہ کرتے ہیں بادشاہ کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ جھوٹ اسی واسطے لوگ بولا کرتے ہیں کہ اس سے کارروائی کریں۔ بادشاہ کی قدرت کارروائی کیلئے کافی ہے۔ اس کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح زنا بوجہ شدت باہ کے ہوتا ہے۔ بڈھے کو کیا مستی سوار ہوئی اگر وہ ضبط کرنا چاہے تو کچھ بھی دشوار نہیں۔ اسی طرح غریب آدمی تکبر کرے تو اس کی حماقت ہے اس کے پاس بڑائی کا کونسا سامان ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو گناہ بغیر داعی کے ہو وہ زیادہ گناہ ہے۔ تو یہ تقید شُبہ کرنے والے کو مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب عورت کے پاس کچھ مال ہو تو اس وقت حرص کی وجہ سے یہ تقاضا ہو سکتا ہے کہ اس کو بھی حق تعالیٰ نے منع فرما دیا تو جس کے پاس مال بھی نہ ہو وہاں روکنا تو محض پابندی رسم ہے اس میں روکنے کا کوئی داعی بھی موجود نہیں تو بہت ہی بڑا گناہ ہوگا۔

پس مجھ کو یہی مضمون بیان کرنا تھا۔ آگے آیت میں اور باتیں مذکور ہیں۔ مگر چونکہ وہ اس مبحث کے متعلق نہیں اس لئے ان کو نہیں بیان کرونگا۔ اہل علم خود جانتے ہیں اب میں بیان ختم کرتا ہوں۔ جن لوگوں نے اس کو سنا ہے وہ تو پختہ عہد کرلیں کہ اس رسم کو مٹا دیں گے اور جنہوں نے نہیں سنا ان کو یہ مسئلہ پہنچا دیں جتنی زیادہ شہرت دو گے اتنا ہی ثواب ملے گا۔ یہ مسئلہ مٹ رہا تھا۔ خدا ان بزرگ کا بھلا کرے کہ انہوں نے اس پر ملتفت کیا یہ مٹا ہوا مسئلہ ہے اس کو زندہ کرنے کی کوشش کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص مٹے ہوئے مسئلے کو شہرت دے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔

اب خدا سے دعا کیجئے کہ توفیق عمل عنایت ہو۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلیمن وصلے اللّٰہ علٰی خیر خلقہ محمد واٰلہٖ اجمعین.

الاستماع والاتباع للسادة والاتباع

الملقب بہ

نوید جاوید

عورتوں کو عربی علوم حاصل کرنے کے لئے ترغیب اور اس کی ضرورت کے متعلق یہ وعظ تھانہ بھون شیخ محمد صدیق صاحب، (محلّہ محلت) کے مکان پر بروز یکشنبہ ۱۶/ربیع الاول ۱۳۴۷ھ چوکی پر بیٹھ کر دو گھنٹے پینتالیس منٹ بیان فرمائے۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۴۰ تھی۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قلمبند فرمایا۔

خطبہ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ نَحمدَہٗ ونَستَعِینُہٗ وَنَستغفرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتوکَلُّ عَلَیہِ وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِن شُرُورِ اَنفُسنَا وَمِن سَیّئَاتِ اَعمَالِنَا مَن یَّھدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضلِلہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشھَد اَنَّ سَیّدَنَا وَمَولاَنَا مُحَمَّداً عَبدُہٗ وَرَسُولُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ . اَمَّا بَعدُ! فَاعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیم. بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمنِ الرَّحِیم.فَبَشّر عِبادِیَ الَّذِینَ یَستَمِعُونَ القَولَ فَیَتبِعُونَ اَحسَنَہٗ اُولٰئکَ الَّذِینَ ھَدَاھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰئکَ ھُم اُولُوا الاَلبَاب. (الزمر آیت نمبر ۱۸)

(ترجمہ: خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی ہیں وہ جن کو اللہ نے ہدایت دی اور یہی ہیں وہ جو اہل عقل ہیں)

تمہید

جس آیت کا ٹکڑا تلاوت کیا گیا ہے اس وقت مجھے اس میں بھی ایک جزو بیان کرنا ہے اور اس سے بھی ایک مضمون استنباط کر کے بیان کرنا مقصود ہے جو پہلے سے تو ذہن میں تھا مگر اس وقت ذہن میں نہ تھا کہ اتفاق سے ایک مسماۃ کی فرمائش پر یہ بیان تجویز ہوا پھر اس کے ساتھ ان کا ایک نیک ارادہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی لڑکی کو علم دین پڑھانے کے لئے تجویز کیا ہے اس ارادہ کو سن کر وہ مضمون ذہن میں آ گیا۔ اس وقت مجھے ان کے اس ارادے سے بہت مسرت ہوئی کیونکہ اس کی ضرورت ہے کہ عورتوں میں بھی علم دین کی جاننے والیاں کچھ ہوں تو ان کے ذریعے سے عورتوں کی اصلاح باآسانی ہو جائے گی کیونکہ مردوں کے عالم ہونے سے عورتوں کی پوری اصلاح نہیں ہوتی اجانب کی تو بوجہ موقع نہ ملنے کے اور اقارب کی بوجہ عدم مجانست کے پھر عورتوں کی اصلاح نہ ہونے کا مردوں پر بھی اثر پڑتا ہے کیونکہ بچے اکثر ماؤں کی گود میں پلتے ہیں جو مرد ہونے والے ہیں۔ اور ان پر ماؤں کے اخلاق و عادات کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

جنین پر اثر

حتیٰ کہ حکماء کا قول ہے کہ جس عمر میں بچہ عقل ہیولانی کے درجہ سے نکل جاتا ہے تو گو اس وقت وہ بات نہ کر سکے مگر اس کے دماغ میں ہر بات اور ہر فعل منقش ہو جاتا ہے اس لئے اس کے سامنے کوئی بات بھی بیجا اور نازیبا نہ کرنا چاہئے بلکہ بعض حکماء نے یہ لکھا ہے کہ بچہ جس وقت ماں کے پیٹ میں جنین ہوتا ہے اس وقت بھی ماں کے افعال کا اثر اس پر پڑتا ہے اور اَجِنَّہ اسی جنین کی جمع ہے۔ قرآن میں ہے۔ وَاَنتُم اَجِنَّةٌ فِی بُطُونِ اُمَّهَاتِكُم۔ (اور تم اپنی ماؤں کے بطن سے پیدا ہوئے)

بعض لوگ اجنہ کو جن کی جمع سمجھتے ہیں یہ غلط ہے جن کی جمع جنات وجان ہے اور مفرد جنی ہے مؤنث جنّیَّۃ ہے اور جن اسم جنس ہے تو حکماء الٰہی نے یہ کہا ہے کہ ماں کو لازم ہے حمل کے زمانہ میں نہایت تقویٰ وطہارت سے رہے کیونکہ بحالت حمل بھی اس کے افعال کا اثر جنین پر ہوتا ہے، چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق ایک حکایت سنی ہے گو کتابی نہیں مگر تقریب فہم میں اس کو بطور مثال کے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ ایک مرد وعورت بہت نیک تھے مگر ان کے بچہ نہ ہوتا تھا بڑی دعاؤں اور امیدوں کے بعد حمل ٹھہرا اور بچہ کی امید ہوئی تو دونوں نے عہد کیا کہ دونوں زمانہ حمل میں احتیاط اور تقویٰ سے گزر کریں مرد نے بھی بہت احتیاط کی تا کہ اس کے افعال کا اثر عورت پر نہ پڑے اور اس کا جنین پر نہ پڑے چنانچہ غایت احتیاط کے بعد بچہ پیدا ہوا اور اس میں آثار ورشد وصلاح کے ظاہر تھے جوں جوں بڑھتا گیا رشد وصلاح کے آثار نمایاں ہوتے گئے ایک مرتبہ وہ ہوشیار ہو کر باپ کے ساتھ بازار جا رہا تھا کہ ایک کنجڑن کے ٹوکرے میں سے ایک بیر اٹھا کر کھا لیا۔ مرد کو حیرت ہوئی کہ یہ بات اس میں کہاں سے آئی۔ گھر آ کر تلوار سونت اور بیوی سے دھمکا کر پوچھا کہ بتلا اس میں یہ عیب کہاں سے آیا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے حمل کے زمانے میں کسی کی چوری کی ہے عورت نے کہا تلوار کو نیام میں کرو میں سوچ کر بتلاؤں گی۔ پھر سوچ کے بتلایا کہ ہمارے پڑوسی کی بیری کی ایک شاخ ہمارے گھر میں لٹک رہی ہے اس پر سے ایک بیر توڑ کر میں نے کھا لیا کیونکہ میں نے غلطی سے اس کو چوری نہیں سمجھا۔ جب جنین پر بھی ہماری حرکات وافعال کا اثر ہوتا ہے تو ہوشیار بچوں کی طبیعت پر کیوں اثر نہ ہوگا گو وہ بات نہ کر سکتے ہوں مگر اثر ہر بات کا لیتے ہیں۔

تعلیم نسواں

اس واسطے اولاد کی اصلاح کے لئے عورتوں کی تعلیم کا اہتمام نہایت ضروری ہے خصوصاً لڑکیوں کی اصلاح کے لئے کیوں لڑکے تو بعد میں ماؤں کے قبضہ سے نکل کر استادوں اور مشائخ کی صحبت میں بھی پہنچ جاتے ہیں جس سے ان کی اصلاح ہو جاتی ہے لڑکیوں کو یہ بات بھی میسر نہیں ہوتی وہ ہر وقت گھر میں ہی رہتی ہیں اور ان کے لئے یہی اسلم ہے شاید کوئی کہے کہ اس تقریر سے تو پردہ دری کی تائید ہوتی ہے کیونکہ پردہ ہی کی وجہ سے عورتیں علماء اور مشائخ کی زیارت وصحبت سے محجوب ہیں اور بہت سے منافع علمیہ وعملیہ سے محروم ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے جو نقائص رہ جاتے ہیں ان کی اصلاح آسان ہے اور پردہ دری میں جو مفاسد ہیں ان کی اصلاح بہت دشوار ہے پردہ میں رہ کر عورتیں دین سے بقدر ضرورت واقف ہو سکتی ہیں گو مردوں کی طرح درجہ کمال حاصل نہ کر سکیں۔ اس کی ضرورت بھی نہیں اور قدر ضرورت مشائخ وعلماء کی صحبت پر موقوف نہیں۔ کیونکہ محرم مردوں کے ذریعہ سے پردہ میں رہ کر وہ تعلیم دین حاصل کر سکتی ہیں، ہاں دنیا سے واقف نہیں ہو سکتیں سو دنیا سے واقف ہونا کیا ضرور ہے؟ بلکہ ان کے لئے تو بے خبر ہونا ہی کمال ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِینَ یَرمُونَ المُحصَنٰتِ الغٰفِلٰتِ المُؤمِنَاتِ لُعِنُوا فِی الدُّنیَا وَالاٰخِرَۃِ.

(جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ایسی عورتوں کو جو پاک دامن ہیں ایسی باتوں سے بے خبر ہیں، ایمان والیاں ہیں ان پر دنیا وآخرت میں لعنت کی جاتی ہے)

اس میں غافلات سے مراد غَافِلَاتِ عَنِ الذَّمَائِمِ، اور غفلت عن الذمائم مردوں کے لئے بھی مدح ہے مگر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی تعریف میں تو اس کو بیان فرمایا ہے مردوں کی مدح میں کہیں یہ لفظ نہیں آیا اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ عورتوں کے لئے بے خبری ہی مناسب ہے کہ ان کو دنیا کی اور دنیا کی بُرائیوں کی خبر ہی نہ ہو ایک دوست نے بیان کیا کہ ہمارے گھر کی عورتوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ گیہوں کا درخت کتنا بڑا اور گائے بیل کی شکل کیسی ہوتی ہے۔ واقعی عورتوں کے لئے بہتر ہے اور اس میں سلامتی ہے اور جس دن عورتوں کو دنیا کی ہوا لگ گئی پھر ان کے دین کی سلامتی اور خیر نہیں اسی لئے میں نے کانپور میں ایک بیان

میں کہا تھا کہ آج کل بعض لوگ عورتوں کو جغرافیہ پڑھاتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے کیا نفع؟ ہاں اس کا یہ نفع ہوسکتا ہے کہ ان کو بھاگنے کا راستہ بتلانا ہے کہ یہاں سے دہلی اتنی دور ہے اور اس کا راستہ یہ ہے اور دہلی میں اتنی سرائے اور اتنے ہوٹل ہیں جس طرف کو چاہو چلے جاؤ اور جہاں چاہو جا کر ٹھہر جاؤ۔ بتلاؤ عورتوں کو جغرافیہ پڑھنے سے بھاگنے میں آسانی ہوگی یا نہیں اس کے سوا اور کوئی نفع ہو تو میں سننا چاہتا ہوں۔

بیان کے بعد ایک صاحب آئے اور کہا صاحب! میں اپنی مستورات کو جغرافیہ پڑھاتا تھا مگر آج معلوم ہوا کہ واقعی حماقت ہے۔ میں نے کہا الحمدللہ آپ نے حق بات کو تسلیم کرلیا اب ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ جغرافیہ اور تاریخ، سلاطین کے کام کی ہیں سب مردوں کو بھی ان علوم کا پڑھانا فضول ہے۔ یہ بات دفعتہً سمجھ میں نہ آئے گی بلکہ غور کرنے سے سمجھ میں آجائے گی۔ مجھ سے ایک جنٹلمین ملے جو جنٹ تھے اور علوم عربیہ میں بھی بڑے قابل تھے جزولایتجزی وغیرہ مسائل دقیقہ میں ان سے میری گفتگو ہوئی تو وہ میری گفتگو کو خوب اچھی طرح سمجھے اور میرے جوابات کی قدر کی تو وہ جنٹلمین کہتے تھے کہ میں گھر میں لڑکوں کو تو سب علوم پڑھاتا ہوں دینیات بھی اور فلسفہ بھی مگر لڑکیوں کو بجز دینیات کے کچھ نہیں پڑھاتا کیونکہ عورتوں کی اصلاح صرف علوم دینیات پر اکتفاء کرنے ہی میں ہے علوم زائدہ پڑھانے میں ان کی سلامتی نہیں تجربہ سے یہ زوائد ان کے لئے مضر ثابت ہوئے۔

صاحبو! آج کل یورپ اور امریکہ سے زیادہ عورتوں کی تعلیم میں کوئی قوم آگے نہیں مگر یورپ تو عورتوں کی تعلیم سے پریشان ہوگیا کیونکہ اب وہ مقابلہ کرتی ہیں اور مردوں کے برابر حقوق طلب کرتی ہیں اب انکا فتویٰ بھی یہ ہے کہ عورتوں کو دنیا کی تعلیم نہ دینا چاہئے اور امریکہ کی عورتیں تعلیم میں بہت بڑھ گئیں تو اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان میں ایک جماعت اس خیال کی پیدا ہوئی جو لباس کو صحت کے لئے مضر سمجھتی ہے اور دلیل یہ بیان کرتی ہے کہ حیوانات کی غذا اور لباس مصنوعی نہیں بلکہ صرف قدرتی اشیاء ہیں تو ان کی صحت ہم سے اچھی ہے اور ہماری غذا اور لباس مصنوعی ہے ہماری صحت خراب ہے اس لئے یہ لوگ پھل وغیرہ کھاتے ہیں اور ننگے رہتے ہیں اور یہ جو خبریں میں بیان کررہا ہوں یہ اخبار میں نظر پڑ گئیں۔

میں قصداً اس قسم کی خبریں نہیں دیکھتا مگر کبھی کبھی خود بخود ایسی خبریں آنکھوں میں گھس جاتی ہیں جیسے ایک ڈوم کی آنکھوں میں چاند گھسا تھا اس سے کسی نے کہہ دیا تھا کہ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا ہم چاند ہی نہ دیکھیں گے چنانچہ اس نے آنکھوں کو پٹی باندھ لی اور گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہا وہاں ہی ہگنا، وہاں ہی موتنا آخر بیوی نے تنگ ہو کر نکال دیا ایک دفعہ رات کو قضاء حاجت کر کے تالاب پر آبدست لینے گیا تو پانی کے اندر سے چاند نظر آیا وہ چاند کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ بھلے مانس ہم تو تجھ کو دیکھتے نہیں اور تو خود بخود آنکھوں میں گھسا جاتا ہے یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

نتائج تعلیم دنیا

حضرت آج کل عورتوں کی تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ حد سے بہت آگے نکل گئیں بھلا کچھ حد ہے اس حماقت کی کہ کپڑوں کو مضر سمجھا جاتا ہے بھلا کپڑوں کو مرض میں کیا دخل ہے بلکہ اصل راز بہائم کی صحت کا یہ ہے کہ حیوانات تو بھوک اور خواہش کے بعد کھاتے ہیں اور جب تک بھوک رہے اسی وقت تک کھاتے ہیں پیٹ بھرنے کے بعد نہیں کھاتے اور آدمی کھانے میں احتیاط نہیں کرتا بلکہ مشوروں سے کھاتا ہے کہ بھوک تو ہے نہیں لیکن دوست احباب کہہ رہے ہیں۔ شاید کہو کہ پہلے مسلمان ایسے ہوں گے جن سے دوسروں قوموں نے تہذیب وتمدن سیکھا ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ ؎

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشان ست — خم وخم خانہ با مہر و نشان ست

(اب بھی وہ ابر رحمت درفشاں ہے خم وخمخانہ مہر ونشان کے ساتھ موجود ہے)

ضرورتِ دینی تعلیم

صاحبو! آپ نے مہذب ومتمدن مسلمان دیکھے نہیں ہیں بے تہذیبوں کو دیکھ کر آپ نے اسلامی تہذیب کو بدنام کیا ہے خدا کا شکر ہے دنیا میں ایسے لوگ بھی ابھی بہت موجود ہیں جو اسلامی تہذیب سے آراستہ ہیں مگر وہ مشہور کم ہیں اکثر گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں پھر اسلامی تعلیم تو دنیا بھر کے سامنے موجود ہے اس کو دیکھ کر ہر شخص کو اسلامی تعلیم اور تہذیب وتمدن کا اندازہ ہو سکتا ہے گو ایک مسلمان بھی مہذب نہ ہو بہرحال اسلام میں تمام اسباب راحت کی تعلیم موجود

ہے بلکہ راحت کا جیسا سبب اسلام میں بتلایا گیا ہے کسی مذہب میں بھی نہیں بتلایا گیا وہ یہ کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو اس کا یہ اثر ہوگا کہ فقدان اسباب میں بھی ایک سبب راحت کا موجود رہے گا کیونکہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کو محبوب وحکیم سمجھے گا اور جب اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی تو پھر کسی حالت میں اس کو کوئی کلفت نہ ہوگی کیونکہ ؎

ہر چہ آں خسرو کند شیریں بود (جو کچھ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے پیش آئے اس میں سراپا خیر ہے)

محبوب کا ہر کام محبوب ہوتا ہے۔ دنیا میں کسی مردار کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے تو اس کی ساتھ یہی حالت ہو جاتی ہے کہ اس کی ہر ادا پیاری لگتی ہے کوئی بات ناگوار نہیں ہوتی پھر حق تعالیٰ کے ساتھ یہ معاملہ کیوں نہ ہوگا سعدی فرماتے ہیں ؎

ترا عشق ہمچو خودی زآب و گل ربابید ہمہ صبر و آرامِ دل

چو درچشم شاہد نیاید زرت زر و خاک یکساں نماید برت

(تیرا عشق مٹی اور پانی کی طرح ہے جو میرے دل کے صبر و چین کو لے گیا ہے۔ جب محبوب کی نظر میں اس کی کوئی قیمت نہیں تو پھر تمہارے لئے سونا اور خاک برابر ہیں)

کہ حضور کچھ تو کھا لینا چاہئے فاقہ بہتر نہیں اب یہ دوسروں سے رائے لیتا ہے۔ اس طرح مشورہ اور کمیٹی کر کے کھانا کھاتا ہے۔ اس لئے صحت پر خراب اثر پڑتا ہے۔ باقی عریانی کو صحت میں کچھ دخل نہیں بلکہ عریانی مضر ہے (اور کچھ دنوں کے بعد اس کی مضرت کو یہ لوگ بھی خود تسلیم کر لیں گے جو آج اس کو مفید بتلا رہے ہیں کیونکہ ان کی حالت یہی ہے کہ تجربہ کر کے ٹھوکریں کھا کے ان کو حقیقت کچھ معلوم ہوتی ہے چنانچہ ۱۲) ایک قوم نے یہ حماقت کی کہ ان کی عورتیں سر مونڈنے لگیں یہ بھی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے جس میں دنیا سے خبردار کیا جاتا ہے اس کا یہ اثر ہوا ان کے ڈاڑھی نکلنے لگی تب آنکھیں کھلیں اور اس فعل کو ترک کیا۔ اللہ ہم سب مسلمان کیسی راحت میں ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں حضورؐ نے ہماری سب مصالح ومضار کی رعایت فرما کر ایسی جامع مانع تعلیم ہم کو فرمائی جس میں مضرت کا نام ونشان نہیں بلکہ راحت ہی راحت ہے حضورؐ نے عورتوں کو سر منڈانے سے روک دیا ہے بس ہم کو اس کے بعد کسی تجربہ کی ضرورت ہی نہیں اسی طرح ہر معاملہ میں

حضور نے ہم کو ایسی تعلیم فرمائی جس میں تمام مصالح کی رعایت ہے پس ہم کو حصول منافع واجتناب مضار کی دولت پہلے ہی سے حاصل ہے ہمیں ٹھوکریں کھانے کی کچھ ضرورت نہیں بحمد اللہ کسی نے آج تک کسی تعلیم شرعی میں کوئی مضرت ثابت نہیں کی بلکہ سائنسدانوں کے کلام سے روز وشب اسلامی تعلیمات کے فوائد ومنافع ہی ثابت ہوتے جاتے ہیں۔

صاحبو! تم کیوں دوسری قوموں کے دستِ نگر بنتے ہو، کس لئے ان کی تقلید کے درپے ہو! آخر تمہارے گھر میں کیا نہیں! واللہ تمام قوموں نے اسلام ہی سے تمدن وتہذیب سیکھا ہے اوران کو اس کا اقرار ہے مگر تمہارا یہ حال ہے ؎

یک سبد پرنان ترا برفرق سَر　　　توہمی جوئی لب ناں دَر بدر
تابزا نوئی میانِ قعر آب　　　وزعطش وزجوع گشتی خراب

(تیرے سر پر روٹیوں کا ایک ٹوکرا موجود ہے تو ایک ٹکڑے روٹی کے لئے مارا پھرتا ہے تو رانوں تک پانی میں کھڑا ہے اس کے باوجود تو بھوک اور پیاس سے خراب ہورہا ہے)

محبوب کو جو چیز پسند نہ ہو خواہ کیسی ہی قیمتی اور نفیس ہو وہ عاشق کے نزدیک مٹی سے بدتر ہوتی ہے اور جو اسے پسند ہو وہ اس کے نزدیک جواہرات سے زیادہ قیمتی ہے پھر حق تعالیٰ کو جو چیز پسند ہو وہ عشاق حقیقی کو کیوں کرنا گوار ہوسکتی ہے ؎

عجب داری از سالکان طریق　　　کہ باشند در بحر معنی غریق
دما دم شرابِ درکشند　　　وگر تلخ بینند دم درکشند

(تو سالکان طریق سے جو کہ حقیقت کے دریا میں غریق ہیں تعجب کرتا ہے، وہ ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں جب اس میں رنج کی تلخی دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں)

مولانا نے اس کو بہت صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　　گوئے گشتن بہر اُو اولیٰ بود

(محبوب حقیقی کا عشق لیلیٰ سے کیا کم ہو اس کی گلیوں میں پھرنا اولیٰ اور بہتر ہے)

یہ ہے وہ چیز جو شریعت نے بتلائی ہے۔

طریقِ حصولِ راحت

بس ہمارا یہ کہنا صحیح ہے کہ شریعت نے دنیا و آخرت دونوں کی راحت کا طریقہ بتلایا ہے لیکن راحت دنیا کے طریقہ کی تعلیم کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت نے صنعت و حرفت کے طریقے بتلائے ہیں بلکہ صنعت و تجارت وغیرہ کا بھی جو منتہیٰ ہے شریعت نے اس کی تعلیم دی ہے یعنی دنیا کا لب لباب راحت ہے کیونکہ تمام اسباب عیش سے راحت ہی مطلوب ہے سو راحت کا طریقہ شریعت سے بہتر کسی نے نہیں بتلایا ایک شخص کا بیان ہے کہ انہوں نے اخبار میں کسی ترقی یافتہ فلسفی کا مقولہ دیکھا ہے کہ گو ہم نے ترقی بہت کر لی ہے مگر پھر بھی ہم کو چین حاصل نہیں ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اندر بھی کچھ کمی ہے اور حصول راحت کا طریق وہ نہیں جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔ اب بعض عقلاء نے تو یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمارے اندر مذہب نہیں یہ کمی ہے جس کی وجہ سے ہم کو راحت حاصل نہیں مجھے ان لوگوں کے قول سے استدلال مقصود نہیں مگر چونکہ آج کل ان لوگوں کی بہت تقلید کی جاتی ہے اس لئے میں نے انکے قول کو بیان کر دیا کہ جن کو تم ترقی یافتہ سمجھتے ہو وہ بھی اس ترقی کو سبب راحت نہیں سمجھتے اور یہ مضمون حقیقی ہے کیونکہ راحت ہوتی ہے سکون قلب سے اور سکون ضد حرکت ہے اور یہ اہل ترقی ہر وقت حرکت میں رہتے ہیں۔ کبھی چاند میں جانے کی فکر کرتے ہیں کبھی مریخ میں ان کی ترقی کا کوئی منتہی نہیں ؎

لَا یَنتَھِی اَرَبٌ اِلَّا اِلٰی اَرَبٖ (ایک خواہش پوری نہ ہوئی کہ دوسری پیش آ گئی)

تو ایسے شخص کو راحت کہاں، راحت اس کو ہے جس کا مقصود متعین ہو، وہ صرف اہل مذہب کو حاصل ہے اور اہل مذاہب میں سے بھی صرف اہل اسلام کو، کیونکہ دوسرے مذاہب میں بھی مقصود متعین نہیں گو ان کے نزدیک غایۃ المقصود معبود ہے مگر چونکہ وہ کامل موحد نہیں اس لئے ان کے معبود بالمقصود چند در چند ہیں اور تعدد مطلوب کی صورت میں تشتت قلب لازم ہے کہ کبھی ایک کی طرف قلب جھکے گا کبھی دوسرے کی طرف اور جس وقت ایک طرف مائل ہوگا اس وقت دوسرے کی ناراضی سے خائف ہوگا جیسے کسی طوائف کے چند آشنا ہوں تو ہر شخص سے ملاقات کرتے ہوئے دوسرے آشنا کے مطلع ہو جانے یا آ جانے سے ڈرتی رہتی ہے۔ ہر دم اس کوشش میں رہتی ہے کہ ہر ایک یوں ہی سمجھے کہ اس کے سوا میں کسی سے نہیں ملتی اس حالت میں ظاہر ہے

کہ اس کو کسی سے بھی لطف حاصل نہیں ہوسکتا بخلاف اس کے جس کا تعلق ایک ہی سے ہو وہ ہر دم اسی کی طرف متوجہ ہے اسی کا خوف اس کے دل میں ہے اور اسی کی محبت۔ کسی دوسرے سے اس کو کچھ واسطہ نہیں اس کے دل پر سکون حاصل ہے اسی کو ایک دانا اس طرح بیان کرتا ہے ؎

اَرَبًّا وَّاحِدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ اَدِیْنُ اِذَا تُقُسِّمَتِ الْاُمُوْرُ

تَرَکْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا کَذٰلِکَ یَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِیْرُ

(جبکہ کائنات میں جملہ امور سب کو تقسیم کئے جائیں تو ایک پروردگار کو (پرستش کیلئے) اختیار کروں یا ایک ہزار کو، میں نے لات عزی کو پوجنا چھوڑ دیا اور اہل بصیرت ایسا ہی کرتے ہیں)

اور ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

دلآ رامے کہ داری دل دروبند وگر چشم از ہمہ عالم فروبند

(اپنے مقصود (یعنی اللہ) سے دل کو لگا باقی تمام جہاں سے اپنی نظروں کو ہٹا دے)

اثرِ کلام اللہ

اور یہ بات سوائے اسلام کے کسی مذہب میں نہیں کیونکہ توحید اسلام کے سوا کسی مذہب میں نہیں گو دعویٰ کرنے والے بہت ہیں۔

غرض اہل سائنس نے بھی تسلیم کر لیا کہ سائنس وغیرہ کی ترقی سے ان کو راحت نہیں ملی اور وہ حیران ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے اور آخر وہ کون سی کمی ہے جس کی وجہ سے قلب ہنوز بے چین ہے۔ پھر بعض نے اس کمی کو متعین بھی کر دیا کہ ہمارے اندر مذہب کی کمی ہے اور بعض ابھی تک حیرت ہی میں ہیں چونکہ یہ لوگ متعصب نہیں اور تلاش وفکر میں لگے ہوئے ہیں کیا عجب ہے کہ ایک دن ان کو حق واضح ہو جائے یہ تو ان کا مقولہ تھا جنہوں نے ابھی تک مذہب اسلام کو اختیار نہیں کیا اور جنہوں نے مذہب اسلام کو اختیار کر لیا ہے ان کا مقولہ یہ ہے کہ ہم کو اسلام لا کر وہ اطمینان اور چین حاصل ہوا جو کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں چنانچہ اخبار میں کچھ دن ہوئے دیکھا تھا کہ ایک امریکن ڈاکٹر بائسکوب کی کمپنی کا منیجر تھا اس نے ایک دن مسلمانوں کی اذان ونماز کا تماشا کرنے کی نیت سے ایک مؤذن کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم اذان دو ہم تمہاری اذان کو گراموفون میں بند کریں گے مؤذن نے اذان دی اور اس منیجر

کے دل پر چوٹ لگی اس کی حالت بدلنے لگی حالانکہ اس نے تماشا کی نیت سے اذان کو بند کیا تھا معتقد ہو کر اذان نہ سنی تھی مگر متبرک کلام میں برکت اور اثر ہوتا ہے اگر قلب میں عناد نہ ہو تو اس کا اثر ضرور ہوتا ہے چنانچہ ہندوستان میں ایک بہت مشہور فلسفی صاحب قلم ہیں وہ لکھتے ہیں کہ میں پہلے ملحد تھا اسلامی تعلیم کا میرے قلب پر کچھ اثر نہ تھا اتفاقاً اسی زمانہ میں میں نے مثنوی مولانا رومؒ کا مطالعہ کیا حالانکہ اس وقت میں اس کو کچھ سمجھا بھی نہیں کیونکہ بدوں شروح کے لفظی مطالعہ کیا تھا مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ میں مثنوی پڑھ کر مسلمان ہو گیا شروح کا مطالعہ بعد میں کیا۔ واقعی مثنوی متبرک کلام ہے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ضرور ہو جاتا ہے اور جب مثنوی میں یہ اثر ہے تو کلام اللہ میں کیا اثر ہوگا اس کو خود سمجھ لیا جائے۔

قرآن کا یہ اثر ہے کہ لاٹوس صاحب (گورنر) جب دیوبند کے مدرسہ میں آئے اور تمام درسگاہوں کا معائنہ کیا تو درجہ قراءت میں پہنچ کر محو حیرت ہو گئے اور دیر تک کھڑے رہے اور قراءت سنا کئے اس وقت بعض رؤسا نے ان کے لئے کرسی منگانا چاہی تو اشارہ سے منع کر دیا اور کہا کہ اس وقت بیٹھنا بے ادبی ہے۔ کیمپ میرٹھ میں بچپن میں جس مسجد کے اندر میں اکثر تراویح میں قرآن سنایا کرتا تھا وہ مسجد سڑک کے اوپر ہے کچی مسجد کہلاتی ہے جب میں قرآن تراویح میں پڑھتا تھا تو اکثر انگریز چلتے چلتے قرآن سننے کو کھڑے ہو جاتے تھے حالانکہ میں کچھ بہت اچھا نہیں پڑتا نہ میری آواز اچھی ہے نہ مجھے قرأت آتی ہے مگر اس پر بھی یہ اثر تھا تو جو لوگ ماہر قرأت ہیں اور اچھی آواز سے پڑھتے ہیں ان کی قرأت کا کیا اثر ہوگا اور یہ قرآن ہی کا اثر ہے آواز کا اثر نہیں کیونکہ لہجہ اور آواز کا اثر ہوتا تو کوئی غزل سن کر تو دیکھو اس کا وہ اثر ہرگز نہ ہوگا جو قرآن سننے سے ہوتا ہے مکہ میں جب ہم اول اول داخل ہوئے اور وہاں مؤذن کی آذان وتکبیر سنی تو اللہ اکبر سن کر دل نکلا جاتا تھا جیسے کسی نے ذبح کر دیا ہو یہ بات غزلوں کے سننے میں کہاں؟ (اور قوالی میں جو اثر ہوتا ہے وہ محض غزل کا اثر نہیں بلکہ اس کی ستار ڈھولک بجنے سے اثر ہوتا ہے پھر اس کا اثر محض نفسیاتی قوت پر ہوتا ہے روح پر اثر نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ اور جن پر سماع میں روحانی اثر ہوتا ہے ان پر قرآن کا اس سے زیادہ اثر ہوتا ہے ۱۲ جامع) اور جب آج کل کے قاریوں کے پڑھنے کا یہ اثر ہے تو اب قیاس کرلو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا کیا اثر ہوتا ہوگا۔

جرعہ خاک آمیز چو مجنوں کند　　　صاف گر باشد ندانم چوں کند

(مٹی میں ملا ہوا شراب کا ایک گھونٹ جب مجنوں بنا دیتا ہے اگر وہ صاف ہو تو نہ معلوم کیا کرے گا)

غرض اذان سن کر اس انگریز کی حالت بدل گئی اور وہ بعد میں اسلام لے آیا پھر اس نے اخباروں میں ایک مضمون شائع کیا جس میں لکھا تھا کہ میرے احباب مجھ سے پوچھتے ہیں کہ اسلام سے کیا حاصل ہوا میں ان کو بتلاتا ہوں کہ اسلام سے میرے دل کو وہ چین حاصل ہوا جو کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں اب میں ہوں اور میرا خدا ہے دنیا کی ہر چیز میری نظر میں خار ہے اور یوں دل چاہتا ہے کہ ایک گوشہ میں الگ پڑا رہوں اور اپنے خدا سے لَو لگائے رہوں اسی لئے میں زیادہ تر خلوت میں رہتا ہوں۔ صاحبو! مومن کے دل میں ایسی دولت ہوتی ہے جس کی سلاطین کو ہوا بھی نہیں لگی مگر افسوس ہم اس دولت سے بے خبر ہیں اگر اس کی خبر ہو جائے جیسا کہ اکثر نومسلموں کو خبر ہوتی ہے کیونکہ کفر کے بعد جو اسلام کا نور دل میں آتا ہے تو ان کو اس کا زیادہ احساس ہوتا ہے تو ہم بھی اس نومسلم انگریز کی طرح دنیا سے بے غرض ہو جائیں اور کسی چیز میں دل نہ لگے ؎

ستم ست گر ہوست کشد کہ بسر سرو و من درآ　　　تو زغنچہ کم ندمیدہ در دل کشا بچمن درآ

(بڑا ہی افسوس ہے کہ اگر میرے دل میں ہوس ہو کہ تو سیر کو آئے اور میں باہر ہوں تو خود غنچہ سے کم نہیں ہے دل کو کشادہ کر اندر چمن میں آ)

اور ہمارے ماموں صاحب کا شعر ہے ؎

کر غور ذرا دل میں کچھ جلوہ گری ہوگی　　　یہ شیشہ نہیں خالی دیکھ اس میں پَری ہوگی

آگے مُرشد کو خطاب ہے ؎

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا　　　جب تو نے یہ مے ظالم شیشہ میں بھری ہوگی

تو شریعت نے دنیا کی راحت کے اسباب کی تعلیم اس طرح کی ہے کہ ہم کو ایسی چیز کی تعلیم دی ہے جو راحت کا اصلی سبب ہے اور وہ حاصل ہو جائے تو افلاس و غنیٰ صحت و مرض ہر حال میں انسان کو راحت ہی حاصل ہوگی۔

مقصد وعظ

یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے دعویٰ کیا تھا کہ شریعت نے ہم کو ایسی تعلیم دی ہے جس میں تمام مصالح ومضار کی رعایت ہے اس لئے ہمیں تجربہ کرکے ٹھوکریں کھا کے مصالح و مضار معلوم کرنے کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ صرف اس کی ضرورت ہے کہ شریعت کی تعلیم حاصل کرلیں پھر ہمیں تہذیب وتمدن میں کسی قوم کی تقلید کی ضرورت نہ رہے۔ پس لازم ہے کہ عورتوں کو بھی شریعت کی تعلیم دی جائے تا کہ ان کی بھی اصلاح ہوجائے اور بچوں کی بھی۔ چونکہ اس وقت ایک مسماۃ نے اپنی لڑکی کو تعلیم دین کے لئے تجویز کیا ہے (اللہ تعالیٰ ان کے ارادہ کو پورا فرمائیں آمین۱۲) تو یہ خیال ہوا کہ اس وقت ضرورت تعلیم ہی کو بیان کیا جائے جس کے لئے گو حدیث اَلعِلمُ فَرِیضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسلِمٍ[1] (علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) زیادہ صریح تھی مگر اس میں مسلمۃ کی زیادت ثابت نہیں بلکہ ناواقفوں نے اپنی طرف سے لفظ مسلمۃ حدیث میں اضافہ کردیا ہے مگر معنیً صحیح ہے مگر لفظاً صحیح نہیں تو میں نے اس مسئلہ کو عموم آیت سے مستنبط کرنا چاہا کیونکہ آیات واحادیث کا عموم وخصوص دونوں حُجت ہیں۔

اب مضمون مقصود شروع کرتا ہوں اول آیت کا ترجمہ سن لیجئے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَبَشِّر عِبَادِی الَّذِینَ یَستَمِعُونَ القَولَ فَیَتَّبِعُونَ اَحسَنَہٗ، اولٰئکَ الَّذِینَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰئِکَ ھُم اُولُوا الاَلبَاب.

پس خوشخبری دے دیجئے ان لوگوں کو جو (اللہ تعالیٰ کا) یہ کلام سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں کا اتباع کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی لوگ اہل عقل ہیں۔ ربط اس کا ماسبق سے یہ ہے کہ اس سے پہلے کفار کے خسران وعذاب کا ذکر تھا۔

قُل اِنَّ الخٰسِرِینَ الَّذِینَ خَسِرُوا اَنفُسَھُم وَاَھلِیھِم یَومَ القِیٰمَۃِ الی قولہ ذٰلِکَ یُخَوِّفُ اللّٰہُ بِہٖ عِبَادَہٗ یٰعِبَادِ فَاتَّقُونِ.

(ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ پورے زیاں کار وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے یاد رکھو صریح خسارہ یہی ہے)

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰: ۲۴۰، البدایۃ والنھایۃ ۱۱: ۳۲۲

اس کے بعد متقین کے لئے بشارت ہے اور تقویٰ کا طریق بتلایا گیا ہے۔

وَالَّذِينَ اجتَنبُوا الطَّاغُوتَ اَن يَّعبُدُوهَا وَاَنَا بُوا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ البُشرٰى.

(ترجمہ: اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ ان کے لئے خوشخبری ہے)

کہ جو لوگ شیطان سے بچتے ہیں یعنی اس کی عبادت سے بچتے ہیں اس ترجمہ ہی سے معلوم ہو گیا کہ اَن يَّعبُدُوهَا "الطاغوت" سے بدل ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے جو ہر شیطان کو شامل ہے خواہ شیطان الانس ہو یا شیطان الجن جنکا منتہی ابلیس ہے۔ کیونکہ شیطنت وطغیان میں وہ سب سے بڑھا ہوا ہے پس جو شخص کسی شیطان الانس کی اطاعت کرتا ہے وہ بھی ابلیس ہی کی عبادت کر رہا ہے اور شیطان کی عبادت ہر شرک میں ہے کیونکہ جس قدر شرکیات ہیں سب کا وہی امر کرتا ہے یہاں پر شاید کوئی یہ شبہ کرے کہ مشرکین تو عبادت شیطان کے مُقر نہیں بلکہ وہ بھی اپنے زعم میں خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شیطان کی اطاعت اس طرح کرتے ہیں جو عبادت کی حد میں پہنچ گئی ہے۔

اقسام اطاعت:

کیونکہ اطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک اطاعت مطلقہ ایک اطاعت مقیدہ اطاعت مقیدہ تو یہ ہے جیسے مسلمان امام اور مجتہد کی اطاعت کرتے ہیں جو اس شرط سے مقید ہے کہ امر الٰہی کے موافق ہو۔ اور اطاعت مطلقہ یہ ہے کہ ایسی اطاعت کی جائے جس میں موافقت امر الٰہی کی بھی شرط نہ ہو۔ مشرکین اپنے پیشواؤں کی ایسی ہی اطاعت کرتے تھے اور ایسی اطاعت مطلقہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے دوسرے کا حق نہیں جب انہوں نے غیر حق کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق تھا تو وہ مشرک اور شیاطین کے عابد ہوئے، گو زبان سے اس کا اقرار نہ کریں اسی لئے حق تعالیٰ نے اہل کتاب کو اس امر کی تعلیم دی ہے۔

وَلَا يَتَّخِذَ بَعضُنَا بَعضاً اَربَاباً مِّن دُونِ اللّٰهِ.

کہ ایک دوسرے کو رب نہ بنائے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدیؓ بن حاتم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تو اپنے علماء کو معبود نہیں بنایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلَیسَ کَانُوا یُحِلُّونَ لَکُم وَیُحَرِّمُونَ فَتَاخُذُونَ بِقَولِھِم قَالَ نَعَم قَالَ ھُوَ ذَاکَ یعنی کیا یہ بات نہ تھی کہ تمہارے علماء جس بات کو حلال کردیتے تم اس کو حلال مان لیتے اور جس کو وہ حرام کردیتے اس کو حرام مان لیتے تھے کہا ہاں یہ تو ہوا ہے حضورؐ نے فرمایا کہ بس اس سے تم نے اپنے علماء کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا۔ مطلب حضورؐ کا یہی ہے کہ تم نے ان کی اطاعت مطلقہ کی تھی اور اطاعت مطلقہ عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے بحمد اللہ اہل اسلام کسی کی اطاعت مطلقہ نہیں کرتے۔ غیر مقلدوں کا اہل تقلید پر یہ الزام ہے کہ ان مقلدوں نے بھی اپنے ائمہ و مجتہد کو ارباب بنالیا ہے کہ یہ بھی ان کی اطاعت مطلقہ کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے ؎

بگذر از ظن خطا اے بدگماں　　ان بعض الظن اثم را بخواں

(بدگمان آدمی کی خطا سے درگزر کرو کہ اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہے)

کہ یہ محض بدگمانی ہے مقلدین اطاعت مطلقہ کسی مجتہد کی نہیں کرتے بلکہ ان کے اقوال کا اتباع اس قید کے ساتھ کرتے ہیں کہ اللہ و رسول کے حکم کے موافق ہوں اسی وجہ سے وہ ایسے شخص کا اتباع کرتے ہیں جس کی نسبت ان کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ یہ اللہ و رسول کا پورا متبع ہے اور خلاف حکم شرعی کوئی بات نہیں کہتا۔

علم اور اتباع

اس کے بعد ارشاد ہے۔ وَاَنَابُوا اِلَی اللّٰہِ یہ تقابل بدیع ہے یعنی وہ لوگ شیطان کو چھوڑ کر اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اسی کو مقصود و معبود سمجھتے ہیں اس کے بعد مبتدا کی خبر ہے لَھُم البُشرٰی کہ جن کی یہ شان ہے وہ بشارت سنانے کے مستحق ہیں جیسا مفہوم ہے لام کا، اس کے بعد ہے فَبَشِّر عَبَادِیَ الَّذِینَ یَستَمِعُونَ القَولَ۔ کہ اچھا پھر ان کو بشارت سنا ہی دیجئے! سبحان اللہ قرآن بھی کس قدر بلیغ ہے کہ اول تو ان کا مستحق بشارت ہونا بیان فرمایا پھر بشارت سنانے کا حکم دیا کہ ان کو بشارت سنا ہی دیجئے۔

اس طرز تشویق کا جس درجہ مخاطب پر اثر ہوتا ہے اہل ذوق پر مخفی نہیں۔ اب یہ سمجھئے کہ یہاں عِبَادِیَ الَّذِینَ یَستَمِعُونَ القَولَ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ وہ شیطان سے بچتے ہیں اور اس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں کیونکہ عربیت کا قاعدہ ہے کہ:

اِذَا اُعِیدَتِ المعَرِفَۃُ مَعرِفَۃً کَانَتِ الثَّانِیَۃُ عَینَ الاُولیٰ.

(وہذہ قاعدہ کلیۃ ان لم یعارضہا معارض) کہ جب معرفہ کو دوبارہ معرفہ ہی بنا کر اعادہ کیا جائے تو ثانی سے مراد وہی ہوگا جو اولیٰ سے مراد ہے۔ مگر اعادۂ معرفہ کی بھی ظاہر صورت یہ تھی کہ یہاں ضمیر لائی جاتی یا اسم اشارہ یعنی،

فَبَشِّرھُم (پس ان کو خوشخبری سنا دیجئے) یا بَشِّرِ ھٰؤُلَاءِ. فرمایا جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے ضمیر کو چھوڑ وضع الظاہر موضع المضمر اختیار کیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس عنوان سے تحصیل کمالات کا طریقہ بتلایا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ تحصیل کمالات میں ترتیب ہے۔ حاصل اس ترتیب کا یہ ہے کہ تم کو اول اِستِمَاعُ القَولَ لازم ہے جس کا حاصل طلب علم ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہو جائے گا اس کے بعد اس کا اتباع لازم ہے اس کا حاصل عمل ہے خلاصہ یہ ہوا کہ تحصیل کمال کا طریقہ علم و عمل ہے۔

رُونمائے قرآن حکیم:

اب سمجھئے کہ یہاں یَستَمِعُونَ القَولَ۔ (کلام سنتے ہیں) قول سے مراد کلام اللہ ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اس میں لام عہد کا ہے اور یہاں معہود کلام اللہ ہی ہے۔ دوسرے قاعدہ عربیت کا ہے۔

المُطلَقُ اذَا اُطلِقَ یُرَادُ بِہٖ الفَردُ الکَامِلُ.

کہ مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے پس یہاں بھی مطلق قول سے مراد قول کامل ہونا چاہئے اور قول کامل قرآن ہی ہے کیونکہ قرآن سے کامل تر کون سا قول ہوگا اسی لئے فرمایا ہے۔ ذَالِکَ الکِتٰبُ لَا رَیبَ فِیہِ۔ (اس کتاب میں ذرّہ برابر شک نہیں)

یہی کتاب کامل ہے اس میں کچھ شک نہیں (وہذا علی احدی التقادیر فی ترکیب الآیۃ ۱۲) اور یہ ایسا ہے جیسا ہمارے محاورہ میں بولا کرتے ہیں کہ بات تو یہ ہے یعنی سچی اور کامل بات یہ ہے اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس کے سوا اور کوئی بات، بات ہی نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کی برابر دوسری بات کامل نہیں ایسے ہی ذٰلِکَ الکِتٰبُ کو سمجھئے کہ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کی برابر کوئی کتاب نہیں کیونکہ قرآن معجز ہے لفظاً بھی معنیً بھی مضموناً بھی حفظاً بھی کسی نے خوب کہا ہے ؎

محذرات سرا پر دہائے قرآنی چہ دلبر ند کہ دل می برند پنہانی
(قرآن کے الفاظ میں بہت سے راز چھپے ہوئے ہیں، یہ کب دلبر ہے کہ اس میں چھپا ہوا ہے)

ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

چیست قرآں اے کلامِ حق شناس! رونمائے ربّ ناس آمد بناس
(قرآن کیا ہے؟ اے سچے کلام کو پہنچاننے والے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا ایک ذریعہ ہے)

یہ قرآن رونمائے حق ہے یعنی اس کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کی صفات کمال کا مشاہدہ ہوتا ہے قرآن کے رونما ہونے پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا جو میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ شاہ ایران کی زبان سے بیساختہ ایک مصرع موزوں ہوگیا ؎

درِ ابلق کسے کم دیدہ موجود (ابلق کا موتی بہت کم دیکھنے میں آتا ہے)

اس پر بادشاہ نے دوسرا مصرح لگانا چاہا مگر نہ بن سکا تو اس نے دوسرے شعراء کو حکم دیا کہ اس پر مصرع لگاؤ۔ سب حیرت میں رہ گئے کیونکہ کوئی مضمون ہو تو اس کو پورا کیا جائے یہ کچھ مضمون ہی نہ تھا کہ چت کبرا موتی کسی نے کم دیکھا ہوگا۔ اس پر شاعرانہ مصرع نہیں لگ سکتا تھا، ہاں تک بندی ہو سکتی تھی جیسے کسی نے ایک مصرع کہا تھا ؎

کہا تھا ؎

دندان تو جملہ در دہانند (تیرے سارے دانت منہ میں ہیں)

تو دوسرے شاعر نے اس پر یہ مصرع لگایا ؎

چشمان تو زیر ابروانند (آنکھیں تیری بھوؤں کے نیچے ہیں)

تو یہ شعر نہیں ہوا بلکہ ایک بندی ہوئی اور جیسے ہمارے یہاں ایک شاعر تھے وہ جنگل سے آئے اور ہمارے ماموں صاحب سے کہا کہ منشی جی میں نے ایک مصرع کہا ہے دوسرا تم لگا دو، وہ یہ ہے ؎ سنو دوستو ہے عجب ماجرا

اس پر تو ماموں صاحب نے برجستہ جواب دیا ؎

کہ کھایا تھا منڈوا ہگا باجرا

وہ جھلا گئے کہ تم تو مذاق کرتے ہو ماموں صاحب نے کہا کہ عجب ماجرا تو یہی ہے کہ

کھائے گا کچھ ہگے کچھ اور اگر وہی ہگے جو کھایا تھا یہ تو عجب ماجرا نہیں ہے۔ اور ایک قصہ اکبر کے زمانہ کا سنا ہے کہ اکبر کے یہاں مشاعرہ ہوا کرتا تھا ایک دیہاتی بھی خبر سن کر مشاعرہ میں آیا راستہ میں فیضی شاعر ملا اس نے پوچھا کہاں جارہے ہو کہا بادشاہ کے دربار میں جارہا ہوں میں نے سنا ہے آج وہاں مشاعرہ ہے۔ میں نے بھی ایک مصرعہ کہا ہے مگر دوسرا نہیں بنتا وہ یہ ہے ؎

الف کا پتہ سج (سبز) فیضی نے کہا ؎ ابجد حطی ہج (ہوز)

اب وہ خوش خوش دربار میں پہنچا اور اپنی باری میں آپ نے پڑھا ؎

الف کا پتہ سج ، ابجد حطی ہج اکبر سمجھ گیا کہ دوسرا مصرع کسی لکھے پڑھے نے لگایا ہے تو کہا چودھری تمہارا پہلا مصرع تو بہت اچھا ہے مگر دوسرا مصرع واہیات ہے تو آپ سر دربار فیضی کی طرف اشارہ کر کے بولے کہ یہ اسکی ماں نے ایسی تیسی کرائی تھی یعنی یہ اس کا لگایا ہوا ہے۔ اکبر مارے ہنسی کے لوٹ گیا اور فیضی سے کہا لو اور مصرع لگاؤ۔

غرض شعراء ایران نے کہا کہ یہ مصرع بے تکا ہے اس پر بے تکا مصرع لگ سکتا ہے عمدہ مصرع نہیں لگ سکتا شاہ ایران کو یہ جواب ناگوار ہوا کہ ہمارے مصرع کی ان لوگوں نے بے قدری کی تو اس نے ہندوستان کے بادشاہ کو خط لکھا کہ شعراء ہندوستان سے اس مصرع پر دوسرا مصرع لگانے کی فرمائش کی جائے۔

ایران کے شعراء اس سے عاجز ہو گئے ہیں۔ عالمگیر نے شعراء کو اس کی اطلاع کی یہاں بھی سب کے سب حیران رہ گئے کہ اس بے تکے مضمون کو کون پورا کرے عالمگیر کی بہن زیب النساء بھی شاعرہ تھی اس کو جو اس مصرع کی خبر پہنچی تو وہ بھی سوچ میں پڑ گئی کہ اس کو کس طرح پورا کیا جائے۔ اتفاقاً ایک دن صبح کو شاہزادی سُرمہ لگا رہی تھی وہ کس قدر تیز لگا اور آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا جس میں سرمہ کی کچھ سیاہی تھی اور کچھ سپیدی اور آنسو کو موتی سے تشبیہ دیا ہی کرتے ہیں تو فوراً اس کا ذہن شاہ ایران کے مصرع کی طرف گیا اور اس پر دوسرا مصرع لگا کر اس طرح شعر پورا کر دیا ؎

دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشکِ بتانِ سُرمہ آلود

(ابلق کا موتی بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے مگر محبوب کی سرمہ آلود آنکھ سے ٹپکا موتی اس کی مانند ہے)

شاہزادی نے فوراً عالمگیر کو اطلاع کی عالمگیر بہت خوش ہوئے کہ جس مصرع کی تکمیل سے شعراء ایران عاجز ہو گئے تھے خوشی کی بات ہے کہ شعراء ہندوستان نے اس کو پورا کر دیا اور ایسا پورا کیا کہ پہلا مصرع بھی جو بے معنی تھا با معنی ہو گیا۔ عالمگیر نے ایران کے بادشاہ کو خط کے ذریعہ سے اطلاع دی شاہ ایران خوشی کے مارے اُچھل پڑا کیونکہ اسے تو اپنے مصرع کے ناتمام رہ جانے سے رنج تھا خصوصاً جب کہ شعراء نے اس کو بے معنی قرار دے کر ٹھکرا دیا تھا۔ اب اس نے تمام شعراء ایران کو جمع کیا اور کہا تم نے ہمارے مصرع کو بے معنی کہہ کر واپس کر دیا تھا لو ہندوستان کے ایک شاعر نے اس کو پورا کر دیا پھر اس نے پورا شعر سنایا ؎

دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود   مگر اشکِ بتانِ سُرمہ آلود

(ابلق کا موتی بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے مگر محبوب کی سرمہ آلود آنکھ سے ٹپکا موتی اس کی مانند ہے)

شعراء سب کے سب محو حیرت ہو گئے کہ واقعی شاعر نے کمال کیا اب سب نے درخواست کہ ہم اس شاعر کی زیارت کرنا چاہتے ہیں شاہ ایران نے عالمگیر کے پاس شکریہ کا خط لکھا اور کہا کہ شاعر کو ایران بھیج دیا جائے یہاں سب اس کی زیارت کے مشتاق ہیں عالمگیر وہ خط اور انعام لے کر بہن کے پاس آئے کہ لو یہ بادشاہ کا خط ہے وہ تم کو بلاتے ہیں اور شعر کہو! اب بتلاؤ میں بادشاہ کو کیا جواب دوں۔ شاہزادی نے کہا کہ آپ میری طرف سے ان کو جواب میں یہ شعر لکھ بھیجئے ؎

درسخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل   ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

(میں اپنے کلام میں ایسے پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی پتیوں میں اس کی خوشبو ہو جو میرے دیکھنے کا متمنی ہے وہ میرے کلام کو دیکھ لے)

عالمگیر نے یہی شعر لکھ دیا جس سے شاہ ایران کو معلوم ہو گیا کہ شاعر پردہ نشین عورت ہے اس لئے آنے سے معذور ہے صاحبو! جب ایک انسان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ؎

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا (جو میرے دیکھنے کا متمنی ہے وہ میرے کلام کو دیکھ لے)

تو حق تعالیٰ کا کلام اگر رونمائے حق ہو تو کیا تعجب ہے۔ بس دنیا میں اگر کوئی حق تعالیٰ کو

دیکھنا چاہے تو وہ قرآن میں تجلی دیکھ لے۔ کلام اللہ میں حق تعالیٰ متجلی ہیں اور اگر کسی کو اس سے تسلی نہ ہو تو وہ اس مراقبہ سے تسلی حاصل کرلے کہ حق تعالیٰ تو قرآن پڑھتے ہوئے مجھے دیکھ رہے ہیں کیونکہ حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ بندہ کو خاص نظر سے دیکھتے ہیں۔

نگاہِ عشق

اور عشاق جانتے ہیں کہ محبوب کا محبّ کو دیکھنا زیادہ لذیذ ہے چنانچہ اگر کسی عاشق کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر میں محبوب کی طرف دیکھوں گا تو وہ میری طرف سے نگاہ ہٹالے گا اور اگر میں ادھر نہ دیکھوں تو وہ میری طرف نظر کرتا رہے گا تو عاشق اس صورت میں سینہ پر پتھر رکھ کر محبوب کی طرف نہ دیکھے گا بلکہ یوں چاہے گا کہ وہی مجھے دیکھتا رہے۔ حدیث میں حضرت کعب بن مالک صحابی رضی اللہ عنہ کا قصہ آتا ہے کہ جس زمانہ میں حضورؐ نے ان پر عتاب فرمایا اور سب مسلمانوں کو ان کے ساتھ بات چیت کرنے سے منع کر دیا تھا تو یہ اس وقت سخت پریشان تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں حاضر ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا تو آپ جواب نہ دیتے مگر میں آپ کے لبوں کی حرکت کرتے ہوئے دیکھتا تھا نیز فرماتے ہیں کہ اس وقت حضور کی یہ عادت تھی کہ جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپ میری طرف سے منہ پھیر لیتے اور جب میں آپ کی طرف نہ دیکھتا تو آپ مجھ کو دیکھتے تھے حضرت کعبؓ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے اور اصل میں تو وہ آپ کی نبوت کے عاشق تھے پھر بعد میں آپ کی ہر چیز سے عشق ہو گیا کیونکہ قاعدہ ہے کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہو جاتی ہے ایسی حالت میں ان کا ایسا قول تو منقول نہیں کہ پھر میں ہی آپ کی طرف نہ دیکھتا تھا تا کہ آپ مجھے دیکھتے رہیں لیکن شان عشق سے غالب یہی ہے۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر اس حالت میں مر گیا تو حضور میرے جنازے کی نماز نہ پڑھیں گے (اور یہ ایک مسلمان عاشق کے لئے سخت حسرت کی بات ہے ہر مسلمان کی تمنا یہ ہے کہ ہماری موت حضورؐ کے قدموں میں ہو اور آپ ہماری نماز پڑھیں) اور اگر خدانخواستہ حضور کا وصال اس عرصہ میں ہو گیا تو میں ساری عمر اسی طرح مردود رہوں گا کہ مجھ سے کوئی مسلمان بات نہ کرے گا اور منہ بھی نہ لگائے گا اللہ تعالیٰ نے

حضرت کعبؓ اوران کے ساتھیوں کی یہ حالت جن لفظوں میں بیان فرمائی ہے ان سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ان صاحبوں پر اس وقت کیا گزر رہی تھی، فرماتے ہیں:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيهِم اَنفُسُهُم وَظَنُّوا اَلَّا مَلجَاءَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيهِ، ثُمَّ تَابَ عَلَيهِم لِيَتُوبُوا، اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوابُ الرَّحِيم.

(ترجمہ: اوران تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا ہے یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی ہے بجز اس کے کہ اس کی طرف رجوع کیا پھران کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ رجوع کیا کریں (آئندہ بھی) بے شک اللہ تعالیٰ بڑی توجہ فرمانے والے بڑے مہربان ہیں)

اس آیت میں ان حضرات کی توبہ قبول ہونے کی بشارت بھی دی گئی ہے اوراس کے ساتھ ان کی دردناک حالت کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تین صاحبوں کی توبہ بھی قبول کر لی جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا یہاں تک کہ جب ان کے اوپر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہوگئی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے تو حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور دوبارہ ان کے حال پر توجہ کی تا کہ وہ آئندہ بھی ایسے مواقع میں توبہ کرتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان ہیں۔ حضرت کعبؓ کی اس بات پر کہ مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ اس حالت میں اگر میں مر گیا تو حضورؐ میری نماز نہ پڑھیں گے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب کی ایک تقریر یاد آئی مولانا نے حدیث سوال قبر کے اس جملہ کی شرح میں کہ میت سے پوچھا جائے گا مَن هٰذَا الرَّجُلُ یہ کون صاحب ہیں اور بعض اہل کشف کے اس قول کی حکمت میں کہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت ہر شخص کے سامنے پیش کی جائے گی اور دکھلا کر سوال کیا جائے گا کہ یہ کون صاحب ہیں مسلمان تو صورت دیکھتے ہی تعلق قلبی کی وجہ سے پہچان لے گا اور بے ساختہ کہے گا۔

هٰذَا مُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا جَآءَ نَا بِالْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى.

کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ہمارے پاس معجزات وہدایات لے کر تشریف لائے تھے یہ فرمایا کہ دراصل ہماری محبت کا مقتضی تو یہ تھا کہ ہم سب حضورؐ کے سامنے مرتے اور حضورؐ ہمارے جنازے کی نماز پڑھتے مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے یہ صورت مقدر نہ ہوئی تو اب کم از کم محبت کا یہ اثر تو ہونا چاہئے کہ حضورؐ ہماری قبر ہی میں تشریف لائیں گے پھر مولانا یہ شعر پڑھا ؎

کشتے کہ عشق دارد نگذاردت بدیں ساں　　　بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

(میرے عشق کی کشش ایسی ہے کہ وہ تجھ کو ویسے ہی نہیں چھوڑے گی اگر میرے جنازہ پر نہ آئے گا تو میری قبر پر ضرور آئے گا)

اور صاحبو! ہم یہ حضورؐ کے قدموں پر جان نثار کرنے کے متمنی نہیں بلکہ حیوانات بھی اس کے متمنی تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع میں جب سو اونٹوں کی قربانی کی ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ہمارے حضورؐ مفلس غریب نہ تھے بلکہ آپ امیر اور بادشاہ تھے ورنہ مفلس بھی کہیں سو اونٹوں کی قربانی کیا کرتا ہے اور آپ کے جو واقعات فقر کے منقول ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ کو خدا نے دیا نہیں تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضورؐ جمع نہیں کرتے تھے آپ کی سخاوت کی عادت تھی کہ ادھر آیا ادھر خرچ کیا آپ کا فقر اختیاری تھا خلاصہ یہ کہ آپ تارک الدنیا تھے متروک الدنیا نہ تھے تو ان سو اونٹوں میں سے تریسٹھ کو حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے نحر فرمایا اور بقیہ کو حضرت علیؓ نے آپ کی طرف سے نحر کیا حدیث میں اس موقعہ پر ان اونٹوں کی حالت ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔ کُلُّهُنَّ یَزْدَلِفْنَ الیه۔

کہ جب حضورؐ برچھا لے کر انکی طرف بڑھے ہیں تو ہر ایک حضور کی طرف کو کھسکتا تھا کہ پہلے مجھے ذبح کیجئے! بس حضورؐ اس شعر کے حقیقی مصداق ہیں جو مذکور کی غزل کا ایک جزو ہے ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف　　　بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

(صحرا کے تمام ہرنوں نے اپنے سر ہتھیلی پر رکھ لیے ہیں اس امید میں کہ کسی دن ان کا محبوب شکار کو آئے گا)

حقیقت کلام اللہ

یہ مضمون اس پر چلا تھا کہ میں نے کہا تھا کہ جو دنیا میں خدا تعالیٰ کو دیکھنا چاہے وہ قرآن میں خدا کو دیکھے اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو وہ اس سے تسلی کر لے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہے ہیں حدیث میں ہے قرآن پڑھنے والے کو حق تعالیٰ خاص محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی تلاوت کی طرف پوری توجہ فرماتے ہیں بلاشبہ یوں کہئے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اس کو میٹھی میٹھی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ زیادہ لذیذ ہے اور صاحبو! اگر ذرا تامل سے کام لیا جائے تو تم دنیا میں بھی حق تعالیٰ کو دیکھتے ہو کیونکہ دیکھنے کی چند قسمیں ہیں خاص ملابس کو دیکھنا بھی دیکھنا ہی ہے۔ دیکھو آفتاب کے دیکھنے کی ایک صورت یہ ہے کہ قرصِ شمس کو دیکھے ایک صورت یہ ہے کہ دوپہر کے وقت تیزی کی وجہ سے قرص کو تو نہ دیکھے بلکہ شعاعوں کو دیکھے اور ایک صورت یہ ہے کہ دیوار پر دھوپ کو دیکھ لے یہ بھی آفتاب ہی کو دیکھنا ہے (جب بادشاہ کا دربار ہوتا ہے تو بعض لوگ بادشاہ کو دیکھ کر آتے ہیں ایک کہتا ہے کہ بادشاہ کی صورت ایسی ہے شکل ایسی ہے اور ایک کہتا ہے کہ میں نے چہرہ تو نہیں دیکھا کیونکہ میں دور تھا اور بادشاہ کا رخ دوسری طرف تھا۔ ہاں میں نے بادشاہ کا لباس اور ساز و سامان خوب دیکھا ہے۔ تو دیکھئے دور سے بادشاہ کا لباس دیکھنے والا بھی اپنے کو دیکھنے والا سمجھتا ہے ۱۲) دوسرے جس چیز کو عام طور سے ابصار سمجھا جاتا ہے اس میں مرئی کی حقیقت تو مبصر نہیں ہوتی صرف لون مبصر ہوتا ہے چنانچہ جس شے کا لون نہیں ہے وہ مبصر نہیں ہو سکتی جیسے ہوا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں اس کے آثار کو دیکھ کر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میں نے ایسی تیز آندھی دیکھی کہ ایسی سخت ہوا کبھی نہیں دیکھی۔ جب آثار کو دیکھ کر ہوا کو عرفاً مبصر کہا جاتا ہے تو اب بتلاؤ حق تعالیٰ سے زیادہ کس کے آثار ہیں یقیناً کسی کے آثار، قدرت حق کے آثار سے زیادہ نہیں پھر یہ کہنا کیوں غلط ہے کہ دنیا میں بھی حق تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں گو مجازاً سہی اور صوفیہ تو یہاں تک کہتے ہیں۔ مَارَأَیتَ شَیئاً اِلَّا رَأَیتَ اللّٰہَ فِیہِ۔ اور دوسرے کہتے ہیں اِلَّا رَأَیتَ اللّٰہَ مَعَہٗ۔ اور تیسرے کہتے ہیں اِلَّا رَأَیتَ اللّٰہَ قَبلَہٗ اور یہ سب اقوال صحیح ہیں شاید آپ کو زیادہ اشکال اس میں ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز سے پہلے دیکھتا ہوں مگر اس کی

ایسی مثال ہے کہ جب تم کسی چیز کو دیکھتے ہوتو نورِ آفتاب کو اس سے پہلے دیکھتے ہو کیونکہ بدوں معونتِ نور کے ابصار نہیں ہوسکتا لیکن اس پر کسی کو بھی التفات نہیں ہوتا کہ ہم نور شمس کو اول دیکھ رہے ہیں، صوفیہ کو اول التفات ہر چیز پر نظر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے کہ انہوں نے ہم کو وجود دیا اور ہماری نگاہ میں قوت دی اور اس مبصر کو وجود ولون عطا کیا تو ہم نے اس کو دیکھا اب کچھ بھی اشکال نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا وجود اور اس کا خالق ومکوِّن ہونا تمہارے ابصار سے یقیناً مقدم ہے تو اس کی طرف التفات بھی اگر پہلے ہو تو کیا بعید ہے جب ابصار کی حقیقت معلوم ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ملابس کو دیکھنا بھی رویت ہے تو اب سمجھئے کہ کلام اللہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ایسا ہے جیسا آفتاب کی شعاعوں میں آفتاب کو دیکھنا پس دنیا میں بھی حق تعالیٰ کو اس معنی کر ہم دیکھ سکتے ہیں پس اس سے زیادہ اس مسئلہ کی تقریر میں نہیں کرسکتا (اور کی بھی جائے تو سمجھنے والا کہاں ہے ۱۲) اور کوئی دوسرا تو شاید اتنا بھی نہ بیان کرسکتا اسی مضمون کو اس عنوان سے بھی بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن کو حق تعالیٰ سے ایسا تعلق ہے جیسا شعاع شمس کو شمس سے۔ اور جب قرآن ایسی چیز ہے تو القول مطلق کا مصداق وہی ہوسکتا ہے یہ تو عقلی دلیل تھی القول سے قرآن کے مراد ہونے کی اور اس آیت کے چند آیات بعد ہی نقلی دلیل بھی مذکور ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:......

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحسَنَ الحَدِيثِ كِتَاباً مُّتَشَابِهاً مَثَانِيَ الآيَة.

اس میں قرآن کو اَحسَنَ الحَدِيثِ کہا گیا ہے اور یہاں اَحسَنَهُ فرمایا جس کا مرجع قول ہے تو حاصل اَحسَنُ القَول ہوا اور اَحسَنَ الحَدِيث وَاَحسَنُ القَولِ۔ کے ایک ہی معنیٰ ہیں۔ اور اس سے (یعنی قرآن کو احسن الحدیث کہنے سے) یہ معلوم ہوگیا کہ فَيَتَّبِعُونَ اَحسَنَهُ میں احسن کی اضافت تغایر کے لئے نہیں بلکہ بیانیہ ہے اسی لئے میں نے اپنی تفسیر میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ اتباع کرتے ہیں اس کی اچھی اچھی باتوں کا ہمارے محاورہ میں یہ عنوان اس بات کو بتلاتا ہے کہ اس میں سب ہی اچھی باتیں ہیں۔ قرآن بلا تشبیہ مصری کی ڈلی ہے اگر کوئی مصری کے بارہ میں یہ سوال کرے کہ کدھر سے کھاؤں تو اس سے یوں ہی کہا جائے گا کہ میاں مصری کی ڈلی ہے جدھر سے چاہو کھاؤ جدھر

سے چاہو منہ مارو۔ مگر کوزہ کی مصری میں تو بانس کے ٹکڑے اور تنکے وغیرہ بھی ہوتے ہیں یہ ایسی مصری ہے جس میں کوئی تنکا اور لکڑی مطلق نہیں۔

حقیقت مطلق تقلید

یہ میں نے اس واسطے کہا تا کہ اس شعر کا غلط ہونا سب کو معلوم ہو جائے ؎

من ز قرآں مغز را برداشتم　　استخواں پیش سگاں ، اندا ختم

(میں قرآن میں سے مغز مغز لے لیتا ہوں اور اس کی ہڈیاں کتوں کے سامنے ڈال دیتا ہوں (نعوذ باللہ) حالانکہ قرآن پاک کل کا کل مغز ہے اس میں ہڈیاں ہی نہیں)

یہ شعر جاھلوں نے مولانا کی طرف منسوب کیا ہے اور بھی بہت سے شعر مولانا کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں مگر مثنوی میں ان میں سے ایک بھی نہیں، چنانچہ یہ اشعار بھی مولانا کی طرف منسوب ہیں۔

ہفت صد و ہفتاد قالب دیدہ ام　　ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

(سات سو ستر دل میں نے دیکھے ہیں اس میں سے میں نے سبزہ کو بار بار کاٹا)

اور یہ شعر بھی ؎

دین حق را چار مذہب ساختند　　رخنہ در دین نبی انداختند

(دین حق کو چار مذہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی میں منحصر کر کے دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں رخنہ اندازی کی ہے)

اور یہ شعر ؎

چوں صحابہ حب دنیا داشتند　　مصطفےٰ را بے کفن بگذا شتند

(اگر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دنیا کی محبت رکھتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے کفن دفن کر دیتے)

ان کی تو نسبت ہی غلط ہے اور بعض کی نسبت تو صحیح ہے مگر مطلب غلط سمجھا گیا اور اس کو غلط موقعہ پر استعمال کیا گیا ہے جیسے بعض غیر مقلدین تقلید ائمہ کی مذمت میں مولانا کے اس شعر کو پیش کیا کرتے ہیں۔

خلق را تقلید شان برباد داد　　　　که دو صد لعنت بریں تقلید باد

(مخلوق کو تقلید کے راستہ پر برباد کر دیا ایسی تقلید پر دو صد لعنت)

اس میں مولانا نے مطلق تقلید کی مذمت نہیں فرمائی ہے بلکہ خاص تقلید کی مذمت فرمائی ہے۔ جیسا کہ بریں تقلید میں اشارہ اس خصوصیت پر دلالت کر رہا ہے۔ اور اس کا مشارالیہ وہ تقلید ہے جس کا اس مقام پر ذکر ہے کہ ایک صوفی ایک خانقاہ میں مہمان ہوا خانقاہ والے ایسے ہی بنے ہوئے حرام خور تھے ان کے یہاں کئی روز سے فاقہ تھا یہ صوفی جو گدھے پر سوار ہو کر وہاں پہنچا تو خانقاہ والوں نے اس کا گدھا رات کو بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے عمدہ عمدہ کھانے پکوائے گئے پھر سماع کی مستی سوجھی اور قوال سے کہا کہ سماع کے اندر کسی موقعہ پر بھی گانا خر برفت و خر فت و خر برفت قوال نے جو کسی موقعہ پر یہ مصرع گایا تو سارے خانقاہ والے وَجد میں آ گئے اور سب نے یہی مصرع کہنا شروع کیا وہ صوفی گدھے والا بھی دیکھا دیکھی یہی کہنے لگا۔ خر برفت و خر فت خر برفت۔ رات کو تو سماع سے فارغ ہو کر سو رہے صبح کو اٹھے اور صوفی صاحب نے سفر کا ارادہ کیا تو گدھا ندارد خادم سے پوچھا اس نے کہا کہ وہ رات سے غائب ہے۔ کہا تم نے اسی وقت ہم کو کیوں اطلاع نہ کی کہا حضور میں تو اطلاع کرنے آیا تھا میں نے یہاں آ کر سب کو دیکھا کہ خر برفت کا وظیفہ پڑھ رہے ہیں اور ان کے ساتھ آپ بھی خر برفت کہہ رہے ہیں، میں سمجھا کہ شاید آپ کو کشف ہو گیا ہے کہا میں تو ان کی دیکھا دیکھی کہہ رہا تھا مجھے کیا خبر تھی مولانا اس تقلید کو کورانہ فرماتے ہیں ؎

کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد (ایسی سختی پر دو سو لعنتیں)

اس سے مطلق تقلید کی مذمت پر استدلال کرنا حماقت ہے خیر یہ شعر تو مثنوی میں تھا مگر مطلب غلط بتایا گیا اور یہ شعر تو مثنوی میں ہے ہی نہیں ؎

من ز قرآں مغز را بردا شتم　　　　استخواں بہر سگان بگذا شتم

(میں نے اس قرآن اصل اور مغز کو لے لیا ہے اور ہڈی کتوں کے لئے چھوڑ دیا ہے)

(یہ شعر کفر ہے ۱۲) قرآن میں استخواں و پوست کچھ نہیں سب مغز ہی مغز ہے بلا تشبیہ۔

خطبات حکیم الامت جلد ۲۰-22

قرآن کی ایسی مثال ہے جیسے جنت کی غذا کہ اس میں ثقل بالکل نہیں سب غذا ہی غذا ہے اسی لئے وہاں بول و براز کی حاجت نہ ہوگی کیونکہ دنیا میں جو بول و براز کی حاجت ہوتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی غذا میں جز ولطیف کے ساتھ جو کہ خون بنتا ہے جز و کثیف بھی ملا ہوا ہے اور جنت میں ایسا نہیں۔ جب جنت کی غذا کا یہ حال ہے کہ اس میں جز و کثیف نہیں تو کلام اللہ جو حق تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق رکھتا ہے اس میں استخواں و پوست ثابت کرنا کتنی بڑی جرأت ہے۔ قرآن کا ہر ہر جز و احسن ہے اور معنی حسن کو احسن سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ قرآن چونکہ سب کلاموں سے افضل ہے اس لئے اس کے حسن کو احسن کہنا چاہئے۔ یہاں تک یہ بات ثابت ہوگئی کہ طریقہ تحصیل کمال کا یہ ہے کہ اول علم قرآن حاصل کیا جائے پھر اس پر عمل کیا جائے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا اب دوسرا مقدمہ سمجھو کہ علم قرآن کو استماع سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ مراد صرف الفاظ کا سننا ہے معانی کا جاننا مطلوب نہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ آگے فَيَتَّبِعُونَ اَحسَنَهٗ بھی تو ہے اور اتباع الفاظ مجردہ کا نہیں ہوسکتا بلکہ اتباع بعد علم معانی کے احکام کا ہوگا اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ مراد تو علم معانی ہے مگر اس کو استماع سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ معانی کا سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ اول الفاظ کو غور سے سنا جائے۔ جو شخص تحصیل علم کے وقت معلم کی تقریر کو توجہ سے نہیں سنتا وہ مراد بھی نہیں سمجھ سکتا۔ اور جب يَستَمِعُون القَولَ (کلام سنتے ہیں) سے مراد علم معانی ہے تو اب یہ سمجھو کہ معانی قرآن کے بہت درجات ہیں بعض معانی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سمجھ سکتے ہیں غیر رسول نہیں سمجھ سکتا ان معانی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احادیث میں بیان فرمایا ہے اور بعض معانی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف مجتہدین ہی سمجھ سکتے ہیں جن معانی کو مجتہدین نے سمجھا ہے وہ فقہ کے بعض میں مدون ہیں اور بعض معانی کو تمام اہل علم سمجھ لیتے ہیں اور بعض کو ترجمہ کے بعد عوام بھی سمجھ سکتے ہیں اسی کو ایک عارف نے کہا ہے ؎

حرف حرفش راست در بر معنی　　معنے در معنے در معنے

(اس کے کلمات کا ہر حرف اچھے اچھے معنی لئے ہوئے ہے کہ ان کے معنوں میں معنی چھپے ہوئے ہیں)

اور ایک عارف کہتے ہیں ؎

بہارِ عالمِ حسنش دل وجاں تازہ می دارد　　برنگ اصحابِ صورت رابوار باب معنی را

(اس کے حسن کی بہار دل وجان کو تازگی بخشتی ہے کچھ اس کے الفاظ کی خوب صورتی سے کچھ ان میں پوشیدہ معنی ہے)

حقیقت حدیث وفقہ

اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ حدیث وفقہ بھی قرآن ہی ہے بعض احکام تو بلا واسطہ اور بعض بواسطہ کلیات مدلولہ قرآن کے جن سے حجیۃ حدیث وفقہ کی ثابت ہے پس سب قرآن ہوا مگر دوسرے لباس میں پس یوں کہنا چاہئے کہ ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسنُکَ وَاحِدٌ　　وَکُلٌّ اِلٰی ذَاکَ الجَمَالِ یُشِیرُ

(ہماری عبادتیں مختلف ہیں لیکن تیرا حسن ایک ہی ہے کہ ہر عبادت سے تیرے ہی حسن کی طرف اشارہ ہوتا ہے)

اور ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش　　من اندازِ قدرت را می شناسم

(تو جونسا چاہے لباس پہن کر آ و تمہیں تمہاری چال سے پہچان لوں گا)

اور لباس کے بدلنے سے گو تشخص کے بدلنے سے ذات نہیں بدلتی جیسا کہ بعض حمقاء کا قول ہے اور اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے اس پر مجھ کو ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ہمارے یہاں ایک مہمان آئے تھے تو میں نے صبح کے وقت ایک ملازم کو بلا کر کہا کہ دیکھو یہ مہمان ہیں دو پہر کو کھانا گھر سے لا کر ان کو کھلا دینا اور ان کو اچھی طرح پہچان لو (اس وقت وہ مہمان چادر اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے ۱۲) دو پہر کو وہ ملازم صاحب گھر سے کھانا لائے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ وہ مہمان کہاں ہیں مجھے ملتے نہیں حالانکہ وہ اس وقت بھی میرے پاس ہی

بیٹھے تھے میں نے کہا اور یہ میرے پاس کون بیٹھے ہیں۔ تو آپ کہتے ہیں کہ یہ چادر تو اوڑھے ہوئے ہیں ہی نہیں۔ میں نے کہا اچھا آپ کے نزدیک تشخص کے بدلنے سے ذات بھی بدل جاتی ہے بس چادر اتارنے سے یہ دوسرے آدمی ہو گئے پھر میں نے ان مہمان سے کہا کہ آج سے یہ بات یاد کر لیجئے کہ آپ جہاں کہیں مہمان جائیں تو جس لباس میں وہاں اول اول اتریں اسی لباس میں آخر تک رہیں ورنہ بھوکے مرو گے کیونکہ دنیا میں ایسے عقلاء بھی ہیں جو لباس کے تبدل سے ذات کو متبدل سمجھتے ہیں یہ تو ایک لطیفہ تھا جو حمقاء کے قول پر یاد آ گیا ورنہ اہل عرف کے نزدیک تبدل تشخص سے عین نہیں بدلتا پس حدیث وفقہ بھی قرآن ہی ہے گو لباس دوسرا ہے اور فقہ میں جو مسائل منصوصہ قرآنیہ ہیں وہ تو قرآن ہیں ہی مسائل قیاسیہ مستنبط من القرآن بھی قرآن ہی ہیں کیونکہ فقہاء فرماتے ہیں۔ اَلْقِیَاسُ مُظْهِرٌ لَا مُثْبِتٌ کہ قیاس سے کوئی نئی بات ثابت نہیں ہوتی بلکہ قرآن و حدیث کی مراد ظاہر ہوتی ہے اور کلیات کے واسطہ سے سب ہی قرآن ہیں جیسا اوپر مذکور ہوا اور اس مسئلہ کو امام ابوحنیفہؒ نے سب سے زیادہ سمجھا ہے غالباً طلبہ سمجھ گئے ہوں گے (کانہ اشارۃ الی تجویزہ القراءۃ بالعجمیۃ للعاجز عن العربیۃ ۱۲) پس یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ (کلام سنتے ہیں) میں علم قرآن وعلم حدیث وعلم فقہ سب داخل ہے۔

مغربی تقلید

اور یہ آیت عورتوں کو اس طرح شامل ہے کہ عبادی (میرے بندو) میں تغلیباً عورتیں بھی داخل ہیں کیونکہ یہ بات اجماعاً مسلم ہے کہ احکام کے مخاطب جس طرح مرد ہیں اسی طرح عورتیں بھی ہیں باقی عورتوں کا صراحۃً ذکر نہ کرنا اس میں حکمت یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے تابع ہیں پس جو احکام مردوں کے لئے ہیں ان کے توابع بھی ان کے مخاطب ہیں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ اس طرز میں یہ بات بتلا دی گئی کہ عورتوں کے لئے پردہ ضروری ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کے ذکر اور خطاب کو مستور رکھا چنانچہ قرآن میں عورتوں کا ذکر بالاستقلال بہت کم ہے پس حیرت ہے کہ آج کل کے لیڈر خدا سے نیڈر یعنی بے خوف ہو کر عورتوں کی پردہ دری چاہتے ہیں مگر مجھے ان کے غوغا سے کچھ اندیشہ نہیں انشاء اللہ ہماری مستورات پر اس تحریک کا کچھ اثر نہ ہوگا کیونکہ خدا نے عورتوں میں حیاء کا مادہ مردوں سے

زیادہ رکھا ہے اور حیا خود پردہ دری سے مانع ہے اگر دلائل شرعیہ سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو غیرت وحیاء خود پردہ کو مقتضی ہے چنانچہ اسی حیاء کی بناء پر ہماری مستورات درزی سے کپڑا نہیں سلواتیں وہ غیر مردوں سے اپنے لباس کا بھی پردہ کرتی ہیں۔ اور جو لوگ پردہ کے مخالف ہیں وہ فقہاء کے اقوال کی خواہ مخواہ آڑ لیتے ہیں فقہاء کے اقوال کو وہ ہم سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کو فقہاء کے اقوال پر عمل کرنا مقصود نہیں۔ ورنہ فقہاء کے دوسرے احکام پر بھی تو عمل کرتے بلکہ ان کو محض یورپ کی تقلید مقصود ہے دیکھئے یورپ کی تقلید کیا رنگ لاتی ہے۔ ایک جنٹلمین کی حکایت میں نے سنی ہے کہ وہ لندن سے تعلیم پا کر آئے تو ان کے ابا جان اسٹیشن پر استقبال کے لئے گئے۔ صاجزادے صاحب جو ریل سے اترے تو ابا جان سے ہاتھ ملا کر کہتے ہیں وَل بڈھا تم اچھا ہے۔ اس وقت ابا جان کو معلوم ہوا کہ میں اسے نالائق کو لندن بھیج کر آدمی سے جانور بنا دیا ہے۔ صاحبو! حیرت ہے کہ ہندو جو تمہارے ہمسایہ ہیں انگریزی میں جس قدر ترقی کرتے جاتے ہیں اسی قدر اپنے مذہب میں پختہ ہوتے جاتے ہیں چنانچہ میں نے ایک ہندو کلکٹر کی حکایت سنی ہے کہ وہ روزانہ صبح کو پگڑی باندھ کر اور ماتھے پر تلک لگا کر عدالت میں آتا تھا اور اسی ہیئت سے اجلاس کرتا تھا اگر کوئی مسلمان کلکٹر ہوتا تو ہیٹ پتلون بوٹ سوٹ پہن کر اجلاس کرتا اور اپنے نام کو بھی انگریزی کے قاعدہ سے تعلیل کر کے بدل ڈالتا، چنانچہ ایک مسلمان کا نام حسن علی تھا جب وہ کسی بڑے عہدہ پر پہنچے تو اپنا نام ہسلے کر دیا تھا جو حسن علی کی انگریزی ہے۔ اللہ کے بندو! اگر تم کلکٹر بن کر نماز پڑھو روزہ رکھو ڈاڑھی بڑھاؤ اور ہندوستانی لباس پہنو تو کیا تمہارا عہدہ گھٹ جائے گا ہرگز نہیں۔

لباس ولیاقت

بلکہ تجربہ یہ ہے کہ ایسے شخص کی عزت حکام کی نگاہ میں کوٹ پتلون والوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ خواجہ عزیز الحسن صاحب کو ایک جرمنی حاکم نے ہندوستانی وضع میں دیکھ کر ایک جنٹلمین مسلمان سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے کہا یہ ڈپٹی کلکٹر ہیں تو جرمنی نے کہا کہ یہ شخص بہت شریف معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے عہدہ پر پہنچ کر بھی اپنی وضع پر قائم ہے وہ جنٹلمین مسلمان کہتے تھے کہ اسکی اس بات سے میرے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا کہ جب اس کے نزدیک خواجہ صاحب شریف ہیں

تو میں رذیل ہوں گا۔ کیونکہ یہ سر سے پیر تک انگریزی وضع میں جکڑے ہوئے تھے اگر مسلمان عہدہ دار شیروانی اور ترکی ٹوپی ہی پہن لے تو خیر اس کا مضائقہ نہیں گو ہم کو تو یہ بھی پسند نہیں کہ اوپر شیروانی اور نیچے گرگابی سر سے پیر تک شیر اور گرگ ہی بن جائیں (آدمی سے درندے ہو جائیں) مگر ہیٹ پتلون سے پھر یہ وضع غنیمت ہے (کیونکہ اس میں تشبہ بالکفار تو نہیں ہے ۱۲) مگر اب بعض عورتیں بھی میموں کی تقلید کی حرص کرنے لگی ہیں چنانچہ سر میں ایک کنگھا لگاتی ہیں جس سے بال بکھرتے نہیں اور بال بھی انگریزی رکھتی ہیں مگر اب سنا ہے کہ میمیں چٹیا کاٹنے لگی ہیں، بس تم بھی چٹیا کاٹنے لگو تو وہ لعنت کا کلمہ صادق آ جائے گا جو عورتیں کوسنے کے وقت کہا کرتی ہیں کہ تیری ناک چٹیا کاٹوں گی ہم نے خود تو نہیں دیکھا کیونکہ ہم عورتوں کو تو تکتے نہیں ہیں چنانچہ فتح پور میں جب بڑے گھر کا علاج ہو رہا تھا تو زنانہ شفاخانہ میں ایک امریکن مس ان کا علاج کر رہی تھی وہ کبھی راستہ میں گاڑی پر ملتی مجھے سلام کرتی تھی مگر میں نے کبھی جواب نہیں دیا کیونکہ مجھے اس کے سلام کی خبر ہی نہیں ہوتی تھی پھر اس نے خود ہی ایک روز عیسائیوں میں کہا کہ فلاں شخص بہت عفیف معلوم ہوتے ہیں کسی عورت کی طرف نظر بھی نہیں اٹھاتے۔ سو بحمد اللہ شریعت پر عمل کی جس قدر توفیق ہے، اس کی برکت سے میں تو کسی عورت پر قصداً نظر اٹھاتا نہیں مگر دیکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ میمیں چٹیا کاٹنے کے بعد بہت ہی بُری معلوم ہوتی ہیں جیسے مرد ہوں۔ تو جو عورتیں آج کل میموں کی تقلید میں انگریزی بال رکھتی ہیں کچھ تعجب نہیں کہ چند روز میں وہ چٹیا بھی کاٹنے لگیں۔ کیونکہ آج کل تقلید یورپ کی یہ حالت ہے کہ ریل میں ایک جنٹلمین نے سردی کے زمانہ میں ایک انگریز کو لیمنیڈ اور برف پیتے دیکھا تو آپ نے بھی لیمنیڈ برف پیا مگر وہ انگریز تو برف پی کر بھی کھلے سر بیٹھا رہا اور حضرت کانپنے لگے ان کو جاڑا چڑھ آیا لحاف اور کمبل میں دبکے تب ہوش درست ہوئے تو آج کل بے سوچے سمجھے یورپ کی تقلید کی جاتی ہے۔ مگر افسوس خدا اور رسولؐ کے احکام کی تقلید بے سوچے سمجھے نہیں کی جاتی وہاں تقلید سے عار آتی ہے بلکہ ہر شخص مجتہد بننے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ جہاں یورپ نے کوئی فیشن ایجاد کیا اور یار دوستوں نے شریعت سے اس کی دلیل نکالنے کی کوشش کی گویا اہل یورپ کا فعل تو غلط ہو نہیں سکتا بس شریعت کے حق ہونے کا معیار انکے نزدیک یہ ہے کہ وہ یورپ کی ہر بات کو صحیح کہتی رہے اور اس کی دلیل بھی بتلاتی رہے اگر ایسا نہ ہوا تو شریعت غلط ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡنَ۔ چنانچہ پردہ دری کا سبق ان جنٹلمینوں نے اول یورپ سے سیکھا

پھر اس کوشش میں لگے کہ شریعت سے اس کی دلیل نکالی جائے اب لگے فقہاء کے اقوال کی غلط تاویلیں کرنے اور آیات میں تحریف کرنے اگر ان لوگوں نے یہ سبق اولاً شریعت سے سیکھا تھا تو اب تک کہاں سو رہے تھے اور ان کے باپ دادا کیا سارے جاہل ہی تھے کہ وہ تو شریعت سے اس مسئلہ کو نہ سمجھے اور یہ لوگ لندن جا کر سمجھ گئے کچھ نہیں ان لوگوں نے شریعت کو کھیل بنا رکھا ہے کچھ تعجب نہیں کہ کچھ دنوں میں عورتوں کی چٹیا کاٹنے کا مسئلہ بھی شریعت میں ٹھونسنے لگیں۔ افسوس یہ ہے کہ تقلید یورپ کا لوگوں کو ایسا ہیضہ ہوا ہے کہ اسباب راحت بھی ان کی تقلید میں ترک کر دیتے ہیں اور اسباب زینت بھی چنانچہ مردوں کے لئے ڈاڑھی اور عورتوں کے لئے زلفیں اسباب زینت میں سے ہیں مگر محض تقلید کی بناء پر لوگ اس زینت کے دشمن ہو رہے ہیں اور اسباب راحت کے ترک کرنے کی یہ صورت ہے کہ جنٹلمین سردی کے سفر میں رضائی بستر ہ ساتھ لینے سے عار کرتے ہیں اور گرمی کے موسم میں پانی کا برتن ساتھ نہیں لیتے ہمیشہ بیک بنی ودو گوش سفر کرتے ہیں چنانچہ مولانا جمعیت علی صاحب رحمہ اللہ (قاضی پوری والد ماجد مولانا عبداللطیف صاحب مدظلۂ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۲ ظ) جو بہاولپور ریاست میں دینیات کے پروفیسر تھے ایک دفعہ بہاولپور سے آ رہے تھے چونکہ ادھر گرمی بہت ہے اور پانی کی بھی قلت ہے اس لئے مولانا نے اپنے ساتھ صراحی وغیرہ پانی کے برتن لے رکھے تھے ریل میں ایک جنٹلمین سوار تھے وہ صراحی وغیرہ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ بھنگیوں جیسے برتن آپ نے کیوں ساتھ لئے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جیسے ہم ہیں ویسے ہی ہمارے برتن ہیں پھر جب گرمی زیادہ ہوئی اور جنٹلمین صاحب کو پیاس لگی اور پانی تو اسٹیشن پر بھی نہ ملا چونکہ پیاس بہت لگ رہی تھی اس لئے وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بار بار مولانا کی صراحی کو تک رہے تھے مولانا جمعیت علی صاحب کو معلوم ہو گیا کہ یہ صراحی سے پانی پینا چاہتے ہیں مگر شرم کی وجہ سے میرے سامنے نہیں پی سکتے کیونکہ ابھی صراحی کو بھنگیوں کا برتن کہہ چکے تھے تو مولانا نے غایت کرم کی وجہ سے لیٹ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں تا کہ وہ یہ سمجھیں کہ سو گئے ہیں۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد جب وہ یہ سمجھ گئے کہ مولانا واقعی سو گئے تو جنٹلمین اپنی جگہ سے آہستہ آہستہ اٹھے اور صراحی اٹھا کر منہ سے لگائی، مولانا جمعیت علی صاحب کہتے تھے کہ جی میں تو یہ آیا تھا کہ صراحی کو ہاتھ لگاتے ہی ان کا ہاتھ پکڑ لیتا مگر میں نے رحم کیا کہ غریب پیاسا ہے پانی پی لے تو کہوں گا چنانچہ جب وہ خوب پانی پی چکے اور صراحی ہاتھ سے رکھدی تو میں فوراً بیٹھ گیا اور میں نے کہا

کیوں صاحب یہ کیا حرکت تھی کہ آپ نے بھنگیوں کے برتن سے پانی پیا (اور وہ بھی چوری سے ۱۲) اب تو ان پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور ندامت کے مارے اوپر کو سر نہ اٹھا سکے غرض مولانا نے انکی خوب ہی خبر لی پھر ان کو یہ معلوم ہوا کہ مولانا کالج بہاولپور کے پروفیسر دینیات ہیں تو عہدہ معلوم کر کے ان پر بڑا اثر ہوا اور معافی چاہنے لگے۔ آج کل یہ بھی جنٹلمینوں کی ایک حماقت ہے کہ لباس کو معیار لیاقت سمجھتے ہیں جن کا لباس معمولی ہو ان کو لیاقت سے خالی سمجھتے ہیں چنانچہ جب میں شملہ گیا اور جمعہ کے بعد بیان کے لئے کھڑا ہوا تو ایک صاحب نے کرنل عبدالمجید خان صاحب سے جو ہمارے وعظ کے مشتہر تھے کہا کہ آپ کے علماء کا لباس ایسا ہے جیسے ابھی پاخانہ سے آ رہے ہوں۔ کرنل عبدالمجید خاں صاحب نے کہا اس سوال کا جواب میں ابھی نہیں دینا چاہتا کیونکہ وعظ شروع ہونے کو ہے۔ وعظ کے بعد جواب دوں گا پھر وعظ کے بعد انہوں نے کہا کہ صاحب اب فرمایئے آپ کیا کہتے تھے تو وہ نادم ہو کر کہنے لگے کہ ہماری حماقت تھی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ لیاقت کا معیار لباس ہے مگر آج اپنی حماقت معلوم ہوئی۔ مجھے جب اس گفتگو کی اطلاع ہوئی تو دوسرے بیان میں میں نے ان کی خوب خبر لی۔ یہ گفتگو تقلید یورپ پر چلی تھی اور میں نے کہا تھا کہ بعض عورتوں میں بھی یہ رنگ آنے لگا ہے مگر یہ وہ ہیں جو باہر شہروں میں جا کر رہنے لگی ہیں ورنہ قصبات کی اکثر عورتیں ابھی تک اس سے محفوظ ہیں اور عورتیں جو میم بننے کی کوشش کرتی ہیں یہ ان کی حماقت ہے وہ کہاں تک میم بنیں گی میمیں تو بندوق چلاتی ہیں۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگی بھاگی پھرتی ہیں، اور تم چاہے کتنی ہی تقلید کرو وہی اُوئی کہنے والی رہو گی۔

ضرورت تعلیم نسواں

میں عورتوں کی تعلیم کا مخالف نہیں ہوں مگر یہ کہتا ہوں کہ تم ان کو مذہبی تعلیم دو اور زیادہ ہمت ہو تو عربی علوم کی تعلیم دو اور اس کے لئے زیادہ ہمت کی قید اس لئے ہے کہ عربی کے لئے زیادت فہم اور زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ دوسرا نکتہ عبادی کے ساتھ اِمائی نہ کہنے میں یہ ہے کہ گویا عورتوں کو تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں وہ تو بدوں کہے بھی خود دین کی طرف توجہ کریں گی۔ کہنے کی ضرورت صرف مردوں کو ہے، چنانچہ مردوں کو تو مذہب میں شبہات بھی پیش آتے ہیں اور عورتوں کو شبہات بھی پیش نہیں آتے۔ عمل میں اور فہم میں تو عورتیں کم ہیں مگر اعتقاد میں بڑی

پختہ ہیں دین میں بڑی پکی ہیں اور عمل وفہم میں جو عورتیں کم ہیں اس میں بڑا قصور مردوں کا ہے انہوں نے ان کے مادہ کو کمزور کر رکھا ہے کیونکہ وہ انکی تعلیم کا انتظام نہیں کرتے اگر وہ عورتوں کو مذہبی تعلیم دیں تو انکا عمل وفہم بھی زیادہ ہوجائے اور اس کا سب سے بہتر اور آسان طریقہ تو یہ ہے کہ مرد خود تعلیم حاصل کریں پھر عورتوں کو پڑھائیں اور اگر تم خود پڑھے ہوئے نہ ہو تو علماء سے مسائل پوچھ پوچھ کر گھر والوں کو زبانی ہی تعلیم دو دیکھو اللہ تعالیٰ نے دین کو کتنا سستا اور آسان کر دیا ہے کہ محض سننے سنانے سے بھی دین حاصل ہوسکتا ہے یَسۡتَمِعُونَ الۡقَوۡلَ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حصول علم دین کے لئے توجہ سے سننا اور دوسرے کا زبانی تقریر کرنا کافی ہے تو تم اتنا ہی کرو کہ اردو میں رسائل احکام شرعیہ کے لکھے گئے ہیں ایک وقت مقرر کر کے اپنی مستورات کو وہ رسائل پابندی سے سنادیا کرو مگر اب تو یہ حالت ہے کہ گھر جا کر سب سے پہلے یہ سوال کرتے ہیں کہ کھانا پکایا نہیں اگر کھانا تیار ہوا اور ذرا نمک تیز ہوگیا تو اب گھر والوں پر نزلہ اتر رہا ہے ڈپٹی نذیر احمد خان نے خوب کہا ہے کہ ہماری بیبیاں کیا ہیں مقرب ماما ئیں ہیں۔ غرض آج کل مردوں کو نہ عورتوں کے دین کی فکر ہے نہ دنیا کی فکر ہے بس اپنی راحت کی فکر ہے۔ رات دن عورتوں سے اپنی خدمت لیتے رہتے ہیں کبھی چولہے کی اور کبھی کپڑا سینے کی اور یہ حالت ہمارے ہی صوبہ میں ہے ورنہ عرب اور بھوپال میں مردوں کی یہ مجال نہیں کہ عورتوں سے اس طرح خدمت لے سکیں وہاں تو روز خلع وطلاق کا بازار گرم رہتا ہے اور عورتیں ہر دن قاضی کی عدالت پر کھڑی رہتی ہیں پھر چاہے خطا عورت ہی کی ہو مگر فیصلہ اکثر مرد کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر حکام عورتوں ہی کو مظلوم سمجھتے ہیں وہاں کی حالت دیکھ کر ہمارے یہاں کی عورتوں کی قدر ہوتی ہے کہ واقعی یہ تو جنت کی حوریں ہیں۔ مگر صورت میں نہیں۔ بلکہ ایک خاص صفت میں بلاشبہ اس صوبہ کی عورتیں حوروں کے مشابہ ہیں وہ یہ کہ ان میں حوروں کی طرح قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ کا وصف ہے کہ یہ اپنے خاوند کے سوا غیر مرد کی طرف آنکھ بھی نہیں اٹھاتیں بلکہ بعض کے دل میں تو عمر بھر وسوسہ بھی نہیں آیا۔ مولانا عبدالحق صاحب کانپوری جو بہت حسین جمیل تھے اور جوانی میں تو انکا حسن وجمال بہت ہی مشہور تھا وہ اپنی جوانی کا قصہ بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ ہم بہلی میں سفر کر رہے تھے اور ہمارا بہلوان بہت ہی سیاہ فام تھا راستہ میں اس کا گھر آیا تو اس نے قریب پہنچ کر بیوی کو آواز دی وہ جو

باہر آئی تو ہم کو حیرت ہوگئی کیونکہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ مولانا فرماتے تھے کہ میں نے غور کیا کہ دیکھوں یہ میری طرف بھی نظر کرتی ہے مگر توبہ اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا کہ گاڑی میں کون سوار ہے وہ برابر ہنس ہنس کر اپنے خاوند سے ہی باتیں کرتی رہی اور اس کے کھانے پینے کا سامان دیکر رخصت ہوگئی جس صوبہ کی جاہل اور کم درجہ کی یہ حالت ہے اس میں شریف زادیوں کی کیا حالت ہوگی خود سمجھ لیجئے۔ تو کیا ان حوروں کی یہی قدر ہے کہ مردوں نے ان کو جاہل بنا رکھا ہے نہ ان کے دین کی فکر ہے نہ دنیا کی نہ آرام کی نہ راحت کی، بس مردوں کے نزدیک نکاح کا میزان کل یہ ہے کہ بی بی کے ذریعہ سے بابا ہو جائیں گے۔ یاد رکھو! یہ بڑا ظلم ہے، جو ہم نے عورتوں پر کر رکھا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ خود بھی کامل بنیں اور اپنی عورتوں کو بھی کامل بنائیں جس کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اول علم دین حاصل کرو پھر عمل کا اہتمام کرو اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب یَستَمِعُونَ القَولَ (کلام سنتے ہیں) سے مراد قرآن ہے اور قرآن میں سب دین داخل ہے اور سارے دین کا علم اور عمل دفعتہً ہم کو حاصل نہیں ہو سکتا تو ہم نے علم وعمل کا اہتمام شروع بھی کیا جب بھی نہ معلوم کب اور کس وقت اس آیت کے مصداق بنیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں عزم اتباع بھی بحکم اتباع ہے تم جس وقت سے عزم کر لو گے اسی وقت سے اس آیت کے مصداق ہو جاؤ گے۔ غرض علم وعمل کا اہتمام نہایت ضروری ہے جس کے لئے اس آیت کے علاوہ اور بھی بہت دلائل موجود ہیں۔

طریق تعلیم نسواں

اور اس کا طریقہ وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ اول مرد علم حاصل کریں پھر عورتوں کو پڑھائیں یہ نہ ہو سکے تو اردو رسائل گھر والوں کو سنائیں مگر ان رسائل کی تعیین کسی محقق عالم سے کرائیں اور یہ بھی نہ ہو سکے تو علماء سے زبانی مسائل پوچھ کر عورتوں کو بتلایا کریں اس کے سوا جو دوسرے طریقہ آج کل نکالے گئے ہیں مثلاً زنانہ اسکولوں کے ذریعہ سے یا زنانہ مدارس کے ذریعہ سے تعلیم دینا یہ تو سم قاتل ہے میرا ایک وعظ حقوق البیت ہے اس کے آخیر میں اس پر مفصل کلام کیا گیا ہے جو قابل مطالعہ ہے میں مدارس نسوان کو بھی پسند نہیں کرتا خواہ کسی عالم ہی کے تحت میں ہوں میں تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو ورنہ اگر تم

نے میرا کہنا نہ مانا تو بعد میں پچھتاؤ گے بس اسکولوں اور مدرسوں کو چھوڑ و عورتوں کو گھر میں ہی رکھ کر تعلیم دو اگر عربی میں تعلیم دو تو سبحان اللہ ورنہ اردو ہی میں دینا چاہئے بالکل ٹھوس رکھنا بہت واہیات ہے رہا لکھنا تو یہ نہ واجب ہے نہ حرام ہے اس کو لڑکیوں کی حالت دیکھ کر تجویز کیا جائے جس لڑکی میں جھیپ اور حیا و شرم ہو اسکو لکھنا سکھلاؤ اور جس میں بیبا کی اور آزادی ہو اس کو ہرگز نہ سکھلاؤ اور سکھلانے کے بعد بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے مثلاً ایک احتیاط یہ کی جائے کہ لڑکیوں کو منع کیا جائے کہ کسی عورت کے خاوند کے نام اس عورت کی طرف سے بھی خط نہ لکھیں خواہ وہ کتنی ہی خوشامد کرے کیونکہ وہ مرد یہ تو جانتا ہے کہ میری بیوی جاہل ہے کسی دوسرے سے خط لکھوایا ہے اور بعض لوگ طرز تحریر سے معلوم کر لیتے ہیں کہ لکھنے والی عورت ہے اور طرز تحریر سے اس کی طبیعت کا اندازہ کر لیتے ہیں پھر ان کو بعض دفعہ لکھنے والی کی طرف میلان ہو جاتا ہے جب سفر سے آتے ہیں تو خط لکھنے والی کے واسطے بھی ہدایا تحائف لاتے ہیں اور اس طرح میل جول اور اس کے ذرائع پیدا کر کے فتنہ کھڑا کر دیتے ہیں۔

نیز لڑکیوں کو یہ بھی تاکید کریں کہ جو خط لکھیں اسے اپنے گھر کے مردوں کو دکھلا دیا کریں تاکہ ان کے دل میں کسی طرح کا شبہ اور وہم نہ پیدا ہو۔ ایک یہ بات بھی ضروری ہے کہ لفافہ پر پتہ عورتیں اپنے قلم سے نہ لکھیں بلکہ مردوں سے لکھوایا کریں۔ کیونکہ بعض دفعہ ٹکٹ میلا ہونے کی وجہ سے کوئی مقدمہ سرکاری قائم ہو جاتا ہے تو عورتوں پر دارو گیر نہ ہو بلکہ مردوں سے گرفت ہو اور مردوں کا عدالت میں جانا کچھ مضائقہ نہیں ایک جگہ ایسا قصہ ہو چکا ہے اس لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے یہ تفصیل ہے کتابت سکھلانے میں۔ اب آج کل بعض کی تو یہ حالت ہے کہ کتابت کو عورتوں کے لئے مطلقاً حرام سمجھتے ہیں یہ بھی غلو ہے اور بعض نے اس کو اتنا جائز کر دیا ہے کہ اخباروں میں عورتوں کے مضامین چھپتے ہیں جس میں صاحب مضمون کا پورا نام اور پتہ درج ہوتا ہے بس آج کل ہماری یہ حالت ہے ؎

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

(جب تو بھوکا ہوتا ہے تو کتا بن جاتا ہے اور جب کھالیتا ہے تو بدزبان کمینہ بن جاتا ہے)

ہر طرف افراط و غلو ہے تنگی کریں گے تو حرام سے ادھر نہ رہیں گے اور وسعت دیں گے تو پردہ دری سے ادھر نہ رہیں گے ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی   تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

بعض لوگ عورتوں کو ناول اور فحش قصوں کی کتابیں پڑھاتے ہیں یا پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں اس سے جس قدر فتنہ برپا ہوتا ہے حیاداروں پر مخفی نہیں اس لئے ضروری ہے کہ عورتوں کی تعلیم کا کورس کسی عالم محقق سے تجویز کراؤ اپنی رائے سے تجویز نہ کرو۔ بس مجھے اس وقت یہی مضمون بیان کرنا تھا جس کو میں نے اس آیت سے مستنبط کیا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدح پر بشارت کو ختم فرماتے ہیں جو علم وعمل کا اہتمام کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

اُولٰئِکَ الَّذِینَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ و اُولٰئِکَ ھُم اُولُوا الالبَابِ.

کہ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی ہیں جو (درحقیقت) عقلاء ہیں اس میں دو کمالات مذکور ہیں ایک ہدایت یہ تو کمالِ شرعی ہے اور ایک عقل یہ کمالِ دنیوی ہے۔

ضرورت علم وعمل

خلاصہ یہ کہ علم وعمل ہی سے کمال شرعی حاصل ہوتا ہے اور اسی سے کمال دنیوی یعنی عقل حاصل ہوتی ہے عقلاء حقیقت میں وہی ہیں جو علم وعمل کے جامع ہیں نہ وہ جن کو تم عقلاء سمجھتے ہو۔ آج کل عقلمند وہ شمار ہوتا ہے جو چار پیسے کمانے کی قابلیت رکھتا ہو، خواہ اس کو علم دین اور عمل حاصل ہو یا نہ ہو چنانچہ اسی لئے انگریزی پڑھنے والے اپنے کو عقلاء اور اہل علم کو غیر عاقل سمجھتے ہیں مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جو لوگ علم دین حاصل کر چکے ہیں ان کے سامنے بڑے بڑے انگریزی داں جس نے علم دین حاصل نہ کیا ہو بیوقوف ہے اگر ان کو شک ہو تو ذرا کسی عالم سے گفتگو کر کے دیکھ لیں جو دو ہی منٹ میں اپنی بیوقوفی کا اقرار نہ کر لیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقلمند ان ہی کو کہا ہے جو علم دین وعمل حاصل کر لیں اور ان کے سوا ان لوگوں کو جو دنیا کی ترقی اور قابلیت میں تم سے بھی دس قدم آگے تھے اللہ تعالیٰ نے اُولٰئِکَ کَالانعامِ بَل ھُم اَضَلُّ فرمایا ہے کہ یہ جانوروں سے بھی زیادہ بیوقوف ہیں کیونکہ جانور بھی اپنے مصالح ومضار سے واقف ہیں اور یہ آدمی ہو کر اپنے مصالح ومضار سے ناواقف ہیں تو یہ جانور سے بھی بدتر ہیں اب بتلاؤ جس کو خدا عقلمند کہے وہ عقلمند ہے یا جس کو تم عقلمند کہو یقیناً خدا ہی کا قول سچا ہے پس ہدایت وعقل کا معیار علم وعمل ہے اسی پر ہدایت وعقل کا مدار ہے اور جو شخص علم دین اور عمل سے محروم ہے وہ یقیناً گمراہ

اور بیوقوف ہے ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے جب کوئی اہل یورپ کو عقلمند کہتا تو نہایت برہم ہوتے اور فرماتے تھے کہ جو قوم خدا کو بھی نہ پہچانے وہ خاک عقلمند ہے ہاں یوں کہو کہ چاقو قینچی بنانا خوب جانتے ہیں یعنی کاریگر اچھے ہیں اور صنعت کو عقل سے کیا واسطہ عقل کا کام علم و معرفت ہے اس سے ان لوگوں کو مَس بھی نہیں خلاصہ بیان کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مستحق بشارت فرمایا ہے جو شرک سے بچتے اور توحید اختیار کرتے اور علم و عمل کا اہتمام کرتے ہیں اور ان ہی کو اہل ہدایت اور عقلاء کا خطاب دیا ہے پس ہم کو ہدایت و عقل کا کمال حاصل کرنے کے لئے علم و عمل کا اہتمام کرنا چاہئے اب میں ختم کرتا ہوں اور اس بیان کا نام اَلِاستِمَاعُ وَالاِتِّبَاعُ ، للسادة والاتباع تجویز کرتا ہوں اور لقب نوید جاوید رکھتا ہوں اس لقب کے جز اول میں محرکہ کے نام کی رعایت ہے۔ نوید کے معنی بشارت کے ہیں اور بشارت قرآن میں جہاں بھی ہے دائمی ہے اس لئے اس کے ساتھ جاوید بڑھا دیا۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق دیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں۔

وَالحَمد لِلّٰہِ رَبِّ العٰلمِینَ. وَصَلَّے اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیرِ خَلقِہٖ سَیِّدِنا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِینَ.

اشرف علی

۱۷/ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ

دعوات عبدیت کا دوسرا وعظ

ملقب بہ

منازعۃ الھویٰ

عورتوں کی اصلاح کے متعلق یہ وعظ جناب عبدالحفیظ صاحب سوداگر میرٹھ صدر بمبئی والے کے مکان پر ۲۳ رجب ۱۳۲۵ھ کو تقریباً ایک گھنٹہ بیٹھ کر بیان فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی۔ علاوہ مستورات مولانا محمد مصطفٰے صاحب بجنوریؒ نے قلمبند فرمایا۔

خطبہ ماثورہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له ونشهد ان سيّدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه وبارک وسلم.

امّا بعد فقال النبى صلى الله عليه وسلم لَا يُومِنُ اَحَدُكُم حَتّٰى يكُونَ هَوَاهُ تَبَعاً لِمَا جِئتُ بِہ[1]

تمہید

یہ ایک حدیث ہے ترجمہ یہ ہے کہ کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں حق تعالیٰ کے پاس سے لایا ہوں یعنی شریعت کے۔ یہ چھوٹی سی حدیث ہے لیکن جامع ہے تمام باتوں کو۔ اس مضمون کی عورتوں کو زیادہ ضرورت ہے اسی واسطے اس کو اختیار کیا گیا یوں تو مسلمانوں کی حالت عموماً جیسی کچھ بگڑی ہوئی ہے معلوم ہے مگر عورتوں کی حالت بہت زیادہ خراب ہے۔

یہ اپنی ذہن کی ایسی پکی ہوتی ہیں کہ دین تو کیا دنیا کی بھی بربادی کا ان کو خیال نہیں رہتا رسموں کے سامنے اور اپنی ہٹ کے سامنے چاہے کچھ بھی نقصان ہو جائے کچھ پروا نہیں کرتیں بعضی عورتیں ایسی دیکھی جاتی ہیں کہ ان کے پاس مال تھا کسی شادی یا کسی تقریب میں لگا کر کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئیں اور ہر وقت مصیبت اٹھاتی ہیں مگر لطف یہ ہے کہ اب تک بھی ان رسموں کی برائی ان کو محسوس نہیں ہوئی یوں کہتی ہیں کہ ہم نے فلانے کے ساتھ بھلائی کی اس کی شادی ایسی دھوم دھام سے کر دی۔ یہ سب رقم ہماری خدا کے یہاں جمع

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح: ۱۶۷، کنز العمال: ۱۰۸۴، فتح الباری لابن حجر: ۱۳: ۲۸۹

ہے۔ جیسی جمع ہے آنکھ مچلتے ہی معلوم ہو جاوے گا۔ جب دنیا تک کی تکلیفیں جو کہ ان کے سامنے ان پر اثر نہیں کرتیں جو حالانکہ بالکل محسوس ہیں تو آخرت کی تکلیفوں کو وہ کب خیال میں لاتی ہیں جو ابھی مخفی ہیں خیر عورتوں کی کیا شکایت میں مردوں کو بھی کہتا ہوں کہ کہیں شاذ و نادر ایسا ہوتا ہو کہ ایک بات کو کسی کا جی چاہے پھر وہ اتنا سوچ لے کہ یہ کام اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہے یا نہیں بس جو جس کے جی میں آتا ہے وہ کر گزرتا ہے۔

اور جو اس کام میں کوئی دنیا کی بھی مصلحت ہو تو اس صورت میں یہ خیال آنا تو درکنار کہ یہ کام اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے یا نہیں اگر کوئی یاد بھی دلائے کہ یہ کام جائز نہیں تو کبھی نہ سنے اور جو سنے بھی تو کھینچ تان کر اس کو جائز ہی کر کے چھوڑے ویسے کرنا تو ایک ہی گناہ تھا اب یہ جہل مرکب ہو گیا اور اصرار علی المعصیت کا مرتبہ ہو گیا۔

گناہوں سے اجتناب کی صورتیں

اور ہم لوگ جن گناہوں سے بچے ہوئے بھی ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کو گناہ سمجھ کر چھوڑا ہے بلکہ اکثر یا تو وجہ یہ ہے کہ ہم کو اس پر قدرت نہیں جیسی کسی کی نوکری ایسی ہے کہ اس میں رشوت کا سلسلہ ہی نہیں وہ رشوت سے بچا ہوا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ گناہ سے ڈرتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ رشوت ملتی ہی نہیں۔ عصمت بی بی است از بے چادری اور بعضے گناہوں سے اس وجہ سے بچے ہوئے ہیں کہ ان کی ہم کو ضرورت نہیں پڑتی مثلاً الحمدللہ زیادہ تر مسلمان شراب خوار نہیں ہیں نہ اس وجہ سے کہ شراب کو گناہ سمجھ کر چھوڑا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس کی کوئی ضرورت ذہن میں نہیں آئی تو بچنا کوئی کمال نہ ہوا۔ کمال تو یہ ہوتا کہ قدرت اور رغبت ہوتی پھر اس سے خدا سے ڈر کر بچتے غرض جن گناہوں سے ہم بچے ہوئے ہیں وہ علاوہ خوف حق کے کسی اور وجہ سے چھوڑ رکھے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے وہ آدمی جو شراب نہیں پیتے تارک الصلوٰۃ ہیں یہ شراب چھوڑنا ان کا گر معصیت کے خوف سے ہوتا تو نماز بھی نہ چھوڑتے کیونکہ یہ بھی معصیت ہے۔ اور جب نماز چھوڑتے ہیں اور شراب نہیں پیتے تو معلوم ہوا کہ شراب سے کوئی ایسا مانع موجود ہے ترک صلوٰۃ سے نہیں ہے اور وہ خوف معصیت کے علاوہ ہے کیونکہ معصیت تو دونوں میں مشترک ہے اور وہ مانع چاہے یہ ہو کہ شراب سے نقصان ہوتا ہے یا یہ ہو

کہ دام خرچ ہوتے ہیں یا یہ ہو کہ اس کا کبھی ارادہ نہیں ہوا یا یہ کہ اس میں بدنامی ہے اور یہ مرض کچھ عام ہی لوگوں میں نہیں خواص بھی علی العموم اس میں مبتلا ہیں الا ماشاء اللہ جو لوگ بحمد للہ نماز کے پابند ہیں یہ سن کر تو وہ خوش ہوئے ہوں گے کہ ہم شراب نہیں پیتے اور تارک الصلوٰۃ بھی نہیں ہیں لیکن وہ اتنا اور سمجھیں کہ معصیت صرف ترک صلوٰۃ ہی نہیں ہے بہت سے معاصی ایسے ہیں کہ جن میں یہ لوگ بھی پڑے ہوئے ہیں تو پھر وہی الزام عائد ہو گیا کہ مناہی سے اجتناب اور اوامر کی بجا آوری حق تعالیٰ کے خوف سے نہیں کیونکہ اگر خوف سے ہوتی تو ان مناہی میں کیوں پڑتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے اعمال یعنی شراب سے بچنا اور نماز کا پابند ہونا بھی صرف ایک رسم اور عادت ہے خوف کی وجہ سے نہیں۔

وہ مناہی سنئے جن میں نمازی بھی مبتلا ہیں، وہ غیبت اور تفاخر اور تکبر ہے ان سے بچنے والے بہت کم ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی چور باقی ہے۔ شراب نہ پینا اور نماز کا پابند ہونا ابھی کمال کے مرتبہ میں نہیں آیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو شخص غیبت یا تفاخر وغیرہ میں مبتلا ہو وہ نماز کو بھی چھوڑ دے اور شراب بھی پینے لگے کیونکہ بُرائی سے نجات جس طرح بھی ہو عادۃً یا عجزاً یا کرہاً بہر حال قابلِ شکر ہے کیونکہ اس سے براءت تو رہی اور اس عذاب کا تو خوف نہ رہا جو اس پر موعود ہے۔ جو چاہے کچھ بھی ہو جیسا کہ ایک شخص کو سانپ کاٹنے والا ہو اور وہ شخص اپنی ناواقفیت سے اس سے نہ بچ سکے۔ لیکن کوئی واقف آدمی سانپ کو مار کر اس کو بچاوے تو بہر حال یہ شخص موت کے منہ سے تو بچ گیا اگر اپنے ارادہ سے بچتا تب بچتا اور اگر دوسرے کے ارادہ سے بچ گیا تب بھی بچ گیا۔ بہر حال گناہ سے بچنا ہر حال میں بہتر ہی ہے ہاں اکمل درجہ اس کا وہ ہے کہ معصیت کے خوف سے بچے اور اس درجہ کی شناخت یہ ہے کہ سب گناہوں سے بچے۔ جس کو خدا تعالیٰ یہ درجہ نصیب کرے سبحان اللہ اسی پر موعود ہے۔

وَاَمَّا مَن خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفسَ عَنِ الھَوٰی فَاِنَّ الجَنَّۃَ ھِیَ المَاوٰی وَلِمَن خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ. ذَوَاتَا اَفنَانٍ فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ فِیھِمَا عَینٰنِ تَجرِیَانِ فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ. فِیھِمَا مِن کُلِّ فَاکِھَۃٍ زَوجٰنِ.

ترجمہ: (جو شخص دنیا میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہے جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لئے دو باغ ہیں سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن وانس اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں سے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دو باغوں میں دو چشمے ہوں گے بہتے ہوئے چلے جائیں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی دو قسمیں ہوں گی)

یعنی جو شخص حق تعالیٰ کے خوف سے گناہ سے بچے اس کی جگہ جنت ہی ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ اس کے لئے دو جنتیں ہیں کہ ان میں نہریں ہیں اور طرح طرح کے نعیم ہیں لیکن اس درجہ کا تو کیا ذکر ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم معاصی کئے جاتے ہیں اور دل میں کبھی کھٹکا بھی نہیں ہوتا کہ یہ گناہ ہوا۔ بلکہ ان معاصی پر فخر کرتے ہیں کہتے ہیں ہم نے ذرا سی نوکری میں اتنا روپیہ کما لیا یہ ہمارا ڈھنگ اور چالاکی ہے۔ دھوکہ دے کر اور معاملات ناجائز کر کے ساری عمر روپیہ جمع کرتے رہتے ہیں پھر اس کو ہنر سمجھتے ہیں یہ وہ حالت ہے جس کو موتِ قلب کہتے ہیں اس کے بعد توبہ کی بھی کیا امید ہے۔ کیونکہ توبہ کی حقیقت ہے ندم یعنی پشیمانی اور پشیمانی اسی کام سے ہوا کرتی ہے جس کی بُرائی ذہن میں باقی ہو۔ اور جب گناہ دل میں ایسا رچ گیا کہ اس پر فخر کرتے ہیں تو پھر پشیمانی کہاں؟

یہ تو ان گناہوں کی حالت ہے جن کو ہم گناہ سمجھتے تھے مگر چند روز عادی ہو جانے کی وجہ سے غفلت ہوگئی۔ بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ جن کی طرف آج کل خیال بھی نہیں جاتا بلکہ چھوڑنے سے جی بُرا ہوتا ہے اور یوں تو گناہ سب ہی بُرے ہیں، لیکن ایسے گناہ زیادہ خطرناک ہیں جو علی العموم عادت اور رواج میں داخل ہو گئے ہوں۔ کیونکہ طبیعتیں ان سے مانوس ہوگئی ہیں حتیٰ کہ ان کی بُرائی ذہن سے دور ہوگئی اور بجائے اس کے ان کی ضرورت اور بھلائی دلنشین ہوگئی ہے ان کے چھوٹنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ آدمی چھوڑتا اس چیز کو ہے جس کی بُرائی خیال میں ہو۔ اور جس چیز کی بُرائی ذہن سے نکل جاتی ہے پھر اس کو کیوں چھوڑنے لگا۔ ان گناہوں کو میں مختصراً بیان کرتا ہوں۔

احکام کی قسمیں

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ گناہ کیا چیز ہے گناہ کی حقیقت ہے خدا کے حکم کو بجانہ لانا اور ان احکام کی کئی قسمیں ہیں ایک وہ جو کہ عقائد کے متعلق ہیں۔ اور ایک وہ جو عمل کے متعلق ہیں، اور بعضے معاملات کے متعلق ہیں اور بعضے حقوق عباد کے۔ میں ان کو ترتیب وار اور مختصر مختصر بیان کرتا ہوں۔ اول عقائد کے متعلق سنیئے:

عقائد

ان حقوق کا بجالانا یہ ہے کہ عقائد جیسے خدا تعالےٰ نے بیان فرمائے ویسے ہی رکھے جائیں لیکن ان میں بھی بہت فساد آ گیا اور ان کو جو کچھ خراب کیا جہالت نے کیا، عورتوں میں تو عام رواج ہے کہ پڑھنے پڑھانے کو کچھ چیز ہی نہیں سمجھتیں، جس کی طبیعت بچپن سے جس طرف کو چل جائے اسی طرح چھوڑ دی جاتی ہے۔

کیوں بیبیو! اپنی لڑکیوں کو کھانا پکانا، سینا پرونا کیوں سکھلاتی ہو ان کاموں میں بھی ان کو اپنی طبیعت پر چھوڑ دو پھر دیکھو بڑے ہو کر کیا لطف آتا ہے، ان کو اپنی زندگی کاٹنا دشوار ہو جائے گی حالانکہ دنیا کی زندگی بہت محدود ہے۔ فرض کرلو کہ سو برس تک جیئے گی اگر کھانا پکانا سینا پرونا نہ بھی جانتی ہوگی تو آرام وعزت سے نہیں تکلیف اور ذلت سے ہی کسی طرح اس عمر کو کاٹ ہی لے گی۔ لیکن زندگانی آخرت بلا وہاں کے کام سیکھے ہوئے نہ کٹے گی، کیونکہ وہ دائمی ہے۔

جب تم دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے اتنے ہنر سکھانے کی ضرورت سمجھتی ہو تو اس زندگانی کی نسبت کیا خیال ہے جو اس سے کہیں زیادہ اور دشوار ہے۔ از روئے قاعدہ اگر محدود زندگی کے لئے دس ہنروں کی ضرورت ہے تو غیر محدود کے لئے ہزاروں ہنروں کی ضرورت ہونی چاہئے مگر افسوس ہے کہ ہزاروں کی جگہ سینکڑوں بھی نہیں بلکہ اتنے بھی نہیں جتنے کہ دنیا کے لئے سکھلائے جاتے ہیں۔ آخرت کے بارہ میں لڑکیوں کو بالکل مخلّٰی بالطبع چھوڑ دیا جاتا ہے۔

ضرورۃِ علمِ دین

اب ایک بَلا اور چلی ہے کہ اگر کسی کو تعلیم کی ضرورت محسوس ہوئی تو لڑکیوں کو بھی انگریزی تعلیم دلاتے ہیں انگریز نے مردوں کو بڑی فلاح دی تھی جو عورتوں کو دے گی۔ مرد ہو یا عورت

سب کو پہلے ضرورت ہے علم دین کی اس پر بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ سب کام چھوڑ کر سب کے سب مولوی بن جائیں اس کا جواب یہ ہے کہ علم کے معنی ہیں جاننا، دین کے جاننے کی ضرورت ہے۔ متعارف کتابیں پڑھنے کی سب کو ضرورت نہیں ہاں دین سے بقدر ضرورت واقفیت لابد ہے وہ خواہ عربی کی کتابیں پڑھ کر ہو یا فارسی کی یا اردو کی یا زبانی پوچھ پوچھ کر قرونِ اولیٰ کے لوگ سب عالم تھے۔ مگر نہ کتاب کے ذریعہ سے بلکہ پوچھ پوچھ کر اور زبانی سیکھ کر۔

پھر کیسے کیسے عالم تھے کہ جن کے ذریعہ سے خود کتاب والوں کو بھی علم پہنچا لیکن زمانہ کا رنگ بدلنے سے اب زبانی باتوں پر اعتماد نہیں رہا اس واسطے ضرورت پڑی کہ قرون اولےٰ کے علوم کتابی صورت میں لائے جائیں اس واسطے اب یہ رواج ہو گیا کہ عالم اس کو سمجھتے ہیں جس نے کتابیں پڑھی ہوں اور یہی طریقہ آج کل اسلم ہے اور چونکہ زبانی پوچھنا اور پوچھنے کے بعد اس کو یاد رکھنا یہ بھی دشوار ہو گیا اس لئے احوط طریقہ یہی ہے کہ کتابی تعلیم دی جائے پہلے زمانہ میں کتابیں مشکل تھیں۔ لیکن اب خدا کے فضل سے سہل اور اردو زبان میں ہو گئیں جن سے بہت معمولی لیاقت کا آدمی بھی کاربراری کر سکتا ہے۔

تو اب اس شبہ کی گنجائش نہیں کہ کیا سب کے سب مولوی بن جائیں۔ اور اگر مولوی بننا اسی کو کہتے ہیں کہ بقدر ضرورت دین کی باتیں سیکھ لے تو میں کہتا ہوں ایسا مولوی بننا ضروری ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں جس وجہ سے آپ نے یہ اعتراض کیا تھا کہ سب کام چھوڑنے پڑیں گے۔ وہ وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ بہت تھوڑا کام ہے دنیا کے کاموں سے خارج نہیں ہو سکتا دس پانچ منٹ روزانہ وقت دینے سے کاربراری ہو سکتی ہے مگر تعلیم باقاعدہ ہونی چاہئے۔

طریقہ تعلیم نسواں

طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کو وہ کتابیں پڑھایئے جن میں ان کے ضروریات دینی لکھے گئے ہیں اور ان کو سبقاً سبقاً پڑھایئے ان کے ہاتھ میں کتاب دے کر بے فکر نہ ہو جایئے عورتیں اکثر کج فہم اور کم فہم ہوتی ہیں یا تو کتاب کے مطلب کو سمجھیں گی نہیں یا کچھ کا کچھ سمجھ لیں گی اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے گھر کا کوئی مرد بیبیوں کو اکٹھا کر کے وہ کتابیں پڑھایا کرے یا اگر وہ پڑھ نہ سکتی ہوں تو ان کو سنایا کرے مگر نظر تعلیم کی غایت اور

غرض پر رہے۔ صرف ورق گردانی نہ ہو جو جو مسئلے ان کو پڑھائے جائیں یا سنائے جائیں ان پر عمل کی نگرانی بھی کی جائے۔

یہ بھی قاعدہ ہے کہ مسئلہ پڑھنے سے یاد نہیں رہتا بلکہ اس کے کاربند ہو جانے سے خوب ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی بی بی پڑھی ہوئی میسر ہوں تو وہی کتاب لے کر دوسری بیبیوں کو پڑھائیں یا سکھائیں۔

بہرحال کوئی صورت ہو مگر اس سے غفلت نہ ہونی چاہئے آپ صرف اپنی ذات خاص سے پابند شرع ہو کر بَری نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے:

قُوا اَنفُسَكُم وَاَهلِيكُم نَاراً وَقُودُهَا النَّاسُ وَالحِجَارَةُ

یعنی بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔ اور حدیث ہے

اَلا فَكُلُّكُم رَاعٍ وَكُلُّكُم مَسئُولٌ عَن رَعِيَّتِهٖ۔[1]

یعنی ہر بڑا چھوٹے کا نگراں ہے۔ اور اس سے باز پرس ہوگی تو جس طرح ممکن ہے عورتوں کو دین سکھاؤ۔ مرد خود سکھائیں یا کوئی بی بی دوسری بیبیوں کو سکھا دیں اور سکھانے کے ساتھ ان کو کاربند بھی بنا دیں اس کے بغیر برأت نہیں ہو سکتی اس پر آپ یہ نہ کہیں کہ عورتیں راہ پر آتی ہی نہیں کیونکہ آپ کو خدا تعالےٰ نے حاکم اور ان کو محکوم بنایا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَاءِ. (مرد عورتوں پر حاکم ہیں)

مَرد عورتوں پر حاکم ہیں

حاکم کا محکوم پر بڑا قبضہ ہوتا ہے۔ یہ صرف حیلہ ہے کہ وہ مانتی نہیں اس کو ہم سچ جب سمجھیں کہ وہ کھانے میں نمک کڑوا کر دیں اور آپ دو چار مرتبہ کہنے کے بعد چپکے بیٹھ کر کھا لیا کریں مگر دنیا کے کاموں میں یہ کبھی نہیں ہوتا سستا تو دین ہے کہ اس کو جس طرح چاہیں رکھیں۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ عورتوں کو دو ایک بار نصیحت کر کے خاموش ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ جن کاموں سے عورتوں کو منع کرتے ہیں ان کاموں میں مردوں کو بھی حظ آتا ہے۔ منع کرنا ان کا برائے نام ہے۔ حتیٰ کہ عورتیں جب رسمیں کرتی ہیں اور مرد ان کو منع کرتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہیں کہ مجھے

---

[1] الصحيح للبخاري : ۲، سنن أبي داؤد كتاب الخراج باب: ۱، سنن الترمذي : ۱۷۰۵

کیا مل جاوے گا۔ تمہارا ہی تو نام کروں گی۔ بس اس وقت مرد خاموش ہو جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ نام کرنے کی خواہش ان کو خود بھی ہے جب ان ہی کے افعال میں کوتاہی ہے تو ان کے محکوموں کے افعال میں کیوں نہ ہوگی اور جو مرد مستعد بھی ہیں اور تشدد سے بھی کام لیتے ہیں ان میں بھی کوتاہی یہ ہے کہ ان کے ذہن میں جو فہرست گناہوں کی ہے جس پر عورتوں کو تنبیہ کرنا چاہتے ہیں اس میں غلطی ہے۔

رواجی اور غیر رواجی گناہ

بہت سے گناہ اس میں ہیں ہی نہیں اس میں فقط چوری اور حرام کاری وغیرہ رواجی گناہ ہیں ان پر عورتوں کو بھی مجبور کرتے ہیں۔ دیکھا ہوگا۔ اگر خدانخواستہ شرفاء میں سے کوئی عورت ان گناہوں میں سے کوئی گناہ کرے تو بڑی دور تک نوبت پہنچتی ہے اور ان کے سوال چاہے ان سے بڑے بڑے گناہ کر ڈالے تو کوئی پوچھنے والا نہیں وجہ یہ ہی ہے کہ یہ گناہ مردوں کی فہرست میں ہے ہی نہیں تو اصل یہ ہوئی کہ ان گناہوں میں خطا مردوں کی بھی ہے اس واسطے نہیں چھوڑتیں اور اس فہرست بنانے میں صرف ناواقفیت سے غلطی نہیں ہوئی بلکہ چالاکی سے کام لیا گیا ہے اور ان گناہوں کو کھینچ تان کر جائز کیا گیا۔ دیکھئے آج کل کی بعض رسمیں خوبصورت مباحات ہیں، ان میں یہ چالاکی کی گئی ہے کہ:

جب علماء سے دریافت کیا گیا تو اس طرح سے کہ آپس میں ملنا جلنا جائز ہے یا نہیں اور کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں .... اور کسی رشتہ دار کے ساتھ سلوک کرنا جائز ہے یا نہیں، ان سوالوں کا جواب مجیب کیا دے سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ جائز ہے۔

بس آپ نے یہ جواب لے کر گناہوں کی فہرست میں سے ان افعال کو علیحدہ کر لیا اور ان افعال کو جائز رکھا اور سمجھ لیا کہ جس مرکب کا ہر جزو مباح ہے تو مرکب ناجائز کیسے ہوگا یہ اصل ہے آج کل کے رسوم کی جو اکثر پڑھے لکھوں کو یاد ہے۔

لیکن سمجھ لیجئے کہ شریعت نے جو گناہوں کی فہرست دی ہے اس میں اور بھی گناہ ہیں جو آپ کی رسوم کا جزو ہیں یعنی اس میں تکبر اور تفاخر وغیرہ بھی داخل ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ كُلَّ مُختَالٍ فَخُورٍ.

(بیشک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں، شیخی کی باتیں کرتے ہوں)

اور یہ آپ کی فہرست میں نہیں ہے۔ اور فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ.

(بیشک اللہ تعالیٰ متکبر لوگوں کو پسند نہیں کرتے)

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِنَ الْکِبْرِ.[۱]

(جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ ہوگا)

اور دوسری حدیث میں ہے:

من سمع سمع اللّٰہ بہٖ.[۲]

(اور جو شخص لوگوں کو سنانے کے واسطے کوئی عمل کرے گا تاکہ لوگوں میں اس کی شہرت ہو تو اس کے عیب کو اللہ تعالیٰ مشہور کرے گا اور اس کو قیامت کے دن رسوا کرے گا)

اور ایک حدیث میں ہے:

وَمَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُھْرَۃٍ اَلْبَسَہُ اللّٰہُ ثَوْبَ الذِّلِّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ.[۳]

(جو شخص دکھاوے کی غرض سے کوئی کپڑا پہنے گا تو اس کو خدا تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے)

ان آیات اور احادیث سے عجب اور تکبر اور تصنع اور دکھلاوے کی بُرائی ثابت ہے اب دیکھ لیجئے کہ رسوم کی بناء ان ہی پر ہے۔ پس ہر مفرد اس مرکب کا جائز کہاں ہوا جو مرکب جائز ہو۔ پس آپ کی دلیل تو نہ چلی اور ہمارے پاس دلیل ہے جس کی بناء پر ہم ان رسوم کو بُرا کہتے ہیں وہ دلیل یہ ہے کہ تکبر اور تفاخر اور دکھلاوے کو شریعت نے معصیت قرار دیا ہے جس فعل میں یہ معصیت موجود ہوگی وہ بھی معصیت ہوگا پس جزو معصیت ہوگا پس جزو معصیت کو ذکر نہ کرنا اور صرف

---

۱ المعجم الکبیر للطبرانی ۷:۱۸۲

۲ الصحیح للبخاری ۸:۱۳۰، الصحیح لمسلم کتاب الزھد:۴۷، مشکوٰۃ:۵۳۲۷

۳ مسند أحمد ۲:۹۲، شرح السنۃ للبغوی ۱۲:۲۶، مشکوٰۃ المصابیح: ۴۳۴۶

مباحات کا نام لے کر استفتاء کر لینا چالا کی نہیں تو کیا ہے۔ خدارا ان چالا کیوں کے مفاسد میں نہ پڑیئے مفاسد تو اپنا اثر ضرور لائیں گے۔ گو کیسی ہی تاویل کر لو کیا ممکن ہے کوئی سنکھیا پیس کر ہتھیلی پر رکھ کر یہ تاویل کر کے کھائے کہ شکر بھی سفید ہوتی ہے اور یہ بھی سفید ہے تو ہم اس کو شکر کیوں نہ کہیں کیا اس تاویل سے سنکھیا اپنا اثر چھوڑ دے گا ایسے ہی کھانے اور پینے اور لباس اور اٹھنے اور بیٹھنے میں جب شرعی مفاسد موجود ہوں تو کیا ان مفاسد کا ازالہ آپ کے اس دل سمجھانے سے ہو جائے گا کہ لباس بھی جائز ہے اٹھنا بیٹھنا بھی جائز ہے۔ لینا دینا بھی جائز ہے۔

تو ان سب کا مجموعہ کیسے نا جائز ہے۔ اگر تحقیق مقصود ہے تو سوال میں اس جزو نا جائز کو بھی ظاہر کر کے جس عالم سے چاہے پوچھ لیجئے کہ لباس بطور تفاخر پہننا کیسا ہے اور کسی کو دنیا دکھلاوے کے لئے کیسا ہے جواب یہی ملے گا کہ نا جائز ہے اور اسی طرح اگر یہ پوچھا جاوے کہ تفاخر کے لئے رسمیں کرنا کیسا ہے تو دیکھئے کیا جواب ملے گا۔

اچھا لباس

اور کوئی صاحب یہ شبہ نہ کریں کہ میں اچھے لباس کو منع کرتا ہوں، میں خود لباس کو منع نہیں کرتا بلکہ اس مفسدہ سے بچاتا ہوں جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ ریا اور عجب ہے جو ان سے بچ سکے وہ پہنے۔ اللہ کے بندے سب طرح کے ہیں۔

بھوپال کا ایک قصہ ہے کہ ایک دفعہ بہت سے آدمی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک صاحب ان میں سے بہت صاحب ثروت اور عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ بارش آ گئی تو لوگ نیت توڑ توڑ کر بھاگے اور اندر جا کر نماز پڑھی یہ اللہ کا بندہ ایسا نماز میں مشغول تھا کہ اسی اطمینان سے نماز پڑھتا رہا۔ اتنا بھی نہ کیا کہ چھوٹی سورت پڑھ کر ختم کر دے اسی طرح اطمینان کے ساتھ نماز پوری کی۔ کپڑے نہایت لطیف اور قیمتی تھے سب خراب ہو گئے۔

کسی نے کہا حضرت بڑا نقصان کیا اتنی قیمت کے کپڑے خراب ہو گئے جیسے اور لوگ نیت توڑ کر اندر چلے گئے تھے آپ بھی نماز مختصر کر کے اندر چلے جاتے تو اتنا نقصان کیوں ہوتا۔

انہوں نے کہا بھائی میرے پاس کپڑے اور بھی ہیں یہ خراب ہو گئے تو اب جا کر اور پہن لوں گا۔ نماز میں جو کوتاہی ہوتی تو اس کا بدل کیا ہوتا۔ سو اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں اس میں اعتبار دل کا ہے کیونکہ نیت فعل قلب ہے اگر نیت تفاخر کی نہیں ہے تو اچھے کپڑے

میں کچھ حرج نہیں اس کا ذمہ دار خود پہننے والا ہے وہ اپنے قلب کو دیکھ لے اپنا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ صاف کر کے جوفتویٰ دیا جا سکتا ہے وہ ظاہر حالت پر مبنی ہوتا ہے اور میں نے جو کہا ہے کہ اعتبار دل کا ہے۔

ظاہر و باطن کی اصلاح

اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ شرع کے خلاف ظاہر کے بگاڑ لینے میں کچھ حرج نہیں صرف باطن درست ہونا چاہئے کیونکہ حق تعالیٰ نے دونوں کا اعتبار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

وَذَرُوا ظَاهِرَ الاثِمِ وَبَاطِنَهٗ.

یعنی ظاہری گناہ بھی چھوڑو اور باطنی بھی اسی ترجمہ کے لئے دوسرے لفظ یہ ہیں کہ ظاہر کی بھی اصلاح کرو اور باطن کی بھی اسی مغالطہ میں بہت سے آدمی پڑے ہوئے ہیں کہ ظاہر کی اصلاح کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ بعضے تو ظاہر کے بگاڑنے کو اچھا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اس سے تکبر نہیں ہوتا۔ ظاہر بُرا ہونے سے خلق کی نگاہ میں وقعت نہیں ہوتی اس سے نفس مرتا ہے اور بعضوں نے تو حد کر دی کہ نماز تک نہیں پڑھتے اور جب ان سے کہا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ کیا تمہارے دکھلاوے کی نماز پڑھیں تمہیں کیا معلوم ہے کہ فقیر کس حال میں ہے۔ ان کا راز بتلائے دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ نفس کی ہزاروں چالیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی مصلحت سمجھا کر کسی کام سے روک دیتا ہے، وہ مصلحت کبھی دنیاوی ہوتی ہے اور کبھی دینی۔ جو لوگ ضعیف ہیں ان پر تو دنیاوی مصلحت کا پیش کرنا کافی ہو جاتا ہے ان کے قلب میں اتنا بھی استقلال نہیں ہے کہ اس مصلحت کا پیش کرنا کافی ہو جاتا ہے ان کے قلب میں اتنا بھی استقلال نہیں ہے کہ اس مصلحت کو باوجود دنیاوی جاننے کے دین کے مقابلہ میں چھوڑ سکیں۔ مثلاً جماعت کا وقت ہوا اور کوئی شخص سوداگر ہو تو نفس اس وقت سوجھاتا ہے کہ اگر جماعت کے لئے جاؤں گا تو یہ سودا بگڑ جائے گا اور اتنا نقصان ہوگا۔ پس وہ سوداگر اس چال میں آ جاتا ہے اور صرف مصلحت کا لفظ سن کر دین کے کام سے رہ جاتا ہے۔ اور جو لوگ کسی قدر قوی القلب ہیں اور دیندار کہلاتے ہیں ان کے سامنے نفس مصلحت کو دینی پیرایہ میں پیش کرتا ہے اور مغالطہ میں ڈال کر کام سے روک دیتا ہے، چنانچہ یہ کہنا کہ

ہم دکھلاوے کی نماز نہیں پڑھتے یہ بھی نفس کی چال ہے کہ اس مغالطہ میں ڈال کر کہ جماعت کی نماز پڑھنے میں ریا و تکبر پایا جاتا ہے جماعت سے روک دیتا ہے غرض نہ باطن کی اصلاح چھوڑیئے نہ ظاہر کی اور میرے اس کہنے کا کہ دل کا اعتبار ہے یہ مطلب نہیں کہ ظاہری معاصی جائز ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مباحات ظاہری میں بھی جب دل بگڑا ہوا ہو تو وہ مباح نہیں رہتا۔ پس اچھا کپڑا پہننے میں یہ بھی ضرور خیال کر لیجئے کہ کہیں نفس میں تفاخر وغیرہ تو نہیں ہے رسوم میں بھی غور کریں گے تو صاف تفاخر معلوم ہوگا۔ پس وہ چیزیں واجب الترک ہوں گی یہ عورتوں میں رسوم ہی کی طرح اس تصنع اور تزئین کی بھی حد ہوگئی ہے کہ جو کپڑا بناتی ہیں بڑی چھان بین کر کے انتخاب کرتی ہیں ہر بی بی کا یہی حوصلہ ہے کہ ایسا کپڑا بناؤں کہ دوسرے کے پاس نہ نکلے اسی کو ترفع کہتے ہیں یا نہیں۔

نیت لباس

اسی کے بارہ میں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مَن لَبِسَ ثَوبَ شُهرَةٍ اَلبَسَهُ اللّٰهُ ثَوبَ الذِّلِّ يَومَ القِيَامَةِ۔[1]

یعنی جو شخص کوئی کپڑا دکھاوے کی غرض سے پہنے گا اس کو خدا تعالیٰ ذلت کا لباس قیامت کے دن پہناویں گے۔

کیا عورتوں کے ان معمولی افعال کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ رسوم میں نیت انکی درست ہے۔ عورتوں کو اس طرف التفات بھی نہیں کہ نیت درست اور نادرست کیسی ہوتی ہے۔ اور یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب کوئی کپڑا بناتا ہے تو دو چار کپڑوں میں سے اچھا ہی چھانٹ کر لیتا ہے تو یہ سب ترفع یا دکھلاوا ہوا اس کا گر یاد رکھو کہ کپڑا اپنا جی خوش کرنے کو پہنا جاوے تو مباح ہے اور دوسرے کی نظر میں بڑا ہونے کے لئے پہنا جاوے تو ناجائز ہے گویا کپڑے کے اچھے ہونے کے دو مرتبے ہیں ایک یہ کہ بُرا نہ ہو جس سے اپنا دل خوش ہو اور اوروں کے سامنے ذلیل نہ ہونا پڑے۔ اس کا کچھ حرج نہیں اور ایک یہ کہ دوسروں سے بڑھا چڑھا ہو کہ اس کی طرف نظریں اٹھیں یہ بُرا ہے یہ گناہ تو کپڑے کے متعلق تھے جن سے بعض رسوم کا حکم بھی معلوم ہوا۔

---

[1] مسند أحمد ۲:۹۲، شرح السنة للبغوی ۱۲:۳۶، مشكوة المصابيح : ۴۳۴۶

ریائی کھانا

اب کھانے کے متعلق سنئے کہ رسموں سے اس کا بھی تعلق ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ کھانا کھلانا جائز ہے اور مفتی فتویٰ دیتے ہیں کہ جائز ہے مگر شریعت کی فہرست میں تو دیکھو اس میں حدیث کا یہ مضمون بھی گناہوں میں لکھا ہوا ہے۔ یعنی حدیث میں ہے:

نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عَن طَعَامِ المُتَبَارِيِينَ۔[1]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کے کھانا کھانے سے منع فرمایا جو آپس کی بحثا بحثی سے کھانا کھلاتے ہوں دیکھ لیجئے یہ کھانا جائز ہے تو آپ کا یہ کہنا صحیح نہ رہا کہ کھانا کھلانے میں کیا حرج ہے اسی پر تمام ان کاموں کو قیاس کر لیجئے جن کے مجموعہ کا نام رسوم ہے آپ نے رسموں کے جواز میں یہ دلیل پیش کی تھی کہ کھانا کھلا دینا لینا آنا جانا علیحدہ علیحدہ سب افعال مباح ہیں ان کے جمع ہونے سے ممانعت کیسے لازم آ گئی میں کہتا ہوں دیکھ لیجئے کپڑا پہننے کو آپ جائز سمجھتے ہیں۔ مگر اس کے لئے شریعت میں ایک قید ہے کھانے کھلانے کو آپ جائز کہتے ہیں۔ اس میں بھی ایک قید ہے۔ اب ان رسوم میں دیکھ لیجئے کہ وہ افعال معہ ان قیدوں کے موجود ہیں یا بلا قیدوں کے اس میں آج کل کے عقلمند بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

رسمیں دو قسم پر ہیں

مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ خدا کا شکر ہے اس زمانہ میں پہلی سی رسمیں بہت کم ہو گئیں میں نے کہا ہرگز نہیں۔ بات یہ ہے کہ رسمیں دو قسم کی ہیں ایک وہ جو شرک تک پہنچی ہیں وہ البتہ چھوٹ گئیں۔ ایک وہ ہے جن کی اصل تفاخر ہے۔ یہ پہلے سے بھی بڑھ گئیں۔ البتہ پہلے شرک کی عجیب عجیب رسمیں تھیں۔

سید صاحب ایک جگہ مہمان ہوئے۔ صاحب خانہ ایک عالم شخص تھے وہ سید صاحب کی وجہ سے باہر بیٹھے ہوئے تھے اندر سے ایک عورت آئی کہ ذرا گھر میں چلو وہ سید صاحب کی وجہ سے اٹھ نہ سکے۔ گھر سے کئی بار تقاضا آیا کہ کام حرج ہو رہا ہے جلدی چلئے۔ سید صاحب نے سن لیا اور فرمایا گھر میں تشریف لے جایئے کچھ کام ہو گا۔ صاحب خانہ نے کہا

---

[1] سنن أبی داؤد: ۳۷۵۴، المستدرک للحاکم ۴: ۱۲۹، المعجم للطبرانی ۱۱: ۳۴۰

کہ نہیں حضرت کچھ بھی کام نہیں۔ ایک شادی کے لئے دھان کوٹنے تھے اس کے لئے موسل میں ڈورہ باندھنے کے لئے مجھ کو بلاتے تھے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ مولانا یہ تو شرک ہے انہوں نے اس ماما سے کہہ دیا کہ والدہ سے کہہ دو کہ سید صاحب شرک بتلاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ رسمیں بالکل لغو تھیں مگر یہ ضرور تھا کہ بہت سے سمجھدار کرنے والے بھی ان کو لغو سمجھتے تھے، اگرچہ کرتے سب تھے اور آج کل کی رسمیں جن کو میں نے کہا ہے کہ پڑ گئیں ہیں ان کو دانشمند لوگ بھی یہ نہیں سمجھتے کہ یہ گناہ ہے اور وہ رسمیں آج کل کی تفاخر اور تکلف کی ہیں۔ پہلے لوگوں میں موٹا جھوٹا پہن لیتے تھے، باسی تازہ کھا لیتے تھے اور آج کل کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی غریبانہ معیشت کو پسند نہیں کرتا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عیب سمجھتے ہیں، بول چال میں اور اٹھنے بیٹھنے میں سب میں تکبر اور تکلف بھرا ہوا ہے گویا ہر وقت کسی نہ کسی رسم کے پابند ہیں اور تکلف میں علاوہ گناہ کے ایک دنیوی خرابی یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بناوٹ کرنے والے کی بات پر اعتماد نہیں کرتا اس خوف سے کہ شاید یہ بات بھی بناوٹی ہو اسی واسطے پہلے لوگوں کی بات بڑی پکی ہوتی تھی آج کل کے لوگوں کی بات ایسی نہیں مانی جاتی۔ غرض رسمیں شرک کی تو چھوٹ گئیں کیونکہ علم کا شیوع ہو گیا۔ پہلے مولوی کم ہوتے تھے اور تفاخر کی رسمیں بڑھ گئیں کیونکہ تعلیم جدید کی ترقی ہے تو آج کل کی رسموں میں شرک نہ سہی تفاخر تو ضرور ہے یہ بھی منع ہونے کے لئے کیا کچھ کم ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا ہو گا کہ آپ نے جو فہرست گناہوں کی بنائی ہے اس میں بہت سی کوتاہیاں ہیں شریعت کی دی ہوئی فہرست میں اور بھی گناہ ہیں آپ کی نظر چونکہ اپنی فہرست پر ہے اس واسطے رسموں کو گناہ نہیں سمجھتے۔ میں نے بتلا دیا کہ شریعت کی فہرست میں ایک گناہ تفاخر بھی ہے، جس عمل میں پایا جاوے اسی کو فاسد کر دیتا ہے اب آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کی رسموں کا یہ جزو اعظم ہے یا نہیں یہ ایسا جزو ہے کہ تمام ان اجزاء کو جن کو آپ نے مباح کہا تھا۔ سب کو اباحت سے نکال دیتا ہے۔ دیکھئے کپڑا پہننا جائز ہے مگر جب تفاخر شامل ہو جائے تو جائز نہیں کھانا کھلانا جائز ہے مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں کسی کو دینا لینا رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا سب اچھا ہے۔ مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں یہ تفاخر حلال چیزوں کو ایسا گندہ کرتا ہے جیسے نجاست ایک

کنوئیں کو جس کو آپ نے بہت سہل سمجھ رکھا ہے اور اس کا نام ہی اپنی فہرست میں سے اڑا دیا ہے حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو رسموں کی بناء اور اصل بھی تفاخر سے حتیٰ کہ بیٹی کو جو چیز جہیز میں دی جاتی ہے اس کی اصل بھی یہی ہے بیٹی لخت جگر کہلاتی ہے۔ ساری عمر تو اس کے ساتھ یہ برتاؤ رہا کہ چھپا چھپا کر اس کو کھلاتے تھے کہ اچھا ہے کوئی لقمہ ہماری بیٹی کے پیٹ میں پڑ جائے گا تو کام آئے گا۔ دوسرے کو دکھانا بھی پسند نہ تھا شاید نظر لگ جائے نکاح کا نام آتے ہی ایسا کایا پلٹ ہوا کہ ایک ایک چیز مجمع کو دکھائی جاتی ہے۔ برتن اور جوڑے اور صندوق حتیٰ کہ آئندہ کنگھی تک شمار کر کے دکھلائے جاتے ہیں۔ شاید وہ پہلے لخت جگر تھی اور اب نہیں رہی، یا اب ہے اور پہلے نہ تھی جواب کے اور پہلے برتاؤ میں بالکل عکس کا فرق ہو گیا۔

اگر آپ غور کریں گے تو اس کی وجہ صرف تفاخر پائیں گے۔ برادری کو دکھانا ہے کہ ہم نے اتنا دیا صرف یہ ہی منظور نہیں کہ ہماری بیٹی کے پاس سامان زیادہ ہو جائے۔

جہیز کیسا ہو؟

اور اسی واسطے جوڑے اور برتن غرض تمام جہیز ایسا تجویز کیا جاتا ہے کہ ظاہری بناوٹ میں بہت اجلا ہو اور قیمت کے اعتبار سے یہی کوشش کی جاتی ہے کہ سب چیزیں ہلکی رہیں، جب بازار میں خریدنے جاتے ہیں تو دکاندار سے کہا جاتا ہے کہ شادی کا سامان خریدنا ہے، لینے دین کا سامان دکھاؤ۔ اگر اس کی اصل بیٹی کے ساتھ ہمدردی تھی تو گو تعداد میں جہیز کم ہوتا مگر سب چیزیں اچھی اور کارآمد ہوتیں بجائے اس کے وہ چیزیں دی جاتی ہیں جو برتنے کے قابل بھی نہیں ہوتیں۔ صرف ظاہری شمار بڑھا کر دکھا دی جاتی ہیں۔

بعض چیزیں ایسی دی جاتی ہیں جو کبھی کام میں نہیں آتیں سوائے اس کے کہ گھر کی جگہ گھیر لیں۔ مثلاً چوکی اور نواڑ کا پیڑھا کہ یہ اس تکلف کی ہوتی ہیں کہ ان کو کام میں لاتے ہوئے درد آتا ہے اور حقیقت میں وہ کام کے قابل ہوتے بھی نہیں کیونکہ تکلف کی چیز نازک ضرور ہوا کرتی ہے اس کی نزاکت اور خوبصورتی کی وجہ سے ایک طرف احتیاط سے رکھ دیا جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا وہ رکھے رکھے گل جاتے ہیں اور کبھی کام میں نہیں آتے۔ اگر بیٹی کو لخت جگر سمجھ کر دینا ہے تو کیا ایسی ہی چیزیں دینی چاہئیے تھیں، جو اس کے کام

میں کبھی نہ آئیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ چیزیں بیٹی کو دی ہی نہیں جاتیں صرف تفاخر اور دکھاوے کے لئے دی جاتی ہیں۔ اس میں جتنا جس کا حوصلہ ہوتا ہے بڑھ کر قدم رکھتا چلا جاتا ہے۔ ایک نے دس برتن اور پچاس جوڑے دیئے تو دوسرا نو برتن اور انچاس جوڑے نہیں دے گا۔ ایک بڑھا کر ہی دے گا گو قرضدار ہی ہو جاوے۔ کیونکہ دنیا میں سب امیر ہی نہیں ہیں۔ اور شادی بیاہ سب کو پیش آتے ہیں۔ غریب آدمی کو بھی خبط سوجھتا ہے کہ اگر ذرا بھی گھٹیا کام کروں تو ساری عمر کو برادری منہ کالا کرے گی۔

اس واسطے سود پر قرض لینا گوارا کرتا ہے۔ صاحبو! اب مجھے یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ آپ کی فہرست گناہوں کی بہت ناقص اور غلط ہے آپ نے اس سود کو بھی اس میں نہیں لکھا جو منصوص قطعی ہے اور جس کے کھانے والے اور کھلانے والے اور لکھنے والے اور گواہوں پر سب لعنت آئی ہے۔ غرض برادری کے دباؤ سے غریب آدمی بھی عاقبت برباد کرتا ہے۔ اور غریب ہی کی کیا تخصیص، غریب کے اخراجات غریب ہی کے سے ہوتے ہیں اور امیر کے اخراجات امیر کے سے ہوتے ہیں امیر لوگ بھی ان رسموں کی بدولت قرض سے نہیں بچتے۔ امیروں کی تو منگنی بھی معمولی شادیوں سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ ان کو ان کی حیثیت کے موافق برادری زیر بار کرتی ہے۔ اور دین کے برباد کرنے کے ساتھ دنیا میں بھی ان کو ذلیل کر کے چھوڑتی ہے۔ اچھی اچھی ریاستیں دیکھی گئی ہیں کہ ایک شادی کی بدولت غارت ہو گئیں۔ یہ وہی رسمیں ہیں جن کو آپ نے فرمایا تھا کہ مجموعہ مباحات ہیں۔

نکاح میں فضول خرچی

میں کہتا ہوں مجموعہ اسرافات ہیں اور آپ نے اپنی فہرست میں اسراف کو بھی گناہ نہیں لکھا جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا اِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ

ترجمہ: فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

اسراف شریعت کی فہرست میں گناہوں میں لکھا ہوا ہے شریعت نے نکاح کو مسنون کیا اور رسوم کو اس کا جز نہیں قرار دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقریب کو کر کے دکھلا دیا۔

حضرۃ فاطمہؓ کی منگنی

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کیا نہ اس میں منگنی تھی...... نہ مہندی تھی نہ نشانی تھی۔ منگنی آپ کی یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود جا کر پیغام دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرما لیا نہ اس میں مٹھائی کھلا ئی گئی نہ کوئی مجمع ہوا۔ اور درحقیقت منگنی چیز کیا ہے، صرف وعدہ ہے جو زبان سے ہوا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ مٹھائی کھٹائی وغیرہ کی کیا ضرورت ہے اگر خط میں لکھ کر وعدہ بھیج دیا جائے تب بھی یہ ہی کام ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جس قدر بھی زوائد ہیں سب زائد از کار ہیں۔ اس میں پرانی تاویل ہے کہ اس سے وعدہ کا استحکام ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں جو شخص اپنی زبان کا پکا ہے اس کا ایک مرتبہ کہنا ہی کافی وافی ہے۔ اور جو زبان کا پکا نہیں وہ منگنی کر کے بھی خلاف کرے تو کیا کوئی توپ لگا دے گا۔ چنانچہ بہت جگہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصلحت سے یا کسی لالچ سے منگنی چھوڑا لیتے ہیں اس وقت وہ استحکام کس کام آتا ہے اور جو کچھ خرچ ہوا وہ کس کام آیا، غرض یہ تاویل صحیح نہیں، صرف دھوکہ ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منگنی تو یہ ہوئی۔

نکاحِ فاطمہؓ

اب نکاح سنئے نہ اس کے لئے کوئی مجمع کیا گیا نہ کوئی خاص اہتمام ہوا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آسمان کے فرشتے کو بھی بلا لیتے، صرف چند آدمیوں کو بلایا۔ ان میں حضرت انسؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ایک دو اور صحابی تھے اور یہ سنکر حیرت ہوگی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود موجود نہ تھے۔ آپ کی غیبت میں نکاح معلق برضاء علی رضی اللہ عنہ کر دیا گیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر پہنچی تب آپ نے قبول کیا۔

رخصتی

پھر رخصتی سنئے۔ حضرت فاطمہؓ کو ام ایمن کے ہمراہ حضرت علیؓ کے یہاں پہنچوا دیا نہ پالکی تھی نہ رتھ تھا نہ عماری تھی اپنے پاؤں چلی گئیں۔ پھر اگلے دن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا تھوڑا پانی لاؤ۔ حضرت فاطمہؓ خود اٹھ کر پانی لائیں پھر حضرت علیؓ سے پانی منگایا۔ جس سے معلوم صاف ہوا کہ حضرت فاطمہؓ کا پانی لانا حضرت علیؓ کے سامنے تھا۔ ذرا اپنی دلہنوں کو دیکھئے کہ سال بھر تک منہ پر ہاتھ رہتے ہیں شادی کے زمانہ میں تو کبھی وہ اپنے منہ سے پانی تک بھی مانگ بیٹھے تو چاروں طرف سے غل مچ جائے کہ ہے ہے کیسی بے حیائی کا زمانہ آ گیا بلکہ شادی سے پہلے ہی سے یہ مصیبتیں اس بیچاری پر آ جاتی ہیں اول سخت قرنطینہ میں رکھی جاتی ہے جس کو آپ کی اصطلاح میں مائیوں بیٹھنا کہتے ہیں۔

ایک کوٹھڑی میں بند کر دی جاتی ہے جہاں ہوا تک اس کو نہیں پہنچتی سارے گھر سے بولنا بند ہو جاتا ہے اپنی ضروریات میں دوسرے کی محتاج ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ پاخانہ پیشاب کو نہیں جا سکتی یہاں تک بھی غنیمت تھا کہ ان رسموں کی بدولت دنیا کی سزائیں بھگتیں۔ لیکن غضب یہ ہے کہ اس قرنطینہ میں نماز تک نہیں پڑھتی کیونکہ اپنے منہ سے پانی نہیں مانگ سکتی اور اوپر والیوں کو اپنی ہی نماز کی پرواہ نہیں اس کی کیا خبر لیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ نماز جو کہ مرتے وقت بھی معاف نہیں، چنانچہ کتاب میں لکھا ہے کہ:

نماز کی اہمیت

ایک شخص کشتی میں سوار ہو اور کشتی ٹوٹ جائے اور یہ شخص ڈوبنے لگے اور وقت نماز کا آ گیا ہو تو اس شخص کے ذمہ واجب ہے کہ اسی غوطہ کھانے کی حالت میں نماز کی نیت باندھ لے، پھر چاہے بچے چاہے ڈوب جائے۔ دیکھئے نماز کی یہ تاکید ہے مگر اس قرنطینہ میں قضا کی جاتی ہے کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ باوجود ان منکرات کی یہ رسمیں جائز ہو سکتی ہیں حاشا وکلا دین سے قطع نظر عقل کے بھی تو یہ بات خلاف ہے کہ اس کو آدمی سے حیوان بلکہ جمادات بنا دیا جائے۔ اس کا کھانا پینا بند کیا جاتا ہے محض اس لئے کہ اگر کم کھانے کی عادت نہ ہوگی تو سسرال میں کھاوے گی پھر پائخانہ جاوے گی جو قانون حیا کے خلاف ہے حتیٰ کہ بہت جگہ یہ دیکھا گیا کہ فاقہ کرتے کرتے لڑکیاں بیمار ہو گئیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ جب دین کو کوئی چھوڑتا ہے تو عقل بھی سلب ہو جاتی ہے۔ شادی کی تقریبات کو کہاں تک بیان کروں جس رسم کو چاہے دیکھ لیجئے وہ دین کے خلاف ہونے کے ساتھ عقل سے بھی خارج ثابت ہوگی۔

غرض حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگلے دن حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے اور دلہا دلہن دونوں سے فرمایا پانی لاؤ دونوں اٹھ کر پانی لائے۔ یہ ساری باتیں قصہ کہانی ہیں۔ یا اس واسطے کی گئی تھیں کہ ہم لوگ سیکھیں۔

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن شریف میں ہے:

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ.

جس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی ذات مبارک میں ایک اچھا نمونہ دیا ہے۔ نمونہ دینے سے کیا غرض ہوتی ہے یہی کہ اس کے موافق دوسری چیز تیار ہو۔

میں نے ایک بزرگ محقق کا اس کے متعلق ایک لطیف مضمون سنا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی نے درزی کو ایک اچکن سینے کو دی اور نمونہ کیلئے ایک سلی ہوئی اچکن بھی دی کہ اس ناپ اور نمونہ کی اچکن سی لاؤ۔ درزی نے ساری اچکن نمونہ کے موافق تیار کی غرض طول بھی برابر سلائی بھی یکساں غرض کہیں قصور نہیں کیا۔ فرق کیا تو صرف یہ کیا کہ ایک آستین ایک بالشت چھوٹی بنا دی جب وہ اچکن لے کر مالک کے پاس پہنچے گا تو مالک اسے کیا کہے گا وہ اچکن خوش ہو کر لے گا یا اس کے سر سے مارے گا۔ اگر درزی جواب میں یہ کہے کہ جناب ساری اچکن تو ٹھیک ہے صرف ایک آستین میں ذرا سی کمی ہے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ مالک اس کو پسند کرے گا ہرگز نہیں اس سارے کپڑے کی قیمت رکھوائے گا۔

خوب یاد رکھئے کہ حق تعالیٰ نے احکام نازل کئے جو بالکل مکمل قانون ہے اور ان کا عملی نمونہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا سو اگر آپ کے اعمال نمونے کے موافق ہیں تو صحیح ہیں ورنہ غلط ہیں۔ اگر نماز آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے موافق ہے تو نماز ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ اگر ذکر آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے موافق ہے تو ذکر ہے ورنہ الٹی معصیت ہے۔ دیکھئے نماز میں کوئی بجائے دو کے ایک سجدہ کر لے تو وہ نماز نہ رہی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

کوئی قرآن شریف بحالت جنابت پڑھے تو بجائے ثواب کے الٹا گناہ ہوتا ہے

خطبات حکیم الامت جلد ۲۰ – 24

(اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ اسمائے الٰہی توقیفی ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی نام رکھنا جائز نہیں) اگر آپ روزہ رکھیں تو وہی روزہ صحیح ہوگا جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو علیٰ ہذا حج وہی صحیح ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے موافق ہو اگر حج میں کوئی احرام نہ باندھے تو وہ حج، حج نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ وہی صحیح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق ہو اور کوئی سارا مال خلاف تعلیم خرچ کردے تو زکوٰۃ سے فارغ نہیں ہوسکتا۔

یہ ارکان اسلام ظاہری ہوئے۔ اسی طرح اعمال باطنی کو سمجھ لیجئے اور معاملات اور طرز معاشرت، سب میں یہی حکم ہے۔ حق تعالیٰ نے ہمارے پاس کسی فرشتہ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اس میں حکمت یہ ہی ہے کہ اگر فرشتہ آتا تو وہ ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتا تھا۔ اس کو نہ کھانے کی ضرورت ہوتی نہ پہننے کی نہ ازواج کی نہ معاشرت کی ان چیزوں کے احکام میں صرف یہ کرتا کہ ہم کو پڑھ کر سنا دیتا۔ یہ کام صرف کتاب کے بھیج دینے سے بھی نکل سکتا تھا کہ ایک کتاب ہمارے اوپر اُتر آتی اس میں سب احکام لکھے ہوتے اس میں آپ پڑھ لیتے اور عمل کر لیتے فرشتے کے اُترنے سے اس سے زیادہ کوئی بات نہ پیدا ہوتی جو کتاب سے ہوسکتی تھی۔

حق تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہماری جنس میں سے پیغمبر بنائے کہ وہ ہماری طرح کھاتے پیتے بھی ہیں، ازدواج اور تعلقات بھی رکھتے ہیں۔ تمدن اور معاشرت کے بھی خوگر ہیں اور ان کے ساتھ کتابیں بھیجیں تاکہ کتاب میں احکام ہوں اور وہ خود بنفس نفیس انکی تعمیل کر کے دکھاویں تاکہ ہم کو سہولت ہو اسی واسطے فرمایا ہے۔

وَمَا اَرسَلنَا قَبلَکَ مِنَ المُرسَلِینَ اِلاَّ اِنَّھُم لَیَاکُلُونَ الطَّعَامَ وَیَمشُونَ فِی الاَسوَاقِ

یعنی ہم نے جس قدر پیغمبر بھیجے وہ اور آدمیوں کی طرح کھانے پینے والے اور معاشرت رکھنے والے بھیجے دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وَلَو جَعَلنَاہُ مَلَکاً لَجَعَلنَاہُ رَجُلاً

یعنی اگر ہم فرشتہ کو احکام لے کر بھیجتے تب بھی یہ ہوتا کہ وہ انسان کی صورت میں آتا ورنہ انسان کو اس سے ہدایت نہ ہوسکتی کیونکہ وہ نمونہ نہ بن سکتا۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ

علیہ وسلم کے کمالات فرشتوں سے بھی زیادہ ہیں۔ لیکن حکمت الٰہی اسی کی مقتضی ہوئی کہ آپ نسل انسان سے پیدا ہوں تاکہ تمام افعال انسانی میں نمونہ بن سکیں دیکھ لیجئے کہ جتنی باتیں انسان کو پیش آتی ہیں سب آپ کو پیش آئیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیبیاں رکھیں اور اپنی اولاد کا نکاح کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں غمی کی تقریبیں بھی ہوئیں کئی صاحبزادوں نے انتقال کیا جو حالات ہم کو پیش آتے ہیں وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں نکلے تاکہ ہمارے لئے پورا ایک دستور العمل بن جائے۔

اب آپ دیکھ لیجئے کہ کونسا فعل ہمارا نمونہ کے موافق ہے۔ کوئی تقریب خوشی کی ہوتی ہے تو ہم نہیں دیکھتے اور کوئی تقریب غمی کی ہوتی ہے تب ہم نہیں دیکھتے کہ دستور العمل میں کیا ہے۔ اس درزی کی مثال کو یاد رکھئے ایک بالشت کپڑا کم کر دینے سے اچکن منہ پر ماری جاتی ہے اور اگر وہ بجائے سینے کے کپڑے کی دھجیاں کر کے مالک کے سامنے جا رکھے تو وہ کس سزا کا مستوجب ہے جبکہ مالک قادر بھی ہو۔

واللہ باللہ ہمارے اعمال کی حالت یہ ہی ہوگئی ہے کہ جو طریقہ ان کا بتلایا گیا تھا وہ تو کوسوں دُوران اعمال کو تباہ کر کے اور دھجیاں اُڑا کے ہم حق تعالیٰ کے سامنے رکھ دیتے ہیں یہ کچھ مبالغہ آمیز الفاظ نہیں ہیں دیکھ لیجئے کہ جیسے اچکن سینے کے واسطے کپڑے کا اپنی اصل پر رہنا شرط ہے اور دھجیاں کرنے والا اس کو اس اصل سے نکال دیتا ہے کہ جس سے اچکن تو کیسی کپڑے کی کوئی غرض بھی اس سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح تمام اعمال کے صحیح ہونے کے واسطے ایمان کا ہونا شرط ہے۔ کوئی چاہے کہ ایمان کھو کر کوئی عمل کرے تو وہ ایسے ہی بیکار رہوگا جیسے کوئی کپڑے کی دھجیاں کر کے اچکن سینا چاہے۔

نکاحِ مسلمہ

اور اس تقریر سے ضمناً آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ نکاح مسلمہ کے واسطے شرط ہے۔ مسلمان ہونا مسلمان عورت اور کافر مرد میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ افسوس ہے کہ آج کل جن لڑکوں کو بیٹیاں دی جاتی ہیں بعضے ان میں سے جدید تعلیم کے اثر سے ایسے آزاد منش ہیں کہ ان کو دین ایمان سے بھی کچھ علاقہ نہیں رہا زبان سے کلمات کفر بک جاتے ہیں اور کچھ

پرواہ نہیں ہوتی۔ پھر ان ہی سے ایک مسلمان لڑکی کا نکاح پڑھوایا جاتا ہے اور سب گھر والے خوش ہوتے ہیں کہ ایک مسنون طریقہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس سنت کی صحت کے لئے موقوف علیہ ہے ایمان، افسوس ہے کہ نوشہ صاحب جانے کتنی دفعہ اس سے خارج ہو چکے ہیں۔ اب وہ مثال صادق ہے یا نہیں کہ کپڑے کے پرزے پرزے کر کے بلکہ جلا کے اچکن سینے کا ارادہ کیا جاتا ہے ہم کو تو اسی کا رونا تھا کہ اچکن نمونہ کے موافق نہیں سی جاتی۔ ایک آستین بالشت بھر کم کی جاتی ہے۔ یہاں نہ آستین رہی نہ دامن اور خیال یہ ہے کہ اچکن تیار ہے۔

ایک نیک بخت لڑکی ایک انگریزی خواں سے بیاہی گئی جو ایک مجمع میں زبان سے یہ کہہ رہے تھے کہ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی بہت بڑے ریفارمر تھے اور مجھ کو آپ سے بہت تعلق ہے۔ لیکن رسالت میں یہ ایک مذہبی خیال ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ یہ کلمہ کفر ہے نکاح اس سے ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ مسئلہ اگر لڑکی والوں کو بتلایا جاتا ہے تو الٹے لڑنے کو سیدھے ہوتے ہیں کہ ہمارے خاندان کی ناک کٹواتے ہیں۔ اب وہ زمانہ ہے کہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ دیکھ لیا جائے کہ داماد مسلمان ہے یا کافر بجائے اس کے کہ پہلے دیکھا جاتا تھا۔ نیکو کار ہے یا بدکار۔ اس قصہ سے میرے قول کی تصدیق ہوگئی ہوگی کہ ہمارے اعمال خراب ہی نہیں بلکہ باطل ہیں پھر لطف یہ ہے کہ ہم ان کو اچھے سمجھ کر اجر کے امیدوار بیٹھے ہیں۔ شعر:

وسوف تریٰ اذا نکشف الغبار   افرس تحت رجلک ام حمار

(یعنی ذرا غبار ہٹنے دو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر یعنی آنکھیں ذرا میچ جائیں اسی وقت معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے اعمال مقبول اور قابل اجر ہیں یا مردود اور قابل مواخذہ)

خوب نمونہ کی قدر کی ہمیں خدائے تعالےٰ نے تو محض اپنی رحمت سے دستور العمل دیا تھا۔ ہم نے سب کو کاٹ چھانٹ کر جیسا چاہا ویسا بنا لیا۔

شریعت میں تنگی نہیں

اور پھر خداوندی لطف یہ ہے کہ اس نمونہ میں بھی کچھ تنگی نہ تھی، دو قسم کا نمونہ دیا گیا تھا۔ فعلی اور قولی اور یہ محض رحمت ہے کہ اتنی وسعت کر دی کہ کچھ بھی دقت باقی نہیں رہی اب

اس کی مثال ایسی ہوگی کہ جیسے درزی کو ایک کپڑا دیا گیا کہ اسکی اچکن سی لاؤ اور اس کے حدود بتلا دیئے گئے کہ اتنی نیچی اور اتنی ڈھیلی ہو اس کے سوا اور کسی بات کا پابند اس کو نہیں کیا گیا اور اس کو اجازت دی گئی کہ اچکن ہو خواہ ایسی وضع کی ہو یا شیروانی ہو سلائی معمولی ہو یا بڑھیا استری ہو یا نہ ہو تو اس کو کتنی گنجائش مل گئی کہ جیسی چاہے اچکن سیئے۔ بشرطیکہ حدود قولیہ سے تو نہ نکل جاوے اور جا کر مالک کے سامنے پیش کر دے اور اپنی اُجرت خاطر خواہ لے لے اس کا شکریہ از روئے انصاف درزی کے ذمہ یہ ہے کہ خوب دل سے سیئے۔

اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو یہ تو واجب اور ضروری ہے کہ اس طرح اس کپڑے کو قطع بُرید نہ کرے کہ اچکن ہونے سے خارج ہو جائے۔ اگر ایسا کرے گا تو اجرت کا مستحق نہ ہوگا بلکہ کپڑے کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔ ہم کو اعمال شرعیہ میں اسی قسم کی گنجائش دی گئی ہے کہ حدود جتلا دیئے گئے ہیں کہ ان سے باہر نہ ہوں اور ان حدود کے اندر جتنی گنجائش ہو عمل کر لیں۔ یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔

وجہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نمونے ہم کو دکھائے ہم کو بالکل ان پر کاربند ہونا چاہئے مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر جو کھایا ہے اور دنیا میں بہت تنگی کے ساتھ گزر کی نہ رنگارنگ کے کھانے کھائے۔ نہ مکان سجائے نہ درہم و دینار رکھے اور ہم نہ جَو کھاتے ہیں نہ کسی قسم کی تنگی کرتے ہیں، کپڑا بھی اچھا پہنتے ہیں مکان میں بھی تکلف کرتے ہیں، روپے پیسے بھی جمع رکھتے ہیں اور ان سب باتوں کو کون علماء جائز کہتے ہیں تو یہ نمونے کی تطبیق نہ ہوئی جواب یہ ہوا کہ نمونہ دو قسم کا دیا گیا ہے۔ قولی و فعلی تو ایک خاص ہیئت ہے اور قولی ان حدود کی تعیین ہے جن سے باہر نکلنا جائز نہیں مگر خود ان کے اندر وسعت بہت ہے۔

عشاق نے تو نمونہ فعلی کی بھی تطبیق کر کے دکھا دی وہی کھایا وہی پیا، اسی طرح دنیا گزار دی مگر خیر ہم جیسوں کے لئے گنجائش ہے کہ ان حدود تک اپنی خواہشوں کو پورا کر سکیں مگر ان سے آگے نہ بڑھئے ہر کام میں خیال رکھیئے کہ حدودِ شرعی کہاں تک ہیں ان کے اندر بھی آپ رہیں گے تو نمونہ پر عامل کہلا سکیں گے، ہاں ان حدود سے نکل جانا ایسا ہوگا جیسے وہ درزی بجائے اچکن سینے کے کرتہ یا ٹوپی سی ڈالے۔ کھانا کھلانا حلال ہے اور دینا لینا حلال ہے مگر نہ قرض کر کے اور تفاخر کے طور پر یہ دونوں حد ہیں جب آپ حد سے نکل جائیں گے تو گناہ کا مرتبہ ہوگا۔

اب آپ ہی پر انصاف ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے قلب کو رواج کی پابندی سے خالی کر کے کہہ دیجئے کہ یہ رسمیں تفاخر کی ہیں یا نہیں امید ہے کہ اگر آپ بے رُو رعایت کہیں گے تو یہی کہیں گے کہ بیشک تفاخر ہے۔ بس یہی حد شرعی سے خروج ہے۔ یہ تو رسموں میں لزوماً خرابی ہوئی اور جن مفاسد کا ان میں عروض ہو جاتا ہے وہ علیحدہ رہیں۔

شادی کے وقت نماز

مثلاً جہاں شادی وغیرہ دھوم دھام سے اور رواج کے موافق ہوتی ہے وہاں عورتوں کو اور مردوں کو اور صاحب خانہ کو اور نوکروں چاکروں کو نماز کا مطلق ہوش نہیں ہوتا رات بھر جاگنے اور کھانے دانہ میں اور مہمان داری اور لینے دینے میں کٹ جاتی ہے مگر نماز کی فرصت کسی کو نہیں ہوتی یہ حد شرعی سے خروج ہے کہ نہیں نماز جس کا چھوڑنا کسی ضرورت سے بھی جائز نہیں بے ضرورت چھوڑ دی جاتی ہے۔

بعضی عورتوں کو یہ ہی عذر ہوتا ہے کہ گھر میں اتنا مجمع ہو گیا کہ نماز کے لئے جگہ ہی نہیں اتنی عورتیں کہاں نماز پڑھیں کیوں بیبیو! سارے کاموں کے لئے جگہ ہے اور نماز کے لئے جگہ نہیں کیا جس وقت سونے کا وقت آئے گا، اس وقت ان کو لیٹنے کے لئے بھی جگہ نہ ملے گی، لیٹنے کے لئے تو ضرور جگہ ملے گی اگر کسی بی بی کو ذرا سی بھی تکلیف ہو گی تو ساری برادری میں نک کٹی ہو جائے گی اگر بیبیاں سونے کے برابر بھی نماز کو ضروری سمجھیں تو نماز کی جگہ نہ ملنے پر بھی برادری میں ناک کٹی کر دیں مگر نماز پڑھنا ہی نہیں۔ یہ سب حیلے بہانے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جتنی جگہ سونے کے لئے چاہئے نماز کے لئے اتنی بھی درکار نہیں عورتوں کا سجدہ بہت دب کر ہوتا ہے ذرا سی جگہ کافی ہے پھر جگہ نہ ملنے کا حیلہ کیسے چل سکتا ہے اور کچھ بھی ہو فرض کر لیجئے جگہ بالکل نہیں ہے تو حق تعالیٰ اس کے کب ذمہ دار ہیں۔ حق تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ ایسے مجمع میں جاؤ جہاں نماز بھی نہ پڑھ سکو جب وقت آئے لاکھ تدبیر کرو اور نماز ادا کرو۔ مجمع میں پڑھو یا مجمع پر خاک ڈالو گھر جا کر نماز ادا کرو جس صورت سے بھی ہو۔ نماز چھوڑ کر گناہ سے نہیں بچ سکتیں۔

سفر میں نماز

اسی ضمن میں ایک اور مسئلہ یاد آ گیا وہ یہ ہے کہ سفر میں بھی عورتوں کو یہ عذر ہوتا ہے کہ ریل میں جگہ نہیں ملی، یا یہ کہ پانی نہیں ملا، یا یہ کہ قبلہ کی سمت معلوم نہیں ہوئی۔ یہ سب عذر اپنے گھڑے ہوئے ہیں۔ شریعت نے ان کا اعتبار نہیں کیا۔ ریل میں بیٹھنے کی جگہ تو مل جاتی ہے اور بچہ یا اسباب ساتھ ہوتا ہے تو اس کی بھی جگہ بُری بھلی ہو ہی جاتی ہے تعجب ہے کہ نماز کی جگہ نہیں ہوتی اسی طرح بچہ پیاسا ہو تو کہیں نہ کہیں پانی مل جاتا ہے مگر نماز کے لئے نہیں ملتا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر اسٹیشن پر تم ہو تو وہاں پانی مانگ لو اگر پانی نہ مل سکے یا پانی ملنے میں ریل چھوٹ جائے گی تو تیمّم کر لو، مگر تیمّم کے مسئلے سیکھ لو۔

ایک بی بی نے ریل کے تختوں پر تیمّم کیا اس خیال سے کہ جیسے گھر کی دیوار ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ یہ غلطی ہے دیوار مٹی کی ہوتی ہے اور وہ لکڑی ہے، ہاں اگر ریل کی بنچ پر خوب گرد پڑی ہوئی ہو تو اس پر تیمّم جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ گرد پاک ہو، ناپاک مٹی پر تیمّم نہیں ہوسکتا، اور اتنا بھی بکھیڑا کیوں کیا جاوے مٹی کا کوئی برتن پاس ہو تو اس پر تیمّم کر لو اس پر گرد ہونا بھی شرط نہیں اول تو ریل کے سفر میں تیمّم کی نوبت ہی آنے کی امید نہیں۔ پانی ہر جگہ ملتا ہے۔ اگر یوں ملنے میں دقت ہو تو پیسہ دو پیسہ خرچ کرو پھر جا ہے جتنا پانی لے لو جہاں دنیا کی آسائش کے لئے تیسرے درجہ کی جگہ ڈیوڑھا یا دوئم درجہ کا ٹکٹ لیتے ہو اگر دو چار پیسے خرچ کر کے نماز مل جائے تو کیا حرج ہوگا ہاں خیال رکھنا اور مستعدی شرط ہے۔

ریل میں سمتِ قبلہ

اسی طرح جب ریل میں سمت سمجھ نہ آئے تو دوسرے سے دریافت کر لینا ضروری ہے بے پوچھے نماز نہیں ہوسکتی۔ اگر ریل اسٹیشن پر ہے تو کسی قلی یا کسی ملازم سے دریافت کر لے پر وہ بھی اسی حد تک درست ہے جہاں تک شریعت نے بتلایا ہے اس عذر سے نماز نہیں چھوڑی جاسکتی کہ قبلہ معلوم نہ تھا یہ سب ایسے عذر ہیں جن کو شریعت اعتبار نہیں کرتی اگر مجمع نماز پڑھنے کو مانع ہوتا ہے تو شریعت اس مجمع کو بھی جائز نہیں رکھتی اگر ایک نماز بھی ان تقریبات میں چھوٹ گئی تو ان کی قبیح ہونے کے لئے کافی وجہ ہے مگر ہم کو حسن و قبح کی خبر ہی

نہیں ان تقریبات کو خوشی کے مواقع سمجھتے ہیں۔ ان کے واسطے دن اچھے تلاش کیئے جاتے ہیں ساعتِ سعید دیکھی جاتی ہے اس خبط میں یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ جائز ہے یا نا جائز۔

حقیقۃً نحوست کا وقت

نجومیوں اور پنڈتوں سے ساعت پوچھ کر بیاہ رکھا جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو کوئی ساعت نحس آن پڑے اور یہ خبر نہیں کہ نحس حقیقی ساعت کون سی ہے۔

نحس حقیقی وہ ساعت ہے جس میں حق تعالیٰ سے غفلت ہو جس وقت میں آپ نے نماز چھوڑی اس سے زیادہ نحس کون وقت ہوسکتا ہے اور جو اشغال نماز چھوڑنے کے باعث بنے ان سے منحوس شغل کونسا ہوسکتا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیدُ الشَّیطَانُ اَن یُوقِعَ بَینَکُم العَدَوَاۃَ وَالبَغضَاءَ فِی الخَمرِ وَالمَیسِرِ وَیَصُدَّکُم عَن ذِکرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَل اَنتُم مُنتَھُونَ.

ترجمہ: شیطان کی جوئے اور شراب سے یہ غرض ہے کہ آپس میں دشمنی ڈالدے اور ذکر اللہ سے اور نماز سے روکدے، حق تعالیٰ نے اس آیت میں جوئے اور شراب کے دو نقصان بتلائے ایک یہ کہ شیطان اس کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں نفاق ڈالدے گا، دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے روکدے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ عداوۃ اور بغضاء اور نماز اور ذکر اللہ سے غافل کرنے کے لئے یہ دونوں چیزیں آلہ ہیں اور آلہ اور علت ایک ہی چیز ہیں اسی واسطے اس کی شرح میں فرماتے ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کُلُّ مَا اَلھَاکَ عَن ذِکرِ اللّٰہِ فَھُوَ مَیسِرٌ.

یعنی جو چیز تجھ کو ذکر اللہ سے غافل کرے وہ سب جوا ہے۔

ظاہر ہے کہ لفظ میں تو اس کو جوا نہیں کہتے حدیث میں جو اس کو جُوا فرمایا گیا وہ باشتراک علت ہے اس میں تصریح ہوگئی کہ نَھِی عَنِ الخَمرِ وَالمَیسِرِ کی علت الہاء عن ذکر اللہ ہے۔

پس جہاں الہاء عن ذکر اللہ پایا جاوے گا وہ سب حکماً خمر اور میسر ہوگا۔ اب اس سے اپنی رسموں کا حکم نکال لیجئے۔

حدیث کے الفاظ صاف کہتے ہیں کہ ان کا حکم بھی شراب اور جوئے کا سا ہے کیونکہ نماز سے غافل ہونے کا سبب ہو گئیں اگر اور دلیلوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو یہ دلیل میں نے ایسی پیش کی ہے کہ اس کے سامنے کسی دلیل کی حاجت نہیں اور اس کا جواب آپ کچھ بھی نہیں دے سکتے جب چاہے مشاہدہ کر لیجئے کہ جہاں یہ رسمیں روا ہوتی ہیں وہاں نماز کی گت نہیں ہوتی تو بموجب ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میسر یعنی جوئے کے حکم میں ہوئیں اور میسر کو قرآن شریف میں رجس اور عمل شیطان فرمایا گیا ہے۔ تو میں نہیں کہتا بلکہ قرآن ان کو عمل شیطان کہتا ہے۔

پس اور دلیلوں کو جانے دیجئے یہی کیا کم خرابی ہے کہ اس کا نام عمل شیطان ہوا حکم شرعی تو یہی ہے جس کے لئے ایسی دلیل بتلائی گئی کہ موٹی سے موٹی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے، لیکن سمجھے تو وہ جس کی طبیعت میں یہ کچھ کھٹکیں۔

رسوم میں دینی خرابیاں

انہوں نے رواج ایسا پایا ہے جیسے سالن میں ہلدی مصالح نمک کے بغیر ان کے سالن بنتا ہی نہیں حتیٰ کہ جو لوگ مرچ زیادہ کھاتے ہیں ان سے کوئی حاذق طبیب بھی کہے کہ مرچ میں یہ نقصان ہیں تو کبھی ان کا دل قبول نہ کرے گا اور یہی جواب دیں گے کہ میاں طب کو رہنے دو تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ساری عمر کھاتے ہو گئی کوئی بھی نقصان نہیں ہوا اور بے مرچ کے لطف ہی کیا۔

اسی طرح مسلمان غیر قوموں کی صحبت سے رسموں کے ایسے خوگر ہو گئے ہیں کہ بلا ان کے کسی تقریب میں لطف ہی نہیں آتا چاہے خانہ ویرانہ ہی ہو جائے لیکن یہ نہ قضا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ اعتقاد میں ان کا معصیت ہونا ہی نہیں رہا حتیٰ کہ اگر کوئی رسم رہ جاتی ہے تو مرتے مرتے وصیت کر جاتے ہیں کہ ہمارا چہلم دھوم دھام سے کرنا اور بعض کو اس وصیت پر بھی اعتبار نہیں ہوتا۔ اس چہلم کو قبل از وقت اپنی زندگی ہی میں کر جاتے ہیں۔

کیسا حس باطل ہوا ہے کہ نماز قضا ہو تو پرواہ نہیں جس کا وقت آ گیا اور خطاب اللہ متوجہ ہو چکا اور چہلم کا وہ اہتمام ہو کہ وقت آنے سے بھی پہلے ادا کیا جائے امر اللہ کی وہ بے وقعتی اور امر شیطان کی یہ وقعت ڈوب مرنے کی بات ہے۔

افسوس ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے جس وقت بھی وہ معصیت ذہن میں بھری ہوتی ہے اس وقت تو شرمانے کا وقت تھا۔ مگر بطلان حس کا کیا علاج ......؟ جب کسی کو پائخانہ میں خوشبو آنے لگے تو کیا تعجب ہے کہ مہمانوں کے سامنے بجائے کھانے کے غلیظ کو رکھ دے مگر یاد رکھئے کہ مہمانوں کا حس باطل نہیں ہے آپ کے بے حس ہو جانے سے معصیت طاعت نہیں بن جائے گی خدائے تعالیٰ کے یہاں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوگا۔ یہ حالت بہت اندیشہ کی چیز ہے کہ معصیت کا بُرا ہونا بھی ذہن سے اٹھ جائے اس کو موت قلب کہتے ہیں رسموں کو کہاں تک بیان کروں۔

نیوتہ کا حکم

سب سے عمدہ رسم جس کے فوائد بہت بیان کئے جاتے ہیں ایک اسی کا حال آپ سن لیجئے جس سے معلوم ہوگا کہ وہ رسمیں جن کے بُرا ہونے کے آپ خود معترف ہیں وہ کس درجہ کی بُری ہوں گی۔ لوگ کہتے ہیں کہ نیوتہ سلوک ہے گویا اس کو صلہ رحم میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ یہ قرض ہے کیونکہ صلہ رحم میں بشرط عوض کی قید نہیں ہوتی ....اور اس میں یہ قید ہے صراحۃً ہو یا تعاملاً دیکھ لیجئے نیوتہ بجبر وصول کیا جاتا ہے۔ ایک صاحب کے یہاں شادی ہوئی تو اس میں نیوتہ کم آیا انہوں نے کاغذ نکال کر دیکھا تو بہت سے آدمی نیوتہ دینے سے رہ گئے تھے۔ شادی ختم ہوگئی مگر انہوں نے ایک تنخواہ دار نوکر کئی مہینہ تک تنخواہ دیکر تحصیل نیوتہ کے لئے مقرر کیا یہ کیسا صلہ رحم تھا جس طرح وصول کیا جاتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ صرف تاویل ہے درحقیقت نیوتہ قرض ہے اس کو کسی اور عقد میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں جب یہ قرض ہے تو اس پر احکام شرعی قرض کے جاری ہوں گے ان احکام میں آپ کو کوئی اختیار نہیں کہ کوئی تغیر تبدل کر سکیں جیسا کہ حاکم وقت کسی معاملہ کو ایک عقد میں داخل کر کے اس کے احکام جاری کر دیتا ہے تو وہ جبراً تسلیم کرنے پڑتے ہیں اس میں آپ کو اختیار

نہیں ہوتا کہ ان احکام میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کردیں۔

مثلاً ایک زمین کچھ مدت تک کاشت کرنے سے موروثی قرار دی جاتی ہے اور اس پر حاکم وقت یہ حکم مرتب کردیتا ہے کہ اب مالک کاشتکار کو بیدخل نہیں کرسکتا تو یہ حکم لازم ہو جاتا ہے اس میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ موروثی ہے مگر اس حکم کو ماننے کی ضرورت نہیں کہ اب اس کا قبضہ نہیں چھوٹ سکتا۔ ہماری مِلک ہے، جس طرح چاہیں تصرف کریں۔

جب دنیا کے بادشاہ کا ایک معاملہ پر حکم مرتب کرنا جس میں ابھی یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ یہ عقلاً صحیح ہے یا نہیں لازم ہو جاتا ہے تو خدائے احکم الحاکمین کے قرار دادہ احکام معاملات میں کیوں لازم نہ ہوں گے۔

درحالیکہ یہ بھی تسلیم کیا ہوا ہے کہ خدائے احکم الحاکمین کے احکام عین عدل و عین حکمت ہیں۔ پس وہ احکام جو عقد قرض پر خدائے تعالیٰ نے مرتب کئے ہیں یہ ہیں کہ بلا ضرورت قرض نہ لیا جائے یہ نیوتہ کیسا قرض ہے کہ ضرورت کا تو ذکر کیا دینے والے کے اختیار سے دیا جاتا ہے اور نہ لینے سے برادری بُرا مانتی ہے کہیں آپ نے ایسا قرض دیکھا ہے کہ دینے والا زبردستی سَر کرے اور دوسرا مقروض بن جائے یہ حکم تو لینے کے وقت کا ہے اور دینے کے وقت احکام سنئے۔ قرآن شریف میں ہے۔

وَاِن كَانَ ذُو اعُسرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيسَرَةٍ.

یعنی اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو مہلت دینی چاہیئے۔ جبتک کہ وہ دے سکے اور آپ کے اس قرض کا وقت وہ مقرر ہے جبکہ شادی ہو خواہ کسی کے پاس ہو یا نہ ہو اور ایک حکم یہ ہے کہ مدیون جس وقت ادا کرنا چاہے تو ادا ہو سکتا ہے اگر کوئی ایک مدت کا وعدہ بھی کر کے قرض لے اور اس مدت سے پہلے ادا کرے تو دائن کو نہ لینے کا اختیار نہیں اسی وقت لینا پڑے گا اور آپ کے اس نیوتہ کو اگر کوئی بلا تقریب کے واپس کرنا چاہے تو نہیں لیا جاتا یہ کیسا قرض ہے۔ یہ حق تعالیٰ کے احکام میں مداخلت ہے، اور ایک فساد اس میں بہت بڑا یہ ہے کہ جب نیوتہ قرض ہوا تو قرض میں میراث جاری ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ عورت مر جاتی ہے تو اس کے وارث خاوند پر نالش کر کے مہر کا روپیہ وصول کر لیتے ہیں تو نیوتہ کے روپیہ میں بھی میراث جاری

ہونی چاہئے اور حصہ شرعی کے موافق سب وارثوں کو پہنچنا چاہئے مگر اس کا کوئی اہتمام نہیں کرتا یہ میراث کے احکام کو بدلنا ہے۔ جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔

فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيماً حَكِيماً.

یعنی میراث کے تقسیم خدائے تعالیٰ کی مقرر کردہ ہے اور خدائے تعالیٰ علیم و حکیم ہیں۔ تقسیم کے مواقع اور مقادیر حصص کو تم سے زیادہ جانتے ہیں اسی کے آگے دوسری آیت ہے۔

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ تِلكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدخِلهُ جَنّٰاتٍ تَجرِى مِن تَحتِهَا الاَنهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذٰلِكَ الفَوزُ العَظِيمُ وَمَن يَّعصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدخِلهُ نَاراً خَالِداً فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ.

یعنی خدائے علیم حلیم کے مقرر کردہ احکام ہیں جو کوئی اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کو مانے گا اس کو جنت میں داخل کریں گے اور جو کوئی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کو نہ مانے گا اس کو دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈالیں گے۔

اس آیت میں وصیۃ من اللہ سے احکام میراث میں تشدد پیدا ہوتا ہے۔ پھر حکم ماننے پر وعدہ ہونے اور حکم نہ ماننے پر وعید ہونے سے اس میں اور تاکید ہوتی ہے اور وعید بھی کیسی کہ جس کی شدت ظاہر ہے اب دیکھئے کہ نیوتے میں کیا ہوتا ہے۔ اگر دینے والا بہت جگہ نیوتہ چھوڑ کر مر جاتا ہے تو وہ نیوتہ بڑے بیٹے کی شادی کے وقت ادا کیا جاتا ہے اور وہ اس کو اپنی شادی کے خرچ میں لاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب وارثوں کا مال ہے جو ایک کے خرچ میں آ رہا ہے اس سے کھانا کیا جاتا ہے اور سب برادری کھاتی ہے اس میں دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوئی۔ اور بلا اجازت ان کے ان کھانے والوں نے کھایا یہ حق العبد ہوا اور اگر ان وارثوں میں کچھ نابالغ بچے بھی ہیں تو ان کا حصہ بھی کھانے والوں نے کھایا۔ اس میں حق العبد ہونے کے ساتھ اتنا اور اضافہ ہے کہ یتامیٰ کا مال ہے جو ظلماً کھایا گیا جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔

اِنَّ الَّذِينَ يَاكُلُونَ اَموَالَ اليَتَامٰى ظُلماً اِنَّمَا يَاكُلُونَ فِي بُطُونِهِم نَاراً وَسَيَصلَونَ سَعِيراً.

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال بلا کسی حق کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔

یہ آپ کے نیوتہ کے مختصر نتائج ہیں جن میں ساری برادری والے گرفتار ہوتے ہیں۔ کیا کوئی مسلمان ان وعیدوں کے سننے کے بعد اس کے جاری رکھنے کی جرأت کرے گا دنیا تو درکنار یہ ایسی وعیدیں ہیں کہ انکے خوف سے عجب نہیں کہ اپنا آتا ہوا بھی وصول کرنا بھول جائے۔ یہ تو ایسی رسم کا حال ہے جس کو سب سے اچھی رسم کہا جاتا ہے۔ اور جن رسموں کو آپ خود بھی بُرا کہتے ان کا حال کیا ہوگا یہ تو خوشی کی رسمیں ہیں۔ اسی کے قریب قریب غمی کی رسمیں ہیں۔

موت کی رسمیں

جب کوئی مرتا ہے تو اس کی فاتحہ، تیجہ اور دسواں سب اسی کے مال میں سے ہوتا ہے۔ حالانکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ وہ مال وارثوں کا حق ہو چکا سب سے اول تو اس قرض میں دینا چاہئے جو کوئی چیز گروی رکھ لیا گیا ہے۔ تجہیز و تکفین بھی اس کے بعد ہے وہ گروی چیز چھڑا کر بچی جاوے اور اس میں سے تجہیز و تکفین کی جاوے اور بعد تجہیز و تکفین کے اور قرض دیئے جاویں اور میراث بعد ادائے قرض ہے، رہی میت کی فاتحہ اور ایصال ثواب اس کا شریعت میں کہیں پتہ نہیں ہے اس کو کوئی حق میت کے مال کے متعلق نہیں قرار دیا گیا اگر میت کسی مصرف میں صرف کرنے کی وصیت بھی کر جائے تب بھی ایک تہائی سے زیادہ میں نافذ نہیں اور اس تہائی سے مراد بھی اس مقدار کا تہائی ہے جو بعد ادائے قرض بچے۔ اگر قرض میں سب آجائے تو وصیت بھی نافذ نہیں۔

اب دیکھ لیجئے کہ آپ کے یہاں میت کا مال کس طرح اُڑایا جاتا ہے نہ کسی کو قرض کی خبر نہ وصیت کی نہ میراث کی بلا سوچے سمجھے سب سے پہلے تیجہ اور دسویں میں لگا دیا جاتا ہے جس کا شرعاً یہ حکم ہوا کہ اگر میت قرضدار ہے تو تیجہ اور دسواں کھانے والے ان قرض خواہوں کا حق مارتے ہیں اور اگر میت قرضدار نہیں بھی ہے تو وارثوں کا حق اس مال کے ساتھ متعلق ہو چکا ان کا حق مارنے والے ہیں۔ غرض ہر صورت میں حق العبد کے دیندار ہیں۔ یہاں کوئی یہ نہ کہے کہ وارثوں کی تو اجازت ہوتی ہے کیونکہ میں بارہا بیان کر چکا ہوں کہ رسمی اور شرما حضوری کی اجازت معتبر نہیں۔ اجازت جب معتبر ہے کہ مال تقسیم کر کے سب کو دیدیا جائے پھر ان

سے کہا جائے کہ اتنا اتنا سب مل کر دوتو فاتحہ کی جائے یہ اجازت معتبر ہوسکتی ہے مگر یاد رکھئے کہ اگر آپ ایسا کریں گے۔ تو ایک وارث بھی آیا ہوا پیسہ دینا گوارا نہ کریگا یہ حکم بھی بالغین کا ہے اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہے تو بعد تقسیم کے بھی اس کا خوشی سے دینا معتبر نہیں۔

فقہ کا مسئلہ ہے کہ نابالغ کے تصرفات تبرعات کے متعلق نافذ نہیں غرض یہ مال جو تیجہ اور دسواں میں لگایا جاتا ہے مال سُحت ہے غنی کو یا فقیر کو کسی کو بھی اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ حق غیر ہے خاص کر اس صورت میں کہ جب وارث نابالغ ہوں کہ اس میں حق غیر ہونے کے ساتھ اتنا اور اضافہ ہے کہ مالِ یتامیٰ ہے جس پر قرآن شریف کی یہ وعید ہے۔

اِنَّ الَّذِینَ یَاکُلُونَ اَموَالَ الیَتَامٰی ظُلماً اِنَّمَا یَاکُلُونَ فِي بُطُونِهِم نَاراً وَسَیَصلَونَ سَعِیراً.

(ترجمہ: جو لوگ یتیموں کا مال بلا کسی حق کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے)

اس کو میں نیوتہ کے بیان میں مفصل عرض کر چکا ہوں یہ خرابیاں رسوم موت میں وہ ہیں جن میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا اور دیگر خرابیاں جو رسوم میں لازم آتی ہیں جیسے التزام مالا یلزم اور اصراف وغیرہ یہ الگ رہیں ذرا تو دین کا خیال چاہئے۔ مال تمہارے پاس کہاں سے آیا تمہارا پیدا کیا ہوا نہیں ہے کہ ایسے خود مختار ہو جاؤ کہ اس کے متعلق کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہی تم بھی خدا کے اور مال بھی خدا کا۔ پھر جس کی مِلک ہے اس سے تو پوچھ لینے کی ضرورت ہے جہاں مالک حقیقی منع کرے وہاں کسی کو کیا حق ہے کہ صرف کر سکے۔

رسوم میں عقلی خرابیاں

یہ تو دین کی خرابیاں ہیں۔ اور عقل کی خرابیاں دیکھئے کہ جس مال کو محنت و جانفشانی سے حاصل کیا گیا ہو اس کو اس بے دردی سے خرچ کر دیا جائے کہ مالک کے قرض تک ادا نہ ہوں اور اس کے بچے محتاج ہو کر رہ جائیں۔ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ جن کے باپ خوش حال تھے اور بہت کچھ ترکہ چھوڑا تھا۔ مگر انہوں نے برادری کی خوشی اور نمود کے لئے سب تیجہ اور دسواں اور بیسویں میں لگا دیا جو کچھ بچا وہ چہلم میں اور اس سے بھی بچا تو برسی میں لگا دیا۔

تھوڑی دیر کے لئے خوب واہ واہ ہوئی اپنے آپ محتاج ہو گئے۔ گھر پھونک تماشا دیکھا یہ کون سے عقل کی بات ہے کہ ایک ایک لقمہ برادری کو کھلا کر خود فقیر ہو گئے۔ دین میں قطع نظر عقل سے بھی کام لیا جائے تو اس کا عکس ہونا چاہئے۔ یعنی برادری سب مل کر پیسہ پیسہ دیں تا کہ ایک شخص کے پاس کافی رقم جمع ہو جائے اور برادری کو معلوم بھی نہ ہو مگر جبکہ ہم کو دین عقل سے کام لینا بھی تو ہو، ہمارا امام تو ہوائے نفسانی اور خواہش نفسانی ہے اس کے سامنے ہمیں کچھ نہیں سوجھتا کہ کیا کر رہے ہیں اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ نفس اور شیطان آپ کا دشمن ہے کبھی آپ کے فائدہ کی بات نہ بتلائے گا ہمیشہ وہ باتیں بتلائے گا جو دین کے خلاف اور عقل سے بھی خارج ہوں اس کی مثال میں ایک اور رسم پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب عورتیں کسی کے یہاں جاتی ہیں تو عمدہ سے عمدہ کپڑے اور زیور پہن کر جاتی ہیں اور جب وہاں سے اپنے گھر کو واپس آتی ہیں تو اس زیور اور کپڑے کو ایسی جلدی اتار کر سنگوا دیتی ہیں جیسے کسی کا مانگا ہوا تھا اور اس نے اُتروالیا۔ اس رسم میں دینی مفاسد مثل ریاؤسمعہ وشہرت وتفاخر وغیرہ سے قطع نظر کر کے میں کہتا ہوں کہ عقل کے بھی خلاف ہے جس کی کمائی سے یہ کپڑا اور زیور میسر ہوا اس کے سامنے تو بھنگنوں کی طرح رہیں اور دوسروں کے سامنے بن ٹھن کر جائیں اور اتنی بھی توفیق نہ ہو کہ دوسروں کے طفیل ہی میں اس کے سامنے تھوڑی دیر کے لئے پہنے رہیں یہ ایسے ہوا جیسے کھانا کسی کی لاگت سے پکایا جاوے اور کھانے کو دوسرے بلا لئے جاویں اور وہ دیکھتے کا دیکھتا ہی رہ جاوے جو باتیں خواہش نفسانی کے اتباع سے کی جاتی ہیں وہ ایسی ہی بے ہودہ اور عقل سے خارج ہوتی ہیں اسی سے سمجھ لو کہ اور رسمیں بھی ایسی ہی لغو اور عقل کے خلاف ہوں گی۔ مگر ہماری طبیعت میں ایسی جہالت داخل ہو گئی ہے کہ اچھے بُرے میں تمیز ہی نہیں رہی اپنا نفع نقصان بھی نظر نہیں آتا بس خواہش کو امام بنالیا ہے۔

میں نے تھوڑے سے حالات بیان کئے .... جس حال میں آپ غور کریں اس میں اپنا خواہش کا اتباع ثابت ہوگا۔ عقائد ہیں تو اپنی خواہش کے موافق اور اعمال ہیں تو اپنی خواہش کے مطابق اور اخلاق ہیں تو اپنی خواہش کے موافق۔ کوئی حال ایسا نہیں معلوم ہوتا جو شریعت کے موافق ہو۔ اس کی نسبت حدیث کے الفاظ یہ ہیں لا یومن احدکم الخ

جس کے معنی لغوی یہ ہیں کہ بلا اتباع شریعت ایمان ہی نہیں مگر ہم لوگوں نے اس کی تاویل بھی اتباع ہوائے ہی سے یہ کر لی کہ ایمان کی نفی نہیں کمال ایمان کی نفی ہے۔ اور مومناً کے آگے کاملاً مراد ہے۔ میں اس تاویل سے انکار نہیں کرتا۔ کیونکہ جن لوگوں نے یہ تقدیر نکالی ہے وہ خدانخواستہ گمراہ یا جاہل نہ تھے۔ اہل حق کا مذہب یہی ہے کہ معاصی سے ایمان نہیں جاتا یہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ گناہ کرنے سے دوزخ میں جانا ضروری ہے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ سوائے شرک کے کوئی گناہ ایسا نہیں جس میں مغفرت سے یاس ہو چکی ہو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ بڑے سے بڑے گناہ کو بخش دیں۔

تو مذہب حق یہی ہے کہ یہاں کاملاً کی قید ہے اس کی دلیل اور نصوص ہیں جو اسباب میں قطعی الدلالت ہیں کہ معصیت سے ایمان نہیں جاتا میری غرض تو اس غلطی پر متنبہ کرنا ہے کہ آپ جس غرض سے یہ قید کاملاً کی نکالتے ہیں یہ بھی اتباع ہوائے ہے کہ معاصی سے قلب مالوف ہو گیا ہے ہوا کی اتباع چھوڑ نہیں سکتا اور بحمد للہ قرآن وحدیث پر ایمان بھی ہے تو اس الفت بالمعاصی کو قائم رکھنے کے واسطے قرآن وحدیث میں تاویل کر لیتا ہے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ہمارے تاویل کرنے میں اور علماء کے تاویل کرنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے تاویل اس کو کہتے ہیں کہ دو کلام جو بظاہر متعارض معلوم ہوتے ہیں کوئی ایسے معنی ان میں سے ایک کے لے لئے جاویں کہ تعارض نہ رہے۔ سو ہماری تاویلات باتباع نفس ہوتی ہیں اور ان کی تاویل باتباع قرآن وحدیث ان دونوں کے نتیجہ میں فرق ہے ہم کو اس تاویل سے معاصی پر جرأت بڑھتی ہے اور ان کو اسی تاویل سے دوسری آیت کی تعمیل نصیب ہوتی ہے وہ ہر صورت میں مطیع ہیں اور ہم ہر طرح نافرمانی کی گنجائش نکالتے ہیں۔ دونوں قسم کی تاویلوں میں فرق خوب سمجھ لو ہماری تاویلوں کی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎

بر ہوا تاویل قرآن میکنی　　پست و کج شد از تو معنے سنی

چوں ندارد جان تو قندیلہا　　بہر بینش میکنی تاویلہا

(ترجمہ) تم محض ہوائے نفسانی پر قرآن کی تاویل کرتے ہو جس سے تمہاری تاویل کی بدولت روشن معنی قرآن کے کج اور متغیر ہو گئے۔ تمہاری جان چونکہ انوار نہیں رکھتی اس

واسطے بینائی تاویلیں کرتے ہو یعنی تم حقائق وعلوم سے چونکہ خالی ہو اس لئے تم اپنی جہالت چھپانے کے واسطے تاویلیں کرتے ہو)

غرض اپنی تاویلات کو علماء کی تاویل نہ سمجھئے اور ان کو تاویل کرتے دیکھ کر آپ جرأت نہ کیجئے اس میں آمیزش نفس کی ہے کہیں نہ کہیں دھوکہ ضرور ثابت ہوگا اس تاویل کو حق سمجھئے کہ حدیث مذکور میں نفی کمال ایمان مراد ہے یہ آج کی تاویل نہیں متقدمین کی اور علماء حقانی کی کی ہوئی تاویل ہے مگر اس پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیے کہ معاصی سے ایمان نہیں جاتا کیونکہ یہ صحیح ہے کہ معاصی سے ایمان نہیں جاتا مگر یہ بھی صحیح ہے کہ ایک معصیت دوسری کا سبب بن جاتی ہے اور چھوٹی معصیت سے بڑی تک نوبت آ جاتی ہے اور رفتہ رفتہ آدمی کفر تک پہنچ جاتا ہے یہی معنی ہیں مَن تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّداً فَقَد کَفَرَ[۱] (جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دیا اس نے کفر کیا) کے اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جس کا ماحصل یہ ہے کہ بخل ایک درخت ہے دوزخ میں جب آدمی بخل کرتا ہے تو دوزخ میں پہنچ جاتا ہے اور میں کہتا ہوں کفر وغیرہ نہ بھی ہو تو کیا نقصان ایمان ڈرنے کی چیز نہیں اور کیا کمال ایمان ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کو حاصل کیا جائے جب آپ کھانا پکاتے ہیں تو اتنی سی بات بھی گوارا نہیں ہوتی کہ ذرا نمک پھیکا ہو حالانکہ اگر نمک بالکل بھی نہ ہو تو کھانا میں مقصود کا بطلان نہیں ہوتا کمال ایمان بڑی چیز ہے ہمت کیجئے اور حاصل کیجئے اور ہمہ تن اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع بنایئے عقائد ہوں تو شریعت کے موافق اعمال ہوں تو شریعت کے موافق اخلاق ہوں تو شریعت کے موافق اور معاملات کی بالخصوص اصلاح کیجئے ان میں ابتری بہت ہی زیادہ ہے نماز روزہ کے مسائل تو لوگوں کو معلوم ہی ہیں مگر ان سے ایسی اجنبیت ہوئی ہے کہ ان کے مسئلے بتانے والے بھی کم ہیں میں نے بہت تھوڑی سی باتیں توضیح کے ساتھ بیان کی ہیں اب وقت نہیں ان ہی سے اتنا پتہ آسانی سے چل سکتا ہے کہ ہمارے حالات سب کے قابل اصلاح ہیں یہ کھٹکا اگر آپ کے دل میں پیدا ہو گیا ہے تو کل مفاسد کی تفصیل معلوم کرنا آسان ہے معلوم کیجئے اور ہمت کر کے اصلاح کی فکر کیجئے۔

---

[۱] اتحاق السادة المتقين ۳: ۱۰، كنز العمال: ۵۰۰۸

ایک لغو عذر یہ بھی ہے کہ جب عوام سے کہا جاتا ہے کہ شریعت کو مانو تو کہتے ہیں کہ ہم تو دنیا دار ہیں ہم سے کہیں شرع نبھ سکتی ہے۔ کیوں صاحبو! جس وقت جنت سامنے کی جائے گی اس وقت بھی تم یہی کہہ دو گے کہ ہم تو دنیا دار ہیں ہم کیسے اس میں جائیں شریعت کو ایسی ایک ہولناک چیز فرض کر لیا ہے کہ جو دنیا داروں کے بس کی نہیں خوب سمجھ لو کہ شریعت دن رات نفلیں پڑھنا اور کھانے پینے کے چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے۔ کہ مشکل ہو بلکہ اس میں بہت وسعت ہے جس چیز کو کتاب مباح کہے بیدھڑک کر ڈالو مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہ جس چیز کو منع کرے اس کے پاس مت جاؤ یہ ہے اپنی خواہش کو شریعت کے تابع بنانا جس کو کمال ایمان فرمایا گیا ہے ہاں اس کے لئے اتنی ضرورت ہے کہ تم کو معلوم ہو کہ فلاں چیز کو کتاب جائز کرتی ہے اور فلاں چیز کو نہیں یہ معلوم ہونا بھی کچھ دشوار بات نہیں جس کو فرصت ہو وہ تعلیم تعلم سے حاصل کر لے اور جس کو فرصت نہ ہو وہ جاننے والوں سے پوچھ پوچھ کر سیکھ لے۔ آج کل تو علم گلی کوچوں میں عام ہو گیا ہے۔ ہر جگہ مولوی موجود ہیں جو مسئلہ چاہو پوچھ لو.................. اور اگر مولوی کہیں موجود نہ بھی ہوں تو ڈاک کا راستہ ایسا کھلا ہوا ہے کہ چار پیسہ میں شرقاً غرباً جہاں سے چاہو جواب منگا لو، غرض اس بات کا التزام کر لو کہ بلا پوچھے اور بے سوچے محض اپنے نفس کے کہنے سے کوئی کام نہ کرو تا کہ کمال ایمان میسر ہو اسی کو فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُم حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعاً لِمَا جِئْتُ بِهٖ[1]

ترجمہ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا، جبتک کہ اس کی خواہش ان احکام کے تابع نہ ہو جائے جن کو میں لایا ہوں)، اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ توفیق عطاء فرما دیں۔ آمین!

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح: ١٦٧، کنز العمال: ١٠٨٤، فتح الباری لابن حجر ١٣: ٢٨٩

غَایته النجاح
فی
اٰیاة ، النکاح

یہ وعظ اہلیہ صغریٰ حضرت حکیم الامت کے مکان پر ۲۳؍ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ بروز یکشنبہ تین گھنٹہ کرسی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔
سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی۔ مستورات پس پردہ اس کے علاوہ تھیں۔
حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے قلمبند فرمایا۔

خطبہ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ نَحمَدُہٗ وَنَستَعِینُہٗ وَنستغفرہٗ وَنُؤمِن بِہٖ وَنَتوَکَّلُ عَلَیہِ وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِن شُرُورِ اَنفُسِنَا وَمِن سَیّئاتِ اَعمَالِنَا مَن یَّھدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضلِلہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشھَدُ اَن لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لاَ شَرِیکَ لَہٗ وَنَشھَدُ اَنَّ سَیّدنا ومولانا محمّداً عَبدُہ وَرَسُولُہ صَلَی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیہ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَبَارَکَ وسَلَّم …………

اَمَّا بَعدَ: فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیم …… بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم. وَمِنۡ آیَاتِہٖ اَن خَلَقَ لَکُم مِن اَنفُسِکُم اَزوَاجاً لِتَسکُنُوا اِلَیھَا وَجَعَلَ بَینَکُم مَّوَدَّۃً وَّرَحمَۃً. اِنَّ فِی ذٰلِکَ لآیَاتٍ لِقَومٍ یَتَفَکَّرُون …… (سورۃ الروم آیت ۲۱)

(ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تا کہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بی بی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں)

تمہید

ان آیات کی تلاوت سے غالباً ان لوگوں کو جو ترجمہ سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں یہ شبہ ہوا ہو گا کہ شاید میں نکاح کے حقوق بیان کرونگا کیونکہ موقع بھی نکاح کا ہے اور درخواست کرنیوالے بھی اسی تقریب میں آئے ہیں مگر اس وقت میرا یہ مقصود نہیں نہ اس واسطے کہ یہ مضمون مقصود بالذات نہیں کیونکہ اگر یہ مضمون (یعنی حقوق نکاح کا بیان) فی نفسہ مقصود نہ ہوتا تو نصوص میں اس کا ذکر نہ ہوتا کیونکہ نصوص میں غیر ضروری امور کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اسوقت مجھے دوسرا مضمون بیان کرنا ہے جو نیا مضمون ہے جو غالباً آج سے پہلے

کانوں میں نہ پڑا ہوگا اور حقوق نکاح کا بیان بعض مواعظ میں چند بار بیان ہو چکا ہے اور فقہ کے اردو رسائل میں بھی انکا ذکر ہے اس لئے اس وقت میں ان حقوق کو بیان نہ کروں گا۔

نصوص میں غیر ضروری امور کا ذکر نہیں

یہ جو میں نے کہا ہے کہ نصوص میں غیر ضروری امور کا ذکر نہیں کیا گیا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ جو لوگ قرآن وحدیث میں غیر ضروری امور کو داخل کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں اور نصوص کی وقعت کو کم کرتے ہیں کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی طب اکبر میں جوتہ سینے کی ترکیب داخل کر دے اور ربط یہ بیان کرے کہ بعض امراض ننگے پاؤں پھرنے سے بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا علاج جوتہ پہننے ہی سے ہو سکتا ہے اس لئے ہم نے ناظرین کی آسانی کے لئے جوتہ سینے کی ترکیب بھی لکھ دی ہے مگر یقیناً اس ربط کے بعد بھی یہ مضمون اس کتاب کی وقعت کو کم کر دے گا (کیونکہ یہ ربط محض لغو ہے اگر اس وجہ سے طب اکبر میں جوتہ سینے کی ترکیب اضافہ کی جائے گی تو پھر کپڑا بننے کی ترکیب بھی بڑھانا چاہئے کیونکہ بعض امراض عریانی سے پیدا ہوتے ہیں اور کھانے پکانے کی ترکیب بھی لکھنا چاہئے کیونکہ بعض امراض بھوکا رہنے یا خراب غذا کھانے سے پیدا ہوتے ہیں اور پاخانہ کمانے کی ترکیب بھی درج کرنا چاہئے کیونکہ بعض امراض غلاظت اور ترک صفائی سے پیدا ہوتے ہیں پھر وہ طب کی کتاب کیا ہوئی قیامت کی معجون مرکب ہوگئی ۱۲)

نصوص میں غیر ضروری امور کو داخل نہ کریں

اسی طرح تفسیر بالرائے کر کے قرآن میں غیر ضروری امور اور فضول تحقیقات کو ٹھونسنا بھی قرآن کی وقعت کو کم کرنا ہے یہ سخت غلطی ہے جس کا منشاء خود رائی ہے جس سے وہ تفسیر پیدا ہوئی ہے مگر کوئی ان سے پوچھے کہ آپ کی رائے کی صحت پر ہی کیا اطمینان ہے کیونکہ خود آراء میں بکثرت اختلاف ہے اس کا فیصلہ کیونکر ہو کہ کونسی رائے صحیح ہے۔

محض کثرت رائے پر فیصلہ لغو ہے

اب میں قطع نظر تفسیر بالرائے سے مطلق کثرت رائے کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں آج کل اکثر امور میں اس کے لئے ایک قاعدہ نکلا ہے کہ کثرت کی طرف فیصلہ کیا جائے۔ مگر

اس میں اول تو یہ کلام ہے کہ جس کو آپ کثرت سمجھتے ہیں وہ حقیقت میں کثرت نہیں کیونکہ تم نے دس پندرہ یا بیس پچاس آدمیوں کو جمع کر کے ان سے رائے لے لی اور کثرت پر فیصلہ کر دیا حالانکہ کروڑوں آدمی ابھی ایسے باقی ہیں جن سے رائے نہیں لی گئی کیونکہ عوام سے کون رائے لیتا ہے اور انکی رائے شمار ہی کون کرتا ہے اگر عام سے رائے لی جائے اور انکی آراء کو شمار کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ جس کو آپ کثرت سمجھتے تھے۔ حقیقت وہ قلت ہے اور اگر یوں کہو کہ ہم کو عوام سے رائے لینے کی ضرورت نہیں بلکہ ہم عقلاء کو انتخاب کرینگے اور انکی کثرۃ پر فیصلہ کا مدار رکھیں گے تو میں پوچھوں گا کہ عقلاء کس معیار سے منتخب کئے جائیں گے اور اس معیار کے صحیح ہونے کی کیا دلیل......؟ اگر انتخاب عقلاء کا معیار تم نے اپنی ذاتی رائے سے قائم کیا تو تمہاری رائے کے غلط نہ ہونے کی کیا وجہ؟ اور اگر کثرت رائے سے وہ معیار کیا تو ہمارے خیال میں تو آج تک کسی نے اس معیار کے متعلق کثرت رائے حاصل نہیں کی۔ اور جس دن اس مسئلہ کو کثرت رائے سے حل کیا جائے گا ہم دکھلا دیں گے کہ یہ مسئلہ طے ہی نہ ہو گا (کیونکہ ہر شخص انتخاب عقلاء کا معیار ایسا بیان کرے گا جس میں وہ خود بھی داخل ہو سکے ایسا معیار کوئی نہ بیان کرے گا جس کی وجہ سے وہ خود بیوقوف قرار پائے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی ایک معیار پر کثرت رائے ہو جانا دشوار ہے ظ) غالباً آج آپ کو کثرت رائے پر فیصلہ کرنے کی حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ یہ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں حقیقت میں فیصلہ ہمیشہ شخصی رائے سے ہوتا ہے کیونکہ کثرتِ رائے کے حاصل کرنے کا جو معیار تجویز کیا جاتا ہے وہ شخصی رائے سے تجویز ہوتا ہے اس میں خوب غور کرو یقیناً انتہا شخصی رائے پر ہو گی۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ اس کثرت رائے کے فیصلہ میں بھی وہ خرابی موجود ہے جو شخصی رائے میں بیان کی جاتی ہے کیونکہ کثرت رائے کے فیصلہ سے بھی رعایا کی حریت باطل ہوتی ہے جس کا آج کل بہت چرچا ہے کہ مساوات اور حریت ہونا چاہئے۔ یہاں تک کہ عورتوں کو بھی مردوں کے برابر حقوق دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے میں کہتا ہوں کہ تم عورتوں کو مردوں کے برابر پیچھے کرنا پہلے مردوں مردوں کو تو برابر کر دو میں پوچھتا ہوں کیا پارلیمنٹ کے سب قوانین عام رعایا کی رائے کے موافق ہوتے ہیں......؟ ہرگز نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں افراد

کی رائے کے خلاف ہوتے ہیں تو کیا اس صورت میں کثرت رائے سے حریت باطل نہیں ہوئی پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو جن کی رائے پارلیمنٹ کے فیصلہ کے خلاف ہے اس فیصلہ کے تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور ان پر جرم کی دفعات قائم کرتے ہیں۔ آخر ان کو آزادی کیوں نہیں دی جاتی یہ کیا کہ مرد وعورت تو برابر ہوں اور مرد مرد برابر نہ ہوں۔ کیا یہ ظلم وستم نہیں اور جب کثرت رائے سے بھی حریت کا ابطال ہوتا ہے اور وہی جبر واستبداد اس میں بھی جو شخصی رائے میں ہے تو اب بتلایئے کہ ایک شخص کی غلامی اور استبداد سے پارلیمنٹ کی غلامی اور اس کا استبداد کیوں افضل ہے............؟ یقیناً بیس پچیس آدمیوں کی غلامی سے ایک کی غلامی بہتر ہوگی جیسا ایک عاقل سلیم الفطرۃ شاعر کہتا ہے ؎

اَرَبًّا وَّاحِداً اَم اَلفَ رَبٍّ اَدِینُ اِذَا لَقَسِمَتِ الاُمُورُ
تَرَکتُ اللّاتَ والعُزّیٰ جَمِیعاً کَذَالِکَ یَفعَلُ الرَّجُلُ البَصِیرُ

(جب کہ کائنات میں جملہ امور سب کو تقسیم کئے جائیں تو ایک پروردگار کو پرستش کے لئے اختیار کروں یا ایک ہزار کو، میں نے لات اور عزیٰ کو پوجنا چھوڑ دیا اور اہل بصیرت ایسا ہی کرتے ہیں)

پس اپنی اپنی رائے کا یا کثرت رائے کا اتباع نہ کرو بلکہ حکم واحد کا اتباع کرو اور وہ حکم واحد وحی ہے اس میں خودرائی سے فضولیات کو نہ ٹھونسو کیونکہ رائے کی صحت پر کسی طرح اطمینان نہیں ہوسکتا جیسا کہ اوپر مفصل معلوم ہو چکا۔ پس اپنی رائے کو رہنے دو اور جو کچھ وحی بتائے اس کا اتباع کرو۔ جو شخص وحی میں اپنی رائے کو دخل دیتا ہے وہ جاہل ہے، مجنون ہے مگر آج کل بڑی حمایت یہ ہو رہی ہے کہ مجنون اپنے کو مجنون نہیں سمجھتا اور یہ بھی آثار جنوں سے ہے بلکہ (جنون کا اعلیٰ نمبر ہے ۱۲)

شبہات کا صحیح علاج

اور اگر کوئی یہ کہے کہ میں نصوص کی تفسیر اپنی رائے سے اس لئے کرتا ہوں کہ نصوص کی مشہور تفسیر میں شبہات پیدا ہوتے ہیں تو میں کہوں گا کہ شبہات کا یہ علاج نہیں کہ تم اپنی رائے سے ہر شبہ کو دفع کرو بلکہ اس کا اصل علاج یہ ہے کہ شبہات کے منشاء کا علاج کرو ہر شبہ

کو الگ الگ دفع کرنے میں دردسری بھی ہے اور اس سے سلسلہ شبہات کا ختم بھی نہیں ہو سکتا تم منشاء کا علاج کرو انشاء اللہ سب ایک دم سے زائل ہو جائیں گے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے رات کو اندھیرے میں گھر کے اندر چوہے چھچھوندر کودتے پھرتے تھے اور گھر والا ایک ایک کو پکڑ کر باہر نکالتا تھا مگر پھر وہ سب کے سب اندر آ جاتے تھے۔

ایک عاقل نے کہا کہ میاں یہ سب اندھیرے کی وجہ سے کودتے پھرتے ہیں۔ تم لمپ روشن کر دو یہ سب خود ہی بھاگ جائیں گے پھر کوئی پاس نہ پھٹکے گا۔

منشاء شبہات اور علاج کی عجیب مثال

چنانچہ لمپ روشن کیا گیا اور سب کے سب ادھر ادھر اپنے بل میں گھس گئے اسی طرح یہاں سمجھ لو کہ یہ وساوس و شبہات وحی اور قرآن میں آپ کو پیش آتے ہیں انکا منشاء ظلمت قلب ہے جس کا علاج یہ ہے کہ قلب میں نور پیدا کر لو! پھر ایک شبہ بھی پاس نہ آئے گا۔ وہ نور کیا ہے؟ نور محبت ہے۔

عشق علاجِ وساوس ہے

حضرت محبت و عشق وہ چیز ہے کہ جب یہ دل میں گھس جاتی ہے تو پھر محبوب کے کسی حکم اور کسی قول و فعل میں کوئی شبہ اور وسوسہ پیدا نہیں ہوتا اگر ایک پروفیسر فلسفی کسی طوائف پر عاشق ہو جائے اور وہ اس سے یوں کہے کہ سر بازار کپڑے نکال کر ننگے آؤ تو میں تم سے بات کروں گی ورنہ نہیں تو فلسفی صاحب اس کے لئے فوراً تیار ہو جائیں گے اور یہ بھی نہ پوچھیں گے کہ بی؟ اس میں تیری کیا مصلحت ہے اب کوئی اس سے پوچھے کہ آپ کی وہ عقل و فلسفیت اس طوائف کے سامنے کہاں چلی گئی افسوس قرآن و حدیث کے مقابلہ میں تو ساری فلسفیت ختم کی جاتی ہے اور ایک ادنیٰ مردار کے احکام میں چون و چرا اور لم و کیف سب رخصت ہو گیا۔ آخر اسکی کیا وجہ؟ یقیناً آپ یہی کہیں گے کہ اسکی وجہ محبت و عشق ہے بس معلوم ہو گیا کہ خدا اور رسولؐ کے احکام میں شبہات پیدا ہونے کی وجہ عدم محبت یا قلتِ محبت ہے اگر آپ کے دل میں نور محبت روشن ہوتا تو یہ سارے چوہے اور چھچھوندر خود بھاگ جاتے۔ شیخ سعدی اسی کے متعلق فرماتے ہیں ؎

ترا عشق ہمچو خودے ز آب و گل ربايد همه صبر و آرام دل
(تیرا عشق مٹی اور پانی کی طرح ہے جو میرے دل کے صبر وچین کو لے گیا ہے)
اور جب ایک مخلوق کے عشق کا یہ اثر ہے تو خالق کے عشق کا اثر کیا کچھ ہونا چاہئے ۔

عجب داری از سالکانِ طریق که باشند در بحر معنی غریق
زمام شراب الم درکشند دگر تلخ بیند دم درکشند

(تو سالکان طریق جو کہ حقیقت کے دریا میں غریق ہیں تعجب کرتا ہے۔ وہ ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں جب اس میں رنج کی تلخی دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں)

مولانا فرماتے ہیں ۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہرا و اولےٰ بود

(محبوب حقیقی کا عشق لیلیٰ سے کیا کم ہو اس کی گلیوں میں پھرنا اولیٰ اور بہتر ہے)

شبہات میں راہنمائی

اور میں علماء کو بھی متنبہ کرتا ہوں کہ علماء کے عرفی اخلاق ہی نے عوام کو خراب کیا ہے کہ جہاں ان کے سامنے کسی نے شبہات بیان کئے اور یہ ہر شبہ کے مفصل جواب کو تیار ہو گئے .... ارے اصلی جواب یہ ہے کہ مرض کو تشخیص کرو اور جڑ کو اکھاڑو! تم شاخوں کو چھانٹتے ہو اس سے کیا ہوتا ہے جب جڑ موجود ہے تو چند روز میں ہزاروں نئے نئے پتے اور نکل آئیں گے محقق تشخیص کر کے اصل مرض کا علاج کرتا ہے اور غیر محقق آ ثار کا علاج کرتا ہے۔ میں نہایت پختگی سے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ جن مسلمانوں کو آج کل مذہب میں شکوک و اوہام پیدا ہوتے ہیں ان کے اس مرض کا منشاء قلت محبت مع اللہ ہے ان کو اللہ و رسول کے ساتھ محبت نہیں ہے، تعلق نہیں ہے اور محض برائے نام تعلق کو تعلق کہا جاتا۔ اور تعلق مع اللہ کے حاصل ہونے کا واحد طریق صرف یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت حاصل کی جائے اہل محبت کی صحبت میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے بہت جلد محبت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اہل غفلت کی صحبت سے غفلت جلدی پیدا ہوتی ہے پھر جب محبت اور تعلق مع اللہ حاصل ہو جائے گا یہ لم وکیف باطل اور وساوس وشبہات سب جاتے رہیں گے۔ میں علماء سے خیر خواہی

کے ساتھ کہتا ہوں کہ تم ان شبہات کے جواب میں کیوں اپنا دماغ تھکاتے ہو بس تم صرف ایک کام کرو کہ ان لوگوں کو اہل اللہ کی صحبت و محبت کا پتہ دے دو۔ ورنہ تمہاری ساری تدبیروں اور تقریروں کا وہی حال ہوگا جو مولانا نے ابتدائے مثنوی میں ناواقف طبیبوں کی تدبیر کا حال بیان فرمایا ہے کہ ایک بادشاہ کی کنیزک بیمار تھی اطباء نے اس کا مرض سوداء و صفرا تجویز کر کے دوائیں دینا شروع کیں اس کے بعد طبیب الٰہی آیا اور اس نے تجویز کیا کہ ؎

رنجش از سوداء از صفرا نبود　　　بوئے ہر ہیزم پدید آید زدود

(اس کی بیماری کا سبب صفراء یا سوداویت کا غلبہ نہیں ہے ہری لکڑی اس کے دھوئیں کی بو سے پہچان لی جاتی ہے)

اس کو سودا یا صفرا کا مرض نہیں بلکہ یہ تو ایک زرگر کے عشق میں گرفتار ہے اور اس نے دوسرے طبیبوں کی تدبیروں کے متعلق یوں کہا ؎

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند　　　آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

بیخبر بودند از حال دروں　　　استعیذ اللہ مما یفترون

(کسی نے کہا انہوں نے جو دوا بھی کی وہ آباد کرنا نہیں ہے، انہوں نے تو ویران کرنا ہے اگر چہ عقل مندوں کے نزدیک بدنامی ہے لیکن ہم ننگ و ناموس کے خواہاں نہیں ہیں)

اصل مرض سے آنکھیں بند کر کے آثار علاج کرنا ایسا ہے جیسا ایک شخص پاخانہ لئے بیٹھا ہو اور بدبو آ رہی ہو اور تم پاخانہ کو تو نہیں دھوتے اوپر سے عطر حنا اور عطر خس لگا رہے ہو اس سے کیا ہوتا ہے۔ جب تک پاخانہ کو دور نہ کرو گے تمہارے سارے عطر برباد ہو جائیں گے۔

ازالۂ شبہات میں، تقلیدِ محقق لازم ہے

مگر غضب تو یہ ہے کہ آج کل علماء بھی خود طریق علاج نہیں جانتے۔ تو اب عوام نے اپنا علاج خود کرنا شروع کیا کہ قرآن و حدیث کا ترجمہ پڑھنے لگے اور ترجمہ دیکھ کر شبہات کا خود ہی جواب دینے لگے مگر میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ ایسے عوام کو خود ترجمہ پڑھنا حرام ہے۔ بلکہ تم کو لازم ہے کہ کسی محقق سے رجوع کرو اور جو طریق وہ بتلائے اس پر عمل کرو اپنی رائے کو دخل نہ دو پھر وہ بھی تم کو قرآن کا ترجمہ پڑھائے گا یا پڑھنے کی رائے دے گا۔ مگر قابل بنا کر۔ اور اگر اس

کے سامنے بھی اپنی رائے چلائیں گے تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے اپنے بچہ کے لئے تمام ایک نصاب تعلیم تجویز کرو اور وہ اس میں اپنی رائے کو دخل دے تو کیا آپ کو اس کی رائے کی کچھ وقعت ہوگی......؟ ہرگز نہیں صاحبو! دنیا و دین کا کام بدوں تقلید محقق کے نہیں ہوسکتا۔ دیکھئے اگر ایک سرکاری مکان دو لاکھ روپے میں تیار ہوا ہو مگر انجینئر اس کو پاس نہ کرے اور یہ کہے کہ دو ماہ میں یہ مکان گر جائے گا تو اسی وقت لاکھوں کی عمارت کو بیکار کر دیا جاتا اور اس کو خالی کر دیا جاتا بلکہ بعض دفعہ گرا دیا جاتا ہے یہاں کوئی اپنی عقل کو دخل نہیں دیتا بلکہ بلا چوں وچرا انجینئر کی تقلید کی جاتی ہے یہی حال ڈاکٹروں کی تقلید کا ہے کہ انکی تجویز میں کوئی دخل نہیں دیتا۔

اہلِ یورپ عاقل پرستی کرتے ہیں

صاحبو! جن لوگوں کی تقلید میں آپ عقل پرستی کرتے ہیں وہ تو خود بھی عقل پرستی نہیں کرتے۔ ہاں عاقل پرستی کرتے ہیں۔ پس قرآن میں ہر بات کو اور ہر نئی تحقیق کو اپنی رائے سے ٹھونسنا سخت غلطی ہے۔

آپ کی رائے باطل ہے کیونکہ آپ محقق نہیں ہیں۔ اس پر شاید آپ یہ کہیں کہ جب علماء یہ کام نہیں کرتے تو ہم نے کہا لاؤ ہم ہی یہ کام کریں کیونکہ علماء تو پرانی لکیر کے فقیر ہیں وہ جدید تحقیقات کا ثبوت قرآن وحدیث سے نہیں دیتے تو یہ کام ہم ہی نے شروع کر دیا۔ میں کہتا ہوں بیشک، مگر آپ کے کام کی ایسی مثال ہوگی جیسے کسی طبیب کا لڑکا اپنے باپ کے ساتھ مطب میں اور مریضوں کو دیکھنے جایا کرتا تھا مگر خود اسے گھر کی عقل نہ تھی ایک دفعہ اس کے باپ نے کسی مریض کی نبض دیکھ کر کہا کہ آج معلوم ہوتا ہے تم نے نارنگی کھائی ہے مریض نے اقرار کیا حکیم صاحب نے اس کو پرہیز کی تاکید کر کے نسخہ لکھ دیا۔ جب واپس ہوئے تو لڑکے نے باپ سے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے کہا نبض سے تو یہ معلوم ہوا تھا کہ اس نے کوئی شے محرک صفراء کھائی ہے۔ پھر چارپائی کے نیچے جو میں نے نظر کی تو نارنگی کے چھلکے نظر پڑے اس سے میں سمجھا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے بس صاحبزادہ کے ایک قاعدہ ہاتھ آ گیا کہ مریض کے پلنگ کے نیچے جو چیز پڑی ہو اس نے وہی کھائی ہے جب حکیم صاحب کا انتقال ہو گیا اور صاحبزادہ کی نوبت آئی تو آپ ایک رئیس کی نبض دیکھنے

گئے اور چار پائی کے نیچے نظر دوڑائی کہنے لگے کہ آپ نے آج نمدہ کھایا ہے (کیونکہ چار پائی کے نیچے نمدہ ہی پڑا تھا) رئیس نے کہا نمدہ بھی کوئی کھایا کرتا ہے کہا کچھ ہی نبض تو یہی بتلاتی ہے۔ رئیس نے حکم دیا اس کی دم سے نمدہ باندھ کر گھر سے باہر نکال دو۔ یہ تو بالکل جاہل مطلق معلوم ہوتا ہے تو حضرات اسی طرح آپ کی حالت ہوگی کیونکہ آپ کو گھر کی تو عقل نہیں شریعت سے اور قرآن سے مناسبت نامعلوم آپ اس میں کیا سے کیا ٹھونسیں گے؟

علماء کا کام صرف قانون الٰہی کا بیان کرنا ہے

صاحبو! علماء کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ قرآن میں صنعت وحرفت ٹھونسیں اور نہ قرآن صنعت وحرفت کی کتاب ہے۔ بلکہ قرآن قانون الٰہی ہے اور علماء کا کام وہ ہے جو وکلاء کا کام ہوتا ہے کہ وکیل صرف یہ بتلاتا ہے کہ یہ امر قانون کے موافق ہے یا خلاف ہے اس سے زیادہ وکیل کا کام کچھ نہیں مثلاً اس سے قانون کی لم پوچھی جاوے اسی طرح علماء کا اس سے زیادہ کچھ کام نہیں کہ جس بات کے متعلق شبہ ہو کہ یہ قانون کے خلاف تو نہیں ہے اس کو علماء سے پوچھ لو وہ قانون الٰہی کے موافق یا مخالفت ہونے کو واضح کردیں گے نہ انکا یہ کام ہے کہ اس قانون کی لم بتلاویں نہ یہ کام ہے کہ تمام سائنس کی تحقیقات کو قرآن میں داخل کریں اسی طرح نہ ان کا یہ کام ہے کہ قومی کاموں میں حصہ لیں نہ یہ کہ اس کے لئے چندہ کریں۔ ان کا کام صرف قانون الٰہی کو سمجھنا ہے اور ان سے یہی پوچھنا بھی چاہئے کہ یہ بات قانون الٰہی کے خلاف تو نہیں۔

سب علماء کو میدانِ سیاست میں قدم رکھنا جائز نہیں بلکہ تقسیم خدمات لازم ہے

اور یاد رکھو! اگر سب لوگ میدان میں آجائیں گے تو چند روز کے بعد قرآن وحدیث کا سمجھنے والا آپ کو کوئی نہ ملے گا۔ میں علماء کے میدان میں آنے کا من کل وجہ مخالف نہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ سب کو میدان میں نکلنا جائز نہیں ہاں جب علماء علم دین کو اچھی طرح حاصل کر لیں تو جن کو میدان میں نکلنے کا شوق ہو وہ آئیں مگر کچھ لوگ حجرہ نشین بھی رہنا چاہئیں جن کا کام سوائے قال اللہ قال الرسول اور سوائے کتابیں پڑھنے پڑھانے کے کچھ نہ ہو کیونکہ تجربہ ہے کہ کتابی استعداد اور فتوی دینے کی قابلیت بدوں اس کے کامل نہیں ہوتی جو علماء میدان میں آئے

ہوئے ہیں ان میں اکثر تو وہ ہیں جن کو کتابی استعداد بالکل نہیں اور اگر کسی کو یہ قابلیت حاصل ہے تو یہ حجرہ نشینی ہی کی برکت ہے کہ وہ ایک مدت تک نشین ہو کر کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا ہے مگر آپ اس حجرہ ہی کو بند کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند روز میں حدیث و قرآن وفقہ کے سمجھنے والے اور ان کو صحیح طور پر حل کرنیوالے دنیا سے ناپید ہو جائیں گے۔ اگر اس کی ضرورت کو آپ محسوس کرتے ہیں اور یقیناً ہر شخص اس کی ضرورت کو تسلیم کریگا تو ضروری ہے کہ سب علماء میدان میں نہ آئیں بلکہ کچھ میدان میں آئیں اور کچھ مناظرہ کریں۔ کچھ تبلیغ کریں اور ایک جماعت ایسی ہو جوان سب کاموں سے الگ رہ کر حدیث و قرآن وفقہ اور ضروریات کی تعلیم دیں۔ ان کو سوائے تعلیم وتعلم کے کچھ نہ کرنا چاہئے ورنہ قابل علماء ہرگز پیدا نہ ہوں گے تقسیم خدمات بہت ضروری ہے اور تمام عقلاء اور متمدن اقوام اس کی ضرورت پر متفق ہیں پھر حیرت ہے کہ ہمارے بھائی اس کو نظرانداز کر کے سب کو ایک کام میں کیوں لگانا چاہتے ہیں بعض لوگوں نے اس کا نام رکھا ہے مل کر کام کرنا۔

مل کر کام کرنے کے معنی

سوصاحبو! مل کر کام کرنے کے یہ معنی نہیں کہ بڑھئی اور معمار جن کے سب ایک ہی کام کو لگ جائیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مکان بنانے میں جتنے کاموں کی ضرورت ہے ان کو بانٹ کر ایک کام بڑھئی کرے ایک کام لوہار کرے ایک کام معمار کرے۔ جبھی کام تیار ہوگا ورنہ بڑھئی اور معمار اور لوہار سب کے سب اینٹوں ہی کے کام پر لگ گئے تو مکان ہرگز تیار نہ ہوگا۔

علماء اپنا کام کر رہے ہیں

بس اب یہ کہنا غلط ہے کہ علماء کام نہیں کرتے علماء کا جو کام ہے جس کا انہوں نے بیڑا اٹھایا ہے وہ اس کو بحمد اللہ بخوبی کر رہے ہیں آپ کو ان کے کام میں دخل دینے کی ضرورت نہیں آپ اپنی رائے سے قرآن وحدیث میں غیر ضروری اور فضول باتوں کو نہ ٹھونسئے اور اپنی تحقیقات کو شریعت میں داخل نہ کیجئے بلکہ قرآن وحدیث کو ان لوگوں پر چھوڑ دیجئے جو اس کے سمجھنے والے ہیں اور اس معاملہ میں آپ کو انہی کی تقلید کرنا چاہئے اپنی رائے سے قرآن و حدیث میں کسی چیز کا ٹھونسنا آپ کو جائز نہیں بلکہ سراسر حماقت ہے چونکہ آج کل لوگوں میں

یہ مرض عام ہوگیا ہے اس لئے اسطرادا اُس کا بیان کردیا گیا۔ چنانچہ میں ایک جگہ گیا ہوا تھا وہاں ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ آج کل تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہر چیز میں نر و مادہ ہوتے ہیں نباتات میں بھی اشجار میں بھی تو مجھے فکر ہوئی کہ قرآن میں اس مضمون کا کہاں ذکر ہے گویا وہ تحقیق تو ان کے نزدیک وحی سے بھی زیادہ تھی کہ اس کے لئے تو کسی دلیل کی بھی ضرورت نہ تھی اس پر ایمان لانے کے لئے تو اتنا کافی ہوگیا کہ اخبار میں پڑھ لیا کہ آج کل تحقیقات سے یہ ثابت ہوگئی ہے۔

سائنس دانوں کا افسوسناک رویہ

افسوس یہ لوگ قرآن وحدیث کو تو بدوں اپنی مزعوم دلیل کے ماننے کو تیار نہیں ہوتے بلکہ اس میں شکوک وشبہات نکالتے ہیں اور نئی تحقیقات پر صرف اخبار میں دیکھ کر ایمان لے آتے ہیں اس بے انصافی اور بدتمیزی کی بھی کوئی حد ہے۔

قرآن میں ہر مضمون کا ہونا ضروری نہیں

پھر اس کے بعد یہ قاعدہ بھی ثابت کرلیا۔ کہ قرآن میں ہر واقعی بات مذکور ہونا چاہئے اور اس کے متعلق کسی بزرگؒ کی طرف ایک شعر منسوب کیا جاتا ہے ؎

جَمِیعُ العِلمِ فِی القُرانِ لٰکِن تُقَاصِرُ عَنہُ اَفھَامُ الرِّجَالِ

(قرآن میں تمام علوم ہیں لیکن لوگوں کی افہام اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں ۱۲) مگر میں کہتا ہوں کہ اول تو سند صحیح سے اس کا ثبوت دو کہ یہ شعر کس بزرگ کا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسمیں یہی تو کہا گیا ہے کہ قرآن میں تمام علوم ہیں جمیع الجہل فی القرآن تو نہیں کہا تو اب تم اس کا ثبوت دو کہ جن تحقیقات کو تم قرآن میں ٹھونستے ہو یہ علم ہے جہل نہیں۔ اور اگر علم سے مراد مطلق دانستن ہے تو میں کہونگا کہ اگر ویسرائے کا امتحان قانون وغیرہ میں ہورہا ہو تو کیا کوئی اس وقت یہ کہے گا کہ ویسرائے کا امتحان پارچہ سازی و پارچہ و درزی میں بھی ہونا چاہئے کیونکہ علم لغوی تو یہ بھی ہے یقیناً کوئی اسکی جرأت نہ کرے گا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ویسرائے کے علم کے سامنے یہ جہل ہے علم نہیں اسی طرح جن باتوں کو آپ قرآن میں اپنی

رائے سے ٹھونستے ہیں وہ علوم قرآن وحدیث کے سامنے علم نہیں بلکہ جہل محض ہیں۔ غرض وہ صاحب بڑے حیران تھے کہ قرآن میں یہ مسئلہ کہاں ہے کہ نباتات وغیرہ میں بھی نرو مادہ ہوتے ہیں تو انہوں نے تمام ترجمے دیکھے اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ اس خیال سے بڑے اہتمام سے دیکھا کہ وہ نئی روشنی کے مفسر ہیں۔ شاید انہوں نے نئی تحقیقات کو قرآن میں ٹھونسا ہو باقی یہ مدرسوں اور مسجدوں کے ملانے نے تو لکیر کے فقیر ہیں۔ ان سے کیا امید ہے کہ سلف کے اقوال پر کچھ زیادتی کریں گے مگر ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ میں بھی کہیں اس مسئلہ کا ذکر نہ ملا کیونکہ گو وہ نئی روشنی کے مفسر تھے مگر عمر میں پرانے ہی تھے اس لئے وہ آج کل کے نوجوانوں کی طرح ٹھوس نہ تھے کہ قرآن میں جو چاہیں ٹھونس دیں۔

ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ قابلِ اعتبار نہیں

اور میں آپ کو ایک بشارت سناتا ہوں کہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمے میں بہت سی غلطیاں تھیں جن پر میں نے ایک رسالہ میں تنبیہ کی تھی ڈپٹی صاحب نے میری تنقید کو پسند کیا اور یہ ارادہ کیا تھا کہ اس کے بعد طبع ثانی میں ان اغلاط کو تصحیح کر دونگا مگر ان کو موقعہ نہ ملا۔ تو وہ صاحب کہتے تھے کہ جب مجھے کسی ترجمہ میں یہ مضمون نہ ملا اور مایوسی ہوگئی تو پھر ایک دن میری بیوی قرآن پڑھ رہی تھی سورۂ یٰسین میں جب اس آیت پر پہنچی۔

سُبحَانَ الَّذِی خَلَقَ الاَزوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الاَرضُ وَمِن اَنفُسِهِم وَمِمَّا لاَ یَعلَمُونَ۔

(پاک ذات ہے وہ جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے اس قسم سے جو زمین سے اُگتا ہے اور خود ان میں سے اور ان چیزوں سے جن کی ان کو خبر نہیں (سورۂ یٰسین)

تو میرا ذہن فوراً اس مسئلہ کی طرف منتقل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ ہر شئے میں نرو مادہ ہیں (اور عجیب بات ہے کہ یہ مسئلہ آپ کو قرآن میں بیوی کی قرأت سے سمجھ میں آیا خود مطالعہ کرنے میں سمجھ میں نہ آیا شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ نرو مادہ کا مسئلہ نرو مادہ کے اجتماع ہی سے حل ہوسکتا ہے ۱۲ ظ) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تمام ازواج کو پیدا کیا زمین کی نباتات سے بھی اور خود تمہاری جنس

میں بھی اوران چیزوں میں بھی جن کوتم نہیں جانتے اورازواج کے معنی نر و مادہ کے ہیں ۔ میں نے کہا سبحان اللہ! یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ زوج کے معنی نر و مادہ کے ہیں زوج کے معنی لغت میں جوڑ کے ہیں چنانچہ زوج الخف موزہ کے جوزہ کو کہتے ہیں اورزوج وفرد جفت وطاق کو کہتے ہیں کیا یہاں بھی آپ نر و مادہ کے معنی کریں گے ہرگز نہیں اورمیاں بیوی کوبھی ازواج اسی لئے کہتے ہیں کہ ہرایک دوسرے کا جوڑہ ہے پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں مختلف اقسام پیدا کی ہیں نباتات میں بھی انسانوں میں بھی اوران چیزوں میں بھی جن کوتم نہیں جانتے اوراقسام مختلفہ کوازواج اس واسطے کہا گیا کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مقسم کے افراد ہیں گویاباہم جوڑے ہیں ۔ یہ ہے آج کل کے استدلالات کی حقیقت جن کو سن کرادنیٰ طالب علم بھی ہنستا ہے کہ یہ استدلال قرآن سے کیوں کر ہوا۔

لطیفہ

بس یہ ایسا ہی استدلال ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس ایک جاہل کولایا گیا تھا کہ حضرت یہ ماں کونفقہ نہیں دیتا بلکہ ساری کمائی بیوی کودیدیتا ہے شاہ صاحب نے اس سے وجہ پوچھی تو کہا قرآن میں ماں کا حق کہیں نہیں اور بیوی کا ہے **اَطعَمَهُم مِن جُوعٍ** کو آپ نے من جوی پڑھا کہ کھانا دو جوی کو یعنی زوجہ کو، شاہ صاحب نے پوچھا کہ تو نے قرآن کا ترجمہ وتفسیر پڑھی ہے کہا نہیں، پوچھا قرآن پڑھا ہے کہا نہیں صرف چند سورتیں شروع کے پارہ عم سے یاد ہیں (اس قابلیت پرآپ کا یہ اجتہاد تھا کہ قرآن میں ماں کا حق نہیں ہے ۱۲) شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم نے سورۂ تبت یدا ابی لہب بھی پڑھی ہے کہا جی ہاں فرمایا ذرا سناؤ تو اس نے پڑھنا شروع کیا۔ **تَبَّت يَدَآ اَبِى لَهَبٍ وَّتَبَّ، مَا اَغنٰى عَنهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ**۔

فرمایا دیکھو۔ قرآن میں تو یہ ہے کہ ماں کا سب جو کچھ ہے سب ماں ہی کا ہے بیوی کا تو صرف نفقہ ہے۔ کہنے لگا جی ہاں، اب سمجھ گیا اب میں ماں کو بھی دیا کرونگا۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قرآن استدلال ہے ہرگز نہیں بلکہ یہ الزامی جواب تھا کہ جیسی تفسیر تم نے **اَطعَمَهُم مِن جُوعٍ** کی کی ہے ویسی ہی تفسیر پرقرآن سے یہ مسئلہ بھی نکل سکتا ہے ۔ بس اسی طرح جو مسائل آج کل کے ذہین لوگ قرآن میں ٹھونستے ہیں وہ قرآن سے اسی طرح

ثابت ہوتے ہیں جس طرح سورۂ ایلاف سے سورۂ تبت سے یہ مضامیت ثابت ہوتے تھے۔ایک صاحب نے قرآن سے یہ مسئلہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ منی میں کیڑے ہوتے ہیں ان کیڑوں سے بچہ بنتا ہے تو آپ نے خَلَقَ الاِنسَانَ مِن عَلَقٍ (آدمی کے جمے ہوئے لہو سے پیدا کیا ہے) سے اس مسئلہ کو ثابت کیا اور لکھا کہ علق لغت میں جونک کو کہتے ہیں اور وہ بھی ایک کیڑا ہے تو قرآن سے ثابت ہوگیا کہ بچہ منی کے کیڑوں سے بنتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن سے تو یہ ثابت نہ ہوا بلکہ اگر تمہارے ترجمہ کو مان لیا جائے تو یہ ثابت ہوا کہ انسان کو جونک سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کے تو سائنس والے بھی قائل نہیں۔تو افسوس تم نے قرآن کا ترجمہ بھی بگاڑا اور مقصود پھر بھی ثابت نہ ہوا۔ان سب اختراعات کا منشاء یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی رائے کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ قرآن کو اس سے حل کریں۔

تواضع

صاحبو! عوام کو لازم ہے کہ اپنے کو جاہل سمجھیں عاقل اور ذی رائے نہ سمجھیں اور اگر عاقل و ذی رائے سمجھیں تو دنیا کی باتوں میں رائے چلا لیا کریں۔قرآن وحدیث کو تختہ مشق نہ بنائیں۔ بلکہ علماء کو بھی لازم ہے کہ اپنے کو عالم نہ سمجھیں مگر جاہل بھی نہ سمجھیں کہ اس میں ناشکری ہے بلکہ علماء سابقین سے اپنے کو کم سمجھیں۔

صاحبو! آج کل جو لوگ قرآن میں اپنے رائے کو دخل دیتے ہیں ان کو ایمان عزیز نہیں ورنہ اگر جان کی طرح ان کو ایمان بھی عزیز ہوتا تو قرآن میں اپنی رائے کو نہ ٹھونستے نہ علماء سے مزاحمت کرتے جیسا کہ اطباء سے مزاحمت نہیں کرتے اور اگر وہاں طبیب یا ڈاکٹر کی رائے سے مزاحمت کریں گے تو وہ نکال باہر کردے گا پھر نہ معلوم دین ہی اتنا سستا کیوں ہے کہ اس میں ہر شخص اپنی رائے کو دخل دیتا ہے۔

ایمان کی قدر و منزلت

بس ایمان کو تو یوں سمجھ لیا ہے کہ ہم کو خود لپٹتا پھرتا ہے کہ جب لآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ ۔کہہ لیں گے بس ایمان آجائے گا اور اگر کبھی چلا بھی جائے گا تو پھر کلمہ پڑھ لینے سے واپس آجائے گا اسی لئے بیوی کا نکاح ٹوٹنے کا تو لوگوں کو خوف ہوتا ہے مگر ایمان جانے

کا خوف نہیں ہوتا۔ سو یاد رکھو بیشک ایمان لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ کہہ لینے سے ہر بار لوٹ آتا ہے اور چاہے کتنی دفعہ کفر کرے اس سے ایمان تازہ ہوجائے گا مگر اس فعل میں اس بیوفائی میں خاصیت یہ ہے کہ پھر ایمان کی توفیق ہی نہ ہوگی۔ قرآن میں ہے۔

اِنَّ الَّذِینَ آمَنُوا ثُمَّ کَفَرُوا ثُمَّ اٰمَنُوا ثُمَّ کَفَرُوا ثُمَّ ازدَادُوا کُفراً لَم یَکُنِ اللّٰهُ لِیَغفِرَ لَهُم وَلَا لِیَهدِیَهُم سَبِیلاً۔

(جو لوگ ایمان پہلے لائے پھر کافر ہوگئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوگئے پھر کفر میں رہے تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ ان کو سیدھی راہ دکھائے گا)

حالانکہ ثُمَّ ازدَادُوا کُفراً کے بعد بھی ثُمَّ آمَنُوا کی گنجائش تھی مگر اس کے بعد حق تعالیٰ نے ثم آمنوا نہیں فرمایا، کیونکہ اس پر متنبہ کرنا مقصود ہے، کہ اس فعل میں خاصیت یہ ہے کہ اس کے بعد اکثر توفیق ایمان نہیں ہوتی پس ایمان کی قدر کرو اور اس کی حفاظت کی کوشش کرو قرآن وحدیث میں اپنی رائے کو دخل نہ دو اور نہ علماء سے مزاحمت کرو بلکہ محققین کے اپنے کو سپرد کرو اس سے شبہات و وساوس کا دروازہ بند ہوجائے گا چونکہ آج کل یہ مرض عام ہے۔ اس لئے میں نے اس پر تنبیہ کردی، میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت مجھے حقوق نکاح کا بیان مقصود نہیں نہ اس واسطے کہ وہ مقصود بالذات نہیں کیونکہ دگر مقصود بالذات نہ ہوتے تو قرآن و حدیث میں ان کا ذکر نہ ہوتا بلکہ مجھے اس آیت سے ایک اور مضمون کی تائید کرنا مطلوب ہے اور میں اس آیت سے اس مضمون کو ثابت کرنا نہیں چاہتا صرف تائید کرنا چاہتا ہوں۔

آج کل ثبوت ونظیر کو ایک سمجھا جاتا ہے

آج کل یہ بھی ایک عام غلطی ہے کہ ثبوت اور نظیر و تائید کو ایک سمجھتے ہیں ان لوگوں کو علم خاک نہیں اگر انگریزی کی منطق کے بعد یہ لوگ عربی منطق پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ انگریزی منطق محض بچوں کی باتیں ہیں۔

انگریزی منطق، عربی منطق کے سامنے بچوں کا کھیل ہے

واللہ علماء کے سامنے ان لوگوں کو نہ علم ہے نہ عقل ہے کیونکہ انہوں نے علوم کی صورت ہی نہیں دیکھی عربی کے علوم وہ ہیں کہ ایک معمولی طالب علم کے سامنے بھی بڑے سے بڑا انگریزی

داں طفلِ مکتب ہے اور جو فاضل علماء ہیں وہ تو ان سے ہزار درجہ اعقل ہیں مگر آج کل مولویوں کی وقعت اس لئے نہیں ہے کہ ان کا لباس خستہ ہے اور انگریزی دانوں کا لباس قیمتی ہے۔

آج کل لیاقت کا معیار لباس ہے

اور آج کل لیاقت کا معیار لباس ہی رہ گیا ہے چنانچہ ہم جو شملہ گئے تھے تو حالانکہ ہم لوگ بحمد اللہ معمولی لباس نہیں پہنتے۔ اوسط درجہ کا اچھا لباس پہنتے ہیں مگر بعض جنٹلمینوں کی نظر میں وہ اتنا گھٹیا تھا کہ جب میں بیان کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو ایک صاحب کرنل عبدالمجید خان سے جو ہمارے وعظ کے مشتہر تھے کہنے لگے کہ آپ کے مولویوں کا لباس تو ایسا ہے کہ گویا ابھی پاخانہ سے نکلے آ رہے ہوں (مطلب یہ تھا کہ بس انکی لیاقت بھی ایسی ہی ہوگی) کرنل صاحب نے کہا کہ میں اس سوال کا جواب ابھی نہیں دینا چاہتا وعظ ختم ہونے کے بعد جواب دونگا چنانچہ جب میرا بیان ختم ہو گیا تو کرنل صاحب نے کہا ہاں صاحب! اب فرمایئے آپ کیا فرماتے تھے کہنے لگے اب کیا کہوں میری سخت حماقت تھی کہ میں لیاقت کا معیار لباس کو سمجھتا تھا اب معلوم ہوا کہ لیاقت اور قابلیت دوسری شئے ہے۔ ذرا دیکھئے تو سہی یہ ان لوگوں کی عقل کا حال ہے کہ لباس کو معیار لیاقت وقابلیت سمجھتے ہیں نہ معلوم یہ کہاں کی عقل ہے مجھے جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو میں نے دل میں کہا کہ میں ان لوگوں کے ضرور کان کھولوں گا چنانچہ اس کے بعد جو دوبارہ میرا بیان ہوا تو میں نے اس کا جواب دیا مگر تہذیب کے ساتھ۔ گو انہوں نے تو اعتراض بدتمیزی سے کیا تھا مگر میں نے جواب میں تہذیب کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا میں نے بیان سے پہلے بطور تمہید کے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں بعض صاحبوں کو ہمارے لباس پر اعتراض ہے اور ممکن ہے کہ انکی نیت اس میں اچھی ہو وہ یہ کہ اگر واعظ کا لباس قیمتی ہوگا تو سامعین کے قلوب میں اس کی عظمت ہوگی اور عظمت سے بیان کا اثر زیادہ ہوگا اور اس نیت کے ساتھ اس اعتراض کا منشاء خیر خواہی ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ علماء آپ حضرات کے خیال کے موافق لباس کہاں سے لائیں کیونکہ مولویوں کے پاس اتنی آمدنی کہاں جس سے قیمتی لباس تیار کریں ان میں تو اکثر کی آمدنی بیس پچیس تیس روپے ماہوار ہے اور جو زیادہ عروج ہوا تو پچاس روپے کی تنخواہ ہوگئی تو اتنی

آمدنی میں تو ایسا ہی لباس بنا سکتے ہیں جیسا وہ پہن رہے ہیں مگر وہ مصلحت بھی قابل لحاظ ہے جو قیمتی لباس میں ہے کیونکہ بعض لوگوں کا یہ مذاق بھی ہے کہ انکی نظر میں لباس ہی سے لیاقت وقابلیت ظاہر ہوتی ہے تو اب اسکی صورت کیا ہو کہ یہ مصلحت بھی حاصل ہو اور مولویوں کا عذر بھی ملحوظ رہے میرے ذہن میں اسکی یہ صورت آتی ہے کہ آپ حضرات علماء کے لئے اپنے مال سے جوڑے تیار کریں اور اس سے نہ گھبرایئے کہ ہم لوگ وہ جوڑے لے کر اپنے گھر چل دیں گے ہرگز نہیں بلکہ انجمن میں اسی غرض سے داخل کر دیں گے کہ وہ ان کو صرف وعظ کے وقت پہن لیا کریں گے اور جاتے ہوئے انجمن میں واپس دے جائیں گے تاکہ وہ دوسرے وعظوں کے کام آویں جب کوئی مولوی معمولی لباس میں آوے آپ اس کو یہ کپڑے پہنا دیجئے کہ ان کو پہن کر وعظ کہو۔ اس صورت میں آپ کا زیادہ خرچ بھی نہ ہوگا۔ بس جو کچھ ہونا ہوگا ایک دفعہ ہو جائیگا مگر اس کے بعد اس طرح یہ مقصود سہولت کے ساتھ حاصل ہو سکتا ہے اب میں منتظر ہوں کہ معترض صاحب اس کا انتظام کرتے ہیں یا نہیں اگر ان میں کچھ بھی غیرت ہے تو ضرور ہمارے واسطے جوڑے تیار ہوں گے ورنہ ان کو چاہئے کہ چلو بھر پانی میں ڈوب مریں (بس صرف یہ ایک جملہ میں نے تیز کہا) آپ نے دیکھا کہ آج کل یہ تمیز رہ گئی ہے کہ علماء کے پاس چونکہ لباس قیمتی نہیں اس لئے ان کی وقعت نہیں، دوسرے ان کے پاس دعویٰ نہیں کیونکہ ان کو یہ مضمون یاد ہے ؎

ہر کہ گردن بدعوئے افراز | خویشتن را بکر دن انداز

(جس نے اپنی گردن دعویٰ سے بلند کی اس نے اپنا کام کردیا)

اور آج کل اسی کی وقعت ہے جو خود اپنی زبان سے کہتا ہو کہ میں ایسا ہوں ویسا ہوں اور علماء بیچارے تو خود یہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں ہم کو کچھ نہیں آتا اور تو اور وہ بیچارے تو ڈر کے مارے ایمان کا دعویٰ نہیں کرتے ہاں تحدث بالنعمۃ کے طور پر یوں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ایمان عطا کیا ہے دعویٰ نہیں کرتے بس ان کی تواضع نے اہل دنیا کو شیر کر دیا وہ یہ سمجھنے لگے کہ جب یہ خود اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم کو کچھ نہیں آتا اور مولوی ہو کر یہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ تو یہ واقع میں کچھ نہیں ہوں گے۔ یہ آج کل کی عقل ہے جو ان

حضرات کو مبارک ہو ورنہ حقیقت میں علماء کے سامنے انگریزی منطق پڑھے ہوئے خاک بھی وقعت نہیں رکھتے وہ استحالہ واستبعاد میں امتناع وتعدد میں ثبوت اور نظیر تک میں بھی فرق نہیں کر سکتے۔ مگر علماء ان میں فرق کرتے ہیں اور ہر ایک کی حقیقت کو الگ الگ جانتے ہیں اس لئے میں نے کہہ دیا کہ اس آیت سے میں اس مضمون کو جو اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں ثابت نہ کرونگا بلکہ آیت سے صرف تائید کرونگا۔

حفظِ حُدود

اور یہ حفظ حدود ہے کہ ہر مضمون کو اس کی حد پر رکھا جائے چونکہ اس سے پہلے **وَالحافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰہِ** (اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے) کو بیان ہوا تھا جس میں بتلایا گیا تھا کہ شریعت میں حفظ حدود کا بڑا اہتمام ہے اس لئے میں اس پر متنبہ کر دیا کہ حفظ حدود میں یہ بھی داخل ہے کہ دلالت کلام کے درجات کا لحاظ رکھا جائے کہ جو مضمون جس درجہ میں مدلول کلام ہو اس کو اس سے آگے نہ بڑھایا جائے۔ اب میں اول آیت کا ترجمہ کرتا ہوں اس کے بعد مضمون مقصود کی تائید کرونگا۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے۔

نکاح کا اصل موضوع لہٗ

یعنی ازواج کو پیدا کیا تا کہ تم کو ان سے سکون قلب حاصل ہو۔ یہ نکاح کا اصل موضوع لہٗ ہے یعنی سکون حاصل ہونا باقی خدمت وغیرہ یہ سب فرع ہیں **وَجَعَلَ بَینَکُم مَوَدَّةً وَرَحمَةً** ۔ اور تمہارے درمیان باہمی محبت اور ہمدردی پیدا کی، یہ بھی دلائل قدرت میں سے ہے کہ جو دو شخص ابھی ایک ساعت پہلے اجنبی محض تھے اب ان میں نکاح کے بعد کیسی محبت ہو جاتی ہے کہ دوسرے تعلقات میں اس کی نظیر نہیں ملتی اسی لئے حق تعالیٰ نے اس کو صیغہ امر سے بیان نہیں کیا کہ تم کو آپس میں مودت ورحمت کا برتاؤ رکھنا چاہئے بلکہ صیغہ خبر سے بیان فرمایا کہ ہم نے تمہارے درمیان خاص تعلق پیدا کر دیا یعنی ہم نے تمہاری مدد کی ہے بدوں ہماری مدد کے اجنبیت میں ایسا تعلق نہیں ہوسکتا تھا اور یہاں مودت ورحمت دو لفظ اختیار کئے گئے اس سے مطلب یہ ہے کہ اس تعلق میں کبھی مودت کا غلبہ ہوتا ہے کبھی رحمت و ہمدردی کا چنانچہ ابتداء

میں عموماً محبت کا غلبہ ہوتا ہے اور انتہا میں رحمت و ہمدردی کا۔ اور اس عنوان میں عورتوں کی اس شکایت کا بھی جواب ہوگیا جو عورتوں کو مردوں سے اکثر ہوا کرتی ہے۔ جب نکاح کو چند سال گزر جاتے ہیں تو عورتیں مردوں سے کہا کرتی ہیں کہ اب تمہارے دل میں ہماری ویسی محبت نہیں رہی جیسی شروع میں تھی اب وہ ولولہ اور تقاضا اور جوش عشق نہیں رہا اس شکایت کا منشا جہل ہے اور اگر مرد لا جواب ہو جائے تو یہ اس کا جہل ہے دونوں جاہل ہوں گے تو شکایت بڑھے گی عاقل اس اعتراض کو کبھی تسلیم نہ کریگا وہ اس کا یہ جواب دے گا۔

جوش کا کم ہونا کمالِ محبت کی دلیل ہے

کہ قاعدہ یہ ہے کہ قدامت کے بعد جوش کم ہو جاتا ہے مگر جوش کا کم ہو جانا زوال محبت کی دلیل نہیں بلکہ کمال محبت کی دلیل ہے کیونکہ جوش خود نقص کی دلیل ہے دیکھو ہنڈیا میں جب تک جوش رہتا ہے کچی ہے اور جب جوش کم ہو کر سکون ہو جاتا ہے اس وقت سمجھتے ہیں کہ ہنڈیا پک گئی اسی لئے انبیاء علیہم السلام اور کاملین میں کیفیات کا جوش کم ہوتا ہے اور متوسطین میں ان سے زیادہ اور چھٹ بھیوں میں تو سب سے زیادہ جوش ہوتا ہے مگر سب جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کامل ہیں تو اسکی محبت بھی سب سے کامل ہے حالانکہ وہاں جوش نہیں۔ پس عورتوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ...... بیوی کے پرانی ہو جانے سے اگر مرد کا جوش کم ہو جائے تو یہ محبت کے کم ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اس کی دلیل ہے کہ محبت کامل ہوگئی ہے مگر رنگ بدل گیا ہے پہلے محبت و عشق کا رنگ تھا اب رحمت و ہمدردی کا رنگ ہے پہلے محبت تھی مگر کسی قدر تکلف اور اجنبیت بھی تھی اب بالکل بے تکلفی ہے کہ ایک دوسرے کا ہمراز و دمساز اور راحت و غم کا شریک ہے گویا دو قالب ایک جان ہیں یہ نکتہ ہے مودت و رحمت دو لفظوں کے اختیار کرنے میں اسکے بعد ارشاد ہے اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ : کہ اس میں لوگوں کے لئے دلائل قدرت ہیں جو سوچ اور سے کام لیتے ہیں۔

معاملہ نکاح میں دلائل قدرت

اس میں ایک دلیل تو یہ ہے کہ اس سے وجود صانع پر استدلال ہوتا ہے اس طرح کہ دیکھو عورت اور مرد دونوں انسان ہی ہیں مگر دونوں میں کس قدر تفاوت ہے کہ مرد کی خلقت اور بناوٹ

جدا ہے مرد سے بچہ نہیں پیدا ہوسکتا، عورت سے بچہ پیدا ہوتا ہے مرد کو مرد سے وہ راحت اور سکون حاصل نہیں ہوسکتا جو عورت سے حاصل ہوتا ہے تو ایک ہی نوع کے افراد میں ایسا تفاوت اور اس میں مصالح کی اسقدر رعایت بدوں صانع حکیم کے نہیں ہوسکتی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا کوئی صانع ضرور ہے۔ ایک اعرابی کہتا ہے: **البَعرةُ تَدُلُّ علی البَعِیرِ وَالاثرُ یَدلُّ عَلیَ المَسِیر فَالسَّماءُ ذَاتُ الابرَاجِ وَالارضُ ذَاتُ الفِجَاجِ کَیفَ لاَ یَدُلاَّنِ عَلی اللَّطِیفِ الخَبیر** ...... کہ اونٹ کی مینگنی دیکھ کر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں سے کوئی اونٹ گیا ہے اور قدم کا نشان دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے کوئی گیا ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

تو یہ بڑے بڑے ستاروں اور چاند سورج والا آسمان اور یہ کشادہ اور فراخ سڑکوں والی زمین اپنے صانع حکیم کے وجود پر کیونکر دلالت نہ کرے گی ضرور کرے گی سبحان اللہ! ایک جاہل بدوی کیسی عجیب بات کہتا ہے کہ جب آثار مؤثر پر دلالت کرتے ہیں دھواں دیکھ کر تم کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں آگ ہے۔ نشان قدم دیکھ کر یہ خبر ہو جاتی ہے کہ یہاں سے کوئی ضرور گیا ہے اور ایک نفیس عمارت دیکھ کر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کا بنانے والا کوئی ضرور ہے اور یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ نشان قدم خود ہی بن گیا ہوگا۔ یا یہ مکان خود ہی تیار ہو گیا ہوگا۔ پھر حیرت ہے کہ اتنا بڑا آسمان اور پہاڑ اور زمین دیکھ کر اور اس کے نظام اکمل کا مشاہدہ کر کے تم کو اس کے صانع کا علم نہ ہو اور یوں کہو کہ یہ خود ہی اپنی طبیعت سے بن گئے ہیں اس کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا بلکہ ایک بدوی بھی اس خیال کو دلیل سے باطل کر رہا ہے۔

مصنوعات سے صانع پر استدلال کرنا فطری امر ہے

جس سے معلوم ہوا کہ مصنوعات سے صانع پر استدلال کرنا فطری امر ہے اور قرآن میں جا بجا اسی فطری دلیل سے وجود اور توحید صانع پر استدلال کیا گیا ہے چنانچہ اس مقام پر بھی اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری جنس میں سے بیبیاں بنائی ہیں۔

اگر غور سے کام لو تو اسمیں تمہارے لئے دلائل قدرت موجود ہیں اور یہی وہ فطری امر ہے جو میثاق الست میں قلوب کے اندر پیوست کیا گیا ہے اس میثاق سے آپ کو یہی سبق

پڑھایا گیا ہے، اور اس پر ایک شبہ مشہور ہے کیونکہ آج کل ہمارے دوستوں نے شبہات کا سبق
بھی پڑھ لیا ہے کہ ہم کو تو یہ عہد یاد نہیں کہ کب اور کس وقت لیا گیا اور جب یاد نہیں تو اس عہد
سے فائدہ ہی کیا ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو اس عہد کی کیفیت بیشک یاد نہیں رہی لیکن
اس کا مقصود سب کو یاد ہے اور مطلوب مقصود ہی کا یاد ہونا ہے کیفیت تعلیم و تعلم کا یاد رہنا مقصود
نہیں۔ دیکھو جن لوگوں نے کبھی فارسی پڑھی ہے ان کو یہ محفوظ ہے کہ آمدن کے معنی آنا ہیں
کیونکہ آمدنی کا سبق آج کل ہر شخص کو یاد ہے لیکن اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آمدن کے معنی
آپ کو کس دن اور کس جگہ پڑھائے گئے اور آمدنامہ آپ نے کون سے استاد سے پڑھا ہے تو
ان سوالات کا جواب شاید ہزار میں ایک ہی آدمی دے سکے گا کیونکہ یہ باتیں کسی کو محفوظ نہیں
رہتیں تو کیا ان کے یاد نہ رہنے سے یہ کہا جائے گا کہ آمدنامہ پڑھنا فضول اور بیکار گیا ہرگز نہیں
بلکہ ہر شخص یہ کہے گا کہ آمدنامہ پڑھنے سے مقصود صرف یہ تھا کہ اس کا مضمون یاد رہے کیفیت
تعلیم و تعلم کا یاد رہنا مقصود نہ تھا، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ میثاق الست سے مقصود یہ تھا کہ وجود
صانع اور توحید صانع کا مضمون طبائع میں مرکوز ہو جائے کیفیت تعلیم کا محفوظ ہونا مقصود نہ تھا سو
بحمد اللہ وجود اور توحید صانع فطرۃً ہر شخص کے دل میں مرکوز ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ مصنوعات
کو دیکھ کر ایک جاہل بدوی بھی صانع کے وجود پر استدلال کرتا ہے اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ
آمدنامہ کی جو تم نے مثال دی ہے تو وہاں ہزار میں ایک آدمی تو ایسا نکلتا ہے جس کو کیفیت تعلیم
بھی یاد ہوتی ہے چنانچہ بعضے قوی الحافظہ اب بھی بتلا سکتے ہیں کہ ہم نے آمدنامہ کس سے پڑھا
تھا اور کس مکان میں پڑھا تھا مگر میثاق الست کی کیفیت یاد رکھنے والا تو کوئی ہزار میں بھی ایک
نہیں ملتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ سب کو اپنے اوپر قیاس نہ کیجئے۔

بعض اہل اللہ کو میثاق الست کی کیفیت یاد ہے

یہاں بھی بعضے قوی الحافظہ ایسے موجود ہیں جن کو اس عہد کی کیفیت اب تک یاد ہے
چنانچہ شیخ سعدی اس طرف اشارہ بھی فرماتے ہیں ؎

الست از ازل ہمچناں شان بگوش　　　بفریاد قالوا بلیٰ، در خروش

اسمیں تو اجمالاً بتلایا گیا ہے کہ اس عہد کے یاد رکھنے والے اب بھی موجود ہیں اور

بعض بزرگوں کے کلام میں اس سے زیادہ تفصیل موجود ہے چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم کو یاد ہے کہ اس وقت ہماری دائیں طرف فلاں اور بائیں طرف فلاں تھا۔

اور انہی بزرگ کے کشف سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس وقت ارواح صف بستہ نہ تھیں بلکہ یوں ہی گڈمڈ تھیں جیسے میلہ میں اجتماع ہوا کرتا ہے پھر اس وقت جو لوگ باہم رودررو ہو گئے ان میں تو طرفین سے محبت ہوتی ہے اور جو لوگ رودوپشت ہوئے کہ ایک کا منہ دوسرے کی پشت کی طرف تھا ان میں ایک طرف سے محبت اور ایک طرف سے اعراض ہوتا ہے اور جو پشت در پشت ہوئے ان میں طرفین سے انقباض واعراض ہوتا ہے اور ان بزرگ کے مزاق پر اس حدیث کا بھی محمل ہے۔

اَلاَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَۃٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنھَا اِئتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنھَا اِختَلَفَ[1]

(ترجمہ: روحیں جمع کیا ہوا لشکر ہیں جن روحوں کا آپس میں تعارف ہو گیا ان سے آپس میں محبت ہو گئی اور جن روحوں کا باہم تعارف ہوا ان سے اختلاف ہو گیا)

ایک اور بزرگ کا ارشاد ہے کہ جس وقت ازل میں میثاق لیا گیا تو سب ارواح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ تکنے لگیں کہ جو آپ کہیں گے وہی سب کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضور اقدسؐ (سردار عالم فداہ آباؤنا وامہاتنا) کی زبان مبارک سے بلیٰ نکلا تو آپ کے بعد سب نے بلیٰ کہا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ کما یحب ویرضیٰ) تو حضرت آپ سب کو اپنے اوپر قیاس نہ کیجئے اس اُمت میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کو اس عہد کی کیفیت یاد ہے بلکہ اس امت میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو جنت اور دوزخ کی پیمائش تک کر آئے کہ جنت کتنی بڑی ہے اس کے کتنے درجے ہیں اسی طرح دوزخ کی تفصیلی سیر کی اور اس کی پیمائش بھی کر لی اور یہ سیر روحانی طریقہ پر تھی۔ انہی بزرگ کو زمین آسمان سے باہر ایک سمندر بہت بڑا مکشوف ہوا ہے جس کی ایک موج اس غضب کی ہوتی ہے کہ اگر ملائکہ اس کو نہ روکیں تو آسمان و زمین کو غرق کر دے اور اس کے ساتھ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مگر عرش سب سے بڑا ہے اس سے بڑی کوئی چیز نہیں میں یہ کہہ رہا تھا کہ دلائل قدرت اور

---

[1] الصحیح للبخاری ۴:۱۶۳، الصحیح لمسلم کتاب البر والصلہ: ۱۵۹، کنز العمال: ۲۴۶۶۰

آ ثارِ خلق کو دیکھ کر خلائق عالم کی ہستی کا اقرار فطری امر ہے اس پر یہ گفتگو طبعاً آ گئی کہ فطرت میں یہ مضمون میثاق الست کے وقت سے مرکوز ہوا ہے اور اس کے بیان میں اور شبہات کے جوابات میں کلام قدرے طویل ہو گیا۔ بہر حال مصنوع کو دیکھ کر صانع پر استدلال فطری ہے گو اس کی فلسفی تقریر دقیق ہے جس کو ہر شخص آ سانی سے نہیں سمجھ سکتا۔

وجودِ صانع کی فلسفی دلیل

چنانچہ فلسفی طریقہ پر وجود صانع کی دلیل یہ ہے کہ تمام عالم حادث ہے کیونکہ بہت سی چیزوں کا حدوث تو ہم کو مشاہدہ ہوتا ہے اور جن کا حدوث مشاہدہ نہیں ہوا ان کے احوال کا تغیر وانقلاب بتلا رہا ہے کہ یہ حادث ہیں کیونکہ محل حادث کا حادث ہوتا ہے ابھی میں نے اخبار میں ایک امریکن ڈاکٹر کا یعنی ماہر سائنس کا قول پڑھا ہے کہ وہ لکھتا ہے کہ آ فتاب کی روشنی میں بہت کمی آ گئی ہے اور عنقریب اسکی روشنی زائل ہو کر یہ چراغ گُل ہو جائے گا اور اس وقت دنیا میں اس قدر سردی پڑے گی کہ مخلوق کا زندہ رہنا محال ہے تمام عالم فنا ہو جائے گا (ہم تو اس خبر سے خوش ہوئے اور اہل سائنس کو قرآ ن سے قیامت کی خبر کا یقین نہ ہوا تھا تو اب آلات رصد سے یقین آ نے لگا ۱۲) غرض اشیاء عالم کا تغیر و انقلاب کا پتہ دے رہا ہے کہ یہ سب حادث ہیں قدیم نہیں یعنی انکا وجود دائمی اور ضروری نہیں اور حادث کے لئے ممکن ہونا لازم ہے اور ممکن کیلئے کسی مرجح کی ضرورت ہے کیونکہ ممکن وہ ہے جس کا وجود عدم مساوی ہو یعنی نہ اس کے لئے موجود ہونا ضروری ہے نہ معدوم ہونا ضروری ہے اور جس کا وجود وعدم برابر ہو تو اس کے وجود کے لئے کوئی مرجح ہونا چاہئے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور ترجیح بلا مرجح باطل ہے پھر اس مرجح میں گفتگو کی جائے گی کہ وہ ممکن ہے یا کچھ اور ہے اگر ممکن ہو تو اس کے لئے دوسرے مرجح کی ضرورت ہوگی اور چونکہ تسلسل محال ہے اس لئے کہیں نہ کہیں سلسلہ ختم کرنا پڑے گا اور یہ ماننا پڑے گا کہ مرجح ایسی ذات ہے جو ممکن نہیں بلکہ واجب الوجود ہے اسی واجب الوجود کو ہم صانع اور اخلاق عالم کہتے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

اس پر ایک سوال یہ ہوگا کہ صانع کے ماننے کے بعد بھی تو ترجیح بلامرجح لازم آتی ہے کیونکہ صانع نے تمام مخلوقات کو ایک دم سے پیدا نہیں کیا اور ایک حال میں پیدا نہیں کیا بلکہ کسی کو آج پیدا کیا کسی کو آج سے ہزار برس سو برس پہلے پیدا کیا اور کسی کو بعد میں پیدا کریگا اور کسی کو حسین بنایا کسی کو بدشکل کسی کو مرد کسی کو عورت کسی کو امیر کسی کو غریب کسی کو عاقل کسی کو احمق، تو یہاں مرجح کون ہے؟ زید کو آج کیوں پیدا کیا کل کیوں نہیں کیا تھا اور اس کو امیر کیوں بنایا عمرو کی طرح غریب کیوں نہ بنایا زید کو عمرو پر کیا ترجیح تھی مثلاً۔ اس سوال کا جواب حکماء اسلام کے سوا کوئی نہیں دے سکا فلاسفہ کی عقلیں یہاں آ کر چکر کھانے لگیں حکماء اسلام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ان امور میں ارادہ واجب مرجح ہے اور ارادہ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے مرجح ہے اس کے لئے کسی دوسرے مرجح کی ضرورت نہیں (اس پر حکماء یونان کی طرف سے ان کے معتقدوں نے یہ اشکال وارد کیا کہ بیشک یہ تو ہم نے مان لیا کہ ارادہ کے لئے کسی مرجح کی ضرورت نہیں وہ خود اپنی ذات سے مرجح ہے مگر یقیناً خدا تعالیٰ کا ارادہ قدیم ہے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ارادہ تو قدیم اور مراد حادث ہو اس صورت میں تخلف مراد کا ارادہ سے لازم آتا ہے اور یہ محال ہے اس کا جواب حکماء اسلام نے ایسا ہی دیا ہے کہ حکماء یونان کے دانت کھٹے ہو گئے۔ فرمایا کہ صفات واجب اپنی ذات میں قدیم ہیں مگر ان کا تعلق ممکنات کے ساتھ حادث ہے اور تخلف مراد کا تعلق ارادہ کے بعد محال ہے اس سے پہلے محال نہیں پس ہم یہ کہیں گے کہ ارادہ کا تعلق مختلف طور سے ہوتا ہے اس لئے مراد کا وجود بھی مختلف ازمنہ اور مختلف حالات کے ساتھ ہوتا ہے۔ ۱۲ ظ)

وجودِ صانع کی عقلی دلیل، عوام نہیں سمجھ سکتے

یہ عقلی دلیل ہے وجود صانع کی اب اگر کوئی یہ کہے کہ ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا تو میں کہوں گا کہ اس کا میرے پاس کچھ علاج نہیں، میں تو جواب دے چکا، گو آپ کے پاس برتن نہ ہو اور کھانا گر جائے تو میں کیا کروں۔ اور اگر آپ یوں کہیں کہ اسکو ایسا آسان کر کے

بیان کرو جو ہم بھی سمجھ جائیں تو میں کہوں گا کہ آپ ایک سائنس کو اقلیدس کی ایک شکل ایسے آسان طریقہ سے سمجھا دیجئے جس میں نہ اس کو اصول موضوعہ کے معلوم کرنے کی ضرورت ہو نہ علوم متعارفہ کی نہ حدود کی نہ دوسری اشکال کی۔ صرف آپ کی تقریر ہی سے ایک مجلس میں اقلیدس کی شکل سمجھ جائے تو میں بھی آپ کو یہ تقریر آسان کر کے سمجھا دونگا اور اس مثال سے آپ بُرا نہ مانیں کہ ہم کو سائنس بنا دیا کیونکہ اول تو یہ لفظ عربی ہے سیاست سے مشتق ہے سائس کے معنی عربی میں سیاست داں ہیں اور سیاست داں ہونا تو تعریف کی بات ہے بُرا ماننے کی بات نہیں ہے آپ تو اپنے آپ کو سیاست داں سمجھتے ہی ہیں تو میں نے سائنس کہہ دیا تو کیا بُرا ہوا۔ دوسرے یہ کہ میرا مقصود ہر بات میں آپ کو سائنس سے تشبیہ دینا نہیں بلکہ صرف اس بات میں تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح وہ اقلیدس کے اصول موضوعہ اور مبادی سے ناواقف ہے اس لئے اقلیدس کی شکلیں نہیں سمجھ سکتا اسی طرح چونکہ آپ دلائل عقلیہ کے اصول ومبادی سے ناواقف ہیں اس لئے اس تقریر کو آپ نہیں سمجھ سکتے گو کتنا ہی آسان کر کے بیان کیا جائے کیونکہ میں نے تو اس وقت بھی اردو ہی میں تقریر کی تھی عربی یا عبرانی میں تقریر نہ کی تھی مگر آپکو اصول و مبادی حاضر نہیں اس لئے آپ نہیں سمجھ سکتے اگر سمجھنا مطلوب ہے تو اول اصول ومبادی سے فراغت کر لیجئے پھر فوراً سمجھ میں آ جائے گا۔

علماء کے پاس ہر بات کا جواب ہے

خلاصہ یہ ہے کہ علماء کے پاس تو ہر بات کا جواب ہے مگر آپ کے پاس سوال ہی نہیں یعنی سوال کی اہلیت نہیں ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد　　　اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

(عاشق وہ کہ جس نے اس کے حال پر نظر نہ کی اے خواجہ درد نہیں ہے ورنہ طبیب موجود ہے)

اب شاید کسی کو یہاں یہ سوال پیدا ہو کہ خلق ازواج میں آیات کثیرہ کہاں ہیں جو کہ اِنَّ فِی ذَالِکَ لَآیَاتٍ (اس میں اللہ کی قدرت کے دلائل ہیں) میں صیغہ جمع سے مفہوم ہو رہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو دنیا میں ہزاروں لاکھوں میاں بیوی ہیں پس ہر فرد کا وجود اور انکی باہمی مودت ورحمت الگ الگ دلیل ہے جو مجموعہ ہو کر بہت سے دلائل ہیں۔

نکاح سے ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک ہی میاں بیوی کو لیا جائے تو خود ان میں بھی بہت سے دلائل ہیں کیونکہ نکاح سے انسان کے لئے ایک نیا عالم شروع ہو جاتا ہے جو ہر شخص کی زندگی کا ورق الٹ دیتا ہے۔ یقیناً جس شخص نے کسی بچہ کو چار پانچ سال کی عمر میں دیکھا تھا وہ اس کو نکاح کے بعد اس حال میں دیکھے کہ وہ گھر کا سردار بنا ہوا بیوی بچوں کی پرورش کر رہا ہے تو وہ ہرگز یہ نہ سمجھے گا کہ یہ وہی بچہ ہے جو میرے سامنے ننگا پھرا کرتا تھا یقیناً وہ اول اس کو دوسرا آدمی سمجھے گا پھر لوگوں کے بتلانے کے بعد جب یہ سنے گا کہ یہ وہی لڑکا ہے تو اس کو بڑی حیرت ہوگی کہ اللہ کیا سے کیا ہوگیا اور جس نے کسی شخص کو اس حال میں دکھا ہو کہ آج اس کی شادی ہو رہی ہے پھر ایک عرصہ کے بعد اس حال میں دیکھے کہ وہ خود اپنے لڑکے کا نکاح کر رہا ہے تو اس کو بڑی حیرت ہوگی یہ تو وہ باتیں ہیں جو دوسروں کو محسوس ہوتی ہیں اور خود اس شخص کو اگر وہ تامل سے کام لے نکاح کے بعد اپنی زندگی میں ایسا انقلاب عظیم معلوم ہوگا کہ گویا یہ دوسری زندگی ہے اور یہاں سے ایک مسئلہ کشفی کی تائید ہوتی ہے یعنی تجدد امثال کی جو صوفیہ کو کشف سے معلوم ہوا ہے کہ ہر شئے کے لئے ایک ہی وجود مستمر نہیں ہے بلکہ ہر آن میں پہلا وجود فنا ہو کر دوسرا وجود عطا ہوتا ہے مگر چونکہ تبدل وجود الاتصال والتوالی پے در پے ہوتا رہتا ہے اس لئے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ہی وجود بچپن سے اخیر عمر تک مستمر ہے۔ حالانکہ یہ ایک وجود نہیں بلکہ اس پر ہزاروں لاکھوں وجود آئے ہیں جس کو اہل کشف مشاہدہ کرتے ہیں اسی کی ایک نظیر کو ایک عارف نے یوں بیان کیا ہے۔

کشتگان خنجرِ تسلیم را، ہر زمان از غیب جان دیگر ست

(تسلیم ورضا کے خنجر لگے ہوؤں کو ہر آن غیب سے نئی زندگی ملتی ہے)

اور یہی محمل ہوسکتا ہے اس شعر کا جو مولانا کی طرف اغلط منسوب کر دیا گیا ہے

ہفت و ہفتا د قالب دیدہ ام ہمچو سبزہ بار ہار روئیدہ ام

(میں نے ستتر (77) قالب دیکھے ہیں جس طرح پارسا عورت کے ہار گم ہوتے ہیں)

مگر یہ مسئلہ کشفی ہے اس پر اعتقاد لازم نہیں اور چونکہ نصوص اس سے ساکت ہیں نفی

بھی نہیں کرتیں، اس لئے صحت کا بھی احتمال ہے (اسوقت حضرت مولانا پر دھوپ آ گئی اس لئے کرسی کو ہٹانا پڑا، تو فرمایا دیکھئے اونچا ہونے میں یہ خرابی ہے کہ ذرا سی دیر میں دھوپ سے سکنے لگے مگر یہ ثبوت نہیں، محض تائید ہے) یہ تو آیت کا مدلول تھا جو ترجمہ کے بعد بیان کر دیا گیا۔ اب میں بطور تشبیہ کے اس مضمون سے ایک اور مضمون کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ تشبیہ اور نظیر سے تائید اور توضیح ہو جاتی ہے مثلاً کوئی تشبیہ کے طور پر یوں کہے کہ زید شیر ہے تو اس سے محض وضاحت اور تنویر مقصود ہے یہ مطلب نہیں کہ واقعی شیر ہے۔

موضوع کی مناسبت آیت سے

اسی طرح جو مضمون میں بیان کرونگا وہ مدلول آیت نہیں ہاں اس کی نظیر اور مثال ہے۔

صوفیا پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

اور یہاں سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حضرات صوفیہ پر جو بعض تفاسیر کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ قرآن کی نئی نئی تفسیریں کرتے ہیں یہ معترضین کی غلطی ہے صوفیہ نے ان باتوں کو تفسیر کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ محض تنظیر و تشبیہ کے طور پر بیان کیا ہے اور صوفیہ کے معتقدین جو اس کو تفسیر سمجھتے ہیں وہ بھی غلطی کرتے ہیں مثلاً اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (فرعون کی طرف بے شک اس نے سرکشی اختیار کی) کے تحت میں صوفیہ نے لکھا ہے

اذهَب یارُوحُ الی النَّفسِ جاهِدهاَ انَّها قد طغت۔

کہ اے روح نفس کی طرف جا اور اس سے جہاد کر کے اس کو مغلوب کر کہ وہ حد سے نکلا جا رہا ہے بعض ناواقفوں نے اس کو تفسیر سمجھ لیا پھر ان میں جو معتقد تھے۔ وہ یہ کہنے لگے کہ قرآن میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنۃ کا قصہ مذکور ہی نہیں ہے بلکہ موسیٰ سے مراد روح ہے اور فرعون سے مراد نفس۔ مگر یہ سراسر جہل ہے واللہ صوفیہ کی یہ مراد ہرگز نہیں اور جو ان کی طرف یہ بات منسوب کرے وہ جھوٹا ہے اور بخدا قرآن میں موسیٰ و فرعون سے روح و نفس ہرگز مراد نہیں بلکہ اس میں موسیٰ علیہ السلام ہی کا قصہ فرعون کے ساتھ مراد ہے جو کہ ظاہری مدلول ہے ورنہ اگر ظاہری مدلول مراد نہ ہوا تو پھر قرآن سے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کچھ ثابت نہ ہو سکے گا۔

صوفیا ملحد نہ تھے

اور یہ وہی بات ہوگی جو ملحدین نے کہی ہے اور صوفیہ ملحد نہ تھے وہ الحاد سے بالکل بَری تھے۔ بعض ملحدین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں صلوٰۃ سے مراد نماز شرعی نہیں بلکہ روح صلوٰۃ مراد ہے یعنی تعلق مع اللہ اسی طرح زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ شرعی نہیں بلکہ اس کی روح مراد ہے یعنی سخائے نفس۔

اعمال کے ظاہر و باطن کی تحقیق

اسی طرح تمام نصوص میں تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ اعمال کا ایک ظاہر ہے ایک باطن۔ علماء نے قرآن کو ظاہر پر محمول کیا ہے ہم اس کو باطن پر محمول کرتے ہیں اور ان لوگوں نے مولانا رومی کا ایک قول اپنی دلیل میں بیان کیا ہے

پنج وقت آمد نماز اے رہنموں　　　عاشقان ہم فی صلوٰۃ دائموں

(نماز تو پانچ ہی وقت کی فرض ہوئی لیکن عاشق ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں)

کہ دیکھو مولانا فرماتے کہ عوام تو پانچ ہی وقت نماز پڑھتے ہیں اور عشاق ہمیشہ نماز ہی میں رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ صلوٰۃ شرعیہ کا تحقق دائما نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اکل وشرب و بول و براز اور سونے کی حالت میں نماز ظاہری نہیں ہوسکتی تو وہ کون سی نماز ہے جس میں عشاق دائماً مشغول رہتے ہیں وہ روح نماز ہی تو ہے یعنی تعلق وحضور مع اللہ جو کسی وقت ان کے دل سے جدا نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ مولانا کے کلام سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عشاق ظاہری نماز ادا نہیں کرتے بلکہ مولانا کے کلام کے معنی عشاق کے لئے دو نمازوں کا ثابت کرنا ہے پس انہوں نے اول یہ فرمایا ہے کہ عوام تو پانچ ہی وقت نماز پڑھتے ہیں اس کے بعد عشاق کی فضیلت بیان فرمائی ہے، کہ وہ ہر وقت نماز میں رہتے ہیں اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ وہ ان پانچوں کو بھی ادا کرتے ہیں اور ان ہی پانچ پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر دم نماز میں رہتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا کہ مولانا نے عشاق سے نماز ظاہری کی نفی کی ہے ان کے کلام کی تحریف ہے۔ بلکہ مولانا نے اس کے ساتھ عشاق کے لئے ایک زائد بات بیان فرمائی ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے دائماً مشغولی صلوٰۃ ثابت ہو رہی ہے۔ اور وہ زائد

بات کیا ہے وہ نماز کا شوق اور انتظار ہے مطلب یہ ہے کہ عوام تو نماز پڑھ کر اس سے غافل ہو جاتے ہیں اور عشاق نماز کے بعد دوسری نماز کی فکر و انتظار میں بیتاب رہتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ نماز کے انتظار میں لگا رہنے والا نماز ہی میں ہے اس لئے عشاق ہر وقت نماز میں ہیں یعنی ان کو ہر وقت نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ عشاق کی نماز دوسری ہے اور وہ پانچ وقت کی نمازیں نہیں پڑھتے۔ یہ تو مولانا کے کلام سے استدلال کا جواب تھا۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ اعمال کے لئے ایک ظاہر ہے ایک باطن، یہ مسلم۔ لیکن اس سے یہ کیوں کر لازم آیا کہ اعمال کی صورت اب ظاہر مطلوب نہیں دیکھو اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے آپ کے بیٹے کا ایک ظاہر ہے یعنی قالب اور ایک باطن ہے یعنی روح کیونکہ انسان صرف ظاہر سے انسان نہیں بلکہ اپنی روح کے ساتھ انسان ہے اگر روح نہ ہو تو یہ قالب مٹی میں دفن کرنے کے قابل ہے لیکن کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف روح ہی مطلوب ہے اور قالب بالکل مطلوب نہیں اگر یہ ہے تو پھر اپنے بیوی بچوں کا گلا گھونٹ کے ماردو، کیونکہ روح تو پھر بھی رہے گی اس کو تو گلا گھونٹنے سے موت نہ آئے گی صرف قالب کو موت آئے گی تو کیا حرج ہے یہ تو مطلوب ہی نہیں۔ اس پر شاید آپ یہ کہیں کہ مطلوب تو روح ہی ہے اور قالب مطلوب نہیں مگر چونکہ یہ روح ہمارے پاس بدوں اس قالب کے نہیں رہ سکتی اس لئے بدن یہی مطلوب ہے۔ جزاک اللہ بس یہی ہم کہتے ہیں کہ جس چیز کو آپ روح صلوٰۃ کہتے ہیں وہ روح آپ کو بدوں نماز کی اس صورت وقالب کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی وہ روح اسی صورت کے ساتھ لگی ہوئی ہے اگر اس کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس صورت کو لازم پکڑو ورنہ بدوں اس کے جو شخص روح صلوٰۃ کے حصول کا مدعی ہو وہ یقیناً جھوٹا ہے یہ تو معتقدوں کی حالت تھی کہ انہوں نے صوفیہ کے ان اقوال کو تفسیر سمجھ لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ مقصود صرف باطن ہی ہے ظاہر مراد ہی نہیں۔ اور جو لوگ ان کے معتقد نہ تھے وہ ان پر فتویٰ لگانے لگے کہ صوفیہ ملحد ہیں کہ قرآن کے اندر تحریف کرتے ہیں آیات کی تفسیر بالرائے کرتے ہیں یہ بھی غلطی پر ہیں۔

علم اعتبار کی حقیقت

اور جو سچے معتقد اور محقق تھے انہوں نے یہ کہا کہ صوفیہ کی مراد تفسیر کرنا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اے قرآن پڑھنے والے تو قرآن کے قصوں کو محض قصہ سمجھ کر نہ پڑھ بلکہ ان سے سبق حاصل کر کیونکہ قرآن میں جو قصے مذکور ہیں وہ عبرت حاصل کرنے کے لئے بیان کئے گئے ہیں جیسا خود قرآن میں ارشاد ہے:

لَقَد كَانَ فِي قَصَصِهِم عِبرَةٌ لِأُولِي الأَلبَابِ مَان كَانَ حَدِيثاً يُفتَرىٰ وَلٰكِن تَصدِيقَ الذِى بَينَ يَدَيه وَتَفصِيلَ كُلِّ شَىءٍ وَّهُدًى وَّرَحمَةً لِقَومٍ يُؤمِنُون.

(البتہ ان کے احوال سے عبرت ہے واسطے عقل والوں کے کچھ بنائی ہوئی بات نہیں لیکن موافق ہے اس کلام کے جو اس سے پہلے بھی ایمان لانے والوں کے ہر چیز ہے بیان ہدایت اور آیت ہے پارہ میں یوسف کی بالکل ختم پڑھو)

پس جب تو موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر پہنچے تو اس سے یہ سبق حاصل کر کہ تیرے اندر بھی ایک چیز موسیٰ کے اور ایک چیز فرعون کے مشابہ ہے یعنی روح اور نفس دوسری عبادت میں یوں ہو کہ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں ایک داعی الی الخیر جو مشابہ موسیٰ علیہ السلام کے ہے دوسری داعی الی الشر جو مشابہ فرعون ملعون کے ہے پس تو بھی اپنی روح کو نفس پر غالب کر جس کا طریقہ مجاہدہ اور تبلیغ ہے پس تو نفس کو آیات الٰہیہ یاد دلا تا کہ اس کو خوف الٰہی پیدا ہو اور نافرمانی سے باز آجائے یہ علم اعتبار ہے کہ دوسرے کے قصہ کو اپنی حالت پر منطبق کر کے سبق حاصل کیا جائے۔ پس اس آیت سے روح و نفس کی حالت پر حکم کرنا استدلال کے طور پر نہیں بلکہ بطور اعتبار کے ہے۔ استدلال تو مفہوم لغوی سے ہوتا ہے ان طرق کے ساتھ جو اہل معانی و اصول نے بیان کئے ہیں اور اعتبار تشبیہ و اشارہ کے طور پر ہوتا ہے اور ان دونوں کی اصل قرآن سے ثابت ہے لیکن قرآن میں دلیل و استدلال کا لفظ صراحۃً نہیں آیا بلکہ اس کے مرادفات آئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے قُل هَاتُوا بُرهَانَكُم۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے دلیل لاؤ!)

خطبات حکیم الامت جلد ۲۰-27

اور ارشاد ہے: قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے) چونکہ برہان اور علم دلیل کے معنی میں ہے اس لئے اس کا نام استدلال رکھنا صحیح ہو گیا جیسے اقیموا الصلوٰۃ (نماز قائم کرو) کے معنی میں یوں کہنا کہ حق تعالیٰ نے نماز کو فرض کیا ہے صحیح ہے حالانکہ اَقِیمُوا الصَّلوٰۃ۔ (نماز قائم کرو) میں اللہ اور فرض کا لفظ صراحۃً نہیں مگر اس کا قائم مقام موجود ہے۔ اور دوسرے طریق کا نام خود قرآن ہی میں اعتبار آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (اے بصیرت والو اپنی عبرت حاصل کرو) (آپ فرما دیجئے کہ اپنی دلیل لاؤ۔)

اس سے اوپر بنی نضیر کے (جو یہود کا ایک قبیلہ ہے) جلاوطن کئے جانے کا قصہ مذکور ہے جس کے بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا ہے کہ اے بصیرت والو! اس سے عبرت حاصل کرو۔ یعنی اگر تم ایسی حرکت کرو گے جو ان لوگوں نے کی ہے تو اپنے واسطے بھی اس عذاب کو تیار سمجھو اور یہی تو علم اعتبار ہے کہ دو چیزوں میں مشابہت ہو تو ایک نظیر سے دوسری نظیر کا استحضار کیا جائے اور یہی عبرت حاصل کرنے کے معنی ہیں کہ دوسرے کی حالت کو اپنے اوپر منطبق کیا جائے کہ اگر ہم نے اس کے جیسے اعمال کئے تو ہمارا بھی وہی حال ہوگا جو اس کا ہوا ہے رہا یہ سوال کہ جس طرح صوفیہ نے علم اعتبار کا استعمال کیا ہے کیا نصوص میں بھی ایسا استعمال آیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ بحمد اللہ اس کی نظیر نصوص میں بھی موجود ہے۔ اور میں یہ بات خود نہیں کہتا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے میں اس کا ثبوت دیتا ہوں اور وہ اتنے بڑے محقق ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کو غیر مقلد سمجھ لیا ہے کہ وہ ائمہ کی تقلید بھی نہ کرتے تھے مگر یہ غلط ہے وہ مقلد ہی ہیں مگر مقلد محقق ہیں لکیر کے فقیر نہیں جیسے سالکین و مجذوبین کے سلوک و جذب میں مراتب ہیں کہ بعض سالک مجذوب ہیں بعض مجذوب سالک محض ہیں۔ بعض سالک محقق ہیں۔ ایسے ہی تقلید و تحقیق کے بھی مراتب ہیں کہ بعض مقلد محض ہیں بعض محقق محض یعنی مجتہد ہیں اور بعض مقلد محقق ہیں بعض محقق مقلد ہیں۔ تو شاہ صاحب مقلدِ محض نہ تھے بلکہ مقلد محقق تھے اسی لئے بعض کو ان پر غیر مقلدی کا شبہ ہوا تو اتنے بڑے محقق نے دو حدیثوں کے متعلق فوز الکبیر میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اعتبار کا استعمال فرمایا ہے صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تقدیر کا مسئلہ ارشاد فرمایا:

امَامِنكُم مِن اَحَدٍ اِلَّا وَقَد كُتِبَ لَهُ مَقعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقعَدُهُ مِنَ الجَنَّةِ قَالُوا يارَسُولَ اللّٰهِ اَفَلاَ نَتَّكِل عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَع العَمَلَ.

یعنی ہر شخص کا ٹھکانا جنت میں یا دوزخ میں پہلے ہی سے لکھدیا گیا ہے۔ اس پر حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ پھر عمل کی کیا ضرورت ہے حضورؐ نے فرمایا:

اِعلَمُوا اَفُكُل مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ اَمَّا مَن كَانَ مِن اَهلِ السَّعَادَةِ فَسَيُسَيَّرُ بَعَمِلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَن كَانَ مِن اَهلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُسَيَّرُ لعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرأَ فَاَمَّا مَن اَعطَى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بالحَسنٰى . (الآیۃ متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۱۱)

کہ کوئی عمل کرتے رہو ہر شخص کے لئے وہ عمل آسان کردیا گیا ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے جو شخص اہل سعادت سے ہوگا اس کے لئے عمل سعادت آسان ہوگا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے جو شخص اہل سعادت سے ہوگا اس کے عمل سعادت آسان ہوگا جو اہل شقاوت سے ہوگا اس کے لئے عمل شقاوت آسان ہوگا اس کے بعد آپ سے یہ آیت پڑھی۔

فَاَمَّا مَن اَعطَى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بالحُسنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ للِيُسرٰى وَاَمَّا مَن بَخِلَ وَاستَغنٰى وَكَذَّبَ بِالحُسنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلعُسرٰى[1]

(ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ جو شخص (اللہ کی راہ میں) صدقہ دے اور تقویٰ اختیار کرے اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کی تصدیق کرے تو ہم اس کے لئے راحت کی چیز (یعنی جنت) کا سامان کردیں گے اور جو بخل کرے اور بے پروائی اختیار کرے اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کی تکذیب کرے ہم اس کے لئے تکلیف کی چیز (یعنی جہنم) کا سامان کردیں گے ۱۲)

اب اس پر سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں تقدیر کا ذکر کہاں ہے آیت کا مدلول تو یہ ہے کہ اعطاء و تقویٰ سے جنت آسان ہو جاتی ہے اور بخل و استغناء سے دوزخ آسان ہو

---

[1] قال الشیخ مقابلة الا استغنا بالتقوىٰ يشعر بان المراد بالاستغناء عدم المبالاة والغفلة ففيه دلالة ان الغنى المذموم هو ما كان مع الغفله وعدم المبالاة وان التقوىٰ حقيقة الفكر فان المقابل للاستغنا هو التقوىٰ بهذا المعنى ۱۲ . وبهذا سهل تفسير قوله تعالىٰ هدى المتقين اى الذين هم فى فكر وخشية ويتا يدهذا التفسير باللغة فان التقوىٰ لغة الخوف والحذر ۱۲ اشرف

جاتی ہے اس کا جواب شاہ صاحبؒ نے یہ دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ[1] علم اعتبار کے اس آیت کے مضمون سے حدیث کے مضمون پر استشہاد فرمایا ہے اور مقصود تشبیہ دینا ہے کہ جیسے بواسطہ اعمال کے بعض کے لئے جنت اور بعض کے لئے دوزخ کو آسان کر دیا ہے اسی طرح بواسطہ تقدیر کے بعض کے لئے اعمالِ صالحہ کو بعض کے لئے معاصی کو آسان کر دیا ہے اور یہ تشبیہ محض توضیح کے لئے ہے کہ تقدیر سے تیسیر ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسی اس آیت میں تیسیر اعمال سے مذکور ہے پس مقصود تشبیہ سے توضیح ہے مشبہ کی اسی لئے تشبیہ میں شرط ہے کہ مشبہ بہ میں وہ صفت اوضح و اشہر ہو گو اقوی بہ ہو اب یہاں سے تشبیہ کے متعلق ایک مشہور سوال کا بھی حل ہو گیا وہ یہ کہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

میں جو صلوٰۃ علی رسول اللہ نبینا صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کو صلوٰۃ علیٰ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

تشبیہ میں مُشبہ کا افضل ہونا ضروری نہیں

تو اس پر بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے صلوٰۃ ابراہیمیہ کے افضل و اکمل ہونے کا صلوٰۃ محمدیہ سے اور منشاء اس کا وہی ہے کہ عام طور پر لوگوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ تشبیہ میں مشبہ بہ کا مشبہ سے اقویٰ و افضل ہونا شرط ہے حالانکہ یہ مقدمہ ہی غلط ہے بلکہ صرف اوضح و اشہر ہونا ضروری ہے افضل و اکمل ہونا ضرور نہیں اور اسکی دلیل خود قرآن میں موجود ہے فرماتے ہیں:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ

---

[1] تحت ولا يخفى ما فى هذا الجواب من البعد والاسهل فى التوجيه ان يقال فى معنى الاية ان من اعطى واتقى وصدق بالحسنى فهو الذى اردنا به التيسير لليسرى ومن بخل واستغنى وكذب بالحسنى فهو ممن اردنا به التيسير للعسرىٰ وهذا راجع الى قوله صلى الله عليه وسلم اعملوا فكل ميسر ماخلق لا اى وعلمه علامة لما كتب له من السعادة والشقاوة وهذا هوا لظاهر من الآية لا ان الا عطاء والتقوىٰ موثر فى تيسر اليسرى او البخل والاستغناء فى عكسه بل كل ذلك امارات وعلامات لما زاد الله به وقدر له من قبل والميسر هو الله تعالى والله اعلم ۱۲ ظ. ليس المقصود ترجيح توجيه على توجيه بل المقصود اثباهان العلماء الراسخين حكموا بكون علم الاعتبار من القرآن و مرتدان يحكوا بالباطل ۱۲ اشرف.

اسمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو چراغ کے نور سے تشبیہ دی ہے حالانکہ چراغ کے نور کو نورِ حق سے کیا نسبت مگر بوجہ وضوح کے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ نور مصباح لوگوں کے ذہن میں پہلے سے حاضر ہے۔ اس پر اگر یہ سوال ہو کہ لوگوں کے ذہن تو نور شمس وقمر بھی حاضر ہے اور ان دونوں کا نور چراغ کے نور سے زیادہ قوی ہے تو ان کے ساتھ تشبیہ کیوں نہیں دی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ سورج اور چاند کا نور اگر چہ چراغ کے نور سے اقویٰ ہے مگر سورج میں ایک عیب کہ اس پر نگاہ نہیں جمتی اس کی ساتھ تشبیہ دی جاتی تو سامعین کو شبہ ہوتا کہ شاید خدا کا نور بھی ایسا ہی ہوگا کہ اس پر نگاہ نہ جم سکے تو جنت میں بھی دیدار سے مایوسی ہوئی اور قمر سے اس لئے تشبیہ نہیں دی کہ اس کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ نور القمر مستفاد من نور الشمس[1] تو اس کی ساتھ تشبیہ دینے میں اس کا شبہ ہوتا کہ نورِ حق بھی کسی سے مستفاد ہے۔ پھر چراغ میں ایک صفت شمس وقمر سے زیادہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی منورہ ومنور بنا دیتا ہے کہ ایک گھنٹہ میں ایک چراغ سے ایک لاکھ چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور اس کے نور میں کچھ کمی نہیں آتی اور شمس وقمر سے دوسروں کو صرف روشنی پہنچتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ دوسری شے نورانی بن کر کسی اور کو بھی منور کر سکے۔ (اگر کہا جائے کہ آئینہ آفتاب یا چاند کے سامنے کیا جائے تو وہ خود بھی نورانی ہو جاتا ہے اور در دیوار کو بھی منور کر دیتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ محض واسطہ فی العروض ہوتا ہے واسطہ فی الثبوت نہیں ہوتا اور چراغ واسطہ فی الثبوت

---

[1] اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ نور قمر کا مستفاد من الشمس ہونا تو اہل علم ہی میں مشہور اور چراغ کے نور کا مستفاد ہونا دیا سلائی یا چقماق کی آگ سے ہر شخص کو مشاہد ہے اور خود نص میں اس کا ذکر ہے یکاد زیتها یضیء ولو لم تمسسه نار میں پس میرے خیال میں نور قمر سے تشبیہ نہ دینے کی توجیہ یہ کی جائے تو اچھا ہے کہ قمر میں محاق کا عیب ہے کہ کبھی ہلال ہے کبھی ور کامل ہے کمال کے بعد زوال ہے ولیس نور الله كذلك۔ نیز اصل سوال کا جواب سہل یہ ہے کہ نور شمس وقمر میں یہ نقص ہے کہ اس سے روشنی حاصل کرنے میں کسی کے کسب وطلب واختیار کو دخل نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور سے استفادہ کرنے میں کسب وعمل کو دخل ہے کہ جو کوئی اپنے قلب کو مثل زجاجہ کوکب دری کے صاف وشفاف کر لے اور اس میں ذکر اللہ وعشق اور اخلاق کا زیت مبارک بھر لے تو نور حق سے مستفید ومنور ہو جائے گا ورنہ نہیں پس اس کی مثال نور مصباح ہی ہے جس سے استفادہ وتنور باختیار وطلب عبد ہے۔ بالاضطرار علاوہ ازیں یہ کہ نور شمس وقمر گو اقوی ہے مگر اس کی طرف انسان کی احتیاج اسقدر حاضر فی الذھن نہیں جس قدر نور مصباح کی احتیاج حاضر فی الذہن ہے کیونکہ شمس وقمر کا طلوع وغروب عادت کے موافق خود ہوتا رہتا ہے بہت سے آدمیوں کو اس کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا اور نور مصباح کی ضرورت کی طرف ہر ایک کو التفات ہوتا ہے۔ رات کے وقت ہر شخص کو اس کی طلب ہوتی اور اس کی طرف التفات بھی ہوتا ہے۔ ہذا ما عندی وکل ذالک من قبیل النکات ولعل ہذا احسن واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ

ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ نورحق واسطہ فی الثبوت ہوتا ہے) مگر یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں کہ اس سے کوئی نعوذ باللہ دوسرا خدا تصنیف کرنے لگے مطلب صرف یہ ہے کہ نورحق دوسروں کو منور بھی کرتا ہے اور منور بھی گو دوسروں کی تنویر اس درجہ کی نہ ہو اور یہ بات چراغ ہی میں ہے شمس وقمر میں نہیں ہے اور یہ سب نکات ہیں مقاصد نہیں ہیں ہر شے کو اپنی حد پر رکھنا چاہئے اور چونکہ یہ نکات ہیں اس لئے علماء سے ان کے پوچھنے کا بھی کسی کو حق نہیں۔ اگر وہ خود بتلا دیں تو ان کا احسان ہے یہ چٹنی مربی ہیں اور دعوت پلاؤ زردہ کی ہوتی ہے چٹنی مربی کی دعوت نہیں ہوتی وہ تو غذا کو لذیذ بنانے کے لئے ہے خود مقصود نہیں یہ تفصیل آیت کی تفسیر میں تھی جو استطراداً مذکور ہوگئی مجھے اس آیت کے ذکر سے صرف یہ مقصود تھا کہ اس میں نورحق کو نور مصباح سے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ نور مصباح کو نورحق سے کچھ نسبت نہیں پس ثابت ہوگیا کہ تشبیہ کے لئے مشبہ بہ کا مشبہ سے اقویٰ لازم نہیں صرف اوضح واشہر ہونا شرط ہے پس درود شریف میں بھی جو صلوٰۃ محمدیہ کو صلوٰۃ ابراہیمیہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس کی بناء پر بھی اسی پر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر خاص رحمت صلوٰۃ کا نازل ہونا اس رویان میں مشہور تھا پس اس تشبیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ صلوٰۃ ابراہیمیہ صلوٰۃ محمدیہ سے افضل واکمل ہو۔ بہرحال شاہ صاحب نے حدیث کی شرح میں علم اعتبار کی اصل قرآن سے بتلائی ہے۔ ایک حدیث تو یہ تھی جس کے متعلق بیان ہو چکا۔

دوسری حدیث مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعمال جو لوگ کر رہے ہیں پہلے سے مقدر ہو چکے ہیں کہ کون کیا کرے گا ہر شخص ابتداً عمل کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بل[1] **شئی قضی علیھم ومضی فیھم وتصدیق ذٰلک فی کتاب اللہ عزّوجلّ ونفسٍ وّما سوّاھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔**

کہ نہیں بلکہ یہ وہ اعمال ہیں جو ان کے لئے پہلے ہی سے مقدر ہو چکے ہیں یہی وہ بات ہے جس کو ایک حدیث میں اس عنوان سے بیان فرمایا ہے۔

جفّ القلمُ بما ھُوَ کائنٍ۔ (جو کام ہونے والے مقدر تھے ان کے سبب قلم خشک ہوگئی) میں اس وقت تقدیر کا مسئلہ بیان نہیں کر رہا تا کہ شبہات کا جواب دوں ممکن ہے اس وقت کسی کے ذہن میں یہ سوال آیا ہو کہ جب سارے اعمال پہلے سے مقدر ہو چکے تو پھر عمل

---

[1] الصحیح لمسلم کتاب القدر: ١٠، تفسیر ابن کثیر ٨:٤٣٥، الدر المنثور: ٦:٣٥٦

صالح میں سعی کی کیا ضرورت ہے جو مقدر ہوگا ہو جائے گا یا یہ شبہ آیا ہو کہ جب پہلے سے سب کچھ مقدر ہو چکا ہے تو پھر کافر و فاجر کا کیا قصور ہے میں اس وقت چونکہ مسئلہ تقدیر کو حل نہیں کر رہا اس لئے ان شبہات کا جواب دینے کی مجھے ضرورت نہیں ہے (جس کو شوق ہو وہ اس مبحث کو تفسیر بیان القرآن کے شروع میں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِم (اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی) کی تفسیر میں دیکھ لے ۱۲)

مسئلہ تقدیر

ہاں اس وقت ایک بات کہتا ہوں جو مقنع ہے۔ (یعنی اس سے صاحب انصاف کو تسلی ہو جائے گی گو بحث کرنیوالا ساکت نہ ہو ۱۲) وہ یہ کہ اگر خدا تعالیٰ کے سامنے یہ جواب کافی ہے کہ ہم سے جو گناہ صادر ہوئے ہیں تو ہم کیا کرتے آپ نے مقدر میں یہی لکھ دیا تھا تو یہ جواب آپ کے غلام اور نوکر اور اولاد کی نافرمانی کے وقت بھی آپ کے مقابلہ میں کافی ہونا چاہئے جب غلام یا نوکر آپ کی نافرمانی کرے یا اس کے ہاتھ سے کوئی نقصان ہو جائے تو اس کو سزا ہرگز نہ دیا کرو بلکہ تقدیر کو کافی جواب سمجھا کرو کہ غریب معذور ہے اس کی تقدیر میں یہی عمل تھا۔ اسی طرح اولاد اگر تعلیم حاصل نہ کرے لڑکا اسکول سے بھاگتا ہو تو اس کو تنبیہ نہ کیا کرو بس صبر کرلو کہ اس کی تقدیر میں یہی ہے۔ یہ کیا بات کہ یہاں تو باوجود اعتقاد تقدیر کے آپ کو صبر نہیں آتا بلکہ اول پوری تدبیر سے کام لیتے ہو بچہ کو سزا دیتے ہو لالچ بھی دیتے ہو جب کوشش کرتے کرتے تھک گئے اس وقت تقدیر پر صبر و شکر کر کے بیٹھتے ہو اور خدا کے سامنے عذر تقدیر کو کافی جواب سمجھتے ہو اگر تقدیر پر بھروسہ کر کے دین کے اعمال سے بےفکری اختیار کی جاتی ہے اور اپنے کو بدعملی میں بےقصور سمجھا جاتا ہے تو دنیا کے کاموں میں بھی تدبیر کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اور اپنے ماتحتوں پر کسی غلطی کی وجہ سے گرفت نہ کرنا چاہئے ان کو بھی بےخطا بےقصور سمجھنا چاہئے۔ صاحبو! اس طریقہ کو چھوڑ و تم خدا تعالیٰ پر ہرگز الزام قائم نہیں کر سکتے بخدا وہ ہر مجرم شخص کو لاجواب اور قائل کر کے سزا دیں گے کسی کو ایسے حال میں سزا نہ دی جائے گی وہ اپنے کو بےقصور سمجھتا ہو۔

عمل کی اہمیت

پس تم باتیں نہ بناؤ باتوں سے کام نہ چلے گا۔ عمل ہی سے کام چلے گا۔ ارے اگر کسی کے لئے پھانسی کا حکم ہو گیا ہو تو اس کو بجائے پھانسی کے علت کی تحقیق کے اور اس علت میں شبہات کے مراحم خسروانہ کی تفتیش وتلاش کرنا چاہئے اس سے تو کچھ کام چلے گا پھانسی کی علت کی تحقیق سے کیا کام چل سکتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور افلاطون کا عجیب مکالمہ

مشہور ہے کہ افلاطون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر حوادث تیر ہوں اور آسمان کمان ہو اور تیرانداز حق تعالیٰ ہوں تو بچنے کی کیا صورت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تیرانداز کے پہلو میں جا کھڑا ہو پھر تیر سے بچا رہے گا کیونکہ تیر اسی کو ہلاک کرتا ہے جو اس کی زد پر ہو اور جو تیرانداز کے پہلو میں کھڑا ہو اس پر تیر نہیں پہنچتا۔ سبحان اللہ! عجیب جواب ہے جس کو سن کر افلاطون نے اقرار کیا کہ یہ جواب نبی کے سوا کوئی نہیں دے سکتا......صاحبو! پس تدبیر و تقدیر کے مسئلہ میں گفتگو نہ کرو۔

شبہات کا علاج صرف تعلق مع اللہ ہے

بلکہ حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو یہ وساوس وشبہات جبھی تک ہیں جب تک خدا سے تعلق نہیں اور تم عقل کے تابع ہو اس عقل کو فنا کرو خدا کی محبت اور انکا قرب حاصل کرو ؎

آزمودم عقل دور اندیش را ۔۔۔ بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(میں نے عقل دوراندیش کو آزمایا اس کے بعد اپنے آپ کو دیوانہ بنالیا)

اور خدا تعالیٰ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ خودرائی چھوڑ کر اپنے کو کسی صاحب محبت کے حوالہ کردو ؎

قال را بگذارد مرد حال شو ۔۔۔ پیش مرد کاملے پامال شو

سال باتو سنگ بودی دلخراش ۔۔۔ آزموں را یک زمانے خاک باش

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ۔۔۔ خاک شوتا گل بروبد رنگ رنگ

(قال چھوڑو، صاحب حال بن جاؤ، کسی شیخ کامل کے سامنے پامال ہو جاؤ، سالہا سال تم دلخراش پتھر بنے رہے کچھ عرصہ کے لئے خاک بن کر (متواضع ہو کر) دیکھ لو، موسم بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتے ہیں مٹی بن جاؤ تا کہ ان پر رنگ برنگ کے پھول اُگیں)

تم اپنی عقل پر ناز نہ کرو کیونکہ اہل اللہ کے سامنے تمہاری عقل ایک طفل مکتب سے بھی کم ہے بس اب تو عقل اس کو سمجھتے ہیں کہ چار پیسے کمانے کے قابل ہو گئے۔ بی اے، ایم اے ہو گئے۔ حالانکہ عقل وہ ہے جو خدا کو پہچانے جو اہل اللہ کو عطا ہوئی ہے پس ان کے سامنے اپنی عقل پر ناز کرنا ایسا ہے۔ جیسے مولانا فرماتے ہیں ؎

ناز را روے بباید ہمچو درد چوں نداری گرد بد خوئی مگرد

(ناز کے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے بدخوئی کے پاس بھی نہ جاؤ)

جب تم کو یہ عقل حاصل نہیں تو اہل اللہ کے سامنے اپنی دنیوی عقل پر ناز نکرو ؎

چونتو یوسف نیستی یعقوب باش ہمچو اوبا گریہ و آشوب باش

عیب باشد چشم نابیناؤ باز زشت باشد روی نازیبا و ناز

(جب تم یوسف (علیہ السلام) جیسے نہیں تو یعقوب (علیہ السلام) بن جاؤ اوران کی مانند گریہ وآشوب اختیار کرو (دردو طلب میں رہو)

تم اپنے کو جاہل مطلب سمجھ کر کسی محقق کے سپرد کر دو اس وقت تعلق مع اللہ کی دولت حاصل ہوگی پھر تعلق مع اللہ اور محبت باللہ کے بعد ان شبہات واعتراضات کا یہ حال ہوگا کہ

عشق آں شعلہ است کوچوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تیغ لا در قتل غیر حق براند در نگر آخر کہ بعد لاچہ ماند

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیتا ہے، لا الہٰ کی تلوار غیر اللہ کی ہلاکت کے لئے چلاؤ پھر لا الہٰ کے بعد دیکھو کیا رہ گیا، سوائے الا اللہ کے باقی سب فنا ہو گیا، اے عشق شرکت سوز تجھ پر مرحبا کہ سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیا)

تعلق مع اللہ کے بعد سب وساوس خود ہی چلے جائیں گے اسی لئے مولانا جوش میں آ

کر ایک مقام پر عشق کی زور شور سے مدح فرماتے ہیں ؎

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما　　　اے طبیب جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما　　　اے تو افلاطون و جالینوس ما

(اے عشق مرحبا تو ہمارے لئے بہترین جنون اور ہمارے سب بیماریوں کا طبیب ہے اے ہمارے نخوت و ناموس کی دوا اور اے تو ہمارے لئے افلاطون و جالینوس ہے)

اور اگر یہ حاصل نہیں تو یاد رکھو کہ ان باتوں سے اور دلیلوں سے کچھ کام نہ چلے گا۔

علماء و مشائخ کو تنبیہ

میں علماء سے بھی کہتا ہوں کہ آپ کی یہ تقریریں اور نکات و اسرار سب رکھے رہ جائیں گے اور سالکین سے بھی کہتا ہوں کہ یہ مواجید واز راق اور معارف و حقائق بدوں تعلق صادق کے سب بیکار ہیں۔

حضرت نوکر کا فیشن کام نہیں آتا کہ وہ بنا ٹھنا رہے اور یہ باتیں بنایا کرے بلکہ اس کی خدمت کام آتی ہے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت جنیدؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا:

نفدت الحقائق و العبارات و تعطلت الرموزو الا شارات وما نفعنا الا رکیعات فی جوف اللیل:

کہ ساری عبارتیں اور اسرار و نکات و اشارات غائب ہو گئے ان سے کچھ کام نہ چلا بس وہ چھوٹی چھوٹی چند رکعتیں کام آئیں جو آدھی رات میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ صاحبو! بڑی چیز یہ ہے کہ انسان اصل عمل اور مقصود کو لازم سمجھے اگر مقصود کے ساتھ غیر مقصود بھی حاصل ہو جائے تو نور علی نور ہے ورنہ کچھ نفع نہیں اگر مقصود حاصل نہ ہوا۔ آج کل غضب یہ ہے کہ علماء وصوفیہ سب غیر مقصود کے درپے ہیں۔ مقصود سے اکثر لوگ غافل ہیں بلکہ کوسوں دور ہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت مجھے تقدیر کے مسئلہ کا بیان کرنا مقصود نہیں تا کہ ان شبہات کا جواب دوں جو اس مسئلہ پر وارد ہوتے ہیں بلکہ اس وقت تقدیر کا ذکر اس سلسلہ میں آ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کے ذکر میں بھی علم اعتبار کا استعمال فرمایا ہے۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَنتُمُ فِي عَمَلٍ قَد فَرَغَ مِنهُ وَتَصدِيقُ ذٰلِکَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَنَفسٍ وَمَا سَوّٰهَا:

کہ جو اعمال تم کر رہے ہو یہ وہ ہیں جن سے فراغت ہو چکی ہے یعنی سب پہلے ہی مقدر ہو چکے ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس کی تصدیق قرآن میں موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَنَفسٍ وَمَا سَوّٰهَا:

قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اس کو پیدا کیا تا بمعنی من ہے۔

تفسیری نکتہ

اور یہاں نفس کے ساتھ قسم کو قسم بالرب پر جو مقدم کیا گیا ہے تو اس میں اشارہ ہو سکتا ہے اس امر کی طرف کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه کہ نفس بڑی چیز ہے یہ ہماری قسم کا مقسم بہ بننے کے قابل ہے تم اس کو پہچانو اگر اس کو پہچان لوگے تو ہم کو بھی پہچان لوگے چونکہ معرفت نفس وسیلہ ہے معرفت رب کا اس لئے نفس کی قسم کو مقدم کیا گیا جیسے مقدمہ ذکر میں مقدم ہوتا ہے گو مقصودیت میں مؤخر ہوا اور یہ یہی نکتہ ہے کوئی علم مقصود نہیں۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر کو بیان کرنے کے بعد صراحۃً یہ اشارہ فرمایا ہے کہ اس کی تصدیق کتاب اللہ کی اس آیت میں ہے پہلی حدیث میں یہ صراحت فقی صرف اتنی بات تھی کہ آپ نے مسئلہ تقدیر کے بعد ایک آیت کی تلاوت کی تو وہاں اس بات پر کہ مسئلہ تقدیر کو اس آیت کے مضمون سے مناسبت حاصل ہے صرف قرینہ حالیہ تھا اور یہاں قرینہ مقالیہ موجود ہے مگر اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں بھی تقدیر کے مسئلہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کی اور خالق نفس کی قسم کھائی ہے اور اس کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ: فَاَلهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقوٰهَا

کہ خدا نے نفس کو پیدا کر کے اس کو خیر و شر کا الہام کیا یعنی انسان کے نفس میں نیکی اور بدی کی دو طاقتیں فطرۃً رکھدی ہیں اس سے مسئلہ تقدیر کی تائید تصدیق کیونکر ہوئی۔

شاہ صاحب نے یہاں بھی وہی جواب دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی علم اعتبار کے طور پر تشبیہ دی ہے کہ جس طرح فجور و تقویٰ کا القاء ہوا ہے اسی طرح

اعمال کو مقدر بھی کر دیا ہے۔ پس بقول شاہ صاحب کے ان دو حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اعتبار کا استعمال فرمایا ہے بڑے شخص کے سر رکھ کر میں یہ کہہ رہا ہوں خود اتنی بڑی بات نہیں کہتا کیونکہ یہ بڑا دعویٰ ہے۔ اور اگر کوئی شخص شاہ صاحب کے قول کو نہ مانے تو میں اس سے کہوں گا کہ پھر وہ ان حدیثوں کی شرح کر دے یقیناً ان حدیثوں اور آیتوں میں وہ کوئی وجہ ربط نجرا سکے جو شاہ صاحب نے فرمایا بیان نہ کر سکے گا۔ یہ شاہ صاحب کا علم وہبی ہے میں نے ان حدیثوں کا ایسا حل کسی کے کلام میں نہیں دیکھا۔

استعمال علم اعتبار کا ثبوت

اب شاہ صاحب نے بڑے سے اسکو نقل کرتا ہوں وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں ان سے بھی علم اعتبار کا استعمال منقول ہے چنانچہ آیت اَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَسَالَت اَودِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحتَمَلَ السَّيلُ زَبَدًا رَابِياً۔

يُرِيدُ بِالمَاءِ الشَّرعُ والدِّينُ وَبالاَودِيَةِ القُلُوبُ.

کہ یہاں سے شرع اور دین اور اودیہ سے (بطور تشبیہ کے) قلوب مراد ہیں صاحب روح المعانی نے اس کو نقل کر کے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ تو صوفیہ کی تفسیر کے مثل ہے ابن عباسؓ ایسی تفسیر نہیں کر سکتے اس لئے یہ روایت غیر صحیح معلوم ہوتی ہے پھر بعد تسلیم صحت کے یہ توجیہ کی ہے:

اَنَمَا قَصَدَ اَنَّ قَولَهُ تَعَالیٰ كَذٰلِکَ يَضرِبُ اللّٰهُ الحَقَّ وَالبَاطِلَ مَعنَاهُ الحَقُّ يَتفَرُّدُ فِي القُلُوب الخ:

اور میں نے مسائل السلوک میں یہ توجیہ کی ہے کہ:

اَن صَحَّ ذٰلِکَ مَقصُودُ الخَيرِ مِنهُ الاِشَارَةُ:

اسی طرح ابن عباسؓ نے:

اِعلَمُوا اَنَّ اللّٰه يُحيِي الاَرضَ بَعدَ مَوتِهَا. (جان لو کہ اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو دوبارہ آباد کرتے ہیں)...... کی تفسیر میں فرمایا ہے:

لين القُلُوبُ بَعدَ مَوتِهَا وَاِلاَّ فَقَد عُلِمَ اَحيَاءُ الاَرضِ مُشَاهِدَةً:

یعنی یہاں ارض سے مراد مردہ قلوب ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتے ہیں ورنہ زمین کا

حال تو سب کو معلوم ہے۔ (یعنی اسکی حالت بتلانے کا اتنا اہتمام ضروری نہ تھا) یہ بھی علم اعتبار ہی ہے اور

وَالاَّ فَقَد عُلِمَ اِحیَاءُ الاَرضِ مُشَاھِدَۃً۔

سے تفسیر مشہور کی نفی کرنا مقصود نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اے مخاطب تجھ کو اس آیت میں ظاہری مدلول پر اکتفا نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ تو ظاہری ہے بلکہ اس سے قلوب کی حالت کی طرف انتقال کرنا چاہئے کہ دلوں کی بھی وہی حالت ہے جو زمین کی حالت مشاہد ہے۔ اور یہ روایات میرے رسائلہ مسائل السلوک میں مذکور ہیں ان آثار وغیرہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ علم اعتبار صوفیہ کی بدعت نہیں بلکہ نصوص میں اس کی اصل موجود ہے پس جو لوگ علم اعتبار کی رعایت کرنے میں صوفیہ پر زندقہ والحاد کا فتویٰ لگاتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ ہاں جو شخص اس کو قرآن کی تفسیر سمجھے اس کے زندقہ والحاد میں ہم کو بھی کلام نہیں۔

علم اعتبار کی حقیقت کی توضیح

بہرحال علم اعتبار کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مشبہ کو دوسرے مشبہ بہ سے واضح کیا جائے ثابت نہ کیا جائے بلکہ مشبہ ثابت بدلیل آخر ہے اور یہ نہ مجاز میں داخل ہے خواہ مجاز مرسل ہو خواہ استعارہ کیونکہ کنایہ میں موضوع لہ کے مراد نہ ہونے پر قرینہ ہوتا ہے اس لئے غیر موضوع لہ مراد ہوتا ہے اور یہاں نہ موضوع لہ کے غیر مراد ہونے کا کوئی قرینہ ہے نہ غیر موضوع لہ مراد ہے اور نہ یہ کنایہ میں داخل ہے کیونکہ کنایہ میں معنی موضوع لہ متروک نہیں ہوتے بلکہ کلام کا مدلول اصلی وہی موضوع لہ ہوتا ہے مگر مقصود اس کا لازم یا ملزوم ہوتا ہے جیسے **طَوِیلُ النَّجاد** کہ اس میں مدلول وضعی متروک نہیں مدلول کلام وہی ہے مگر مقصود طویل القامۃ ہے کیونکہ طویل النجاد کے لئے طویل القامۃ لازم ہے اور اعتبار میں وہ معنی نہ مقصود ہے نہ مدلول کلام ہے۔ پس یہ اعتبار گویا قیاس تصرفی ہے اور مشابہ ہے قیاس فقہی کے مگر ہمیں قیاس فقہی نہیں کیونکہ قیاس فقہی میں علت جامعہ مؤثر ہے حکم مقیس میں اس لئے وہ حکم منسوب الی القیاس ہوتا ہے یہاں یہ بھی نہیں صرف مقیس مقیس میں تشابہ ہے۔ اور اس مشابہت کو حکم میں کوئی اثر نہیں بلکہ وہ حکم خود مستقل دلیل سے ثابت ہے یہ حقیقت ہے علم اعتبار کی پس صوفیہ تو اس کے حدود سے نہیں نکلتے کیونکہ وہ معانی منقولہ کے نہ مدلولیت کے

منکر ہیں نہ مقصودیت کے اور جہلاء صوفیہ خود ان کے مدلولیت ہی کے منکر ہیں اور جدید تعلیم یافتہ مدلولیت کے تو منکر نہیں مگر مقصودیت کے مابین بلکہ مقصود معانی سیاسیہ ہی کو سمجھتے ہیں ان سب فرقوں کے سب فرقوں کو اچھی طرح سمجھ لو۔

اب سمجھئے کہ جس مضمون کو میں اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں وہ اس آیت کا نہ مدلول ہے نہ مقصود ہے بلکہ صرف اس کو اس کے مدلول سے مشابہت حاصل ہے پس یہ بیان اس آیت کے تحت میں بطور علم اعتبار کے ہوگا۔

آیۃ سے ماخوذ مضمون

وہ مضمون یہ ہے کہ آپ کو آیت کے ترجمہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر خلق ازواج میں بہت سی آیات ودلائل قدرت کا ہونا بیان فرمایا ہے تو میں کہتا ہوں کہ علاوہ ان دلائل وآیات کے جو مدلول ظاہری ہیں اس تعلق ازواج میں ایک اور بات بھی ہے جس سے ہم کو سبق لینا چاہئے۔

نکاح تعلق مع اللہ کی نظیر ہے

نکاح کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں غور کرنے سے آنکھیں کھلتی ہیں اور سالک کو سبق ملتا ہے کہ یہ تعلق نکاح کے معاملات تعلق مع اللہ کی بعض معاملات کے نظائر ہیں۔تو گویا معاملات نکاح میں ان معاملات پر بھی ایک طرح کی آیات ہیں کیونکہ نکاح کے اندر تین[1] درجے ہوتے ہیں۔

ایک درجہ عدم تعلق کا ہے کہ ابھی تک نکاح کا پیغام بھی نہیں دیا گیا بلکہ ذہن خالی ہے ایک (دوسرا) درجہ خطبہ کا ہے کہ پیغام دیا گیا اس درجہ میں قدرے تعلق ہوجاتا ہے (اس کے بعد ایک تیسرا درجہ ہے کہ پیغام دینے کے بعد پیغام منظور ہوگیا اور رشتہ قرار پا گیا اس درجہ میں پہلے سے زیادہ تعلق ہوجاتا ہے اور آپس میں لین دین آمدورفت ہدایا تحائف کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۱۲) ایک (چوتھا) درجہ اس کے بعد ہے جس کا نام نکاح ہوجانا اور وصول ہوجانا ہے یہ تو ظاہر ہے۔اب سمجھئے کہ یہی حال سلوک اور تعلق مع اللہ کا ہے وہاں بھی تین درجات ہیں ایک درجہ بے تکلفی کا ہے بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ کی طلب نہیں گو علم ہے تو یہ تو ایسا

---

[1] بلکہ چار ۱۲ اق [2] یہی وہ شبہ ہے جو وعظ الحدود والقیود کے بالکل آخیر میں ایک حاشیہ میں مذکور ہے ۱۲

ہے جیسا ہم کو یہ علم ہے کہ فلاں گھر میں ایک لڑکی ہے سوظاہر ہے کہ اس علم کا نام تعلق نہیں بلکہ تعلق طلب اور خطبہ سے شروع ہوتا ہے اسی طرح یہاں سمجھو کہ علم و معرفت قبل از طلب کو تعلق مع اللہ نہیں کہا جا سکتا اس کے بعد ایک درجہ یہ ہے کہ طلب پیدا ہوگئی اور کسی بزرگ سے (درخواست کی گئی کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے ملنے کا راستہ بتلاؤ اور اس نے راستہ بتلانا شروع کر دیا اور یہ راستہ پر چلنے لگا پھر کوئی ابتداء میں ہے کوئی وسط میں ہے یہ مشابہ خطبہ کے ہے (مگر ابھی تک اس کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی مجھ سے تعلق ہے یا نہیں اس کے بعد ایک درجہ یہ ہے کہ ادھر سے بھی اس کے ساتھ تعلق کا اظہار ہونے لگا اور رضا کے آثار و معاملات اس کے ساتھ ظاہر ہونے لگے یہ وہ درجہ ہے جو منظوری خطبہ کے بعد ہوتا ہے ۱۲)

ایک شبہ کا جواب

اسکے بعد ایک درجہ وصول کا ہے کہ نسبت مع اللہ عطا ہوگئی اور یہ شخص واصل بحق ہوگیا۔

اس پر شاید کسی کو یہ شبہ[۲] ہو کہ بارگاہ حق کی تو کہیں انتہا ہی نہیں جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست ہر چہ بروئے میرسی بروئے مالیست

(اے بھائی یہ بے انتہا درگاہ ہے جس درجہ پر پہنچو اس پر مت ٹھہرو آگے ترقی کرو)

اور ایک عارف کہتے ہیں ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

(محض دوڑنے سے طریق عشق ہرگز طے نہیں ہوتا اس لئے کہ مثل انگور کے کانٹے کے خود بخود بڑھتا ہے)

اور جب اس کی انتہا کہیں نہیں پھر وصول کے کیا معنی کیونکہ وصول تو محدود تک ہو سکتا ہے غیر محدود تک وصول کہاں ہوسکتا ہے۔ اور یہی وہ مضمون ہے جو پہلے وعظ میں بیان سے رہ گیا تھا۔ کیونکہ میں نے پہلے وعظ میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ شریعت میں ہر شئے کے لئے ایک حد ہے اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ تعلق مع اللہ کی تو حسب تصریح صوفیہ کوئی حد نہیں بلکہ یہ تعلق غیر متناہی ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ وصول کے دو معنی ہیں ایک وصول محدود ایک غیر محدود ہے۔

وصول کے دو معنی

تفصیل اس کی یہ ہے کہ تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے۔ ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہانتک کہ امراض سے شفا ہو گئی اور ذکر و شغل سے قلب کی تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہو گیا یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد جان گئے موانع مرتفع کر دیئے معالجہ امراض سے واقف ہو گئے نفس کی اصلاح ہو گئی اخلاق رذیلہ زائل ہو گئے اور اخلاق حمیدہ سے انوار ذکر سے قلب آراستہ ہو گیا اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی اعمال وعبادات میں سہولت ہو گئی نسبت اور تعلق مع اللہ حاصل ہو گیا تو سیر الی اللہ ختم ہو گئی۔ اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا تعلق سابق میں ترقی ہوئی اسرار و حالت کا ورود ہونے لگا یہ غیر محدود ہے یہی ہو تعلق ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے

بحر یست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست   آنجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

(بحر عشق ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں یہاں سوائے جان قربان کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں)

اور اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص سائنس کا امتحان دیتا ہے یہاں تک کہ پاس ہو گیا اور سند مل گئی تو اس وقت سیر الی سائنس ختم ہوئی۔ اس کے بعد سیر فی سائنس ہے کہ تحقیقات میں اضافہ ہوئی نئی باتیں منکشف ہوں اس کی کوئی حد نہیں چنانچہ اہل سائنس خود اس پر متفق ہیں کہ تحقیقات سائنس کا سلسلہ غیر محدود ہے۔ جب ایک دنیوی تعلق کا یہ حال ہے تو تعلق مع اللہ کا کیا حال ہوگا۔ دوسری مثال اور لیجئے کہ ایک کرہ جو اپنے مرکز سے الگ ہو گیا ہو اور وہ حرکت اینیہ کر کے مرکز پر پہنچ جائے تو اس وقت حرکت الی المرکز ختم ہوئی پھر اس کے بعد اپنے مرکز پر پہنچ کر وہ حرکت وضعیہ کرتا ہے اس کی کوئی حد نہیں اسی طرح یہاں سمجھو پس وہ شبہ جاتا رہا کہ جب بارگاہ حق غیر متناہی اور غیر محدود ہے تو وصول کے کیا معنی سو میں نے بتلا دیا کہ تعلق مع اللہ ایک معنی کے اعتبار سے محدود ہے یعنی سیر الی اللہ کے اعتبار سے اور اکثر اسی حد پر خلافت دی جاتی اور سالک کو مجاز بنایا جاتا ہے جیسا علوم ظاہرہ میں

ایک نصاب خاص کے ختم کرنے اور پاس کر لینے پر سند دی جاتی ہے یہ محدود ہے پھر آگے عمر بھر علوم میں ترقی ہوتی رہتی ہے یہ غیر محدود ہے اور ایک درجہ غیر محدود ہے اسی طرح یہاں تعلق کا محدود ہونا بھی صحیح ہے اور غیر محدود ہے بھی صحیح ہے (اور اسی کے مشابہ ایک سوال اور ہے کہ جب ہر شئے محدود ہے تو کیا ایمان بھی محدود ہے۔ جواب یہ ہے کہ ایمان کے حدود و قیود یہ ہیں کہ ذات کی کنہ کی تفتیش اور اس میں فکر نہ کرے ظنیات کو مدار اعتقاد نہ رکھے وغیر ذلک یہ سوال وجواب نظر ثانی میں زائد کیا گیا، یہ تو ایک شبہ کا جواب تھا اب میں کہتا ہوں کہ معاملہ نکاح سے ہم کو چند سبق لینا چاہئے کہ یہ دنیا میں نظیر ہے تعلق مع اللہ کی۔ اول یہ سبق ہو کہ جب تم ایک عورت کی طلب سے مستغنی نہیں ہو تو خدا کی طلب سے کیونکر مستغنی ہو گئے۔

ایکہ صبرت نیست از فرزند وں — صبر چوں داری زرب ذوالمنن

ایک صبرت نیست از دنیائے دوں — صبر چوں داری زنعم الما بدون

(اے بندہ خدا! جب تو اپنے اہل وعیال سے صبر نہیں کر سکتا تو اللہ سے کس طرح صبر کر سکتا ہے ،اے بندہ خدا جب تجھے کمینی دنیا سے صبر کرنے کی طاقت نہیں تو اللہ تعالیٰ سے کیونکر صبر کر سکتا ہے)

پھر جب کوئی شخص کسی عورت کو پیغام دیتا ہے تو اس وقت یہ سوچے کہ ایک عورت کی طلب کے لئے اس کو پیغام دینے میں کتنی کتنی باتوں کی رعایت کرنا پڑتی اور اس کی تلاش میں کیسی کیسی دقتیں اٹھانا پڑھتی ہیں کہ بقول عورتوں کے جوتیاں بھی گھس جاتی ہیں خط پر خط اور قاصد پر قاصد بھیجے جاتے ہیں اور لڑکی والا ہے کہ اشارہ کنایہ ہی کرتا رہتا ہے صاف طور پر تسلی نہیں کرتا پس حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق حاصل کرنیکا جن مشائخ کو ذریعہ بنایا جاتا ہے اگر وہ ایک دو دفعہ ٹالیں اور درخواست کے ساتھ ہی تم کو بیعت نہ کریں تو اس کو بھی تحمل کرنا چاہئے پھر خطبہ منظور ہو جاتا ہے تو اب یہ حالت ہے کہ ہدایا وتحائف سے اس کے اہل و خاندان کو راضی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان کی نامرضی سے پوری طرح بچتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ ہماری حالت کو دیکھ کر پیغام چھوڑ دیں تو ایسے ہی طلب حق کے بعد سالک کو رضائے حق میں سعی اور نامرضیات سے بچنے کا اہتمام بلیغ کرنا چاہئے پھر ایک اور بات بھی جو اس مجمع میں بیان کرنے کی نہ تھی مگر چونکہ مشہور ہے اس لئے بیان کرتا ہوں کہ جس

لڑکی کو پیغام دیا جاتا ہے گوابھی نکاح نہ ہوا ہو صرف پیغام ہی سے اس کو بھی اس شخص سے گو نہ تعلق ہو جاتا ہے جس نے اس کو پیغام دیا ہے ہم نے بعض واقعات ایسے سنے ہیں کہ پیغام چھٹنے پر جیسے لڑکے کو رنج ہوا لڑکی کو بھی رنج ہوا۔

سالک کو کیا تصور کرنا چاہیے

خیر یہاں تو یہ بات اکثر ہی ہے جس میں لزوم نہیں مگر طلب حق میں تو لزوماً عادۃ اللہ یہ ہے کہ جب کوئی ان کی طلب کرتا ہے تو وہ بھی اس کی طلب کرتے ہیں یعنی وہ بھی اس کے حال پر متوجہ ہو جاتے ہیں احادیث میں مصرح ہے۔

مَن تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبرًا تَقَرَّبتُ اِلَیهِ ذِرَاعاً ۔ الحدیث

(جو کوئی میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی طرف ایک گز بڑھتا ہوں۔)

پس سالک کو طلب میں سرگرم ہونے کے ساتھ یہ بھی تصور کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کو بھی میری ساتھ تعلق ہے وہ بھی مجھ کو چاہتے ہیں یہ مراقبہ مفید ہوگا اس سے محبت بڑھے گی ورنہ افسردہ ہو جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

آبِ کم جو تشنگی آور بدست   تا بجوشد آیت از بالا پست

آب ہم جو ید بعالم تشنگان   تشنگان گر آپ جو یند از جہاں

(پانی کی تلاش مت کرو بلکہ پانی کی پیاس پیدا کرو تا کہ پانی تمہارے لئے اوپر نیچے جوش مارنے لگے، اگر دنیا میں پیاسے پانی کی تلاش کرتے ہو تو پانی بھی دنیا میں پیاسوں کی تلاش کرتا ہے)

یعنی محبوب کو تم سے تعلق ضرور ہے اگر ان کو تعلق نہ ہوتا تو تم کو طلب ہی نصیب نہ ہوتی ؎

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق داں   کہ بہ نسبت ہست ہم ایں وہم آں

(جس عاشق کو دیکھو اس کو معشوق سمجھو اگر چہ نسبت دونوں طرف ہے)

مگر فرق اتنا ہے کہ ؎

عشق معشوق نہان ست   عشق عاشق بادوصد طبل و نفیر

(معشوق کا عشق نہاں اور پوشیدہ ہے اور عاشق کا عشق دوصد طبل اور نفیر کے ساتھ ہے)

میں ڈھنڈورا پیٹ دیتا ہے اور محبوب کا تعلق مخفی ہے مگر ہے تعلق دونوں طرف جیسا مشہور ہے عشق اول دردل معشوق پیدا می شود۔ (پہلے عشق معشوق کے دل میں پیدا ہوتا ہے)

عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

(کوئی عاشق ایسا نہیں جس کے دوست نے اس کے حال پر نظر نہ کی، اے خواجہ درد نہیں ورنہ طبیب موجود ہے)

یہ انہی کی محبت کا اثر ہے کہ تم بدوں دیکھے ہوئے انکے طالب ہو تم نے تو ان کو دیکھا بھی نہیں انہوں نے ہی تم کو اپنی محبت وطلب میں لگایا ہے یہ بڑی دلیل ہے ان کی محبت کی پس یہ تصور کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کو بھی میرے ساتھ تعلق ہے ؎

جوشش عشق ست کاندری فتاد آتش عشق ست کلذر نے فتاد

کر نبودے نالہ نے را اثر نے جہاں را پر نکر دے از شکر

یعنی حق تعالیٰ کی محبت اور تعلق کے آثار تمہارے اندر جو ہیں گو وہ خود مخفی ہیں مگر طالب کے ساتھ جو معاملات ہوتے ہیں جن کو طالب خود جانتے ہیں وہ معاملات وآثار بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بھی ان سے تعلق ہے اور اسی لئے تو ان کی شان الظاھر و الباطن ہے یعنی ذات سے باطن ہیں اور آثار سے ظاہر ہیں مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق من پیداو معشوقم نہاں یار پنہاں فتنہ اودر جہاں

(عشق میرا آشکار ہے اور میرا محبوب پوشیدہ ہے یار تو جہان سے باہر ہے مگر اس کا تصرف جہان کے اندر ہے)

ایک مقام شابہت تعلق نکاح اور تعلق مع اللہ میں یہ ہے کہ نکاح میں جب تک وصول نہیں ہوتا مشاطہ ودلالہ کی احتیاج ہے بعد حصول مقصود ومشاطہ ودلالہ کا دخل نہیں رہتا اسی طرح سلوک میں بعد انتہا شیخ کی حاجت نہیں رہتی اس وقت اس کا معاملہ براہ راست حضرت حق سے ہوتا ہے شیخ کی احتیاج نہیں رہتی بلکہ وہ خود مجتہد ہو جاتا ہے اس طرح خاص مجاہدات بھی حذف ہو جاتے ہیں۔ اسی کو فرمایا ہے خلوت وچلہ بردلازم نماند اور فرمایا ہے ؎

جلوہ بیند شاہ و غیر شاہ نیز　　وقت خلوت نیست جز شاہ عزیز

(بادشاہ جلوہ دیکھتا ہے اور غیر بادشاہ بھی جلوہ دیکھتا ہے، خلوت کے وقت بادشاہ کے سوا کوئی عزیز نہیں ہے)

البتہ شیخ کا شکر اس وقت بھی واجب ہوتا ہے اغراض یا اعتراض یا انکار سے مردود و مسلوب البتہ ہو جاتا ہے نکاح کے متعلق ایک تو یہ مضمون تھا جس کا بیان کرنا مجھے مقصود تھا کہ یہ تعلق نظیر ہے۔ تعلق مع اللہ کی ایک اور اثر نکاح کا ہے جس کو استطراداً بیان کرتا ہوں کہ وہ یہ کہ اب تک تو ان آثار سے سبق دیا گیا تھا جو مرد پر نکاح کے معاملہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔

نکاح کا جو اثر زوجہ پر ہوتا ہے اس سے بھی ہم کو سبق لینا چاہیے

اب نکاح کا ایک اور اثر جو لڑکی پر ہوتا ہے وہ یہ کہ نکاح سے پہلے تو لڑکی کا گھر وہ تھا جو اس کے ماں باپ کا گھر تھا اور اس کے دوست وہ لوگ تھے جو باپ ماں کے دوست تھے اور دشمن وہ تھے جو اس کے باپ ماں کے دشمن تھے مگر نکاح ہو جانے کے بعد ہی سے وہ کم عمر لڑکی جس کو دنیا کی ہوا بھی نہیں لگی آج ہی سے اپنی زندگی میں ایسا انقلاب عظیم کر لیتی ہے کہ آج سے اس کا گھر وہ ہے جو شوہر کا گھر ہے اور اس کا دوست وہ ہے جو شوہر کا دوست ہے اور دشمن وہ ہے جو اس کے شوہر کا دشمن ہے یہاں تک کہ اگر کبھی خدانخواستہ اس کے باپ اور شوہر میں جھگڑا ہو جائے تو عموماً دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی اپنے باپ کا ساتھ نہیں دیتی بلکہ اس کا گوشہ خاطر اس وقت بھی شوہر کی طرف ہوتا ہے۔ صاحبو! ایک کم عمر لڑکی اپنے شوہر کے تعلق کا یہ حق ادا کرتی ہے اور اس کی وجہ سے ایسا انقلاب اپنی زندگی میں کر دیتی ہے افسوس آپ مرد ہو کر خدا کے تعلق کا اتنا حق بھی ادا نہیں کرتے کہ خدا سے تعلق رکھنے والوں کو یگانہ و آشنا سمجھو اور جو اس سے بے تعلق ہو اس کو بیگانہ و ناآشنا سمجھو۔ خدا کے دوستوں کو اپنا دوست اور اس کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھو، افسوس آپ اس کم سن لڑکی سے بھی گئے گزرے۔

صاحبو! محبت کا یہ بہت بڑا حق ہے اس کو ادا کرو آج کل اس میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے بس آپ کی تو یہ شان ہونا چاہئے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد　　فدائے ایک تن بیگانہ کاشنا باشد

(ہزاروں عزیز واقارب جو حق سبحانہٗ تعالیٰ سے بیگانہ نہیں، اس ایک شخص پر قربان جائیں جس کو تعلق مع اللہ نصیب ہے)

میاں بیوی میں کبھی شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے

تعلق نکاح کا ایک اور اثر سنئے اور اس سے بھی سبق لیجئے کیونکہ واقعی یہ تعلق ایسا پاکیزہ ہے کہ بلاشبہ دنیا میں یہ تعلق مع اللہ کی نظیر ہے وہ اثر یہ ہے کہ میاں بیوی میں چاہے کیسی ہی لڑائی ہو جائے مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر پوری صفائی ہو جاتی ہے اور ایسی صفائی ہوتی ہے کہ پہلے رنج کا مطلق کوئی اثر باقی نہیں رہتا اس سے یہ سبق لیجئے کہ جب ایک تنگ ظرف کی یہ حالت ہے کہ محبت اور تعلق کے بعد اگر کچھ اس کو ناگواری پیش آ جائے تو ذرا سی دیر میں اس کو دل سے نکال دیتی اور دل کو صاف کر لیتی ہے کہ ذرا اس کے دل میں کینہ نہیں رہتا بلکہ مثل سابق بدستور شوہر کی خیر خواہ جان نثار ہو جاتی ہے تو کیا نعوذ باللہ اگر آپ سے تعلق مع اللہ کے بعد کوئی گناہ یا خطاء سرزد ہوگی تو بعد توبہ استغفار کے وہ تعلق کو بحال نہ کریں گے اور نعوذ باللہ تم سے کینہ رکھیں گے۔ حالانکہ وہ غیر متاثر ہیں کہ کسی کی نافرمانی ومخالفت سے ان کو بے اختیار ہو کر غصہ نہیں آتا۔ بلکہ ان کا غضب ورحمت سب اختیاری ہے پھر انکی شان یہ ہے۔ **سبقت رحمتی علی غضبی**[1] کہ رحمت غصہ پر غالب ہے تو کیا تم نے خدا کو نعوذ باللہ کم حوصلہ سمجھ لیا ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں پس اس کا تصور کیا کرو جیسے میاں بیوی میں شکر رنجی کے بعد بہت جلد صفائی ہو جاتی ہے یوں ہی حق تعالیٰ سے تعلق کے بعد اگر کچھ کوتاہی ہو جائے تو بعد توبہ ومعذرت کے وہ تعلق کو ویسا ہی بحال کر دیں گے اس کو سوچ کر دیکھو بہت نفع ہوگا۔

مرد بیوی کی باتوں کا بہت تحمل کرتا ہے

میاں بیوی کے تعلقات میں ایک بات یہ ہے کہ بعض دفعہ میاں کو بیوی کی جہالت ونادانی سے تکلیف بھی ہوتی ہے تو وہ تحمل کرتا ہے خاص کر بیوی محبوبہ بھی ہو تو اس کے ہر امتحان پر تحمل کیا جاتا اور اس کے نازنخروں کو برداشت کیا جاتا ہے پھر یہ کیا غضب ہے کہ حق

---

[1] مسند الحمیدی: ۱۱۲۶، اتحاف السادة المتقين ۸: ۵۵۶

تعالیٰ کے امتحانات کا تحمل نہ کیا جائے کہ اگر کبھی وہ بیمار کر دیں یا ماں کا نقصان کر دیں یا کسی عزیز کو موت دے دیں تو اس پر ناگواری ظاہر کی جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ظاہری تکلیف بھی نہ ہو اور طبعی رنج بھی نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ عقلاء کو رنج وشکایت نہ ہونا چاہئے بلکہ عقلا کو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ویسا ہی راضی اور خوش رہنا چاہئے جیسا انعامات اور راحت کے وقت خوش رہتے ہو مولانا فرماتے ہیں۔

تو بیک زخمے گریزانی زعشق   تو بخبر نامے چہ میدانی زعشق

(تم ایک ہی چرکہ میں عشق کو خیرباد کہنے لگے تم سوائے عشق کے نام کے اور کچھ نہیں جانتے)

ایک حکایت

مولانا نے اس مقام پر ایک شخص کی حکایت لکھی ہے کہ وہ ایک دلاک یعنی گودنے والے کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میری کمر پر شیر کی تصویر بنا دے اس نے ایک جگہ سوئی چبھوئی تو اس نے ایک آہ کی اور پوچھا کیا بناتے ہو کہا دم بنتا ہوں کہنے لگا دم کو رہنے دو یہ لُنڈ دراہی سہی اس نے دوسری جگہ سوئی چبھوئی اس نے پھر آہ کی اور پوچھا اب کیا بناتے ہو کہا کان بنا رہا ہوں کہنے لگا کان بھی رہنے دو یہ بوچا ہی سہی۔ اس نے تیسری جگہ سوئی لگائی اس نے پھر آہ کی اور پوچھا اب کیا کر رہے ہو کہا پیٹ بناتا ہوں کہنے لگا اس کو بھی رہنے دو اس شیر کو کھانا پینا تھوڑا ہی پڑے گا یہ بدوں پیٹ ہی کے سہی۔ اس نے چوتھی جگہ سوئی ماری۔ اس نے آہ کر کے پوچھا اب کیا بناتے ہو کہا سر بناتا ہوں۔ کہنے لگا سر بھی رہنے دو یہ بے سر ہی سہی دلاک نے جھلا کر سوئی پھینک دی اور کہا ؎

شیر بے گوش و سر واشکم کہ دید   اینچنیں شیرے خدا ہم نافرید

کہ بیوقوف! ایسا شیر بھی کسی نے دیکھا ہے جس کے نہ سر ہو نہ پیٹ ہو ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں پیدا کیا۔ مولانا اس پر فرماتے ہیں:

چوں نداری طاقت سوزن زدن   بس تو از شیر ژیاں ہم دم مزن

کہ جب تم کو ایک سوئی کی برداشت نہیں تو شیر کی تصویر کے طالب کیوں بنتے ہو؟ ؎

چوں بیک زخمے گریزانی زعشق   تو بخبر نامے چہ میدانی زعشق

جیسا کہ تم ایک ہی چر کہ میں عشق کو خیر باد کہنے لگے تو بس تم کو عشق کا نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے عشق کی تو تم کو ہوا بھی نہیں لگی۔ جو مضمون میں بیان کرنا چاہتا تھا۔ بیان کر چکا اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ پھر عرض کرتا ہوں کہ میں نے اس وقت نکاح کے آثار آپ کو اس لئے یاد دلائے ہیں تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ تعلق مع اللہ کی ایک نظیر دنیوی تعلقات میں موجود ہے پس آپ کو اللہ تعالیٰ کی طلب کم از کم اس طرح تو کرنا چاہئے جس طرح نکاح میں بیوی کی طلب کرتے ہو اور اس کے آثار سے تعلق مع اللہ میں سبق حاصل کرنا چاہئے پس یہ بڑی آیت اور نشانی ہے جو تعلق نکاح میں عبرت حاصل کرنیوالوں کے لئے موجود ہے۔

نکاح کا تکوینی راز

اس کے بعد میں ایک تکوینی راز نکاح کا بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بندہ کا کمال یہ ہے کہ وہ مظہر اتم حق تعالیٰ کا بن جاوے سو بدوں نکاح کے یہ مظہریت اتم نہیں ہوتی کیونکہ حق تعالیٰ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ اِذَا اَرَادَ شَیْئاً فَاِنَّمَا یَقُولُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْن۔
کہ وہ جب کسی چیز کو بنانا چاہتے ہیں تو اس سے کہہ دیتے ہیں ہو جا تو وہ فوراً پیدا ہو جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ بدوں احتیاج اسباب کے محض ارادہ ہی سے جس چیز کو چاہتے ہیں پیدا کر دیتے ہیں اور اس شان کا ظہور بندہ میں نکاح ہی سے ہوتا ہے کہ بچہ کے پیدا ہونے میں بھی بندہ بھی زیادہ اسباب کے اہتمام کا محتاج نہیں بے مشقت ایک فعل کیا اور اگر کوئی عارض نہ ہوا حمل رہ گیا اور بچہ بن گیا۔ گو واقع میں یہاں بھی اسباب ہوتے ہیں مگر وہ اسباب ایسے نہیں ہیں جن کی تلاش اور فکر کی ضرورت ہو، بس اب میں ختم کر چکا۔

ماخذِ مضمون

چونکہ اس وقت یہ اجتماع ایک نکاح کی تقریب میں ہوا ہے اس لئے تقریب کے سلسلہ میں نکاح ہی کے آثار سے میں نے یہ مضمون اخذ کیا تا کہ لوگوں کو اس سے سلوک اور

تعلق مع اللہ میں سبق ملے اور تقریب محض دنیوی تقریب نہ رہے بلکہ جب اس سے سبق دین کا لیا جائے گا تو یہ دینی تقریب بن جائے گی۔ اگر میں اس مضمون کے متعلق یہ بھی کہوں کہ میں نے اس پر اس آیت میں جو لفظ آیات ہے اس کے عموم سے استدلال کے لئے تو کہہ سکتا ہوں مگر میں حد ظاہری سے بھی تجاوز نہیں کرتا۔ میں صاف کہتا ہوں کہ فی ذالک لآیات سے نکاح کے اندر جن دلائل کا وجود بتلایا گیا ہے یہ مضمون اس میں صراحۃً داخل نہیں بلکہ میں نے اس کو صرف علم اعتبار کے طور پر بیان کیا ہے۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور توفیق عمل عطا فرمائیں:

وَصلّٰی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیرِ خَلقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَولَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِین وَاٰخر دعوانَا اَنِ الحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ۔

اشرف علی ۲۷ / رجب ۴۸ھ